هٰذَا كِتَابُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُم بِالْحَقِّ

دُرِّ مقصود

یعنی

احوالِ مہدی موعود سلام اللہ علیہ من رب المعبود

مؤلفہ و مرتبہ

خان بہادر مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی

رئیس کوآتھ ضلع شاہ آباد (آرہ)

مؤلف

اسوۃ الرسول۔ السیدہ۔ سراج المبین۔ سرو چمن۔ ذبح عظیم۔ صحیفۃ العابدین۔ ماٰثر الباقریہ۔ آثار جعفریہ۔ علوم کاظمیہ۔ تحفۂ رضویہ۔ تحفۃ المتقین۔ سیرۃ النقی۔ العسکری۔ دُرِّ مقصود احوال المہدی موعود سلام اللہ علیہ من رب المعبود۔

حسب فرمایش

فاضل نبیل۔ واعظ عدیم المثیل۔ عمدۃ المتکلمین۔ زبدۃ المحدثین۔ ذوالذہن الوقاد و الطبع النقاد مروج شریعت خیر المرسلین ناشر فضائل اہلبیت طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین البارع الجید الحبر المؤید جناب مولنا المولوی الحکیم حاجی السید مقبول احمد صاحب کربلائی

اعلی اللہ مقامہ

در مطبع یوسفی دہلی باہتمام حکیم ... منصب علی خاں ... طبع شد
۱۹۳۲ء

قیمت دو روپیہ آٹھ آنے

چودہ معصوم

ان ہادیان برحق کی پاک و پاکیزہ زندگی کے مفصل حالات و سوانح ہمارے قول و عمل
نمونہ ہیں۔ ان کی مقدس سیرت کے مفصل حالات سے اسلامی دنیا آج تک خالی پڑی تھی۔ الحمد
سب سے پہلے مقبول پریس کو حاصل ہوا جس نے چودہ کے چودہ معصومین کی سوانح کا مق
وہ متبرک سلسلہ ہے خان بہادر مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی رئیس کو
سالہا سال عمر عزیز صرف کر کے بڑی جانکاہی اور عرق ریزی سے اچھے عنوان شائستہ
کہ مسلمان تو مسلمان اقوام غیر کے صاحبانِ علم بصیرت نے قدر کی نگاہوں سے دیکھا یہانتک کہ
اور لائق زبان دانوں نے اس سلسلہ کی بعض کتابوں کو انگریزی اور دوسری زبانوں میں

ترجمہ کرنیکی خواہش

ظاہر کی اور مصنف موصوف سے اجازت چاہی۔ زبان و طرز بیان اتنا سلیس کہ بآسانی
سمجھ سکے ہر مذہب و ملت والے کے سامنے ان سوانح عمریوں کو پیش کر دیجیے۔ سوائے خوبیوں
اعتراض کی گنجائش نہ ہوگی پس کوئی اسلامی گھر تو کم از کم اس مقدس ذخیرہ سے خالی نہ ر
حامیان ملت اور ذی ہمت احباب کا فرض ہے کہ اس سلسلہ کی تمام کتابوں کو ہر ہر مذہب و ملت
تک پہنچانے میں سعی بلیغ سے کام لیں تاکہ اسلام جیسے پاک و مقدس مذہب کی حقانیت ہر مذہب
آشکار ہو جائے اور اس طرح تبلیغ و اشاعت دین کا اہم فرض بھی خوبی کے ساتھ ادا ہو تا

اس متبرک سلسلہ کا مہیا کرنا

ہمارا فرض تھا۔ اب توسیع و اشاعت آپ کا فرض ہے سبھی پڑھا کرکے داخل حسنات

نیازمند

مینیجر مقبول پریس موری دروا

ین کتاب دُرِّ مقصود یعنی سوانح عمری جناب امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام

مضامین	صفحہ
	١
ـعادت کے متعلق حالات	٢
ں خاتونؑ کی سرگذشت	٣
ں خاتون علیہ السلام اور جناب سکری علیہ السلام	٧
ادت کے متعلق قدرتی آثار	٩
ادت کے متعلق زائچہ	١٥
ت سے مشرف ہونیوالے حضرات	٢٣
عادت سے بعد کے حالات	٢٨
ت کا زمانہ	٣٤
ری کی ضرورت اور اُس کی	٣٥
ظام امامت	٤٠
ن دحاجزین کے حالات	٤١
بین کے نام اور مقام ماموریت	٤٢
ظام امامت کے متعلق چند	٤٤
ت کے دوسرے نظام	٦٠
یت اور احیائے سنت	٦٧
سنت کا زمانہ	٧٨
ں خاتون سلام اللہ علیہا کی	٨٠
ں صاحب الزنج کے حملات	″
ر تواب کی غلط فہمی کے حالات	٨١
ر مظالم اور شیعوں کے مصائب	٨٤
ہدویت کے دعویدار	٨٧
ں ولادت کا قائل تھا	٨٨

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
٢٤	شیعوں کی بربادی اور جناب صاحب الامر علیہ السلام کی مزید احتیاط	٩٠
٢٥	والدہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام	٩٢
٢٦	المعتضد باللہ کی سلطنت	٩٦
٢٧	قرامطہ کے حالات اور ان کے عروج کی کیفیت	٩٧
٢٨	ابوسعید جبائی رئیس قرامطہ کی عمر بن عباس کی رہائی دینے کے وقت تقریر	٩٨
٢٩	دوسرے درویشوں کے حالات	١٠٢
٣٠	ابوسعید جبائی	١٠٣
٣١	فرقہ فاعیہ	″
٣٢	حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام کی امن پسندی پر مفصل بحث	١٠٤
٣٣	حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام سے فرقہ ہائے درویشان کی ارادت	١٠٧
٣٤	جناب امام آخر الزماں علیہ السلام کی نسبت درویشوں کے عقائد	١٠٨
٣٥	معتضد باللہ اور جناب قائم آل محمد کے ساتھ مخالفانہ برتاؤ	١٠٩
٣٦	قاضی یوسف اور معتضد کو فہمائش	١١٠
٣٧	جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے ساتھ معتضد کی مخالفت	١١٢
٣٨	اس زمانہ میں جناب صاحب الامر علیہ السلام کے قیام کی حالت	١١٣
٣٩	رشیق معتضد کا رفیق اور جناب صاحب الامر علیہ السلام کی گرفتاری	١١٤
٤٠	معتضد کی بار دیگر مخالفانہ کوشش	١١٦

نمبر	مضامین	صفحہ
۴۱	نظام امامت میں مزید احتیاط	۱۲۰
۴۲	معتضد کی وفات اور مکتفی باللہ کی حکومت	۱۲۱
۴۳	مکتفی باللہ کی حکومت	۱۲۳
۴۴	ملک حجاز پر قرامطہ کی تاخت	۱۲۴
۴۵	ذکرویہ رئیس قرامطہ اور غارت خانہ کعبہ	۱۲۶
۴۶	مرمت حرم محترم و نصب حجر الاسود	۱۲۸
۴۷	جناب قائم آل محمد علیہ السلام اور نصب حجر الاسود	〃
۴۸	نصب حجر الاسود اور ابن ہشام کا چشمدید واقعہ	۱۳۱
۴۹	مقتدر باللہ کی بار اول سلطنت	۱۳۵
۵۰	المرتضیٰ باللہ کی چند روزہ حکومت	〃
۵۱	مقتدر کی دوبارہ حکومت	۱۳۶
۵۲	منصور حلاج کے حالات اور اُس کا قتل	〃
۵۳	منصور حلاج اور شیعہ پبلک کو اغوا	۱۴۰
۵۴	منصور حلاج اور شیعیان قم	۱۴۲
۵۵	مقتدر کی آخر حکومت میں امرائے سلطنت کا فساد	۱۴۴
۵۶	قاہر باللہ کا فوری عزل	〃
۵۷	مقتدر کی پھر تخت نشینی اور اُس کا فوری قتل	۱۴۵
۵۸	قاہر باللہ کی بار دیگر حکومت	۱۴۷
۵۹	قاہر کے مظالم اور مقتدر کی ماں کی گرفتاری	۱۴۸
۶۰	قاہر سے امرائے سلطنت کا بگاڑ اُس کے نتیجے	〃
۶۱	قاہر کے عادات و خصائل	۱۴۹
۶۲	الرّاضی باللہ کی سلطنت	〃
۶۳	راضی اور قاہر کے مال اور دولت کی ضبطی	۱۵۰
۶۴	غیبت صغریٰ کا اختتام اور کبریٰ کا آغاز	۱۵۱
۶۵	جناب صاحب العصر علیہ السلام پر اتہام اور غیبت کبریٰ کے وقوع کے اسباب	۱۵۳
۶۶	نیابت امام علیہ السلام اور شریعی کا اتہام	۱۵۴
۶۷	محمد ابن نصیر نمیری اور نیابت کا دعوٰی	۱۵۵
۶۸	احمد ابن ہلال اور نیابت کا دعوٰی	۱۵۶
۶۹	ابوطاہر محمد ابن علی ابن ہلال اور نیابت کا دعوٰی	〃
۷۰	محمد ابن علی شلمغانی اور نیابت کا دعوٰی	۱۵۸
۷۱	ابراہیم ابن مہزیار رحمۃ اللہ علیہ سے جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی گفتگو	۱۶۵
۷۲	غیبت کبریٰ میں امام علیہ السلام کی رؤیت	۱۷۰
۷۳	غیبت کبریٰ میں رویت کے واقعات	۱۷۱
۷۴	غیبت کبریٰ میں رؤیت امام کے متعلق اور واقعات	۱۷۶
۷۵	علی ابن فاضل کی سرگزشت	۱۷۸
۷۶	غیبت کبریٰ میں مشرف بزیارت ہونے والوں کے نام اور ان کی سکونت کے مقام	۱۹۵
۷۷	وجود جناب صاحب الامر علیہ السلام کے متعلق اور دلائل	۱۹۷
۷۸	عالمان شریعت کی طرح رہبران طریقت کے عقائد	۲۰۲
۷۹	جناب قائم آل عبا علیہ السلام اور	

نمبر	مضامین	صفحہ
	طولِ بقاء	۲۱۵
۸۰	ابی الدنیائے مغربی - معمر مغربی کا حال	۲۱۹
۸۱	عبداللہ یمنی کے حالات	۲۲۲
۸۲	شیخ بابا رتن کے حالات	"
۸۳	ایک حاکم ساحل ہند	"
۸۴	ابوالحسن کاتب کا چشمدید واقعہ	۲۲۳
۸۵	عمر ابن ربیعہ ابن کعب	۲۲۴
۸۶	زہیر ابن جناب	"
۸۷	عبید ابن سرید جرہمی	۲۲۵
۸۸	ابن دریا ازدی	"
۸۹	شق کاہن عربی	۲۲۶
۹۰	اوس بن ربیعہ	"
۹۱	عبید ابن ابرحی	"
۹۲	مستوعی ابن ربیعہ ابن کعب	"
۹۳	شریۃ ابن عبداللہ جعفی	"
۹۴	عوف ابنِ کنانہ کلبی	۲۲۷
۹۵	ذوالاصبع عدوانی	"
۹۶	جعفر ابن قبط	"
۹۷	عامر ابن طرب عدوانی	"
۹۸	محقن ابن غسام ابن عمر ابن قطیعہ زبیدی	"
۹۹	سیفی ابن ریاح	"
۱۰۰	قس ابن اساعدہ	"
۱۰۱	ربیع ابن ضیع فزاری	"
۱۰۲	ابوطمحانِ قلینی	۲۲۸
۱۰۳	عبدالمسیح ابن بصلہ	"
۱۰۴	عمر ابن عامر ابن مزتقانی	۲۲۹
۱۰۵	ریان ابنِ دومغ فرعون مصر اور جناب قائم علیہ السلام کی بشارت	۲۲۹
۱۰۶	معمرین فارس	۲۳۱
۱۰۷	آپ کی پیشینگوئی کے متعلق جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں	۲۳۲
۱۰۸	ذکر دجال علیہ اللعن والعذاب	۲۳۳
۱۰۹	محمد ابن محمد الشافعی صاحب کفایۃ الطالب کے دلائل	۲۴۰
۱۱۰	جناب امام آخرالزمان علیہ السلام کے متعلق اہل سنت کی حدیثیں	۲۵۰
۱۱۱	حافظ ابونعیم صاحب حلیۃ الاولیاء کی مصدقہ احادیث	۲۵۵
۱۱۲	حضرت عیسیٰ اور جناب امام مہدی علیہ السلام دو جداگانہ بزرگ ہیں۔	۲۵۶

تمام شد

فہرست مضامین کتاب

دُرِّ مقصود

مطبوعہ

مقبول پریس موری دروازہ دہلی

سنہ ۱۳۵۳ھ

مختصر فہرست کتب مقبول پریس موری دروازہ دہلی

مقبول کتب حدیث اردو ۔ لواعج الاحزان جلد اول ہے جلد دوم عہ۔ ذائقہ ماتم ۸ عہ۔ ابواب المصائب ۹ر۔ تذکرۃ الطاہرین جلد اول عہ جلد دوم عہ۔ توضیح عزا عہ۔ سفینۃ البکا عہ۔ قلزم ماتم عہ۔ معراج النثر عہ۔ چہاردہ مجالس المعروف بہ تاریخ الائمہ عہ۔ سراج غم جلد اول عہ دویم عہ سویم عہ۔ بحر المصائب عہ۔ ینابیع المصائب عہ۔ سفینۃ الشہدا ۱۰ر۔ مصائب الابرار عہ۔

مقبول مرثیہ جات ۔ انتخاب المراثی ۵ر۔ بے نقط مراثی ۴ر۔ مراثی نگار عہ۔ نوائب کربلا ۱۰ر۔ تفسیر الم جذبات غم عہ۔ اشک غم ۱۰ر۔ زندان شام ۱۰ر۔ ماہ کامل عہ۔ رزم بزم عہ۔ حدیقۂ ماتم ۸ عہ۔ صبر جمیل ہر دو جلد عہ۔ دیار حسینؑ ہے۔ ریاض ہشیم عہ۔ تصویر وفا عہ۔ شمشیر انتقام ۲ر۔ شاہ غم لو آسلے۔ مرثیہ جات میر انیس جلد اول ۸ عہ جلد دویم ۲ عہ جلد سویم عہ جلد چہارم ۸ عہ۔ مرثیہ جات مرزا دبیر جلد اول عہ جلد دویم عہ۔ مرثیہ جات مونس جلد اول عہ دویم ۸ عہ سویم ۸ عہ مرثیہ جات ضمیر جلد اول عہ۔ مرثیہ سکہ رواں ہے ضرب شجاعت کا دہر میں عہ۔ مرثیہ بزم نور ۸ر۔ مرثیہ زینبؑ سے جدا ہوتے ہیں شبیر سفر میں ار۔ مرثیہ یار و غم و اندوہ کو غمخوار سے پوچھو ار۔

مقبول سلام ۔ ریاض دار سلام ۵ر۔ بزم ماتم ۱۲ر۔ گلدستۂ فضا ۷ر۔ نوائب کربلا ۱۰ر۔ عطر کلام اعنی مجموعہ سلام ۸ر۔ مجموعۂ سلام گلزار جنت ۴ر۔ مجموعہ سلام ۲ر۔ ہدیہ مسلم ار۔ غم معصومینؑ ۲ر۔ مرغوب زماں ار۔ بیاض واجد بلگرامی ۱۰ر۔

مقبول نوحہ جات ۔ نوحہ جات تغیر ہر دو حصہ عہ۔ بیاض نوحہ جات سلیس ۴ر۔ بیاض ہنر ۲ر۔ مرقع غم ۸ر۔ نوحہ جات شعرا لکھنؤ ۱۰ر۔ بیاض واجد بلگرامی ۱۰ر۔ تیر و نشتر ۸ر۔ بیاض نوحہ جات متین عہ دعہ۔ بیاض نوحہ جات جدت ۳ر۔ جام شہادت ہر سہ حصہ ہے۔ نئی بیاض مقتل شبیرؑ ۸ر۔ بیاض مقتل شبیرؑ حصہ دوم ۵ر۔ کربلائے ماتم ۷ر۔ نوحہ جات ناشادی قاسمؑ ۲ر۔ پنجابی ماتمی نوحے ۳ر۔ بیاض ماتم ۵ر۔ سقائے سکینہؑ ۲ر۔ نوحہ جات امام حسینؑ کی آخری نماز ۲ر۔ نوحہ جات انہدام جنت البقیع ۲ر۔ گلدستہ ماتم ۱۰ر۔ مرقع غم ۸ر۔ نوحہ جات طاعون ۲ر۔ تابوت شاہ نجف ار۔

مقبول رباعیات ۔ مجموعہ رباعیات ۸ر۔ شیعہ قومی رباعیات ۳ر۔ سعی مشکور ۲ار۔

قرآن شریف مقبول ترجمہ ۔ ہدیہ ۸ عہ للعہ۔ تفسیر مقبول یعنی ضمیمہ معہ انڈکس ہدیہ سے روعہ۔ مجلد حمائل شریف مقبول ترجمہ ہدیہ سے روعہ۔ رحمۃ للعالمین حصہ اول ہدیہ ۸ عہ حصہ دوم للعہ۔ تاریخ احمدی ہدیہ للعہ۔ رسولؐ کی نماز ار۔ خانہ زاد خدا ۲ار۔ اہلبیتؑ ۳ر۔ حدیث شریف کسا ۲ر۔ دعائے مشلول ۲ر۔ دعائے کمیل ۲ر۔ اوراد مقبول ۲ر۔ دعائے عمل ام داؤد ۲ر۔ دعائے سباسب ۲ر۔ اسم اعظم ۲ر۔ اعمال عاشورا و اربعین ۲ر۔ اعمال ماہ رمضان ۲ر۔ مقبول پرائمر حصہ اول ۳ر۔ حصہ دویم ۲ر۔ حصہ سویم ۲ر۔ حصہ چہارم ۲ر۔ حصہ پنجم ۲ر۔ رسالہ ذہبیہ فی اسرار علوم طبیہ ۲ر۔ دہر۔

مقبول کتب مناظرہ ۔ قول دشمن ۱۲ر۔ جام جہاں نما ۱۲ر۔ زیر طبع۔ شرح کنز مکتوم ۱۲ر۔ الآیات ۱۲ر۔ عطر ایمان ۵ر۔ نور ایمان عہ۔ آئینہ حق نما ۲ر۔ کل عباسی ۱۲ر۔ صراط مستقیم ۲ر۔ پاکیزہ خیال ۲ر۔ سرمۂ خاموشی ۱۲ر۔ کلید مناظرہ ۸ عہ۔ بحث بدا ۲ر۔ اعجاز داؤدی عہ۔ آفتاب خلافت ۵ر۔ انوار الہدیٰ ۱۲ عہ۔ دافع وہم ۷ر۔ فلسفۂ شہادت ۴ر۔ دلچسپ مکالمہ ۴ر۔ مشعل ہدایت ۵ر۔ زیر طبع۔ رسالہ حنیفہ ۸ر۔ رسالہ سجادیہ ۱۰ر۔ تصویر غالبؑ و مغلوب ۸ر۔

لاجواب کتب ۔ راہ نجات ۲ر۔ مقدمہ جونپور ۸ر۔ تجویز جوڈیشلی ۲ر۔ قومی ترانہ ۱۰ر۔ صحیفۂ فضا ۴ر۔ گلدستۂ مومنین عہ۔ شفیع محشر ۸ عہ۔ چودہ ساغر ۸ر۔ تہذیب اسلام ۸ ہے۔ زائچہ تقدیر عہ۔ مسئلہ تقیہ ۲ر۔ صحیفۃ المومنات ۲ر۔ السیف الیمانی علی المسیح القادیانی ۸ر۔ نظم مکرم ۲ر۔ خمسۂ جودت معہ مناجات بدرگاہ کبریا ۲ر۔ دعائے نور ۲ر۔ علامات قیامت ۱۰ر۔ معجزہ امامؑ ار۔ قمر بنی ہاشم عہ۔ شب معراج عہ۔ شہید امت ۶ر۔ خون نابۂ دل عہ۔ نور ساطع ۸ر۔ تفسیر عمدۃ البیان ہر سہ جلد ارد و سولہ روپیہ۔ شبیہ پیغمبر عہ۔ اسباب النجات ۸ر۔ استخارہ سجادیہ مجلد ۵ر۔ اسنی المطالب ۸ر۔ الایمان عہ۔ تاریخ اعثم کوفی اردو للعہ۔ نیرنگ فصاحت للعہ۔ تحفۃ العوام عہ و عہ دعہ۔ حرز المومنین ۸ عہ۔ رسالہ امت یزید ۵ر۔ ذخیرہ مناقب معہ ہفت بند کاشی ۱۰ر۔ وظائف الابرار عہ مجلد ۸ عہ۔ سوانحعمری امیر مختار ۸ عہ۔ شیعہ دینیات کورس ۶ر۔ صحیفہ کاملہ سجادیہ ۸ عہ۔ لئالی مخزونہ ار۔ مناجات شر ار۔ راہ جنت ار۔ جامع عباسی بست بابی اردو ۱۲ عہ۔ پاک صابون فی بکس ۳ ٹکیہ ۱۲ر۔ مقبول منجن ۴ر تولہ۔ مقبول سرمہ ۴ر تولہ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَاٰلِہِ الْمَیَامِیْنَ ۝ اسم مبارک آپ کا **محمدؐ** کنیت آپ کی **ابوالقاسم** اور مشہور ترین القاب خلف الصالح ۔ القائم المنتظر ۔ الحجۃ ۔ صاحب الزماں اور المہدی ہیں چنانچہ امام ابن حجر صواعق محرقہ میں تحریر فرماتے ہیں ۔

اسمہ محمد کنیتہ ابو القاسم لقبہ خلف الصالح والمنتظر وصاحب الزماں ویسمی القائم ۔ قیل کان یستتر وغاب فلم یعلم ویعرف این ذھب ۔ آپ کا اسم مبارک محمد ۔ کنیت ابوالقاسم ۔ آپ کا لقب خلف الصالح ۔ منتظر اور صاحب الزماں ہے ۔ اور قائم کے اسم گرامی کے ساتھ بھی موسوم ہیں کیونکہ یہ مشہور ہے کہ آپ پوشیدہ ہو گئے اور چھپ گئے اور یہ کسی نے نہ جانا کہ کہاں تشریف لیگئے ۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہمنام ہونے کی نسبت فریقین نے اتفاق اختیار کیا ہے ۔ چنانچہ سنن ابو داؤد میں زرا بن عبداللہ سے مروی ہے ان اسمہ اسمی ۔ محمد بن طلحۃ الشافعی نے بھی کفایۃ المطالب میں اس حدیث کو پوری تفصیل کے ساتھ مندرج کیا ہے ۔ اور حافظ ابراہیم ابن ازہر تقینی کے اسناد سے اس میں اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ اسم ابیہ کا سم ابی ۔

آپ کی ولادت باسعادت جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات سے پانچ برس پہلے واقع ہوئی ۔ یا یوں سمجھ لینا چاہئے کہ آپ کا سن مبارک اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے وقت پانچ برس کا تھا ۔ چنانچہ ابن حجر صواعق محرقہ میں مندرجہ بالا عبارت لکھ کر آگے تحریر کرتے ہیں ۔ وعمرہ عند وفات ابیہ خمس سنین لکن اتاہ اللہ فیھا الحکمۃ ۔ آپ کی عمر تو آپ کے والد بزرگوار کی وفات کے وقت پانچ برس کی تھی لیکن خدائے سبحانہ وتعالیٰ نے اسی عمر میں آپ کو حکمت عطا فرمائی تھی ۔ یہی عبارت خواجہ محمد پارسائی فصل الخطاب میں اور امام قندوزی بلخی نے ینابیع المودہ میں تحریر فرمائی ہے ۔

ولادت باسعادت کے متعلق حالات

ولادت باسعادت آپ کی بمقام سر من رائے میں واقع ہوئی ۔ شب پانزدہم ماہ شعبان ۲۵۵ھ نماز صبح کے وقت رونق افروز عالم ہوئے ۔ فصل الخطاب میں مرقوم ہے وکان مولدہ لیلۃ النصف من شعبان سنۃ

خمس وخمسین ومأتین ہ آپ نیمۂ شعبان ۲۵۵ھ کو پیدا ہوئے آپ کی والدۂ گرامی قدر کا اسم مبارک **نرجس خاتون** سلام اللہ علیہا تھا۔ خاتون مقدسہ کے حالات ذیل میں قلمبند کئے جاتے ہیں۔ وہو ہذا۔

شیخ طوسی علیہ الرحمۃ سلیمان بن بشیر بردہ فروش کی زبانی جو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے تحریر فرماتے ہیں کہ میں شہر سامرہ میں جناب امام علی نقی علیہ السلام کے ہمسایہ میں رہتا تھا اور برابر خدمت مبارک میں حاضر ہو کر کسب فیوض وارشاد کیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کو میری ذات پر کمال اعتبار اور میری بات پر وثوق واعتماد کلی حاصل ہو گیا۔ ایک دن آپ کا خادم خاص کافور نامی میرے پاس آیا اور کہا کہ تم کو حضرت امام علی نقی علیہ السلام یاد فرماتے ہیں۔ یہ سنتے ہی میں نے فوراً اپنے کپڑے پہنے اور بلاتامل اس کے ساتھ ہو لیا۔ درِ دولت پر پہنچا تو دیکھا کہ ایوانِ معلے میں آپ اپنے صاحبزادے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں۔ اور پس پردہ آپ کی ہمشیرۂ معظمہ جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام بھی تشریف فرما ہیں۔ جب میں آپ کے سامنے آیا تو تسلیم عقیدت بجالایا۔ جواب سلام عنایت فرما کر مجھ سے ارشاد کیا کہ میں نے تم کو اس لئے بلایا ہے کہ تم اولاد انصار میں سے ہو۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک تم لوگوں کے دل میں ہم اہلِ بیت علیہم السلام کی ولایت ومحبت قائم ہے۔ اور ہمیشہ سے تم لوگ ہمارے معتمد ہو۔ اسی بنا پر تم کو اس وقت اپنے ایک خاص راز سے مطلع کرتا ہوں اور تم کو فی الحال ایک ایسے شرف خاص سے مشرف کرتا ہوں جس کی وجہ سے تم کو تمام افراد شیعہ پر ترجیح لازم آجائے گی۔ وہ راز مبارک اور شرف مقدس یہ ہے کہ میں تمہیں فی الحال ایک کنیز مول لینے کے لئے بھیجتا ہوں۔ اتنا فرما کر آپ نے مجھے وہ تھیلی جس میں دو سو بیس اشرفیاں تھیں اور ایک خط عنایت فرمایا جو زبان رومی میں لکھا ہوا تھا اور تاکید کر دی کہ یہ کیسہ اور یہ خط لیکر فوراً بغداد چلے جاؤ۔ وہاں صبح کو پہنچو گے۔ دوپہر کو بغداد کے پل پر کھڑے ہو جانا تھوڑی دیر میں اہل بربر کی کشتیاں آئیں گی۔ اُن میں کنیزیں بھی ہوں گی۔ خلیفۂ عصر کے وکلا اُن کی خریداری کے شوق میں ٹوٹ پڑیں گے۔ تم تامل کرنا اور ٹھہرے رہنا اور اپنے مقام سے اس بردہ فروش کو جن کا نام عمر ابن یزید ہے نہایت ہوشیاری اور رازداری سے وکلاء شاہی کی آنکھیں بچا کر اپنے پاس بلانا اور اس سے باتیں کرنا۔ یہانتک کہ وہ بردہ فروش اپنی تمام کنیزوں میں سے اس کنیز خاص کو جس کا یہ چہرہ اور سراپا ہے (جناب نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کا تمام حلیہ بتلا دیا۔) اور ریشم کا موٹا بنا ہوا کپڑا پہنے ہے اور وہ خریداروں کو اپنی طرف نظر کرنے سے برابر منع کرتی ہوگی۔ خریداروں کے دکھانے کیلئے کشتی سے باہر لائے گا۔ اس بردہ فروش کی یہ حرکت اُسے بُری معلوم ہوگی اور زبان رومی میں وہ اُسے کہتی ہوگی کہ وائے ہو تجھ پر کہ تو مجھے نامحرموں کے سامنے لاتا ہے۔ اسی اثنا میں ایک شخص کہے گا کہ میں اس کنیز کی قیمت تین سو اشرفیاں دیتا ہوں اور اس کو خریدتا ہوں کہ اس کی عفت وحیاداری نے مجھ کو اس کی خریداری پر بیساختہ آمادہ اور مستعد کر دیا ہے اس کی تقریر سن کر وہ جواب دیگی کہ اگر تجھکو جناب سلیمان علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے ایسی ساری مملکت ملجائے اور تو اُن کی پوری شان وشوکت میں ہو کر میری خواستگاری کرے تاہم میں تیرے جاہ وحشمت اور مال ودولت پر کوئی رغبت نہ کروں اور نہ تیرے ساتھ کوئی تعلق پیدا کرنے پر راضی ہوں۔ برائے خدا میری خریداری سے باز آ۔ اور اپنا مال ضائع نہ کر۔ اس کنیز کی یہ تقریر سن کر وہ خریدار علیحدہ ہو جائے گا۔ وہ بردہ فروش (عمر ابن یزید) خود اُس کنیز سے پوچھے گا کہ بتلا اب توہی بتا کہ میں اب تیرے بیچنے کی کیا تدبیر کروں۔ کیونکہ تو تو کسی خریدار سے راضی ہی نہیں ہوتی۔ تب وہ کنیز خود اس کو جواب دے گی کہ تم کیوں گھبرائے جاتے ہو خدا چاہتا ہے تو ایسا خریدار جس کی دیانت اور امانت پر مجھے پورا وثوق اور اعتبار رہو

اور میں اُس کے ساتھ لے۔ بیع پر راضی ہو جاؤں آیا جاتا ہے ذرا سا اور صبر کر۔ جب اس کنیز کا تم یہ کلام سُن لینا تب میرا خط اُس بردہ فروش کو حوالہ کر دینا اور کہنا کہ ایک شخص نے جو تمام عرب کے اشرف ترین اقوام و قبائل سے ہے یہ خط تیرے نام لکھا ہے اور اس میں اپنی کرم و سخاوت اور فضل و شرافت لکھی ہے۔ تم کو لازم ہے کہ یہ خط پڑھکر اُس کنیز کو دے دو کہ یہ بھی پڑھ لے۔ اگر یہ کنیز اس خط کے کاتب کے ساتھ راضی ہو جاوے تو میں اُن کی طرف سے اس کی خریداری کا مختار مجاز ہوں۔

میں آپ کی تمام و کمال تقریر سُنکر اور کیسۂ زر اور آپ کا خط لیکر سامرہ سے روانہ ہوا۔ اور شہر بغداد کے پُل پر پہنچا اور جو جو آپ نے ارشاد فرمایا تھا ایک ایک کر کے وہ سب ظہور میں آیا۔ یہانتک کہ میں نے آپ کا نامہ اس بردہ فروش کو دیا اور اُس نے پڑھکر اس کنیز کے حوالہ کر دیا۔ جب اُس نے اُس خط کو پڑھا تو بہت روئی اور بردہ فروش سے کہا کہ مجھکو بلا تامل اُس کے ہاتھ بیچ ڈال۔ اور پھر اس کنیز نے بہت سی قسمیں کھائیں اور اپنی بیع پر اس بردہ فروش سے اتنا زور دیا اور کہا کہ اگر تو مجھے اس شخص کے ہاتھ نہ بیچے گا تو میں اپنے آپ کو اسی وقت ہلاک کر ڈالونگی۔ اس کی تقریر سُنکر بردہ فروش نے مجھ سے کہا کہ اب تمہارے ہاتھ اس کنیز کے بیچ ڈالنے میں مجھے کیا عذاب ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد میں نے اس کی تصفیہ اور قیمت پر بردہ فروش سے گفتگو کی یہانتک کہ جو قیمت جناب امام علی نقی علیہ السلام نے مجھے دی تھی اُسی پر وہ شخص راضی ہو گیا۔ وہ روپیہ دیا میں نے اُس کنیز کو خرید لیا وہ نہایت شاد و مسرور ہو کر میرے ہمراہ ہو گئی وراس مکان تک آئی جسے میں نے بغداد میں اپنے کاروبار تجارت کی ضرورت سے عرصہ سے خرید رکھا تھا۔ میں نے اس کو دیکھا کہ وہ بار بار حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے خط کو نکال کر چومتی ہے اور پے درپے اُس کو اپنی آنکھوں سے لگاتی ہے۔ جب میں نے اس کے اخلاص و اشتیاق کو یہانتک پہنچا ہوا پایا تو میں نے اُس سے پوچھا کہ تم خط کو اپنی آنکھوں سے کیوں بار بار لگاتی ہو اور چومتی ہو حالانکہ تم اس کے کاتب کو جانتی تک بھی نہیں ہو؟ یہ سن کر اُس نے میری طرف تعجب کی نگاہوں سے دیکھا اور کہا اے جاہل کم معرفت اب مجھسے ذریت فرزندان و اوصیائے پیغمبران سلام اللہ علیہم اجمعین کی حقیقت کان لگا کر سُن لے میں اپنی روئداد تجھ سے اِس وقت کہے دیتی ہوں ✢

جناب نرجس خاتونؑ کی سرگزشت

واضح ہو کہ میں قیصر روم کے لڑکے یشوعا کی بیٹی ہوں اور میرا نام ملیکہ ہے اور میرے ماں باپ دونوں حضرت شمعون الصفا وصی جناب عیسیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ میرے دادا قیصر رومی نے چاہا تھا کہ مجھے میرے چچازاد بھائی سے بیاہ دے میری عمر اس وقت تیرہ سال کی تھی۔ اس بنا پر اس نے میری شادی کا انتظام اپنے خاص اہتمام سے اپنے خاص قصر شاہی میں کیا۔ حوارئین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تمام ذریات۔ علمار شریعت اور تمامی عمائد و اراکین سلطنت اور سات سو دیگر عہدہ داران ملکی و مالی اور اسی قدر افسران جنگی اور چار ہزار دیگر قبائل و عشائر کے اور لوگوں کو جمع کیا اور بہت بڑی آرائش اور زیب و زیبائش میں تمام قصر شاہی آراستہ و پیراستہ کئے گئے اور ایک تخت بیش بہا اور پُر تکلّف عروس کے لئے تیار کیا گیا۔ اس تخت کے چالیس پائے تھے اور اس میں بہت سی تصویریں چھپاں تھیں اس پر میں اور میرا چچازاد بھائی دعروس نوشاہ بٹھلائے گئے اور علمار کو حکم دیا گیا کہ مراسم تزویج کا آغاز کریں۔ اُن علمائے نے حکم پاتے ہی انجیل کی جلدیں اپنے ہاتھوں میں اٹھالیں اور چاہتے تھے کہ اس میں سے احکام مناکحت کا آغاز کریں کہ ایک بارگی وہ تمام تصویریں جو آویزاں اور چسپاں تھیں

گر پڑیں اور اس تخت کے چالیسوں پائے مڑ مڑا کے ٹوٹ گئے۔ یہ کیفیت دیکھکر علماء کے ہوش اُڑ گئے۔ تمام اعضاء کانپنے لگے۔ اور اُن میں سے ایک معمّر کبیر السن شخص نے میرے دادا سے کہا کہ اے قیصر! ہم لوگوں کو اس امر کی تکمیل سے معاف رکھا جائے کیونکہ اس کے انعقاد سے ایسی منحوس باتیں ظہور میں آئیں جو مذہب عیسائی کے زوال کو بہت جلد آنے والا بتلا رہی ہیں۔ میرے دادا نے بھی اس وقوعہ کو فال بد خیال کر کے علماء کو حکم دیا کہ اس تخت کو پھر از سرِ نو آراستہ و پیراستہ کر کے تیار کریں اور نوشاہ اول کی جگہ اس کے بھائی کو میرے ساتھ بیاہ دیں۔ جب قیصر روم کے حکم کے مطابق دوبارہ قصر کی زیب و زینت کی گئی اور اس کے دوسرے بھائی کو تخت پر بٹھا کر علمائے دینی نے جونہی چاہا کہ مراسم تزویج کا آغاز کریں کہ پردۂ غیب سے پھر ویسے ہی سامان جیسے کہ پہلے ہو چکے تھے عام مشاہدے میں آئے۔ اس بھائی کی نحوست اُس بھائی سے بھی زیادہ ثابت ہوئی۔ لیکن تاہم کوئی شخص اُس کے اصلی مدعا تک نہ پہنچا۔ کیونکہ یہ امور اُن کی ہدایت کی غرض سے تھے نہ اُن دونوں بھائیوں کی نحوست کی وجہ سے۔ بہر حال جب ان آثارِ یزدانی اور آیاتِ ربانی کے مشاہدے سے سب لوگ متفرق ہو گئے اور میرا دادا قیصر رومی بھی محزون و خوفناک ہو کر اپنی محلسرا میں چلا گیا تو میں بھی اپنی خلوت سرا میں پہنچا دی گئی۔ اور میں اپنے فرش خواب پر جاتے ہی فوراً سو گئی۔ میں نے ایک بارگی عالم رؤیا میں دیکھا کہ جناب مسیح و شمعون علی نبینا وآلہ وعلیہما السلام مع دیگر حواریین تشریف لائے ہیں اور میرے دادا کے قصر میں وہیں جہاں تخت عروسی بچھایا گیا تھا ایک نور کا منبر نصب کیا گیا ہے۔ اسی اثناء میں جناب رسول خدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وصی و داماد حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے ہمراہ تشریف لائے ہیں۔ ان کے ساتھ اور آئمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین مجتمع ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضرت مسیحؑ آپ کے استقبال کو آگے بڑھ گئے اور اپنے ہاتھ آپ کے گلوئے مبارک میں ڈالدیئے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ اے روح اللہ! میں اسی لئے آیا ہوں کہ ملیکہ تمہارے وصی شمعونؑ کی دختر بلند اختر کو اپنے فرزند ارجمند کے ساتھ نامزد کر دوں۔ اور اس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگشت مبارک سے اشارہ ماہ برج خلافت و امامت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی طرف کیا۔ آپ کا یہ اشارہ دیکھکر میں نے ان کو اچھی طرح پہچان لیا۔

بہر حال آپ کا یہ ارشاد سُنکر جناب عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے حضرت شمعونؑ سے فرمایا کہ اب اور کیا چاہتے ہو؟ دونوں جہان کے تم کو شرف حاصل ہوئے۔ اپنی دختر کو جناب رسول خدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ارجمند کے ساتھ تزویج کر دو۔ حضرت شمعونؑ نے فرمایا کہ میں نے بدل و جان اسکو قبول و منظور کیا۔ اس کے بعد جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے سامنے میرا عقد جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ پڑھ دیا۔ تمام فرزندان حضرت رسول خدا علیہ السلام اس پر گواہ ہوئے۔

جب میں یہ خواب دیکھکر بیدار ہوئی تو اپنی جان کی ہلاکت اور آپس کی شماتت کے خوف سے کسی ایک سے بھی اس کا ذکر نہ کر سکی بلکہ اس گنجینۂ بشارت کو میں اپنے صندوق سینہ میں امانت رکھے رہی۔ مگر اس خورشید امامت کی گرمیٔ محبت میرے دل میں روز بروز مشتعل ہوتی رہی اور میں دردِ فراق میں کسی طرح صبر و تحمل نہیں کر سکتی تھی۔ یہانتک کہ کھانا پینا مجھپر حرام ہو گیا۔ روز بروز چہرہ متغیر اور جسم لاغر ہوتا گیا۔ مملکت روم کے تمام باشندوں میں کوئی طبیب کوئی حکیم ایسا نہیں چھوڑا جس سے میرا علاج نہ رجوع کیا گیا ہو مگر کوئی فائدہ مترتب نہ ہوا۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر میرے دادا نے ایک دن مجھ سے پوچھا کہ اے میری نور چشم! دنیا کی جو حسرت تیرے دل میں باقی رہی جاتی ہو اُسے مجھ سے کہدے کہ وہ میں تیرے لئے مہیا کر دوں۔ میں نے کہا کہ اے دادا! خوشی کے دروازے میرے لئے

بند ہو چکے اگر مسلمان قیدیوں کو آپ اپنے قید خانہ شاہی سے رہا فرمادیں تو مجھے یقین ہے کہ اس کارِ حسنہ کے صلے میں حضرت مسیح اور ان کی مادر گرامی قدر علیٰ نبینا و آلہ وعلیہما السلام مجھ کو صحت و عافیت عنایت فرمائیں اُس (قیصر روم) نے میری سفارش کو قبول کرلیا۔ اور اسی وقت تمام مسلمان قیدیوں کو اپنے قید خانہ سے چھوڑ دیا۔

دو ہفتہ کے بعد میں نے پھر عالمِ رویا میں دیکھا کہ بہترین زنان عالمیان جناب سیدہ طاہرہ صدیقہ کبریٰ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا حورانِ جنت کی ایک معتد بہ جماعت کے ساتھ تشریف لائی ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام بھی ان کے ہمراہ ہیں۔ جناب مریم ع نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ تمہارے شوہر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی مادرِ والاشان ہیں۔ اتنا سُننا تھا کہ میں ان کے دامن سے لپٹ گئی۔ اور زار زار رونے لگی اور شکایت کرنے لگی کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام اس وقت تک مجھ سے کراہت رکھتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت سیدہ ع نے ارشاد فرمایا کہ میرا فرزند ابھی تیرے پاس کیسے آسکتا ہے کیونکہ تم تو اس وقت خدا کی ذات واحد میں شریک لازم سمجھتی ہو۔ اور مذہب ترسایان رکھتی ہو۔ ابھی تک میری بہن جناب مریم بھی اسی وجہ سے تم سے ناراض ہیں۔ اب اگر تم خداوند عالم جناب عیسیٰ و حضرت مریم علیٰ نبینا و آلہ وعلیہما السلام کو خوشنود اور راضی کرنا چاہتی ہو اور اس کی بھی خواہش رکھتی ہو کہ میرا فرزند ارجمند (حضرت امام حسن عسکری) تمہارے دیکھنے کو تمہارے پاس آئے تو تم اپنی زبان سے کہو اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ آپ کے یہ ارشاد ہدایت بنیاد سنتے ہی میں نے فوراً کلمہ طیبہ اپنی زبان پر جاری کیا۔ اس کلمہ کے سنتے ہی جناب صدیقہ طاہرہ نے مجھ کو اپنے سینۂ اقدس سے لگا لیا۔ اور مجھے تسلی و تشفی دے کر ارشاد فرمایا کہ اب تو البتہ مومنہ کاملہ ہوگئی اور اب فرزند ارجمند میرا تیرے دیکھنے کو ضرور آئیگا۔

اس خواب کے دیکھنے کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور میں برابر اس کلمہ مبارکہ کی مزا ولت کرتی رہی۔ دوسری رات کو عالم رویا میں پھر میں دیکھتی ہوں کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام تشریف لائے ہیں اور ایک منادی مجھے ندا کرتا ہے کہ اے ملیکہ اے تیرا نصیب روشن ہوا۔ تو جن کی منتظر تھی وہ تیرے دیکھنے کو تشریف لائے میں نے آپ کی خدمت میں عدم توجہی کی شکایت کی تو ارشاد کیا کہ تم اس وقت تک مشرکہ تھیں۔ یہی سبب تاخیر کا تھا جسے تم عدم توجہی سمجھتی ہو۔ الحمدللہ اب تم کامل الایمان ہو۔ اب ہر شب میں تمہارے دیکھنے کو آسکتا ہوں۔ جب تک کہ خدائے قادر مطلق ہم تم کو ایک جا کردے۔

بشیر ابن سلیمان انصاری کا بیان ہے کہ اتنا سُن کر میں نے جناب ملیکہ سے پوچھا کہ پھر اس وقت آپ مقید ہو کر کیسے آئیں تو آپ نے اپنی بقیہ سرگزشت کو خاتمہ تک یہ کہکر پہنچایا کہ ایک شب کو حسب معمول حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام تشریف لائے تو مجھ سے ارشاد کیا کہ تمہارا دادا قیصر روم فلاں روز بلاد اسلامیہ پر ایک لشکر روانہ کریگا۔ اور خود لشکر کے پیچھے روانہ ہوگا۔ اس وقت تم شاگرد پیشہ والوں کی جماعت میں چھپ کر ملجانا کہ تم کو کوئی نہ پہچانے۔ میں نے آپ کے ارشاد کے موافق تعمیل حکم کی۔ اتفاق سے مجھے اول مسلمانوں کے ہراول لشکر ملے اور انھوں نے مجھے گرفتار کرلیا۔ اور آلِ کار میری تمام سرگزشت کا یہ ہے جو تم اپنی آنکھوں سے اس وقت دیکھ رہے ہو اور سوائے تمہارے اب تک کوئی دوسرا شخص میرے حال سے واقف نہیں ہے کہ میں قیصر روم کی لڑکی ہوں۔ اب سنو یہ پیر مرد کہ جس کے حصہ میں میں آئی ہوں اس نے مجھ سے میرا نام پوچھا تو میں نے قیصر روم کے حفظ اعزاز کے خیال سے اس کو اپنا نام نرجس بتلا دیا ہے۔ یہ نام سنتے ہی اُس نے میری فوراً تصدیق کرلی اور کہا کہ ہاں ایسا ہی نام کنیزوں کا ہوتا ہے۔ بشیر کا بیان ہے کہ میں نے آپ کا سلسلۂ بیان کاٹ کر کہا کہ آپ ملک روم کی رہنے والی ہو کر پھر ایسی فصیح و سلیس عربی بولتی ہو اسکا

کیا باعث آپ نے جواب دیا کہ چونکہ میرے دادا قیصر روم کو میرے ساتھ مفرط درجہ کی محبت تھی اور ہمیشہ اس کی تمنائے دلی تھی کہ میں اچھی اور کامل طور پر تعلیم پاؤں۔ اس لئے اس نے بڑی تلاش سے ایک معلمہ میری تعلیم کو نوکر رکھی جو عربی اور رومی دونوں زبانوں سے پوری ماہر تھی۔ وہ دونوں وقت قصر شاہی میں آکر مجھے دونوں زبانوں کی تعلیم دیتی رہی بشیر ابن سلیمان کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں آپ کی رکاب میں بغداد سے روانہ ہو کر شہر سامرہ میں پہنچ گیا اور جناب امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے اس خاتون معظمہ کو دیکھتے ہی ارشاد فرمایا کہ خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ نے تمہارے دل پر دین اسلام کی فضیلت اور ترجیح بمقابلہ دین نصاریٰ کے کیسے ظاہر فرمائی نرجس خاتون نے عرض کی یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آپ مجھ سے تمام روئداد کو بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری دلی خواہش یہ ہے کہ میں دین و دنیا میں تمہارے مدارج و مراتب اور زیادہ وسیع و رفیع کردوں اور اس کے متعلق تم سے دو باتیں مجھے کہنی نہایت ضروری ہیں۔ اب تمہیں اختیار ہے دونوں باتوں میں سے جسے تم چاہو اختیار کرو۔ ایک امر تو یہ ہے کہ میں تمہیں دس ہزار اشرفی اسی وقت دیتا ہوں اور آزاد کئے دیتا ہوں اور تمہیں اختیار دیتا ہوں جہاں چاہو چلی جاؤ۔ دوسرا امر یہ ہے کہ میں تمہیں ایک بشارت ابدی سناتا ہوں جو تمہارے مقدر ہونیوالی ہے۔ جناب نرجس خاتون سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ مجھے دولت دنیا کی مطلق خواہش باقی نہیں ہے میں آپ کے لبہائے مبارک سے اس بشارت روحانی اور ودیعت ربانی کے سننے کی مشتاق اور متمنی ہوں اور کچھ نہیں۔ حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا کہ اے دختر نیک اختر! تیرے بطن سے ایک فرزند صالح اور نیکوکار عالم پیدا ہوگا اور بشارت ہو تجھکو کہ وہ ایسا نیکو طالع ہوگا جو مغرب و مشرق کا بادشاہ ہوگا اور زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھردے گا جس طرح کہ وہ پہلے ظلم و جور سے بھری ہوگی انہوں نے کہا کہ یہ فرزند صالح کس شخص کی صلب سے ہوگا ارشاد ہوا کہ اس شخص سے جس کے لئے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تمہاری خواستگاری فرمائی تھی۔ پھر پوچھا کہ تمہیں یاد ہے کہ جناب مسیح علی نبینا و آلہ و علیہ السلام و حضرت شمعون علیہ السلام نے کسی کے ساتھ تمہارا عقد کیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ کے صاحبزادے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ۔ آپ نے فرمایا کہ تم انہیں پہچانتی ہو۔ جناب نرجس خاتون علیہا السلام نے فرمایا کہ ہاں۔ جس شب کو جناب سیدۃ نساء العالمین سلام اللہ علیہا میرے دیکھنے کو تشریف لائیں اور مجھے دولتِ اسلام سے مشرف فرمایا۔ اس کے بعد کوئی شب ایسی نہیں گزری ہے کہ آپ میرے پاس تشریف نہ لائے ہوں۔ یہ سن کر امام علیہ السلام نے اپنے خادم کافور کو بھیجکر جناب حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کو بلا بھیجا وہ تشریف لائیں تو آپ نے اُن سے ارشاد فرمایا کہ اے بہن۔ لو! یہ وہی ذی قسمت اور صاحب عفت خاتون ہے جس کا ذکر میں تم سے قبل میں کرچکا ہوں کہ یہ سن کر اس خاتون معظمہ نے مجھ (نرجس) کو اپنی آغوش میں لیلیا۔ اور بکمال فرحت و مسرت میرے ساتھ نوازش و الطاف کا اظہار فرمایا۔ یہ دیکھکر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اب آپ انہیں اپنے ہمراہ لیتی جائیں اور ان کو عقائد حقّہ اور اصول شریعت غرّا تعلیم فرمائیں اور احکام فرائض و سنن کے تدارک بتلائیں یہ زوجہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام و مادر حضرت قائم آل عبا علیہ التحیۃ والثنا ہے۔ جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام حضرت نرجسؑ کو اُسی وقت اپنے مکان میں لے گئیں اور برابر اپنے ہمراہ رکھنے لگیں۔

حضرت نرجس خاتونؑ اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام

جناب شیخ کلینی اور ابن بابویہ نور اللہ مرقدہما نے جناب حکیمہ

خاتون سلام اللہ علیہا کی اسناد سے تحریر فرمایا ہے کہ ایک روز جناب امام حسن عسکری علیہ السلام میرے گھر تشریف لائے اور نرجسؑ خاتون کی طرف بنگاہ توجہ دیکھنے لگے میں نے (جناب حکیمہؑ نے) پوچھا کہ اے فرزند اگر تمہیں یہ میری کنیز اچھی معلوم ہوتی ہو تو میں ابھی ابھی اسے تمہاری خدمت میں بھیجدیتی ہوں آپ نے فرمایا کہ اے عمۂ محترمہ میں نے اس کی طرف ایک امر خاص کے باعث اس وجہ سے دیکھا ہے کہ مشیّت یزدانی اور قدرتِ ربّانی نے کیا عجب اس عورت کو اُس مولودِ مسعود کی پیدائش کے لئے بھیجدیا ہے جو تمام دنیا کو بعد اس کے کہ وہ تمام جور وجفا اور ظلم وجور سے بھری ہو عدالت سے پُر کردیگا یہ سُنکر جناب حکیمہ خاتون نے کہا اے خوشا نصیب اس کے جس کے شکم سے ایسا وحید روزگار اور خاصۂ پروردگار پیدا ہو۔ میں ابھی ابھی اسے تمہاری خدمت میں بھیجے دیتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ آپ ایسا کرنے کا قصد نہ فرمائیں بلکہ پہلے اس امر کو میرے پدرِ بزرگوار حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے دریافت کرلیں اور ان کی خدمت سے اس امر خاص میں اجازت لے لیں۔ جناب حکیمہ خاتون ؑ بھائی کی خدمت میں اُسی وقت تشریف لے گئیں۔ ابھی اُن محترمہ نے ایک کلمہ اپنی زبان سے بھی نہ نکالا تھا کہ خود جناب امام علی نقی علیہ السلام نے اپنی طرف سے سبقت فرماکر ارشاد کیا کہ اے بہن نرجس ؑ کو ہمارے فرزند امام حسن عسکری علیہ السلام کو ہبہ کردو۔ جناب حکیمہ خاتونؑ نے فرمایا اے بھائی میں خاص کر اسی امر کے اظہار اور اجازت کے لئے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بڑا مفاخرت اور مسرّت کا تمہارے لئے یہ سبب ہے کہ خدائے واہب العطایا نے تم کو اس کارِ ثواب میں شریک بنایا اور اس سعادتِ عظیمہ میں تم کو بہرۂ وافر عنایت فرمایا۔ اور اپنی آیات وعلامات کے اجرا کا تمہاری ذات کو ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا۔ آپ کے یہ ارشاد سُنکر جناب حکیمہؑ ازحد مسرور ومحظوظ ہوئیں اور اسی وقت اپنے برادر عالی مقدار کے گھر سے اپنے مکان کو واپس آئیں اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی تزویج کے تمام ضروری سامان مہیّا فرماکر آپ کو اپنے گھر میں مدعو کیا۔ اور عقد وغیرہ سے فراغت کرکے کئی دن تک ان کو اپنے گھر میں مہمان رکھا۔ اور چند روز کے بعد آپ کو نرجسؑ خاتون کے ہمراہ رخصت فرمایا۔

ایک تو حضرت حکیمہ خاتونؑ کی نگاہوں میں جناب نرجسؑ کی قدر ومنزلت اسی وقت سے قائم ہوگئی تھی جس وقت سے آپ نے اپنے برادر عالی مقدار حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی زبانی اُن کے فضائل ومراتب سُنے تھے۔ اور اُن کی ذات کرامت آیات سے وہ اسرار الہی جو آئندہ ظاہر ہونیوالے تھے معلوم کرکے اور بھی زیادہ ان کی قدر ومنزلت بڑھ گئی تھی اور اخیر میں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ تزویج ہونے سے تو ان امور میں اتنی ترقی ہوگئی کہ خادم ومخدوم کے معمولی آداب وآئین میں بھی آپ کی طرف سے مساوات برتی جانے لگی اور فیما بین برابری اور ہمسری کے طریقے قائم ہونے لگے۔ اور کچھ آگے چلکر جناب حکیمہ خاتون خود نرجس خاتون ؑ کا ہر وقت پاس ولحاظ ملحوظ رکھنے لگیں۔ چنانچہ ذیل کے واقعہ سے اس بیان پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

ملّا مجلسی علیہ الرحمہ جلاء العیون جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ جناب حکیمہؑ خود ناقل ہیں کہ میں اپنی قدیم عادت کے مطابق ہر روز اپنے بھائی امام علی نقی علیہ السلام کے دیکھنے کے لئے اُن کی دولتسرا میں جایا کرتی تھی۔ حسب معمول ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ اس اثناء میں جناب نرجسؑ تشریف لائیں اور مجھ سے مخاطب ہوکر کہنے لگیں کہ آپ اپنے پاؤں کو ذرا میری طرف بڑھا دیجئے کہ میں آپ کے پاؤں سے کفش اتار لوں۔ پھر آپ بخاطر جمع تشریف رکھیں میں نے کہا تم ہرگز ایسا قصد نہ کرنا۔ میرے تمہارے وہ قدیم مراتب قائم نہیں رہے۔ نرجس خاتونؑ نے عرض کی

آپ یہ کیا فرماتی ہیں۔ آپ میری خاتون ہیں۔ میں نے کہا اب بخلاف اس کے تم میری خاتون ہو۔ میں تم کو ہرگز اپنے پاؤں سے جوتیاں اتارنے کی تکلیف نہ دوں گی۔ بلکہ اب میں خود تمہاری خدمت کرونگی اور نہایت فخر سمجھکر تمہاری ممنون ہونگی۔

خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ کی قدرت کے بھی عجائبات ہیں اور اس قادر مطلق کی جبروت کے یہی تصرفات ہیں جناب نرجسؑ کیا تھیں کیا ہوگئیں۔ اور پھر کیا ہو کر کیا ہوگئیں۔ اس کی تفصیل میں گذارش ہے کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ یہ قیصر روم کی پوتی تھیں اور اس کے بڑے بیٹے یشوع نامی کی صاحبزادی۔ بلاد رومیہ کی ملکہ اور شاہزادی۔ ابتدا تو یہ تھی۔ مشیت کو چونکہ ان کے لئے کچھ اور ہی منظور تھا۔ اپنی عقیدت اور خلوص ایمانی کی پرجوشیوں میں اپنے گھر بار ثروت و اقتدار پر لات مار کر جدا ہوگئیں اور پھر بقول کہ ع جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے۔ گرفتار ہوئیں کنیز بنائی گئیں اور بغداد کے بازار میں بیچی گئیں مگر حقیقت میں الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات مخصوصان الٰہی کا تعلق ظاہری و باطنی مخصوصان الٰہی ہی سے ہوتا ہے۔ خدا کے عزیز کبھی ذلیل نہیں ہوتے نظام مشیت نے اُن کی بیع و شرے کے معاملات میں اپنے تصرفات کے وہ نیرنگ دکھلائے جو انسان کیا اس کے فرشتوں کی سمجھ میں بھی خاک نہ آئے۔ آخر میں یہ نتیجہ ہوا کہ جس کے ہاتھ اس قادر مطلق کو منظور تھا اسی کے ہاتھ اُنکی بیع کے معاملات طے ہوئے۔

یہ سب کچھ تو ہوا مگر ابھی تک خادم و مخدوم کے تعلق باقی تھے۔ مگر جب حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کی دولت سرا میں زوجیت کے شرف سے بھی مشرف ہوگئیں تو یہ برائے نام نسبت بھی جاتی رہی۔ پھر تو رفتہ رفتہ مشیت نے ان کے احوال پر رحمت و افضال کی وہ فراوانی کی کہ یہ جن کو اپنی مخدومہ سمجھتی تھیں وہی اپنے آپ کو ان کی خادمہ سمجھنے لگیں۔ جیسا کہ ابھی ابھی اوپر لکھا گیا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

کیوں نہ ہو جناب حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کچھ معمولی خاتون نہیں تھیں وہ امام زادی تھیں اور اس خاندان اعلیٰ اور دودمان والا کی چشم و چراغ جس سے تمام دنیا نے مرتبہ دانی کے قواعد اور قدرشناسی کے آئین سیکھے تھے۔ پھر جب معمولی طبقات کی آداب شناسی کی یہ کیفیت ہے تب مراتب امام کے متعلق ان کی معرفت اور علم کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے۔ جناب نرجس خاتون علیہا السلام کی نسبت وہ دو معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی زبانی بشارت اپنے کانوں سے سن چکی تھیں اور جو شرافت و فضیلت ان کو بارگاہ قدرت سے عنایت ہونیوالی تھی اور جیسے جیسے اسرار لامتناہی اور آثار قدرت الٰہی ان کی ذات سے خاص طور پر تعلق رکھتے تھے وہ سب کما حقہ ظاہر ہوچکے تھے پھر اتنے شرف و افتخار کی موجودگی میں بھی جناب نرجسؑ کی مرتبہ دانی اور آداب شناسی میں کمی کی باتیں تو کیسے۔

ہم اپنے ناظرین کی خدمت میں پہلے ہی سے عرض کئے دیتے ہیں۔ اگرچہ ہمارا التماس کسی قدر قبل از وقت نہ و خیال کیا جائے گا۔ مگر ہم اُس کو اپنے مقام پر مقدمہ کے طور پر بیان کردینا نہایت ضروری اور مفید سمجھتے ہیں کہ جناب امام آخرالزماں علیہ السلام کے جتنے حالات اس کتاب میں جمع کئے گئے ہیں وہ زیادہ تر خدائے برحق کی قدرت اور قادر مطلق کے اسرار مشیت پر بالکل مبنی ہیں۔ باعتبار گیارہ جلدوں کے جن کی تالیف و ترتیب اور جمع کا الحمد للہ علیٰ احسانہ کامل سترہ برس کی مدت میں اس ناچیز کو مسلسل اور متواتر شرف حاصل ہوا ہے۔ وہ سابق مضامین جو ان مجلدات میں بیان کئے گئے ہیں اس کتاب میں ضرور کم پائے جائیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ ہم نے اپنا تاریخی سلسلہ اس میں بھی قائم رکھا ہے اور اسی ترتیب سے تمام تاریخی واقعات کو درج کیا ہے۔ مگر چونکہ ہم کو اس کتاب میں اس مقدس بزرگوار عجل اللہ ظہورہٗ کے حالات لکھنے ہیں۔ دنیا میں جس کے ظاہری قیام کی محدود مدت بھی ابتدا سے لیکر انتہا تک اسرار الٰہی کا جلوہ اور اس کی قدرت لامتناہی کا نمونہ تھی۔ اسی لئے اپنے اُن بیانات کے

ساتھ ہم کو ان کے دلائل و براہین بھی لکھنے ہوئے ہیں اور پھر اُن کے متعلق ان مختلف اور متعدد غلط فہمیوں شکوک اور شبہات کی تنقید اور قطع و برید بھی کرنی پڑی ہے جو جہالت اور عدم واقفیت کی وجہ سے اکثر ابنائے زمانہ کو آپ کے متعلق پیدا ہو جاتے ہیں۔ بہرحال تمہیداً اتنا عرض کر کے ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں اور جناب صاحب الامر علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے متعلق جو آثار قدرت اور اظہار آیات مشیت ظاہر ہوئے ان کو پوری تفصیل کے ساتھ ذیل میں قلمبند کرتے ہیں +

ولادتِ باسعادت کے متعلق قدرتی آثار

تاریخ ولادت تو اوپر لکھی جا چکی ہے اور حقیقت امر تو یہ ہے کہ نیمۂ شعبان ۲۵۵ھ کو بعد نماز فجر یا قبل آپ کی ولادت باسعادت کا واقع ہونا اسلام کا ایک متفق علیہ مسئلہ ہے۔ مگر سب سے زیادہ تعجب کا باعث تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک موقعہ پر آپ کی ولادتِ باسعادت اِس خلوص و عقیدت کے ساتھ تسلیم کی جاتی ہے اور وہ تمام واقعات و حالات بیان کئے جاتے ہیں اور پھر ایک دوسرے موقع پر اُن سے انکار کیا جاتا ہے اور صریح چشم پوشی۔ بہرحال خاص کر ہم ذیل میں اُن روایات کو قلمبند کرتے ہیں جن کو فریقین کے علمائے معتبرین نے آپ کی ولادت کے متعلق اپنی اپنی تالیفات میں مندرج کیا ہے۔ چنانچہ خواجہ محمد پارسا فصل الخطاب میں اور امام قندوزی ینابیع المودہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ولم یخلف ولداً الا ابی القاسم محمد المنتظر المسمّی بالقائم والحجۃ والمھدی وصاحب الزمان و خاتم الائمۃ الاثنی عشر وکان مولدہ لیلۃ النصف من الشعبان سنۃ خمس وخمسین ومائتین دامہ وام ولد یقال لھا نرجس توفی ابوہ رضی اللہ عنہ وھو ابن خمس سنین فاختفی الی الان رضی اللہ عنہ وھو محمد المنتظر ولد الحسن العسکری رضی اللہ عنھما معلوم عند خاصۃ اصحابہ و ثقات اھلہ ویروی ان حکیمۃ بنت محمد الجواد کانت عمۃ ابی محمد الحسن العسکری رضی اللہ عنہ تحبہ وتدعوالہ وتتضرع الی اللہ تعالیٰ ان یری ولدہ فلما کانت لیلۃ النصف من شعبان سنۃ خمسین ومائتین دخلت حکیمۃ عند الحسن علیہ السلام فقال لھا یا عمۃ کونی اللیلۃ عندنا لامر فا قامت فلما کان وقت الفجر اضطربت نرجس فقامت الیھا حکیمۃ فوضعت المولود المبارک فلما رأتہ حکیمۃ اتت بہ الحسن علیہ السلام وھو مختون فاخذہ ومسح بیدہ علی ظھرہ وعینیہ وادخل لسانہ فی فیہ واذن فی اذنہ الیمنیٰ واقام فی الاخریٰ ثم قال یا عمۃ اذھبیہ الی امہ فردتہ الی امہ قالت حکیمۃ ثم جئت من بیتی الی ابی محمد الحسن علیہ السلام فاذا المولود بین یدیہ فی ثیاب صفر وعلیہ من البھاء والنور اخذ حبہ مجامع قلبی فقلت یا سیدی ھل عندک من علم فی ھذا المولود المبارک فقال یا عمۃ ھذا المنتظر الذی بشرنا بہ فخررت للہ ساجدۃ شکراً علی ذلک ثم کنت اتردد الی الحسن علیہ السلام فلا اری المولود فقلت یا مولای ما فعل سیدنا المنتظر قال استودعناہ اللہ الذی استودعتہ ام موسیٰ علیھما السلام ابنھا۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد میں سوائے جناب ابوالقاسم محمد المنتظر المہدی علیہ السلام جو گروہ امامیہ میں قائم۔ حجۃ اللہ۔ امام الزمان اور مہدی علیہ السلام کے لقب سے مشہور ہیں کوئی باقی نہیں رہا۔ آپ کی ولادت نیمۂ شعبان ۲۵۵ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ اور آپ مادر گرامی قدر کنیز تھیں جن کا نام نرجس تھا جب آپ کے

والد بزرگوار حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا انتقال ہوگیا تو اس وقت آپ کا سن کل پانچ برس کا تھا پھر اُس وقت سے آپ اس وقت تک پوشیدہ ہیں اور آپ وہی بزرگوار ہیں جن کو محمدؐ المنتظر المہدی پسر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کہتے ہیں۔ آپ کی ولادت کے حالات و واقعات آپ کے مخصوصین اور معتمدین کو بخوبی معلوم تھے اور مروی ہے کہ جناب حکیمہؑ خاتون بنت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام جو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی پھوپھی ہوتی ہیں آپ کو بہت چاہتی تھیں اور آپ کے ساتھ مفرط درجہ کی محبت رکھتی تھیں۔ انہوں نے جناب باری عزاسمہ کی بارگاہ میں دعا کی تھی کہ پروردگارا تو مجھ کو میرے اس فرزند کی اولاد دکھلا دے۔ جب پندرہویں شعبان ۲۵۵ہ ہجری ہوئی تو اس دن حُسن اتفاق سے حضرت حکیمہؑ خاتون جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے اُن سے ارشاد فرمایا کہ آج رات کو ایک امر خاص کا ظہور ہونے والا ہے اس لئے آج رات کی رات آپ یہیں تشریف رکھیں۔ جناب حکیمہؑ حسب الارشاد وہیں ٹھہری رہیں۔ بیان فرماتی ہیں کہ جب صبح کی نماز کا وقت ہوا تو جناب نرجس خاتون علیہا السلام پر ایک اضطرابی کیفیت طاری ہوئی۔ یہ دیکھکر میں ان کے پاس جا بیٹھی تھوڑی دیر میں وہ مولود مسعود بہارستانِ عدم سے چمنستانِ وجود میں تشریف لایا۔ میں نے اس کی طرف غور سے دیکھا تو وہ ناف بریدہ و مختون تھا۔ اسی اثنا میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام بھی تشریف لائے اور تشریف لاتے ہی اُس مولود مسعود کو اپنی آغوشِ مبارک سے اٹھالیا اور اپنا دستِ مبارک اُس کی پشت اور آنکھوں پر پھیرا اور اپنی زبان مبارک اُس کے ننھے سے منھ میں دیدی پھر اس کے سیدھے کان میں آذان اور اُلٹے کان میں اقامت کہی۔ اس کے بعد آپ نے مجھے دیا اور کہا کہ اس کی ماں کو دیدو۔ جناب حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کا بیان ہے کہ تھوڑے دنوں کے بعد پھر میں جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے اس مولود مسعود کو نارنجی کپڑے پہنائے اپنی گود میں لئے تھے اور اس وقت اس کے چہرہ سے ایک پُر ضیا نور چاروں طرف ظاہر ہو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے محبت آئی۔ میں نے اُس وقت اپنے دلی خلوص کو مشکل سے ضبط کر کے آپ سے پوچھا کہ آپ اپنے فرزند دلبند کے متعلق کیا خبر رکھتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ اے عمہ! یہی مہدی موعود علیہ السلام ہے جس کی بشارت ہم لوگوں کو دی گئی ہے۔ یہ سن کر میں اسی وقت سجدۂ شکر میں جُھک گئی دوسری بار پھر جب آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئی تو اُس مولود مسعود کو گھر میں نہیں دیکھا میں نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے اُسے خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ کی بارگاہ میں سپرد کر دیا ہے جس طرح مادرِ موسیٰ علیہا السلام نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کو سپرد کر دیا تھا۔

وقال انہ اللہ تبارکؑ وتعالیٰ الحکمۃ وفصل الخطاب فی طفولیتہ وجعلہ اٰیۃ للعالمین کما قال اللہ تعالیٰ یٰیحییٰ خذ الکتٰب بقوۃ واتینٰہ الحکم صبیًا۔ وقال عیسیٰ علیہ السلام اٰتنی الکتٰب وجعلنی نبیًا وطول اللہ تبارکؑ وتعالیٰ عمرہٗ کما طول عمر الخضر علیہ السلام۔

خدائے واہب العطایا نے اُس کو علم و حکمت اور قوت احکام بینہ عطا فرما کر دنیا میں اس کو اپنی آیات میں سے ایک آیت برحق اور حجتِ مطلق عطا فرمائی جس طرح کہ اُس نے حضرت یحییٰ علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کے تذکرہ میں فرمایا ہے کہ اے یحییٰ بچپن میں اپنی قوت علمی سے کتابِ خدا کی تبلیغ کو اپنے ذمہ لیلو۔ اور ہم نے تم کو اس امر کی حکومت طفولیت اور کم سنی میں عطا فرمائی ہے اور خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ عام طور سے دنیا کے لوگ تعجب کرتے تھے کہ گہوارہ کا بچہ کیسے کلام کر سکتا ہے۔ اور خدا و ند تعالیٰ اس بچہ کو طول عمری کی نعمت بھی عطا فرمائیگا جس طرح طول عمری کی دولت جناب خضر علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام

کو عنایت فرمائی تھی۔ پھر اسی کتاب ینابیع المودۃ فی القربیٰ کے الباب التاسع والسبعون میں امام قندوزی شیخ الاسلام قسطنطنیہ آپ کے حالات ولادت کو ذیل کی عبارت میں لکھتے ہیں وہو ہذا

عن موسیٰ ابن محمد بن ابی القاسم ابن حمزۃ ابن موسیٰ کاظم علیہ السلام قال حدثتنی حکیمۃ بنت الامام محمد التقی الجواد بعث الی الامام ابی محمد الحسن العسکری علیہما السلام فقال یا عمۃ اجعلی افطارک اللیلۃ عندنا ما نہا لیلۃ النصف من شعبان فان اللہ تبارک وتعالیٰ یظہر فی ہذہ اللیلۃ حجۃ فی ارضہ قالت فاستقمت ونمت ثم قمت وقت السحر وقرأت الٓمٓ السجدہ ویٰسٓ واضطربت نرجس فکشفت الثوب عنہا فاذا بہ المولود ساجدا فنادی ابو محمد ہلمی الی ابنی یا عمۃ فجئت بہ الیہ فوضع قدمیہ علی صدرہ وادخل لسانہ فی فمہ وامر یدہ علی عینیہ واذنہ ومفاصلہ ثم قال تکلم یا بنی فقال اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصلی اللہ علی امیر المؤمنین وعلی الائمۃ الی ان صلی علی ابیہ ثم قال ابو محمد یا عمۃ اذہبیہ الی امہ یسلم علیہا واتینی بہ فذہبت بہ مسلم علی امہ ثم رددتہ فوضعتہ عندہ فقال یا عمۃ اذا کان یوم السابع ائتینا فلما کان یوم السابع جئت فقال لی ابو محمد علیہ السلام یا عمۃ ہلمی الی ابنی فجئت بہ ففعل بہ کفعل الاول فقال تکلم یا بنی فتشہد الشہادتین وصلی علی آبائہ واحد بعد واحد ثم تلا ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلہم ائمۃ ونجعلہم الوارثین قالت حکیمۃ جئت یوما وکشفت الستر فلم اره فقلت جعلت فداک یا سیدی ما فعل فقال یا عمۃ استودعناہ اللہ الحفیظ القدیر الذی استودعتہ ام موسیٰ علیہما السلام ثم قال موسیٰ ابن محمد فسئلت عقبہ الخادم عن ہذا فقال صدقت حکیمۃ علیہا الرحمۃ والرضوان ۰

موسیٰ ابن محمد ابن ابو القاسم ابن حمزہ ابن موسیٰ الکاظم علیہ السلام حضرت حکیمہ خاتون علیہا السلام سے ناقل ہیں کہ میں ایک دن جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا آج رات کو اے عمہ! آپ میرے گھر میں رہیں اور یہیں کھانا کھائیں کیونکہ آج نیمۂ شعبان کی رات ہے اور خدائے سبحانہ وتعالیٰ آج رات کو اپنی حجت دنیا میں نازل فرمائیگا۔ جناب حکیمہ خاتون فرماتی ہیں کہ آپ کا ارشاد سن کر میں وہیں ٹھہری رہی اور رات بھر وہیں آرام کیا جب بانگِ صبح کا وقت آیا تو میں نماز پڑھکر سورہ ہائے الٓمٓ السجدہ اور یٰسٓ کی تلاوت کرنے لگی۔ اسی اثنا میں میں نے نرجس خاتون علیہا السلام پر ایک اضطرابی عالم مشاہدہ کیا۔ اور فوراً اس کو وضع حمل ہوا۔ وہ چادر جو اوڑھے تھی میں نے اٹھائی تو دیکھا کہ وہ مولود مسعود سجدہ میں خم ہے۔ اتنے میں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے باہر سے آواز دی کہ اے عمہ میرے بیٹے کو میرے پاس لیتی آیئے۔ پس میں اس کو فوراً ان کے پاس لے گئی۔ آپ نے اس کے پاؤں اپنے سینہ پر رکھ لئے اور اپنی زبان مبارک اس کے دہن اقدس میں دیدی اور اپنا دست مبارک اس کی آنکھوں کانوں اور دوسرے اعضا پر پھیرا۔ اور ارشاد فرمایا کہ اے بیٹا باتیں کرو چنانچہ اس صاحبزادے نے بکمال فصاحت وبلاغت کہا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس کے بعد اس مولود مسعود نے جناب امیر المومنینؑ اور سائر حضرات ائمۃ المعصومین سلام اللہ علیہم اجمعین پر ایک ایک کرکے درود وسلام بھیجا تا اینکہ اس سلسلۂ صلوات کو اپنے پدرِ بزرگوار تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عمہ! ان کو ان کی ماں کے پاس لیجائیے۔ اور ان کو دیجئے کہ وہ بھی ان کے دیدار فرحت آثار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی اور روشن کرلیں۔ یہ سنکر

میں اس بچہ کو اس کی ماں کے پاس لے آئی۔ اس نے اپنی ماں کو دیکھتے ہی نہایت ادب سے سلام کیا۔ پھر میں نے اُسے اس کی ماں کی گود میں دیدیا۔ غرض وہ طفل مسعود پرورش پانے لگا۔ جب میں اپنے گھر جانے لگی تو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عمہ آپ ایک ہفتہ کے بعد پھر تشریف لائیے گا۔ میں نے کہا اچھا میں ضرور آؤں گی۔ چنانچہ جب ایک ہفتہ کے بعد میں پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمہ میرے فرزند کو میرے پاس لائیے۔ چنانچہ میں اس بچہ کو آپ کے پاس لے گئی۔ آج بھی آپ نے اس کے ساتھ وہی اشفاق فرمائے جو اس کے قبل فرما چکے تھے اور ارشاد کیا بیٹا باتیں کرو۔ چنانچہ اس صاحبزادے نے حسب دستور سابق بفصاحت و بلاغت تمام پہلے کلمۂ شہادتین پڑھا اور اس کے بعد ایک ایک کرکے اپنے تمام آبائے طاہرین صلوات اللہ وسلامہ اجمعین پر سلام و درود بھیجا اور پھر یہ آیہ وافی ہدایہ تلاوت فرمایا۔

(ترجمہ) ہم نے ارادہ کیا ہے کہ وہ لوگ جو دنیا میں ضعیف اور کمزور کردئے گئے ہیں دنیا کے امام و پیشوا اور وہی اُن کے ورثا اور قائم مقام کئے جاویں۔ جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام کا بیان ہے کہ اس دن کے بعد ایک بار پھر میں آپ کی دولت سرا میں گئی تو اس مولود مسعود کو نہیں دیکھا۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے اس کو خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ کے حفظ و امان میں اسی طرح سپرد کردیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و آلہ وعلیہ السلام کی مادر گرامی قدر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کے حفظ و امانت میں سپرد کردیا تھا۔ موسیٰ ابن محمد کا بیان ہے کہ میں نے حضرت حکیمہ خاتون کے اس واقعہ کی تصدیق عقید نامی خادم حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے کی اور اس سے یہ حالات دریافت کئے تو عقید نے کہا کہ جناب حکیمہ علیہا السلام نے بالکل راست اور صحیح بیان فرمایا ہے۔

امام قندوزی شیخ سلیمان الحنفی نے ایک دوسری روایت میں جناب نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کے شرف زوجیت میں آنے کے وقت سے لیکر آپ کی ولادت باسعادت کے وقت خاص تک بجنسہٖ وہی حالات و واقعات قلمبند فرمائے ہیں جن کو ہم خواجہ محمد پارسا کی کتاب فصل الخطاب سے اوپر نقل کر آئے ہیں۔ یہ روایت محمد بن عبداللہ المطہری کی اسناد سے مروی ہے۔ لائق محدث نے اس روایت کو صرف محمد بن عبداللہ المطہری ہی کی اسناد سے بیان کرکے تمام نہیں کردیا ہے بلکہ اپنی تحقیق و تلاش کے سلسلہ کو قائم رکھکر آگے لکھتے ہیں۔ قال محمد بن اسمٰعیل الحسینی عن حکیمۃ سمعت القصۃ المذکورۃ ۔ محمد بن اسمٰعیل الحسینی کا بیان ہے کہ میں نے بھی اس واقعہ کو جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام کی زبانی یوں ہی سُنا ہے اس کے آگے تحریر فرماتے ہیں کہ قال محمد بن القاسم العلوی قال ادخلنا جماعۃ من العلویۃ علی حکیمۃ فقالت جئتم تسئلونی عن میلاد ولی اللہ قلنا نعم واللہ فقالت الاخبار التی ذکرتھا ۔ محمد بن القاسم العلوی بیان کرتے ہیں کہ سادات علوی کی ایک جماعت حضرت حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اُن کو دیکھکر فرمایا کیا تم لوگ میرے پاس ولی اللہ علیہ السلام کے حالاتِ ولادت کے متعلق استفسار کرنے آئے ہو ان لوگوں نے عرض کی ہاں۔ پھر انھوں نے وہی ارشاد فرمایا جو اوپر لکھا گیا ہے پھر اسی روایت کو خاص عبداللہ المطہری کی زبانی بھی مرقوم فرمایا ہے۔ ان تمام اقوال مختلفہ و متفرقہ کے جمع فرمانے کے بعد فاضل محدث نے اسی واقعہ کو حسین ابن حمدان کی اسناد سے بھی تحریر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ قال الحسین بن حمدان حدثنی من اثق بہ من المشائخ عن حکیمۃ الخبر المذکور یعنی حسین ابن حمدان کا بیان ہے کہ میں نے اس واقعہ کو جناب حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کی زبانی اپنے ان تمام مشائخ کبار ذوی عتبار سے سُنا ہے جن کی تصدیق و توثیق

پر مجھے کامل اعتبار حاصل ہے۔ فاضل محقق نے اتنا لکھ کر پھر اس واقعہ کو اسی طرح توثیق و تصدیق کی حدود تک پہنچا یا ہے اور آزمایا ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت کے واقعہ کو جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام کے تنہا نقل فرمانے کے نقص احاد کو اور دوسرے لوگوں کی زبانی بھی منقول عنہم ثابت فرمایا ہے اور ہر طرح واقعہ ولادت کو شہور اور متواتر ہونے کے کامل معیار تک صحیح اور درست اُتارا ہے۔ چنانچہ سابق عبارت کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

عن نسیم وماریة الخادمان قالا سقط صاحب الزمان علیہ السلام من بطن امہ جاثیا علی رکبتیہ رافعا سبابتیہ الی السماء ثم عطس فقال الحمد للہ رب العالمین وصلے اللہ علی محمد وآلہ وقال نسیم عطست عند صاحب الزمان علیہ السلام بعد مولدہ فقال لی یرحمک اللہ تعالیٰ وقال العطاس امان من الموت الی ثلثة ایام۔ نسیم اور ماریہ رضی اللہ عنہا خادمان حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا بیان ہے کہ جس وقت جناب امام صاحب الزمان علیہ السلام اپنی والدۂ مطہرہ کے بطن سے متولد ہوئے تو اسی وقت اپنے دونوں گھٹنے زمین پر ٹیک دیئے اور اپنی انگشت مبارک آسمان کی طرف بلند فرمائی اس کے بعد آپ چھینکے تو فوراً فرمایا۔ الحمد للہ رب العالمین وصلے اللہ علی محمد وآلہ۔ نسیم کا بیان ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت کے بعد دوسری رات کو آپ کے پاس حاضر تھا کہ چھینکا تو آپ نے فرمایا یرحمک اللہ (خدا تجھ پر اپنی رحمت نازل فرمائے) پھر فرمایا کہ چھینکنا انسان کو تین دن تک امن و امان میں رکھتا ہے۔

محدث دہلوی شیخ عبدالحق صاحب اپنے رسالہ **مناقب** میں لکھتے ہیں۔ حضرت ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام ولد او محمد رضی اللہ عنہ معلوم است نزد خواص اصحاب و ثقات اہلش و روایت کردہ اند کہ حکیمہ بنت ابی جعفر محمد جواد رضی اللہ عنہ کو عمۂ ابو محمد حسن عسکری رضی اللہ عنہ باشد دوست می داشت و دعامی کرد و تضرع می نمود کہ او را پسرے بوجود بہ بیند و ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام جاریہ را برگزیدہ بود کہ او را نرجس می گفتند چوں شب نصف شعبان ۲۵۵ھ خمس وخمسین ومائتین شد حکیمہ نزد ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام آمد و او را دعا کرد۔ حسن عسکری علیہ السلام التماس نمود کہ یا عمہ امشب نزد ما باش کہ کارے در پیش است۔ حکیمہؓ بالتماس حسن عسکری علیہ السلام شب درخانۂ ایشاں بایستاد۔ چوں وقت فجر رسید نرجسؑ بدرد زہ مضطرب شد۔ حکیمہؓ نزد نرجسؑ آمد۔ مولودے دید بوجود آمدہ۔ مختون و مفروغ منہ۔ یعنی ختنہ کردہ شدہ و فارغ از ختنہ و کار شست و شو کہ مولود را می کنند۔ نزد حسن عسکری علیہ السلام ببرد۔ او را گرفت و دست بر پشتش و چشمانش فرود آورد و زبان خود را در دہنش در آورد و در گوش راست او اذان و در گوش چپ او اقامت گفت و گفت یا عمہ ببر او را نزد مادرش۔ پس حکیمہؓ او را بمادرش سپرد۔ و حکیمہؓ گوید کہ بعد ازاں پیش ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام آمدم مولود را پیش وے دیدم در جامہائے زرد و او را نورے و عظمتے دیدم کہ دل من تمام گرفتار او شد۔ گفتم سیدی ہیچ علمے داری بحال ایں مولود مبارک کہ آں علم را بمن القا کنی۔ گفت اے عمہ ایں مولود منتظر ما است کہ ما را بداں بشارت دادہ بودند۔ حکیمہ گفت پس من بر زمین افتادم و بشکر آں بسجدہ رفتم۔ دیگر نزد ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام آمد و رفتم می کردم۔ روزے نزد وے آمدم مولود او را ندیدم پرسیدم اے مولائے من آں سید منتظر ما چہ شد۔ فرمود او را سپردیم بآنکس کہ مادر موسیٰ علیہ السلام پسر خود را بوے سپردہ بود۔ و روایت کردہ شدہ است از ابوالحسن رضا علیہ السلام کہ از وے پرسیدند کہ چہ چیز است نام قائم شما۔ فرمود ما را حکم کردہ اند کہ پیش از ولادت وے نامش نبریم۔

اب تو غالباً مسئلہ ولادت کی نسبت کسی کو کوئی کلام نہیں ہوگا۔ کیونکہ محقق دہلوی کا یہ کلام ہے جنکی تاریخ دانی اور محدثیت میں کسی بچہ کو بھی شک نہیں ہوگا۔ کتاب مدارج النبوة آپ ہی کی معتبر تالیف ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو بکمال شرح و بسط لکھا ہے اور جتنے علمائے مابعد ہوئے سب ان سے سند لاتے ہیں پھر

کیا اُن کا یہ قول قابل اعتبار نہ سمجھا جائیگا ✣

ملا عبدالرحمن جامی کتاب شواہد النبوۃ میں جناب امام محمد مہدی علیہ السلام کے ذکر میں تحریر فرماتے ہیں۔

حکیمہ عمہ ابو محمد الزکی رضی اللہ عنہ گفتہ کہ روزے پیش ابو محمد رضی اللہ عنہ در آمدم فرمود کہ اے عمہ امشب درخانہ ما باش کہ خدائے تعالیٰ مارا خلفے خواہد داد۔ من گفتم کہ ایں فرزند از کہ خواہد بود کہ در نرجس ہیچ اثرے از حمل نمی بینم۔ فرمود کہ اے عمہ مثل نرجس ہمچو مثل اُم موسیٰ ست علیٰ نبینا و آلہ و علیہما السلام کہ حمل وے جز بوقت ولادت ظاہر نخواہد شد حکیمہ رضی اللہ عنہا میگوید آں شب آنجا بودم چوں شب بہ نیمہ رسید برخواستم و تہجد گزاردم و نرجس رضی اللہ عنہا نیز تہجد گزارد۔ و بعد ازآں باخود گفتم کہ وقت فجر نزدیک رسیدہ و آنچہ حضرت ابو محمد علیہ السلام گفتہ ظاہر نشد۔ ابو محمد رضی اللہ عنہ از مقام خود آواز داد کہ اے عمہ تعجیل مکن بخانہ کہ نرجس رضی اللہ عنہا بود باز گشتم دیدم کہ نرجس را لرزہ آمدہ بود و او بر روئے افتادہ۔ ویرا بسینہ خود باز گرفتم و قل ہو اللہ احد و انا انزلنا و آیۃ الکرسی بروئے خواندم۔ از شکم وے آواز آمد کہ ہرچہ من خواندم فرزند وے نیز میخواند۔ بعد ازاں دیدم کہ خانہ روشن شد۔ نظر کردم۔ فرزندے برزمیں آمدہ بود و در سجدہ افتادہ وے را برگرفتم۔ ابو محمد علیہ السلام از حجرۂ خود آواز داد کہ اے عمہ فرزند مرا پیش من آر۔ پیش وے بردم و برابر کنار خود نشاند و زبان در دہانِ وے کرد و فرمود کہ سخن گو اے فرزند من باذن اللہ تعالیٰ و گفت۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و نرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلھم ائمۃ و نجعلھم الوارثین ۵ خدائے سبحانہ و تعالیٰ ارادہ می کند کہ منت نماید بایشاں کہ در دنیا ضعیف کردہ شدند و ایشاں را امام بکند و ایشاں را وارث لقد مار۔ بعد ازآں دیدم کہ مرغانِ سبز ما را فرو گرفتند۔ ابو محمد علیہ السلام یکے از مرغاں را بخواند و گفت خذہ فاحفظہ حتی یاذن اللہ تعالیٰ فیہ فان اللہ بالغ امرہ بگیر ایں فرزند را و نگہدار تا حکم الٰہی بشود بدرستیکہ خداوند تعالیٰ رسانندہ امر است۔ از حضرت ابو محمد علیہ السلام پرسیدم کہ ایں مرغ کہ بود و ایں مرغہائے دیگر کیانند فرمود کہ یا عمہ ویرا بمادر وے باز کی تقر عینھا و لا تحزن ولتعلم ان وعد اللہ حق ولکن اکثرھم لا یعلمون ۵ کہ آں ہم چشمہائے خود را نز دیدارش خنک کند و غمگین نبودہ باشد و آگاہ باشد کہ وعدۂ خدا حق و راست می باشد۔ لیکن اکثر آنہا را نمی دانند جناب حکیمہ می گوید کہ وے را نزد مادرش بردم۔ چوں متولد شد ناف زدہ بود و ختنہ کردہ و بر ذراع ایمن وے مکتوب بود کہ جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۵ و از دیگرے روایت کردہ اند کہ گفتہ است چوں متولد شد بروزانو در آمد و انگشت سبابہ بجانب آسمان برداشت پس عطسہ زد و گفت الحمد للہ رب العٰلمین ۵ و از دیگرے آرند کہ گفتہ است کہ بر ابو محمد زکی علیہ السلام در آمدم و گفتم یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلیفہ و امام بعد از تو کہ خواہد بود بخانہ در آمد۔ پس بیروں آمد کودکے بر دوش گرفتہ گویا کہ ماہ شب چہاردہم بود۔ در سن سہ سالگی پس فرمود اے فلاں اگر نہ تو پیش خدا یتعالیٰ گرامی بودی ایں فرزند خود را بتو نمی نمودمے۔ و نامِ ایں نام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم است و کنیت وے کنیت وے۔ ھو الذی یملأ الارض قسطا کما ملئت جورا و ظلما ۵ و از دیگرے آرند کہ گفتہ است روزے بر ابو محمد علیہ السلام در آمدم و بر دستِ راست وے خانہ دیدم۔ پردہ بآں فرو گذاشتہ۔ گفتم یا سیدی صاحب ایں امر بعد ازیں کہ خواہد شد۔ فرمود آں پردہ را بردار۔ برداشتم۔ کودکے بیروں آمد در کمال طہارت و پاکیزگی۔ و بر رخسارۂ راست وے خالے و گیسو گزاشتہ آمدہ بر زانوئے حضرت ابو محمد علیہ السلام نشست۔ ابو محمد علیہ السلام فرمود۔ اینست صاحب شما بعد ازآں از زانوئے وے برخاست ابو محمد علیہ السلام وے را گفت۔ یا بنیّ ادخل الی الوقت المعلوم بآں خانہ در آمد و من بروئے نظر می کردم

پس ابو محمد علیہ السلام مرا گفت برخیز و ببیں کہ دریں خانہ کیست بخانہ درآمدم ہیچکس را ندیدم۔
واز دیگرے ارند کہ گفتہ است کہ معتضد مرا با دو کس دیگر طلبید و گفت حسن ابن علی نقی علیہما السلام در سرمن رائے وفات یافت۔ زود بروید وخانۂ اورا فرا گیرید وہر کہ درخانۂ وے بہ بینید سروے را بمن آرید۔ رفتیم و بسرائے وے درآمدیم بسرائے دیدیم درغایت خوبی وپاکیزگی۔ گویا حال از عمارت آں فارغ شدہ بود و در آں پردہ دیدیم۔ فرو گذاشتہ پردہ را بر داشتیم۔ سردابے دیدیم بآنجا درآمدیم۔ دریائے دیدیم و در اقصائے آں حصیرے بروئے آب انداختہ ومردے بخوب ترین صورت بر بالائے آں حصیر در نماز ایستادہ۔ بما ہیچ التفاتے نکردہ یکے ازآں دو نفر کہ با من بودند سبقت کرد وخواست کہ پیش وے برود۔ درآب غرق شد واضطراب می کرد۔ تاآں زماں کہ من دست وے را گرفتم وخلاص گردانیدم من حیران ماندم۔ پس گفتیم اے صاحب خانہ از خدائے تعالیٰ وازتو عذر می خواہم واللہ کہ من نمی دانستم کہ حال چیست وبکجا می آئیم وازانچہ کردم بخدا ئےتعالیٰ باز گشتم ہرچند گفتم بمن ہیچ التفاتے نکرد۔ باز گشتیم وپیش معتضد رفتیم وقصہ را باز گفتیم۔ گفت ایں سرّ را پوشیدہ دارید والا بفرمایم کہ شما را گردن بزنند۔

ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی اپنی کتاب ہدایت السعداء میں تحریر فرماتے ہیں وہوہذا۔

حجۃ اللہ القائم امام مہدی علیہ السلام وہو غائب واو را عمر طویل است۔ چنانچہ میان مومناں حضرت عیسیٰ والیاس علی نبینا وآلہ وعلیہما السلام را ومیان کافراں دجال و سامری وبلعم وشمر قاتل شاہ حسینؑ راست وامثالہم۔ الغرض یہ تمام اقوال جمع کرکے فاضل محدث نے آپ کی ولادت باسعادت کے متعلق ذیل کی رائے قائم فرمائی ہے۔

فاما الخبر المحقق عند ثقات ان ولادۃ القائم علیہ السلام کانت لیلۃ الخامس عشر من خمس وخمسین ومائتین فی بلدۃ سامرۃ خبر مذکورہ تحقیق شدہ معتبرین کے نزدیک یہی ہے کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی ولادت باسعادت پندرہویں شعبان ۲۵۵ ہجری کو شہر سامرہ میں واقع ہوئی۔

ولادت باسعادت کے متعلق زائچہ

ان حالات کو ختم کرکے علامۂ موصوف آپ کے زائچۂ ولادت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ اُن کی عقیدتمندانہ تحقیق وتلاش کا انتہائی مرکز ہے۔ وہو ہذا۔

ولادۃ عند قران الاصغر الذی کان فی القوس وہو ربع القران الاکبر الذی کان فی القوس وکان الطالع الدرجۃ الخامسۃ والعشرین من السرطان وزائچۃ المبارکۃ فی افق السامرۃ ہذہ ولما کان اجتماع القائم المہدی وعیسیٰ ابن مریم علی نبینا والہ وعلیہما السلام امر محقق وردت زائچۃ عیسیٰ علیہ السلام لتبرّک وہذا صورتہ۔ آپ کی ولادت باسعادت اس قران اصغر کے ایام میں واقع ہوئی جو قوس کے درجہ میں تھا اور وہ قران اکبر داخلۂ قوس کا چہارم حصہ تھا اور ۲۵ درجہ طالع سرطان کا تھا اور یہ زائچہ مبارکہ افق سامرہ کے حساب سے تیار ہوا تھا۔ اور اس امر پر بھی اجماع واتفاق ہے کہ جناب امام صاحب الامر علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کا زائچہ ایک ہی ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زائچہ بنا دیا جاتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے۔ مگر افسوس تو اسکا ہے کہ اس عبارت کے بعد صورت زائچہ نہ جناب عیسیٰ بن مریم علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کی بنائی گئی نہ حضرت قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا کی۔ بہرحال شیعہ کتابوں سے جہاں تک اس زائچہ کی نسبت تحقیق وتلاش کی گئی ہے کوئی خاص صورت اور شکل اس زائچہ کی نہیں بنائی گئی۔ مگر ملا مجلسی علیہ الرحمۃ نے بحار الانوار جلد سیزدہم میں کتاب النجوم اور کتاب الاصفیا کی اسناد سے ذیل کا واقعہ آپ کے زائچہ ولادت کے

متعلق لکھ کر اُس کی تصدیق و توثیق فرمائی ہے اُن کی فارسی عبارت کا اردو ترجمہ یہ ہے۔ کہ احمد بن اسحاق ابن مصقلہ کا بیان ہے کہ شہر قم میں ایک یہودی علمِ نجوم میں دستگاہِ کامل رکھتا تھا۔ اور تیاری زائچہ ترتیب تقویم و دیگر ترکیب حساباتِ نجوم میں فرد یگانہ اور منتخب زمانہ تھا۔ میں اس کے پاس گیا اور اس سے بیان کیا کہ فلاں وقت اور فلاں ساعت ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ تم اس کا زائچہ درست کر کے بتلاؤ کہ وہ کیسے حالات پر حاوی اور کیسے کیسے اوصاف سے موصوف ہوگا۔ اس یہودی منجم نے مجھ سے آپ کی ولادت کا ٹھیک ٹھیک وقت دریافت کر لیا۔ اور پھر اسی حساب سے آپ کا زائچہ ولادت مرتب کیا۔ اور پھر بڑی دیر تک کامل غور کر کے بتلایا کہ اِن اوقات کے ستارہ ہائے مخصوصہ تو ہرگز یہ امر نہیں بتلاتے کہ ایسا بے مثل و لاجواب فرزند تمہارے گھر پیدا ہوا۔ کیونکہ ایسا لڑکا تو کبھی کسی معمولی آدمی کو نصیب ہی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایسے فرزندانِ گرامی طالع تو انبیاء و اوصیاء کے مقدس دائرہ تک خاص طور پر محدود و مخصوص ہوتے ہیں اور وقت و ساعت و کواکب موجودہ میں پیدا شدہ حضرات یا بذات خاص پیغمبر ہوں گے یا پیغمبر برحق کے وصی مطلق۔ جہاں تک میں نے اس مولود مسعود کے زائچہ ولادت پر غور کیا ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ فرزند گرامی شان تمام دنیا کے غرب و شرق۔ شمال و جنوب۔ دریا و بیابان۔ کوہ و صحرا کا مالک اور حاکم ہوگا اور اُن تمام اشیاء پر حکمرانی کرے گا۔ اور تمام روئے زمین پر کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہیگا جو اس کے دین و ملت اور آئینِ عقیدت میں نہ آیا ہو۔ اور کوئی شخص تمام اقصائے عالم میں ایسا نہیں پایا جائیگا جو اس کی امارت و حکومت کا مطیع و فرمانبردار نہ ہو۔

بہرحال جہاں تک ہم نے فاضل محدث اور قابل محقق (صاحب ینابیع المودۃ فی القربیٰ) کی اس قابل قدر تلاش و تحقیق پر غور کیا ہے ہم کو یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ علامہ موصوف کو چونکہ حضرت صاحب الامر علیہ السلام کے خاص حالات میں کوئی مفصل کتاب تو تیار کرنی ہی نہ تھی۔ اس لئے اُنہوں نے انہی دو تین روایتوں کی نقل پر اکتفا کی اور زیادہ فکر نہیں کی اور حقیقت میں ان کے لئے مصلحت اور مناسبت وقت بھی اسی قدر تھی جس قدر انہوں نے لکھا ہے وہ ان کی تالیفی ضرورت کے مطابق ہے۔ مگر بااینہمہ ہم ان حضرات کے مزید اطمینان کے لئے جو محدث ممدوح کی دو تین روایتوں کو تواتر کے لئے ناکافی سمجھتے ہوں اور آپ کی ولادت باسعادت کے گواہ چشم دید (شاہد عینی) طلب کرتے ہوں ذیل کے رُوات اور اُن کے عینی مشاہدات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے دیتے ہیں کہ وہ اُنہیں دیکھکر اور پڑھ کر اپنی تشفی آپ کر لیں۔ کیونکہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی مبارک سیرت کے متعلق جہاں تک میرا خیال ہے کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جس کے بیان کے ساتھ اس کے دلائل قلمبند کرنے کی ضرورت نہ پائی جاتی ہو۔ اور اس کا خاص سبب یہ ہے کہ آپ کی مقدس سیرت اور آپ کی مبارک ذات انبیائے مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کی پوری مماثلت اور اس قادر مطلق کے اسرار مشیت سے بالکل پر اور مملو ہے۔ اور ہم نے اس کتاب میں ابتدا ہی سے اپنے ہر مضمون کے ساتھ یہ التزام قائم کر لیا ہے کہ آپ کے متعلق ہر واقعہ کی مثال اور اُس کا ثبوت انبیائے سابقین سلام اللہ علی نبینا وآلہ وعلیہم اجمعین کے واقعات سے قلمبند کرینگے کیونکہ ہماری موجودہ کتاب اُس ذات جامع الصفات والکمالات کا مجموعہ ہے جس پر خدائے سبحانہ تعالیٰ و تقدس کی تمام دلیلیں اور حجتیں تمام ہوگئی ہیں اور فریقین کی معتبر اسناد سے پھر اُس کے بعد شریعت اسلامی کیا۔ کسی شریعت کا مصلح۔ حامی۔ محیی۔ مجدد۔ معاون پیدا ہونے والا ثابت نہیں ہوتا۔ ہم اتنی ہی تمہید کو اس مقام پر کافی سمجھکر اپنے سابق سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔

بہرحال جناب حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کو تنہا آپ کی ولادت باسعادت کا راوی خیال کر لینا ایسا خیال ہے جو کتابوں کے نہ دیکھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے حالات وواقعات حدودِ متواترات تک پہنچے ہوئے ہیں۔ اور ان کے ایک نہیں متعدد اور مختلف راوی ہیں۔ ان راویوں کے علاوہ جن کو آپ کی ولادت کی خبر جناب حکیمہ خاتون کی زبانی پہنچی اور جن کے نام صاحب ینابیع المودۃ نے گنوا دیئے ہیں ایک بہت بڑا معتمد راوی غیاث ابن اسد ہے۔ جس کا بیان ہے کہ جناب قائم علیہ السلام حضرت نرجس سلام اللہ علیہا کے بطن مبارک سے نیمہ شعبان ۲۵۵ھ ہجری کو متولد ہوئے۔ دوسرا راوی حمزہ ابن الفتح ہے جو بیان کرتا ہے کہ میرے پاس حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ایک خاص خادم نے آکر کہا کہ کل رات کو آپ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے مگر مصلحتہً آپ نے اس کی ولادت کی خبر کے اعلان کو ممنوع فرمایا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آخر اس مولود کا کوئی نام بھی رکھا ہے کہا کہ ہاں۔ اس کا نام محمد ہے اور وہ مہدیٔ موعود ہے۔ عجل اللہ ظہورہٗ۔ تیسرا راوی احمد ابن اسحاق قمی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے آپ کی ولادت باسعادت کی نوید مجھے اپنے دست مبارک سے لکھکر پہنچائی اور اپنی مزید شفقت وخصوصیت کے باعث یہ تحریر فرمایا کہ میں نے سوائے تمہارے اپنے احباب میں سے بہت کم لوگوں کو اس واقعہ سے مطلع کیا ہے اور میں نے ایک خاص مصلحت سے اس کو اُن لوگوں سے پوشیدہ رکھا ہے مگر چونکہ تم میرے مخلصین مخصوصین میں داخل ہو اس لئے میں نے خاص طور پر اس واقعہ سے تم کو مطلع کرکے یہ خواہش کی ہے کہ جس طرح میں اس عطیۂ خداوندی سے شاد ومسرور ہوا ہوں اُسی طرح تم بھی اس سے خوش اور دلشاد ہو۔ احمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ میں نے بھی حسب الارشاد اس امر کو اپنے احباب سے عرصہ تک پوشیدہ اور مخفی رکھا۔ چوتھا راوی حسن ابن حسین علوی ہے جسکا بیان ہے کہ مجھے آپ کی ولادتِ باسعادت کی خبر ملی تو میں اسی وقت جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی طرف سے اس نعمت الٰہی کی تہنیت ادا کی۔

میں نے اس مقام پر خاص کر ان لوگوں کے نام لکھ دیئے ہیں جنہوں نے آپ کی ولادت کے واقعہ کی اطلاع اپنی ذاتی طور پہ بیان کی ہے۔ اب ان حضرات سے جن جن لوگوں نے اس کے تمام طریقوں کو بیان کیا ہے۔ اگر ان کی تفصیل بھی اسی مقام پر کر دی جائے تو غالباً ضرورت سے زائد طوالت ہو جائے گی۔ اس لئے ان کے بیان سے قطع نظر کرکے ہم ناظرین کتاب کی مزید تشفی کے لئے ذیل میں آپ کی ولادت کے متعلق ایک ایسا مفصل واقعہ تحریر کرتے ہیں جس سے کامل اطمینان اور کافی اطلاع حاصل ہو جائے گی وھوہذا

حنظلہ ابن زکریا کا بیان ہے کہ احمد ابن بلال بن داؤد مرد سُنی المذہب تھا۔ اور میرے اُس کے فیما بین محبت والفت کے مراسم ہمیشہ سے جاری اور قائم تھے۔ وہ اکثر باتوں میں مجھ سے کہا کرتا تھا کہ میرے پاس تمہارے سُنانے کے لئے ایک ایسی چیز ہے کہ اگر میں تمہیں اس کو سُنا دوں تو تم بہت ہی خوش ہو جاؤ گے مگر میں تمہیں قصداً نہیں سُناؤں گا۔ میں اس کے کلام کو ہمیشہ مذاق سمجھا کرتا تھا اور کوئی اعتنا نہیں کرتا تھا۔ ایک بار ہم اور وہ پھر ایک صحبت میں شریک ہوئے۔ تو میں نے اُس کو اُس کا وہی کلام یاد دلایا تو احمد نے مجھ سے کہا کہ حقیقت حال یہ ہے کہ شہر سامرہ میں میرا گھر جناب امامِ حسن عسکری علیہ السلام کی محلسرا کے مقابل تھا۔ ایک بار کچھ ایسا اتفاق ہوا۔ کہ میں ایک مدت تک باہر ہی باہر سفر کرتا رہا اور ایسی مجبوریاں ہوتی گئیں کہ میں کسی طرح گھر نہ آسکا۔ اور اس عرصہ میں قزوین اور اس کے گرد ونواح میں اپنی ضرورتوں کے متعلق مصروف رہا۔ جب میں سامرہ پہنچا تو میں نے

اپنے اُن اعزا و اقارب میں سے جن لوگوں کو میں سامرہ میں چھوڑ گیا تھا کسی کو بھی نہ پایا۔ مگر ایک بوڑھی عورت کو جس نے میری پرورش کی تھی اور اس کی ایک لڑکی باقی رہ گئی تھی یہ ضعیفہ شہر میں اکثر قابلہ کا کام کیا کرتی تھی۔ بہر حال میرے آنے کا حال سن کر وہ عورتیں جن سے مجھے ارتباط تھا میرے دیکھنے کے لئے اُس ضعیفہ کے گھر آئیں جہاں میں مقیم تھا۔ میں چند روز تک اُس (ضعیفہ) کے گھر مقیم رہ کر اپنا دل ان لوگوں سے بہلاتا رہا۔ اس کے بعد میں نے وہاں سے جانے کا قصد کیا۔ ان لوگوں نے مجھ سے اپنے چندے قیام کرنے پر اصرار کیا تو میں ان سے بطور استہزاء و تمسخر کے کہنے لگا کہ میرا قصد ہے کہ میں یہاں سے پہلے کربلائے معلٰے زاد اللہ شرفہا کی زیارت کو جاؤں اور وہاں سے نیرِ شعبان کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوا پھر گھر واپس آجاؤں۔ چونکہ وہ پیرزن مجھ سے اور میرے عقائد سے کماحقہ آگاہ تھی اور میری رضاعی ماں ہونے کی وجہ سے ایک قسم کا خاص تعلق بھی رکھتی تھی۔ اس لئے اس نے مجھے سمجھا کر کہا کہ اگر واقعی تم یہ بات اپنی دلی عقیدت اور باطنی خلوص سے کہتے ہو تو خدا تمہیں مبارک کرے اور اگر ان باتوں سے تمہاری مراد صرف تمسخر و استہزا ہے تو میں تمہیں خدا سے عفو و آمرزش کی دعا مانگنے کے لئے ہدایت اور تنبیہ کرتی ہوں کیونکہ میں تمہیں اس وقت اس عجیب و غریب واقعہ سے خبر دیتی ہوں جو تمہارے جانے کے دو برس بعد واقع ہوا۔ وہ یہ ہے کہ ایک شب کو میں اپنے گھر کی دہلیز پر سو رہی تھی۔ مجھ پر نیم خوابی کا عالم طاری تھا میری لڑکی مجھ سے قبل سو چکی تھی۔ اس اثناء میں میں نے دیکھا کہ ایک مردِ بزرگ پاکیزہ لباس پہنے تشریف لائے اور مجھ سے ارشاد فرمانے لگے کہ اے ضعیفہ تجھے ابھی ابھی ایک شخص بلانے آئیگا اور تجھ سے ہمسایہ کے ایک مکان میں چلنے کیلئے کہیگا۔ تم کچھ خوف نہ کرنا۔ اور بہ اطمینان تمام اس کی ہمراہ چلی جانا۔ یہ حالت دیکھکر مجھ پر سخت ہیبت اور خوف کا عالم طاری ہوا۔ میں نے اپنی لڑکی کو آواز دی۔ وہ بیدار ہوئی تو میں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ مکان میں ابھی کوئی شخص آیا تھا۔ اُس نے قطعی انکار کیا۔ میں نے اُس کا انکاری جواب سن کر اور ان تمام باتوں کو محض خواب و خیال سمجھ کر کلمۂ شہادت اور تسبیحات وغیرہ پڑھیں اور سو رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہی صاحب پھر تشریف لائے اور انہی سابق کلمات کا اعادہ فرمایا اور تشریف لے گئے۔ میں نے پھر اپنی لڑکی کو آواز دی اور اس سے پھر پوچھا تو اس نے پھر ویسا ہی انکاری جواب دیا۔ یہ سنکر میں نے تسبیحات و صلوات پڑھی اور پھر سو رہی تیسری بار پھر وہی صاحب تشریف لائے اور اب کی بار وہ میرا نام لیکر مجھ سے فرمانے لگے کہ لے دیکھ وہ شخص آگیا تیری طلبی میں دروازے پر دق الباب کر رہا ہے تو جا اور فوراً دروازہ کھولدے۔ میں نے اتنے میں دق الباب کی آواز بھی سن لی۔ اور فوراً دروازے پر پہنچی اور پوچھا کہ تم کون ہو۔ اس نے جواب دیا تو کواڑ کھولدے اور کچھ خوف نہ کر۔ میں نے کواڑ کھولدیے۔ دیکھا کہ کسی کا خادم ایک چادر لئے کھڑا ہے۔ اس خادم نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ اسی ہمسایہ میں ایک بزرگ کے ہاں تیری خدمات کی ضرورت لاحق ہوئی ہے اس نے وہ چادر میرے اوڑھنے کو دی اور میں اسے اوڑھ کر اس کے ہمراہ ہولی۔ اور ایک ایسے مکان میں داخل ہوئی جسے میں نہیں جانتی تھی۔ میں نے اس گھر میں بڑے بڑے پردے پڑے دیکھے اور ایک مرد وجیہ قریب پردہ کے تشریف فرما تھے۔ میرے ہمراہی خادم نے پردہ کے گوشے کو ایک طرف سے اتنا اونچا کیا کہ میں اُس کے اندر چلی گئی۔ اندر جاکر میں نے ایک عورت کو دردِ زہ میں مبتلا دیکھا اس کی پشت پر ایک اور معظمہ بیٹھی ہوئی تھیں اور معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ قابلہ کی خدمات بجا لانے کے لئے بیٹھی ہیں انھوں نے مجھے دیکھکر فرمایا کہ اے بہن! میرے پیش افتادہ کاموں میں اگر تم میری امداد کرتیں تو بہت بڑی عنایت اور مہربانی ہوتی۔ میں نے بسر و چشم ان کے ارشاد کو قبول کیا اور وضع حمل کی مناسب

ترکیبیں عمل میں لائی۔ تھوڑی دیر میں ایک صحیح وسالم اور نہایت قبول صورت فرزند کی ولادت واقع ہوئی اور میں اپنی مسرت کے غیر متحمل جوش میں چلا اٹھی۔ بیٹا ہوا! بیٹا ہوا۔ اور اس صدا کے ساتھ ہی میں نے فوراً اپنا سر پردے سے نکالکر اُس مرد قبول صورت کو ولادت کی تہنیت دینی چاہی۔ اسی اثنا میں مجھے ایک شخص نے مخاطب کرکے منع کیا کہ آوازہ بلند کرو۔ اور نہ چلاؤ۔ اب میں اس شخص کے کہنے سے چپ ہوکر اُس مولود کی طرف دیکھنے لگی جسے میں ابھی ابھی اپنے ہاتھوں پہ لئے تھی۔ تو اُسے اپنے ہاتھوں پر نہ پایا۔ یہ حالت دیکھکر میرے تو ہوش وحواس جاتے رہے اور نہایت انتشار لاحق حال ہوا۔ مگر اس معظمہ نے میری پریشانی دیکھکر مجھے تسلی دی اور سمجھایا کہ تم کوئی ملال اور افسوس نہ کرو۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ تمہارا کام ہوگیا۔ اب تم یہاں سے اپنے مکان کو واپس جاؤ۔ ابھی وہ خاتون مجھ سے یہ فرما ہی رہی تھیں کہ وہی خادم آیا اور وہی چادر اڑھاکر مجھ کو میرے گھر پہنچا گیا۔ اُس نے مجھے گھر میں داخل ہونے کے وقت ایک تھیلی دی جس کو میں نے روشنی کے سامنے لاکر کھولا تو اس میں دس دینار رکھے تھے۔ اے ہلال بن داؤد! میں نے اپنا یہ چشمدید واقعہ اس وقت سے لے کر آج تک کسی شخص سے نہیں کہا تھا۔ اور تم سے بھی اسوقت نہ بیان کرتی اگر تم نے حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے معاملات کو استہزا و تمسخر کے ساتھ نہ ملایا ہوتا۔ کیونکہ اس واقعہ کے بعد ہی مجھے معلوم ہوگیا کہ وہ خادم جو اس شب کو لیگیا تھا وہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا خادم تھا اور جس گھر میں میں گئی تھی وہ آپ ہی کی محلسرا تھی اور جو مولود مسعود کہ میرے ہاتھوں پر سے یکایک غائب ہوگیا وہ جناب امام العصر مہدی موعود سلام اللہ علیہ من رب الودود تھے۔ اور اس خادم کے آنے اور میرے بلائے جانے کی جو متواتر اطلاع مجھ کو دی گئی وہ بالکل روحانی طریقوں پر مبنی تھی۔ اسی دن سے میں نے پورے طور پر سمجھ لیا کہ ان حضرات رفیع الدرجات کو ایسے ایسے اعلیٰ مراتب و مدارج حاصل ہیں جو سوائے ان کے دوسروں کے لئے ممکن نہیں ہوسکتے۔ اور جو کچھ یہ حضرات اپنے فضائل و مناقب کے متعلق دعوے فرماتے ہیں وہ سب صحیح و درست اور راست بے کم وکاست ہیں۔

ہلال ابن داؤد کا بیان ہے کہ پہلے تو اُس پیرزن کی یہ طول وطویل روئداد سن کر مجھے کمال حیرت ہوئی مگر پھر تھوڑی دیر کے بعد میں نے اُسے بھی اپنے معمولی استہزا و تمسخر میں اڑا دیا۔ مگر باینہمہ اس کی طرف سے میرے دل میں ایک خلش سی ضرور لگی رہی۔ اس بنا پر میں نے ایک دن سوچتے سوچتے اس واقعہ کا اپنے دل میں حساب لگایا تو ۲۵۲ھ میں میں نے سامرہ سے سفر کیا تھا اور اس کے کہنے کے مطابق پیرزن کا یہ چشمدید واقعہ میرے سفر کرنے سے دو برس بعد واقع ہوا تو اس حساب سے ۲۵۵ھ میں یہ واقعہ ضرور صورت پذیر ہوا۔ اور یہی وہ سنہ ہے جس میں آپ کی ولادت واقع ہوئی۔ میرا حساب اور پیرزن کا بیان اس مقام پر بالکل مطابق اور پورا اُتر آیا اور میں نے پیرزن کے بیان کو غلط سمجھنے کا کوئی سبب نہ سمجھا۔ مگر چونکہ مجھ کو ان بزرگواروں سے ایک خاص خلش تھی اسلئے میں نے اپنا تنہا فیصلہ کرلینے کو قابل اعتبار نہ سمجھا اور اسکی تحقیق کرنے کی ضرورت سے میں عبداللہ بن سلیمان کے پاس آیا جس کی وزارت کے ایام میں یہ واقعہ صورت پذیر ہوا تھا اس سے پوچھا تو اس نے بھی بلا تامل اس کی تصدیق کی۔ حنظلہ اصل راوی کا بیان ہے کہ میں نے اس واقعہ کو ابوالفرج المظفر ابن احمد کو بھی بلاکر پوچھا تو اس نے بھی مجھ سے بجنسہٖ ایسا بیان کیا۔

اس ایک واقعہ سے ہمارے تمام بیان کی تصدیق ہو جاتی ہے اور آپ کی ولادت کے متعلق اب کسی عقل والے کو کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ اور ان لوگوں کا یہ محض خیالی شبہ کہ آپ کے واقعۂ ولادت کے بیان کرنے والوں میں سوائے جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام کے کوئی اور نہیں ہے محض غلط اور فضول ثابت ہوتا ہے۔ ان

واقعات کے علاوہ جن کو ہم نے اپنے ثبوت میں اوپر لکھا ہے ابھی اُن کے ایسے اور بھی واقعات اور مشاہدات ہمارے پیش نظر ہیں جن کو ہم غیر ضروری طوالت کی وجہ سے مرفوع القلم کرتے ہیں۔

حقیقت میں یہ واقعہ بھی ان ہی اخبار و آثار قدیمہ کی پوری مثال ثابت ہوتا ہے جو زمانۂ پیشین میں اکثر انبیائے مرسلین سلام اللہ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہم اجمعین کی ولادت کے وقتوں میں ظہور پذیر ہو چکے ہیں۔ ہم نے اس کتاب سے پہلی کتاب میں جہاں آپ کی ولادت باسعادت کی اُن امتناعی ترکیبوں کو بیان کیا ہے جو خلفائے عباسیہ کی طرف سے عمل میں لائی گئیں۔ اور ان کی کامل اور مفصل مثالیں خاص طور پر جناب ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و آلہ وعلیہما السلام کے حالاتِ ولادت کے ساتھ دکھلا دی ہیں۔ اُن کو اب بارِ دیگر اپنے ناظرین کتاب کو یاد دلا کر ہم اس مقام پر سمجھائے دیتے ہیں کہ جس طرح مشیّت ایزدی کو ان بزرگواروں کی ولادت پوشیدہ رکھنی منظور تھی ویسے ہی اس وقت جناب قائمِ آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا کے تمام واقعات کو بھی مخفی رکھنا مناسب اور مصلحت وقت تھا۔ اس لئے نظامِ قدرت نے اس پیرزن کے قوائے ادراک اور بصیرت سے اس وقت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے مکان کے جاننے اور پہچاننے کی تمام قوتیں سلب کر لیں اور باوجودیکہ وہ ایک مدت مدید اور عرصہ بعید سے آپ کے ہمسایہ میں رہتی تھی مگر اس وقت آپ کی دولت سرا کو مطلق نہ پہچان سکی جیسا کہ وہ خود بیان کرتی ہے اور پھر جب تک کہ اپنے مکان کو پھر کر واپس نہ آئی۔ اسی حیرت و کشش و پنج میں گرفتار رہی۔ اس کے علاوہ مدبرانِ مشیّت نے مزید احتیاط کے خیال سے اس پیرزن کو گھر سے چادر اڑھا کر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی دولت سرا تک پہنچایا اور پھر اُسی طرح کاشانۂ امامت سے اس کے مکان تک واپس کر دیا۔

یہ تمام واقعات و حالات صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ اس امرِ خاص میں مشیّتِ ایزدی کو ہر بات کا مخفی رکھنا اسی طرح منظور تھا جس طرح اکثر انبیائے مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کی ولادت کے وقت عادتِ الٰہی جاری ہو چکی تھی۔ اب اس مساوات اور مطابقت کی نسبت ہم کو یہ تجویز کر لینا باقی رہ گیا ہے کہ تدبیر مشیت کو جو ضرورت اور مصلحت اُن بزرگواروں کی ولادت کے وقت پیش آئی تھی وہی ضروریات اور مصالح اس وقت بھی پیش نظر تھے یا نہیں۔ اس کا معلوم کرنا اور سمجھ لینا کچھ ایسا دشوار نہیں ہمارے پاس کثرت سے معتبر اور مستند واقعات موجود ہیں۔ جو ان ضرورتوں کو پوری طور سے بتلا رہے ہیں اور ثابت کر رہے ہیں کہ خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ کے آیات و قدرت کو جھٹلانے والے اُس کے آثار جبروت کو مٹانے کی فضول کوشش کرنے والے اس کے برگزیدگانِ درگاہ کے ستانے والے۔ ان کے فضائل و مناقب کے گھٹانے اور چھپانے والے۔ یہانتک کہ اپنی انانیّت اور غرور نخوت میں اُن کا خون بہانے والے جیسے اُس وقت موجود تھے ویسے ہی اس وقت۔ مگر افسوس فرق تھا تو اسی قدر کہ انبیائے سابقین علیٰ نبینا وآلہ وعلیہم السلام کے قدیم زمانہ میں۔ جن لوگوں نے نظام ربانی سے اپنی مخالفت کا اظہار کیا وہ ایسے تھے جو سرے سے خدائے واجب الوجود کے وجود سے منکر۔ اس کی معرفت سے بالکل ناآشنا اور اس کی طاعت و عبادت سے پورے پورے جاہل اور غافل تھے۔ اپنی عبودیت کے اقرار کی جگہ اس کے معبود ہونے سے انکار کرتے تھے۔ اور اس قادرِ مطلق سے ہمسری اور مساوات کے دعوے کرتے تھے اور اس وحدہٗ لاشریک لہٗ کی جگہ تمام دنیا کو گمراہ کر کے اپنے آپ کو (معاذ اللہ) خدا منوانے کی کوشش کرتے تھے اور اس وقت بخلاف ان لوگوں کے جو آثار قدرت اور نظام مشیّت سے انکار کرتے ہیں وہ عموماً وہ لوگ ہیں جو اپنی بدقسمتی سے اپنے آپ کو اسلامی دائرہ میں شمار کرتے ہیں۔ خدا کی وحدت کا یقین بھی رکھتے ہیں۔ اور اسکی تمام قدرتوں کا اعتماد و اعتبار بھی

رکھتے ہیں۔ مگر با ایں ہمہ اعتراف پھر اس کی قدرت سے مقابلہ کرنے پر استادہ اور اس کی تدبیروں کے خلاف کوشش کرنے پر مستعد اور آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی غلط فہمیوں کی دُھن میں ذرا بھی نہیں سمجھتے کہ ہم کس سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ وہ کون ہے اور ہم کون۔ ہم جس کا زبان اور دل سے اقرار کرتے ہیں۔ اسی کا عملی طریقوں سے پھر انکار بھی کرتے ہیں۔ یہ کس اصول اور طریقہ سے جائز ہو سکتا ہے اعتراف بھی اور پھر اعتراض بھی۔ ان ھذا الشئی عجاب۔

اب ان امور کے ساتھ ہم کو یہ دریافت کرنا بھی نہایت ضروری ہے کہ آخر کار ان لوگوں کے انکار اور اختلاف کی کیا وجہ ہے۔ کیونکہ امم سابقہ کے انحراف کے لئے تو ان کی عام طور سے ضلالت اور کفر و جہالت کافی ہے مگر اس وقت کے انکار کرنے والوں کے لئے کیا عذر پیش کیا جائیگا جو کسی طرح سے کافر نہیں کہے جا سکتے تھے۔ سب کے سب اسلام کے دعویدار تھے۔ خدائے برحق کی تمام قدرتوں کا اعتراف کرنے والے اور اس کے تمام صنائع و بدائع کے پہچاننے والے تھے۔ مگر یہ افسوس و ملال اس وقت اور زیادہ ہو جاتا ہے کہ اسلام میں اس بدنما انکار کی ابتدا کرنے والے وہ لوگ بتلائے جاتے ہیں جو تمام اسلامی دنیا سے اپنے آپ کو وصی رسولِ برحق اور ان کا قائم مقام خلیفۂ مطلق تسلیم کراتے ہیں اور اپنے ان ہی استحقاق اور ادعا کے زوروں پر تمام مسلمانوں سے عقیدت کے سر اور اطاعت کی گردنیں جھکواتے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ؎

گر مسلمانی ہمیں است کہ واعظ دارد ✤ وائے گر در پسِ امروز بود فردا ئے

اس میں شک نہیں کہ سلاطین بنی امیہ کے بعد فرمانروایان عباسیہ کے سلسلۂ حالات میں اسلامی تاریخوں کے یہ اوراق خاص طور پر ایسے تیرہ و تاریک نظر آتے ہیں جو مخالفِ اسلام قوموں کے لئے قوی اور لاجواب اعتراض کرنیکے کامل باعث ثابت ہوتے ہیں۔ اتنا تمہیدًا عرض کرکے ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ جہانتک ان امور کی خاص تحقیق کی گئی ہے اس سے یہ امر کما حقہ ثابت ہوتا ہے کہ متوکل کے زمانہ سے لیکر معتمد کے دَور دَورے تک لگاتار ان کی ولادت کے متعلق امتناعی کوششیں ہوتی رہیں۔ مگر اس طرح کہ سوائے خاص خاص لوگوں کے دوسروں پر کم ظاہر ہوئیں۔ لیکن آخر وقت میں ان کوشش کرنے والوں میں معتمد کا نمبر سب سے بڑھا ہوا پایا جاتا ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ میں معتمد حاکم وقت تھا۔ اس لئے وہ سوچ چکا تھا کہ آپ کی ولادت یا وجود ذی جود کے متعلق جو کچھ پردۂ غیب سے ظہور پذیر ہوگا وہ میرے ہی زمانہ میں۔ اس لئے وہ اس کے تدارک کو اپنا فرض منصبی سمجھتا تھا۔ اور اسی باعث سے اُس نے آپ کے لئے قید تنہائی کا حکم دیا تھا۔ جیسا کہ گیارہویں کتاب میں مفصل طور پر بیان ہو چکا ہے۔ اگرچہ آپ سے پہلے آپ کے والد بزرگوار حضرت امام علی نقی علیہ السلام بھی مادام الحیات نظربندی کی حالت میں گزر کرتے رہے مگر آمدورفت اور دید و وادید کے ابواب کسی کے لئے بھی بند نہیں تھے مگر جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی قید میں اس کی خاص شرط لگا دینا اس کی شدید ضرورت کو اچھی طرح بتلا رہا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو چودہ برس کی نظربندی کے بعد پھر اپنی محلسرا میں رہنے کا حکم ہو گیا تھا۔ اور شاہی جاسوسوں کے ذریعہ سے معمولی طور پر آپ کے احوال و افعال کا تفحص کر لیا جاتا تھا۔ مگر بخلاف آپ کے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی قید کی شرائط ایسی تھیں کہ آپ کو اپنی قید کی جگہ سے کہیں باہر جانے کا حکم نہیں تھا اور نہ آپ کی خدمت میں کوئی دوسرا شخص آسکتا تھا۔ جیسا کہ اپنے مقام پر پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ خاص جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کا آپ کی ولادت کے واقعہ کو مخفی رکھنا اور یہاں تک اس امر میں اپنی احتیاط اور مآل اندیشی کو ملحوظ فرمانا کہ اپنے معتمدین اور معتبرین اصحاب کیا۔ اپنے اعزہ و اقارب کو بھی باستثنائے چند بزرگواروں کے مطلع نہ فرمانا

ثابت کر رہا ہے اور بتلا رہا ہے کہ اس امر مخصوصہ کے پوشیدہ اور محفوظ رکھنے میں کوئی خاص مصلحت ضرور مضمر تھی۔ اور اس کے متعلق آپ کو اپنی آئندہ مضرت اور نقصان کے کچھ ایسے یقین اور اعتبار حاصل تھے جن کی وجہ سے اس کا اظہار کسی طرح مناسب اور ممکن نہیں تھا۔
انہی امور کے ساتھ ہم کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی یہ مآل اندیشی اور حسن تدبیر بھی مشیت ایزدی اور مصلحت خداوندی کا عین مقتضا ثابت ہوتی ہے جو اس امر خاص کی بابت پہلے سے جاری ہو چکی تھی۔ کیونکہ اس وقت تک جتنے آثار روحانی اور مشاہدات ربانی آپ کی ولادت با سعادت کے متعلق جاری ہو چکے تھے وہ اس کے پوشیدہ رکھے جانے اور مخفی کئے جانے کا صاف صاف حکم دے رہے ہیں۔ ابھی ابھی پیرزن کی زبانی جو واقعہ نقل کیا گیا ہے اس کے تمام مضامین صاف اور روشن لفظوں میں ہمارے بیان کی کامل تصدیق کر رہے ہیں اور اس کے تمام اہتمام اور انتظام سے ثابت ہو رہا ہے کہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی ولادت با سعادت کے واقعہ کو باستثنائے چند بزرگواروں کے جن کے خلوص واعتقاد و امتحن اللہ قلوبھم کے معیار اصلی پر پورے اتر چکے تھے اور کسی دوسرے کے کان تک نہ پہنچانا چاہیئے۔ ان تمام واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام قدرت اور احکام امامت (حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام) خاص کر اسی باعث سے تھے کہ اس امر کے اشتہار و اظہار میں معاندین و مخالفین کے ہاتھوں اس ودیعت الٰہی کے ضائع ہونے کا قوی احتمال تھا۔ اسی سبب سے محافظت کی جو تدبیریں نظام مشیت نے تجویز کیں وہی ترکیبیں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے جاری فرمائیں۔ چنانچہ اس واقعہ کو یہاں تک مخفی اور پوشیدہ رکھا گیا کہ گھر کے لوگ بھی اس سے واقف نہ ہوئے۔ اور اسی وجہ سے سوائے حضرت حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کے آپ کے گھر اور کنبہ کی کسی دوسری عورت کو اس واقعہ کی کہیں کو کانوں کان خبر بھی نہ ہونے پائی۔ مردوں میں کسی سید کو بھی جو ان دنوں کثرت سے دار الحکومت سامرہ اور اس کے قرب و جوار میں آباد تھے۔ اور آپ سے حسب و نسب میں قرابت قریبہ رکھتے تھے۔ اس واقعہ کی مطلق اطلاع نہیں کی گئی یہانتک کہ آپ کے برابر کے بھائی جعفر کو بھی اس سے مطلع نہ فرمایا گیا۔ اور ان حضرت سے تو یہ واقعہ خاص کر ایسا پوشیدہ رکھا گیا کہ آپ کی وفات کے وقت تک ان کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی حقیقت میں کوئی اولاد بھی ہے یا نہیں جیسا کہ بہت جلد ہمارے سلسلۂ بیان سے ظاہر ہوگا۔ مردوں میں خاص کر انہی غلاموں پر اعتبار کیا گیا جن کی وفاداری۔ کامل الاعتقادی اور دینی پائداری پر آپ کو پورا یقین ہو چکا تھا۔ مگر یہ خادم یا غلام بھی تین یا چار سے زیادہ معلوم نہیں ہوتے جن میں عقید یا سر اور نسیم رضی اللہ عنہم کے نام خصوصیت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمام قبیلہ کی عورتوں میں حضرت حکیمہ خاتون علیہا السلام اور مردوں میں انہی تین یا چار وفادار اور دیانت شعار غلاموں کے ماسوا اور کسی دوسرے شخص کو اس واقعہ ولادت کی خبر نہیں کی گئی۔
اب رہے وہ مومنین مخلصین جو اس کی اطلاع سے ممتاز و سرفراز فرمائے گئے۔ ان کی نسبت ہم کو یہی سمجھ لینا چاہیئے کہ ان بزرگواروں کا خلوص واعتقاد بھی جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی حضور میں ایسا ہی کامل ثابت ہو چکا تھا کہ پھر ان سے اس کے افشا کرنے کا کبھی شبہ نہیں ہو سکتا تھا اور نہ کبھی ان کی وفاداری اور پائیداری میں کسی قسم کی لغزش کی امید کی جا سکتی تھی۔ یہ وہی نفوس عالیہ تھے جو آیہ وافی ہدایہ کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ کے کافی مصداق تھے۔
ولادت با سعادت کے بعد بھی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند کو ہمیشہ عام نگاہوں سے اپنی مادام الحیات پوشیدہ رکھا۔ اور سوائے ان ذی قسمت اور خالص عقیدت مومنین کے جن کے خلوص پر آپ کو پورا وثوق تھا اور کسی متنفس کو اپنے نونہال عدیم المثال کی زیارت سے مشرف ہونے کیلئے اجازت نہ دی۔ اب تو ان تمام طول طویل

دلائل اور مسلسل اور مکمل تفصیل سے ظاہر اور ثابت ہو گیا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے آپ کی ولادت باسعادت اور اس کے بعد آپ کی زیارت اور ظاہری روایت کو کس طرح پوشیدہ رکھا۔ اگر آپ کو اس کی ضرورت محسوس نہ ہوئی ہوتی یا خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے آپ اس کے امتناع پر مامور نہ ہوئے ہوتے تو پھر آپ کو اس طول وطویل احتیاط وانتظام کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کی یہ تمام عملی تدبیریں اور ترکیبیں سرے سے بیکار اور فضول تھیں۔ ایسے اوقات مخصوصہ پر عموماً ہر انسان کو اپنے مُلک خواہ عارضی بود و باش کے مقام میں۔ گو وہ صحرا ہی کیوں نہ ہو۔ ان واقعات کے اعلان واظہار کے لئے فطری طور پر مجبوری ہو جاتی ہے اور وہ ان واقعات پر اپنی مسرت وفرحت کے اظہار کو کسی طرح نہیں روک سکتا۔ لیکن ایمائے مشیت پاک پر جناب امام حسن عسکریؑ نے کمال استقلال سے اپنے تمام دلی جذبات کو روکا اور اُن کی نسبت خاموشی اختیار فرمائی۔ اس قرینہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس امر خاص کے مخفی رکھے جانے میں آپ کے فرزند ارجمند کی حفاظت جانی بھی متصور تھی اور موافقت کلام ربانی بھی۔

مگر اس کے ساتھ ایک دوسرا شبہ یہ بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ جب آپ کو اپنے فرزند ارجمند کی ہلاکت یا مضرت کا ایسا ہی یقین تھا تو پھر آپ نے اپنے گھر کے خادم اور اپنے اکثر مومنین مخصوصین کو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کیوں اس واقعہ کی اطلاع فرمائی۔ اور کم از کم اس اطلاع دہی سے کیا فائدہ سوچا گیا تھا۔ اور آپ کے نزدیک اس میں کونسی مصلحت مضمر تھی۔ ہم نہایت آسانی سے اس مسئلہ کو حل کئے دیتے ہیں اور اس کے اصلی باعث اور حقیقی مقصود کو بیان کئے دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ اتنی اطلاع حضرت امام حسن عسکریؑ علیہ السلام کے لئے نہایت ضروری تھی۔ کیونکہ مطلق اخفائے آپ کی ولادت باسعادت کے قطعی انکار کا مسئلہ ثابت ہو جاتا۔ اور جو لوگ کہ آپ کی ولادت کے منکر تھے وہ اپنے دعووں میں قوی اور جری ہو جاتے اور اپنے استدلال کو اس بنا پر قائم کر کے اپنے عقائد کو بالکل برحق سمجھنے اور سمجھانے لگتے۔ اسی وجہ سے ایسے اور اتنے لوگوں کی شہادت ضروری تھی۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اسی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر ان حضرات کو واقعۂ ولادت سے مطلع بھی کر دیا تھا۔ اور بعد ولادت ان سعادتمندان زمانہ اور بعض اور بھی بزرگواروں کو زیارت اور شرف رؤیت سے بہرہ اندوز فرما دیا تھا۔ اور ان دونوں امور کا اصلی مدعا اور مقصود یہی تھا کہ منکرین ولادت کے دعووں کی قطع برید اور ان کی غلط فہمی اور جہالت کی قطعی رد ان لوگوں کی شہادت عینی سے ہو جائے اور اس طرح جناب قائم آل عبا علیہ التحیۃ والثنا کی ولادت باسعادت کا مسئلہ دنیا میں ایک خیالی۔ قیاسی۔ ان دیکھا اور انجانا ہو کر نہ رہ جائے یہ مصالح تھے اور منافع جو ان حضرات کو وقتِ ولادت موجود رکھنے یا اُن میں سے اکثر کو ولادت سے خبر دینے یا بعد ولادت ان سے بھی اکثر کو زیارت سے مشرف کرنے کے متعلق کامل طور سے ثابت ہوتے ہیں اور حقیقت میں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی یہ حُسن تدبیر اور مآل اندیشی مصلحتِ وقت اور مناسبتِ زمانہ کے خیال سے بالکل عدیم المثال ثابت ہوتی ہے۔ اگر واقعی آپ اپنے فرزند ارجمند کی ولادت باسعادت کے واقعہ کو قطعی طور پر پوشیدہ اور مخفی رکھتے تو منکرین ولادت کو اپنے دعوے کے قوی ثبوت مل جاتے اور پھر مومنین کو ان کے جواب میں وجود باری تعالیٰ کے ایسے دلائل معقولات کے سوا منقولات کی ذرا بھی گنجائش نہ رہتی۔ انہی وجوہ لکھ کر ہم اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ ان امور اور وجوہ سے ثابت ہو گیا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند کی ولادت باسعادت کے واقعات کو سلاطین عباسیہ کی موجودہ مخالفت کی وجہ سے پوشیدہ رکھا اور سوائے ان لوگوں کے جن پر آپ کو اعتماد کلی تھا اور کسی دوسرے کو اس موقعہ پر حاضر ہونے کی اجازت نہیں دی اور نہ ان کو کسی حال سے مطلع فرمایا۔ جن لوگوں نے انبیائے مرسلین سلام اللہ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہم اجمعین کے حالات پڑھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ خاصانِ الٰہی ایسے مواقع پر ایسے

ہی مسالک اور طریقے اختیار کرتے تھے جیسا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے ظاہر فرمایا۔ آثار و اخبار قدیمہ ثابت کر رہے ہیں کہ جب ایسی ضرورت واقع ہو جاتی ہے تو خاصانِ آلہی ایمائے خداوندی کی ہدایت سے خدا کی حجت اور اس کی ودیعت کی حفاظت کے متعلق ایسی ہی ترکیبیں عمل میں لاتے ہیں اور اس ودیعت آلہی کو مخالفین و معاندین کی ایذا رسانی سے بچاتے ہیں۔ جن حضرات نے اسلامی تاریخیں پڑھی ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا و آلہ وعلیہ السلام روزِ ولادت سے لیکر جب تک کہ اپنے سنِ شعور تک نہ پہنچ لئے۔ اپنی ولادت کے اس مقام سے باہر نہیں نکالے گئے۔ جہاں نہایت احتیاط اور رازداری سے آپ کی ولادت کا انتظام کیا گیا تھا۔ آخر یہ انتظام اور اہتمام کیوں کئے گئے تھے۔ اسی لئے نہ کہ آپ کی ولادت کی خبر نمرود کو نہ ہونے پائے اور وہ آپ کی ہلاکت کا انتظام نہ کر سکے۔ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے واقعۂ ولادت کو بھی بجنسہٖ ایسا ہی سمجھنا چاہیئے اور اس کے متعلق حفظ و صیانت کی جو جو تدبیریں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے کیں وہ بالکل ویسی ہی تھیں جیسی جناب تارخ نے اپنے فرزند دلبند کے حفظ اور امن و امان کے متعلق جاری فرمائی تھیں۔ ایسی مثالوں سے خاصانِ خدا کے کارنامے بھرے پڑے ہیں جو چاہے دیکھ لے۔ ہم نے اُن واقعات کی نقل کو بے ضرورت اور خواہ مخواہ طوالت کا باعث سمجھ کر قلم انداز کر دیا ہے۔ اور صرف اسی قدر توضیح و تشریح کو اپنے بیان کے ثبوت کیلئے کافی سمجھا ہے۔ چنانچہ ان تمام دلائل کے بعد جو رائے اور مختار ہم نے اس کتاب میں قائم کیا ہے بالکل وہی استدلال محققِ کامل اور محدثِ فاضل امام قندوزی نے بھی اپنی کتاب ینابیع المودۃ فی القربیٰ کے صفحہ ۴۷۹ میں اختیار کرکے نقل فرمایا ہے جسکو ہم اطلاع و اطمینان ناظرین کیلئے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ قد اراللہ تعالیٰ مولدہ تقدیر موسیٰ علیہ السلام فان فرعون لما وقف ان زوال ملکہ بید مولود من بنی اسرائیل امر بقتل مولود ذکراً من بنی اسرائیل حتی قتل نیفاً وعشرین الفا مولوداً فحفظ اللہ من موسیٰ کذلک بنو امیۃ وبنو عباسؓ وقفوا علی ان زوال الجبابرۃ علی ید القائم علیہ السلام منہ فقصدوا قتلہ ویابی اللہ ان یکشف امرہ لواحد من الظلمۃ الا ان یتم نورہ (ینابیع المودۃ فی القربیٰ ص ۴۷۹)

خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپ کی ولادت باسعادت کے متعلق وہی انتظام کئے تھے جو جناب موسیٰ علی نبینا و آلہ و علیہ السلام کی ولادت کے وقت سامان کئے تھے۔ کیونکہ فرعون کو معلوم تھا کہ اس کی سلطنت کا زوال بنی اسرائیل کے ایک بچہ کے ہاتھ سے ہوگا۔ اس لئے اس نے بنی اسرائیل کے تمام مولود ذکور کے قتل کئے جانے کا حکم دیدیا تھا۔ جس کے باعث بنی اسرائیل کے پچیس ہزار بچے قتل کرڈالے گئے تھے مگر اس پر بھی اس قادرِ مطلق اور حافظِ برحق نے حضرت موسیٰ علی نبینا و آلہ وعلیہ السلام کی کامل حفاظت فرمائی۔ اسی طرح بنی امیہ اور بنی عباس بھی جانتے تھے کہ ان کے سلاطین جابرہ کا استیصال جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام وعجل اللہ ظہورہٗ کے ہاتھ سے ہونے والا ہے۔ اس لئے ان لوگوں نے بھی آپ کے قتل کرنے کی فکر کی لیکن مشیتِ الٰہی نے آپ کے امور کو ان میں سے کسی ایک پر بھی ظاہر نہ ہونے دیا تاکہ وہ کسی طرح اِس نورِ الٰہی کا اطفا رعمل میں نہ لاسکیں۔ بہرحال۔ اِن مضامین کو اول سے آخر تک لکھ کر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اور اُن حضرات کے چشم دید واقعات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں جنہوں نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانۂ حیات ہی میں جناب قائم علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل کرلیا تھا ٭

آپ کی زیارت سے مشرف ہونیوالے حضرات

امام قندوزی نے ینابیع المودۃ فی القربیٰ میں ایک علیحدہ باب اس مضمون میں قائم کیا ہے جس کے عنوان کو اس عبارت کے ساتھ آغاز فرماتے ہیں۔ الباب الثانی والثمانون فی بیان ان الامام انا محمد ان

الحسن العسکری علیہ السلام اری ولدہ القائم المھدی علیہ السلام بخواص موالیہ واعلمھم ان الامام من بعدہ ولدہ رضی اللہ عنھما۔ باب بیالیسواں اس بیان میں کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے فرزند دلبند جناب قائم مہدی علیہ السلام کو اپنے احباب مخصوصین کو دکھلایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ آپ کے بعد آپ کا فرزند ارجمند امامِ وقت ہوگا۔ اب ہم ذیل کے چند واقعات اس بیان کی تصدیق میں لکھتے ہیں۔

عن ابی غانم الخادم قال ولد لابی محمد ن الحسن علیہ السلام مولود فسماہ محمد افعرضہ علی اصحابہ یوم الثالث وقال ھذا امامکم من بعدی وخلیفتی علیکم وھو القائم الذی تمتد الیہ الاعناق بالانتظار فاذا امتلأت الارض جورا وظلما خرج فملأھا قسطا وعدلا۔ آپ کے خادم ابی غانم کا بیان ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو خدائے واہب العطایا نے جب فرزند ارجمند عطا فرمایا تو آپ نے اس کا نام نامی محمد رکھا اور ولادت سے تین دن بعد اپنے اس پارۂ جگر کو باہر لاکر اپنے اصحاب کو دکھلایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ ہمارے بعد تمہارا یہی امام ہے اور ہمارا خلیفہ تم پر۔ اور یہی وہ قائم علیہ السلام ہے جس کے انتظار میں تمہاری گردنیں جھکی رہیں گی۔ اور جس طرح زمین اس وقت ظلم وجور سے پُر ہو جائیگی۔ اسی طرح یہ تمام دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔

عن جعفر بن مالک قال معاویۃ ابن الحکیم ومحمد ابن ایوب ومحمد بن عثمان ان ابا محمد ن الحسن العسکری علیہ السلام عرض ولدہ علینا ونحن فی منزلہ وکنا اربعین رجلا فقال ھذا امامکم من بعدی وخلیفتی علیکم فاطیعوہ ولا تتفرقوا من بعدی فتھلکوا فی ادیانکم اما انکم لا ترونہ بعد یومکم ھذا۔ جعفر ابن مالک ناقل ہیں کہ ہم سے معاویہ ابن حکیم ومحمد ابن ایوب اور محمد ابن عثمان نے بیان کیا کہ ہم لوگ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم لوگ تعداد میں چالیس آدمی تھے تو آپ نے اپنے فرزند دلبند کو ہم لوگوں کو دکھلا کر کہا کہ ہمارے بعد یہی تمہارا امام ہے اور تم پر یہی ہمارا خلیفہ ہے۔ انہی کی اطاعت اختیار کرنا اور میرے بعد اختلاف میں نہ پڑنا۔ اور اپنا دین وایمان کھو کر معرضِ ہلاکت میں نہ پڑنا۔ اگرچہ ان کو آج کے بعد پھر تم نہ دیکھ سکو گے۔

عن حمدان القلانسی قال قلت لمحمد بن عثمان العمری مضیٰ ابو محمد علیہ السلام فقال لی قد مضیٰ ولکن قد خلف فیکم من رقبتنا الیہ بیعتہ۔ ھکذا نقل فی ینابیع المودۃ فی القربیٰ۔ حمدان القلانسی کا بیان ہے کہ میں نے محمد ابن عثمان العمری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا تو انتقال ہوگیا۔ انہوں نے جواب دیا ہاں۔ آپ نے البتہ رحلت فرمائی۔ مگر ہم لوگوں میں آپ نے اپنا وصی ضرور چھوڑا ہے اور اس کی بیعت ہم لوگوں کی گردن میں باقی ہے۔ عن عمرو الاھوازی قال ارانی ابو محمد ن الحسن علیہ السلام ابنہ رضی اللہ عنہ وقال ھذا امامکم بعدی (ینابیع) عمرو اہوازی کا بیان ہے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے فرزند رضی اللہ عنہ کو دکھلا کر مجھ سے ارشاد فرمایا کہ یہی میرے بعد تمہارا امام ہے۔

عن خادم الفارسی قال کنت بباب الدار فخرجت جاریۃ من البیت ومعھا شیٔ مغطی فقال لھا ابو محمد علیہ السلام اکشفی عما معک فکشفت فاذا غلام ابیض حسن الوجہ فقال ھذا امامکم بعدی قال فما رأیتہ بعد ذلک۔ خادم فارسی کا بیان ہے کہ میں دردولت پر حاضر تھا کہ ایک کنیز اپنے ہاتھوں پر کوئی چھپی ہوئی چیز لیئے اندر سے باہر نکلی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جو چیز تیرے ہاتھ پر ہے اُسے دکھلا دے پس اس نے دکھلا دیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھوں پر ایک نہایت حسین گورا اور قبول صورت بچہ ہے۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہی میرے بعد تمہارے امام ہیں۔ اس دن کے بعد میں نے پھر ان کو نہیں دیکھا۔

عن محمد بن اسمٰعیل ابن موسیٰ الکاظم علیہ السلام کان اسن بنی الکاظم قال رایت ولد ابی محمد الحسن العسکری علیہ السلام وھو غلام ۵ محمد بن اسمٰعیل ابن موسیٰ الکاظم علیہ السلام جو بنی کاظم میں سب سے بزرگ اور سن رسیدہ تھے بیان کرتے ہیں کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے فرزند ارجمند کو میں نے دیکھا وہ اس وقت بچے تھے۔

قال ابو علی ابن مطہر قال رایت ولد ابی محمد علیہ السلام ولہ قد رجلیل - ابو علی ابن مطہر کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے صاحبزادے کو دیکھا اور اُن کے نزدیک اس صاحبزادے کی بڑی قدر تھی۔

عن کامل ابن ابراھیم المدنی قال دخلت علی ابی محمد ن الحسن العسکری علیہ السلام وعلی باب بیت ستر فجاءت الریح فتشکف الستر فاذا غلام کانہ القمر فقال ابو محمد علیہ السلام یا کامل قد اتینک بحاجتک ھذا الحجۃ من بعدی - کامل ابن ابراہیم مدنی کا بیان ہے کہ میں حضرت ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو محلسرا کے دروازے پر پردہ پڑا تھا - ہوا جو آئی تو وہ کپڑا ایک طرف سے کھُل گیا - اب میں نے دیکھا کہ ایک ماہ پارہ بچہ ماہ کامل کی طرح موجود ہے - آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے کامل تیری آرزو پوری ہوگئی - یہی میرے بعد حجت ہے۔

عن ابراھیم ابن ادریس قال رأیت المھدی علیہ السلام بعد ان مضی ابو محمد علیہ السلام حین غلام وقبلت یدیہ ورأسہ الشریف ۵ ابراہیم بن ادریس کا بیان ہے کہ میں نے جناب مہدی علیہ السلام کو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد دیکھا - آپ اُس وقت تک طفل صغیر السن تھے اور میں نے آپ کے دست مطہر اور فرق مبارک کا بوسہ لیا۔

عن یعقوب ابن منفوس قال دخلت علی ابی محمد ن الحسن العسکری علیہ السلام وعلی باب بیت ستر مسبّل فقلت لہٗ یا سیدی من صاحب ھذا الامر بعدک فقال ارفع الستر فرفعتہ فخرج غلام فجلس علی فخذ ابی محمد علیہ السلام وقال لی ابو محمد علیہ السلام ھذا امامکم من بعدی ثم قال یا بنیّ ادخل ھذا البیت فدخل البیت وانا انظر الیہ ثم قال لی ابو محمد علیہ السلام یا یعقوب انظر فی البیت فدخلتہ فما رایت احدا ط یعقوب ابن منفوس کا بیان ہے کہ میں ابو محمد حسن عسکری علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا - اس وقت درِ دولت پر ایک پردہ پڑا ہوا تھا - میں نے خدمت بابرکت میں عرض کیا کہ آپ کے بعد امر امامت کس سے متعلق ہوگا - یہ سُنکر آپ نے فرمایا کہ یہ پردہ اٹھادو - میں نے پردہ اٹھادیا تو ایک طفل صغیر السن برآمد ہوا اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے زانوئے مبارک پر بیٹھ گیا - آپ نے مجھ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ میرے بعد تمہارا امام ہے - پھر آپ نے اس بچہ سے ارشاد فرمایا کہ اچھا اب گھر میں چلے جاؤ چنانچہ وہ تشریف لیگیا - اور میں اسکو جاتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہا - جب وہ اندر چلا گیا تو پھر آپنے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اب تم گھر میں جاکر دیکھو - میں گھر میں گیا تو کسی کو وہاں نہیں پایا۔

یہانتک تو ہم نے کتاب ینابیع المودۃ فی القربیٰ کی عبارت سے واقعات درج کیے ہیں جنہوں نے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی اجازت سے آپ کے جمال باکمال کی زیارت کا شرف حاصل فرمایا تھا - یہ وہی کامل الایمان اور راسخ الاعتقاد بزرگوار تھے - جنکو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے ایسے عظیم الشان راز پر مطلع فرمایا تھا اور اُن کے ذاتی محاسن اور اوصاف کو دیانت امانت اور صداقت کے معیار پر پورا کامل پایا تھا - اب اُن بزرگواروں کے بعد ہم اُن خوش قسمت سعادتمندانِ زمانہ کے حالات بیان کرتے ہیں جن کو بوجہ مسافت اور دوری کے زیارت اور حضور ذاتی تو حاصل نہ ہو سکا مگر ہاں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ان کی خصوصیت اور قربت اور امانت پر اعتبار کرکے اُن کو اپنے فرزند ارجمند کی ولادت کی خبر ضرور کردی تھی اور ولیمہ ولادت کے الوان نعمت سے ان کو بھی خاص

حصہ عنایت فرمایا تھا۔

ملا مجلسی علیہ الرحمۃ والرضوان بحار الانوار جلد سیزدہم مطبوعہ دار الحکومت تبریز میں تحریر فرماتے ہیں کہ محمد بن ابراہیم کوفی کا بیان ہے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے ایک گوسفند ذبح شدہ میرے پاس بھیجدی اور کہلا بھیجا کہ یہ میرے فرزند محمد علیہ السلام کا عقیقہ ہے۔ تم خود بھی کھانا اور اپنے برادران ایمانی کو بھی کھلانا۔

حمزہ ابن ابو الفتح کا بیان ہے کہ یکایک ایک شخص میرے پاس آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ تم کو مبارک ہو کہ کل رات کو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے گھر میں فرزند ارجمند پیدا ہوا ہے اور آپ نے اس کی ولادت باسعادت کے واقعہ کو مخفی رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ میں نے اس شخص سے پوچھا کہ اس مولود مسعود کا نام کیا رکھا گیا ہے۔ اس نے کہا کہ محمدؐ۔

احمد بن عبد اللہ قمی کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت قائم آل عبا علیہ التحیۃ والثنا پیدا ہوئے اسی وقت میرے دادا احمد ابن اسحاق کے پاس جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کا خاص آدمی آیا جو آپ کے خاص دست مبارک کا لکھا ہوا کرامت نامہ لایا۔ جس میں تحریر تھا کہ میرے ہاں ایک صاحبزادے کی ولادت ہوئی ہے۔ میں تمہیں اس امر کی اطلاع تو ضرور کرتا ہوں مگر تم اس واقعہ کے پوشیدہ رکھنے کی بڑی احتیاط رکھنا۔ یہ یاد رکھو کہ میں نے اپنے احباب خاص سے کیا اپنے خویش واقارب تک سے اس واقعہ کو بالکل مخفی رکھا ہے اور کسی کو اس سرِ الٰہی پر مطلع کرنا پسند نہیں کیا۔ مگر باایں ہمہ تم سے اس کو پوشیدہ کرنا کسی طرح بھی گوارا نہ تھا اس وجہ سے تم کو اس مژدۂ جانفزا کی خاص طور پر اطلاع دیجاتی ہے کہ تم اس کی حقیقت حال معلوم کر کے ویسا ہی شاد و مسرور ہو گے جیسا کہ میں اس نعمتِ الٰہی اور دولت نامتناہی کو پا کر دلشاد اور فرحناک ہوا ہوں۔

ہم اِن حضرات کے نامِ نامی اور ان کے واقعات کے ذکر اجمالی طور پر لکھ چکے ہیں اور پھر بارِ دیگر یہاں بھی اپنے سلسلۂ کلام اور مناسبت مقام کی ضروری رعایت کی وجہ سے انکا اعادہ کر دیا ہے۔ بہرحال اتنی چشم دید شہادتیں اور برای العین تصدیق زیارت کے مقابلہ میں اب وہ کون ایسا بے بصیرت ہو گا جو جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے واقعۂ ولادت سے ایک منٹ کے لئے بھی انکار کر سکیگا۔ فی زمانہ مشاہدات پر زیادہ اعتبار کیا جاتا ہے تو الحمد للہ ہم نے آپ کی ولادت باسعادت کے متعلق اتنے مشاہدات جمع کر دیئے ہیں جو تواتر کی حدود اعتبار تک ضرور پہنچ گئے ہیں تو پھر ایک مشاہدات کا ہی انکار جہالت کا مقتضا سمجھا جا سکتا ہے۔ اسپر تواترات سے انحراف تو اور گناہ بالائے گناہ کا جرم مزید عائد کرتا ہے۔ اِن وجوہ سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا واقعہ ایسا صریح اور صحیح ہے جس سے کبھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ رہا۔ اس کا مخفی اور پوشیدہ کرنا محض خاص لوگوں تک اس کی اطلاع کرنا۔ اس کی ضرورت مصلحت وقتی اور فوائد ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور پھر لکھے دیتے ہیں کہ صورت حال اور ضرورتِ وقت ہم کو ہر قرینہ اور ہر پہلو سے بتلا رہی ہے اور ثابت کر رہی ہے کہ اگر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اس واقعہ کو قطعی طور پر مخفی فرما دیتے اور کسی کو بھی نہ اس سے مطلع کرتے اور نہ کسی ایک کو اپنے نونہال یوسف جمال کی زیارت سے مشرف فرماتے تو واقعی یہ مسئلہ دنیا بھر میں ضرور قیاسی اور فرضی بنکر رہ جاتا۔ جب اتنے مشاہدات کے مقابلہ میں اور ایسی صریح تصدیق و توثیق اور تواترات کی موجودگی میں اہل اسلام کی ایک معتدبہ جماعت ہم تک اس میں مشتبہ پائی جاتی ہے اور ابتک حقیقت حال سے انکار کر کے آپ کی ولادت کو قریب قیامت واقع ہونا بتلاتی ہے تو پھر اُس حالت میں جب اس واقعہ کا ایک بھی شاہد عینی نہ بتلایا جاتا اور نہ کوئی اس نور الٰہی کا دیکھنے والا پایا جاتا تو اُن کے دعوے خود بخود پہلے سے بھی زیادہ قوی اور مستحکم ہو جاتے اور وہ زوروں سے اپنی غلط فہمی کو بالکل صحیح اور درست

بتلاتے اور ان مباحث کا نتیجہ آخر میں یہ نکلتا کہ وجود باری تعالیٰ اور آپ کے وجود میں مساوات اور مماثلت پیدا کی جاتی جو پہلے سے بھی زیادہ قابلِ اعتراض سمجھی جاتی۔ ان ہی وجوہ سے جیساکہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنی کمال دور بینی اور مآل اندیشی سے جو آپ کے حسن تدبیر کو عدیم النظیر ثابت کررہی ہے اس واقعہ کو عام شہرت سے بچایا۔ اور پھر اس کو اپنے دائرۂ معتمدین اور مخصوصین میں مشتہر کرکے اس کو ضعیف واحاد ہونے اور بالکل موہوم و مجہول یا محض ظنی و قیاسی سمجھے جانے کے عیوب سے بھی محفوظ رکھا۔ جیساکہ ابھی ابھی پوری تفصیل سے بیان ہوچکا ہے۔ اتنا لکھ کر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور جناب قائم آل عبا علیہ السلام کی ولادت کے بعد کے واقعات اور حالات کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں +

ولادت باسعادت سے بعد کے حالات

ناظرین کتاب کو یہاں تک تو معلوم ہوچکا کہ آپ کی ولادت کا واقعہ عام طور سے مشتہر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس کی شہرت میں موجودہ سلاطین عباسیہ کی وجہ سے آپ کی جسمانی ایذا و مضرت و ہلاکت کے یقینی خیال لگے ہوئے تھے جیساکہ ایام قدیمہ میں ان خاصانِ الٰہی کے متعلق اس وقت کے سلاطینِ جابرہ کیطرف سے عمل میں آچکے تھے۔

بہرحال جناب امام حسن عسکری علیہ السلام آپ کی ولادت کے بعد پانچ برس تک اور زندہ رہے اور اس پانچ برس کے عرصہ میں آپ نے اپنے اس نورالعین کو ہردم و ہر لحظہ نظرِ عامہ کے چشمِ زخم سے محفوظ و مصئون رکھنے کے لئے ہمیشہ اسی احتیاط و کوشش سے کام لیا جو اس امرِ خاص میں آپ کے حسن تدبیر کا اعلیٰ اور یکتا نمونہ ثابت ہوچکی تھی۔ کبھی اس یوسف زمانہ کو پردہ سے باہر نہ ہونے دیا۔ ہم صواعق محرقہ کی اسناد سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی کتاب میں لکھ آئے ہیں کہ راہب نصرانی کے واقعہ سے معتمد نے متنبہ ہوکر آپ کو اور آپ کے اصحاب مخصوصین کو جو آپ کے ساتھ حبس دوام کی روزانہ مصیبت کاٹ رہے تھے اس قیدِ سخت کی بلا سے نجات دیدی تھی اور رہا کردیا تھا اس لئے آپ کی حیات والاصفات کا زمانہ محض خانہ نشینی میں گذرا اور اس خانہ نشینی کے اوقات میں آپ کو اپنے پارۂ جگر کے تحفظ کی عمدہ اور اعلیٰ تدبیروں کے سوچنے اور عمل میں لانے کا بہت اچھا موقعہ ہاتھ آیا۔ اور حقیقت امر یوں ہے کہ۔ ع
خدا کی بات خدا کی قسم خدا جانے + یہ سب اس قادر مطلق اور مدبرِ برحق کی تدبیرِ قدرت اور تجویز مشیت کے کرشمے تھے جس نے معتمد کے ایسے لاگو اور قدیم دشمن جانی کو اس وقت ایسا نرم اور ملائم کردیا کہ کہاں تو وہ ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے قید رکھتا تھا اور سالہا سال انسانی آمد و رفت اور اخلاقی ربط و ضبط کے تمام مراسم آپ کے لئے ممنوع کرچکا تھا اور کہاں ایک بار آپ کو ایسا آزاد اور خود مختار کردیا کہ پھر آپ کے کسی احوال کا ذرا بھی تفحص اور استفسار نہ کیا۔ نہیں چونکہ نظام ربانی اور مشیت یزدانی ایسی ہی جاری ہوچکی تھی۔ اس لئے اس نے اپنی پوری شان جبروت دکھلا کر معتمد کے دست و زبان سے وہ کام اور احکام جاری کرائے جو کبھی اس کی ذات سے کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آتے تھے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَھُوَ ذُوالْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ ۃ

اپنی قدیم ترتیبِ تالیف کے موافق تو ہم کو آپ کی ولادت کے حالات لکھ کر آپ کی کم سنی اور بچپن کے حالات قلمبند کرنے چاہئیں۔ مگر ہم جہانتک آپ کی ذات مجمع الحسنات کے ان حالات و واقعات پر غور کرتے ہیں تو ہم کو تمام قرائن۔ دلائل اور مشاہد سے ثابت ہوتا ہے کہ روزِ ولادت سے لیکر غیبت کبریٰ کے وقت معین تک آپ کا وجودِ ذی جود قادر مطلق کی کامل آیت خود اس مدبرِ برحق کی تدبیروں کی سچی اور صحیح علامت تھا۔ اور بس آپ کے فضل و کمال۔ عقل و شعور ذہن و ذکا۔ غرض تمام جسمانی اور روحانی اوصاف ولادت کے وقت ہی کامل سے تھے اور ایسے کامل جن کی نظیر اور مثال انسانی خلقت میں ظاہری طور پر

ممکن نہیں ہے۔ پھر ایسی حالت میں کہ جو بچہ پانچ برس کے سن میں ایسا عاقل اور کامل الشعور ہو جس کی مثال دنیا کے بوڑھے جوان اور بچوں میں نہ پائی جاتی ہو۔ اور اپنے عقل و شعور، فضل و کمال اور ذہن و ذکا کے اعتبار سے تمام دنیا کے لوگوں پر اسکو ترجیح علی الفضائل حاصل ہو تو پھر ہم ایسے بچہ کو بچہ کیسے کہہ سکتے ہیں اور اس عالم کو بچپن کے معنوں میں کیسے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ایک نہیں متعدد اور متواتر مشاہد تاریخی برابر ثابت کر رہے ہیں کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کا سن کل پانچ برس کا تھا اور اسی وقت سے آپ درجہ علیہ امامت پر منجانب اللہ مشرف ہوئے اور سب سے پہلا واقعہ آپ کے فضل و کمال اور کرامت و اعجاز کا تمام لوگوں کے سامنے پیش ہوا وہ جعفر کا نماز جنازہ سے امتناع اور بجائے اُن کے بنفس نفیس اس کا ادا فرمانا تھا اور پھر اس کے بعد اہل قم کے وفد کے سوالات کا جواب دینا۔ اور بے دیکھے ان کی تھیلیوں کے درہم و دینار کی صحیح تعداد بتلا دینا۔ اور پھر اُس کے بعد فوراً ابو الادیان سے اُن خطوط کو طلب فرمانا جو شیعیان مدائن نے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے جواب میں لکھے تھے اور آپ نے ابو الادیان کو بتلا دیا تھا کہ جو شخص تم سے ان خطوط کے جواب طلب کرے وہی میرا جانشین برحق اور وصی مطلق ہے۔ یہ تمام واقعات عنقریب سلسلہ بیان میں آتے ہیں یہ تمام تاریخی حالات و واقعات کامل طور سے بتلا رہے ہیں کہ جب پانچ برس کے سن میں آپ کے کمالات کی یہ صورت تھی اور اعجاز و کرامت کی یہ حالت تو پھر آپ کے اس زمانہ کو بچپن کے معمولی لفظ سے عام طور پر تعبیر کرنا ضرور سوء ادبی میں داخل اور شوخ چشمی اور گستاخی میں شامل ہوگا۔

جن لوگوں نے حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے حالات کو کامل طور پر پڑھا ہے اگر بڑی بڑی کتابوں میں ان بزرگواروں کے حالات نہیں دیکھے ہیں، صرف ہمارے ہی سلسلۂ سیرت اہلبیت علیہم السلام کے تمام نمبروں کو دیکھ لیا ہے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی تنہا ذات مجمع الصفات پر موقوف و منحصر نہیں ہے بلکہ ان تمام ذوات عالیہ اور انفاس قدسیہ میں خدا کی طرف سے ولادت کے دن ہی سے فضل و کمال کے ایسے ایسے یکتا اور عدیم المثال جوہر ودیعت فرمائے جاتے ہیں جو عام نفوس انسانی میں کسی طرح پائے نہیں جا سکتے۔ آپ سے پہلے آپ کے جد بزرگوار حضرت امام علی نقی علیہ السلام کل سات برس کی عمر میں اپنے پدر نامدار کے قائم مقام اور جانشین ہوئے اور اسی وقت سے تمام اہل ایمان کی کشود کاریوں کے ارکان اور ہدایت کے احکام و فرمان جاری فرمائے اور اسی طرح اُن سے پہلے ان کے والد بزرگوار حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بھی جناب امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام کی وفات کے وقت کُل سات یا آٹھ برس کے تھے مگر طفولیت کے زمانہ ہی سے درجہ علیہ امامت پر فائز ہو کر اس کے تمام فرائض اور مناصب اسی وقت سے بجا لاتے رہے۔ غرض اگر پورے غور سے دیکھا جائے تو یہ حضرات علیہم الصلوٰۃ والسلام من اولہم الی آخرہم ان اوصاف مخصوصہ سے موصوف پائے جائیں گے اور ان میں سے کسی طبقہ اور درجہ کے انسان کو کوئی حصہ نہیں دیا گیا۔ ہم ان مضامین کو پوری تفصیل و تشریح سے اپنے سلسلہ کے پہلے نمبروں میں برابر لکھ آئے ہیں اور اس موقعہ پر بھی مناسب اور موزوں پا کر پھر لکھے دیتے ہیں کہ یہ عدیم المثال فضل و کمال اور یہ مخصوص فضائل و مدارج جو آپ حضرت کی ذات بابرکات سے مخصوص و محدود ثابت ہوتے ہیں کچھ نئے اور تنہا نہیں تھے بلکہ اگر خاصان خدا کے سابق اور قدیم دائرہ میں ان کی مثالوں کی تلاش اور جستجو کی جائے تو ان واقعات کی کثرت سے مثالیں پائی جائینگی حضرت زلیخا کے قصہ میں صاحب مہد کا برات حضرت یوسفؑ کے متعلق شہادت دینا اسی طرح جناب حضرت عیسیٰ علی نبینا وآلہ و علیہم السلام کا حضرت مریمؑ کی عصمت کی تصدیق فرمانا اور اِنّی عَبدُاللّٰہِ کہہ کر اپنے قبیلہ کے تمام لوگوں کو مخاطب کرنا گیا تھا۔ یہ تمام واقعات وہی تھے جو نصوص الٰہیہ کے خاص ذریعوں سے ہم کو بتلا رہے ہیں کہ خاصان الٰہی کے یہ تمام واقعات وہی تھے جو نصوص الٰہیہ کے خاص ذریعوں سے ہم کو بتلا رہے ہیں کہ خاصان الٰہی کے یہ اوصاف و کمالات عام فطرت انسانی کی معمولی خلقت سن کی طوالت یا مدت پر کبھی منحصر اور موقوف نہیں ہوتے بلکہ یہ کمال اور فہم و شعور کے تمام انتہائی جوہر خدائے واہب العطایا کے انعام و

افضال پر موقوف ہوتے ہیں۔ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ۔
اگرچہ اپنی ترتیب تالیفی کی عام اصطلاحی ضرورتوں سے مجبور ہو کر ہم آپ کے ان حالات کو آپ کی صغرسنی اور بچپن کے واقعات کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں مگر اپنی کتاب کے ناظرین کو ان واقعات کے لکھنے سے باور کرتے ہیں کہ آپ کے بچپن اور صغرسنی کو ہم دنیا کے معمولی بچوں کے بچپن اور صغرسنی کے معنوں میں نہیں سمجھتے اور نہ آپ کے ابتدائی حالات کو ان کے عام حالات کی طرح شمار اور اعتبار کرتے ہیں۔ بہرحال جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کو حضرت قائم آل عبا علیہ التحیہ والثنا کی ولادت سے کیسی دلی مسرت۔ قلبی فرحت اور روحانی بشاشت حاصل ہوئی ہوگی۔ اس کا اندازہ کرنا اس وقت ہماری خیالی قوتوں سے قطعی غیر ممکن ہے۔ آپ اپنے اس فرزند ارجمند کے وجود ذی جود کو کیسا غنیمت سمجھتے ہوں گے۔ اور اس نعمت الٰہی کو کتنا عزیز رکھتے ہونگے وہ سب ہمارے لکھنے کے اور بیان کرنیکے ہرگز محتاج نہیں ہیں۔ وہ واقعات اور حالات دیکھکر آپ معلوم کرلئے جاسکتے ہیں۔
خلاصہ یہ ہے کہ جناب حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اپنے اس دُرِ نایاب کو اس قدر عزیز رکھتے تھے کہ کبھی آپ کو اپنی نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی نہیں رکھتے تھے۔ عام نگاہوں کے اخفا کے خیال سے نہایت احتیاط کے ساتھ اس دروازہ میں ہمیشہ ایک حجاب حائل رہا کرتا تھا جس کے باہر خود تشریف فرما رہتے تھے اور اس کے اندر وہ گوہر شب چراغ جلوہ آرا رہتا تھا۔ اور کبھی بعض اوقات محبت پدری کے غیر متحمل تقاضوں سے غایت درجہ بے چین ہوجاتے تھے تو اس دروازۂ اندرونی کی حجاب دیوان خاص کے اس حصہ میں اٹھا لیتے تھے جہاں خود تشریف رکھا کرتے تھے۔ مگر نظر عام کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنے کی موجودہ احتیاط کے خیال سے یہاں بھی حجاب کی وہی صورت قائم رکھی جاتی تھی۔ دشمنوں کا خوف اس قدر لگا ہوا تھا کہ گھر کے عزیزوں تک کو نہ اس واقعہ کی خبر کی گئی تھی اور نہ ان کو اس نونہال کے جمال جہاں آرا کی زیارت سے مشرف فرمایا گیا تھا۔ گھر میں ایک والدۂ مقدسہ اس وقت تک زندہ تھیں اور باہر ایک بھائی جعفر۔ ان خاتونِ معظمہ کی نسبت تو افشائے راز وغیرہ کا کوئی شبہ ہی نہیں تھا۔ مگر جعفر البتہ نہ بھائی کے ایسا دوست اور نہ بھائی کے ایسا دشمن۔ کی پوری مثال ہو رہے تھے جن کے حالات بہت جلد ہمارے سلسلۂ بیان میں آگے آتے ہیں۔ ان دونوں بزرگواروں کے سوا اور دوسرا آپ کے گھر میں نہیں تھا۔ اور تھا بھی تو وہی گھر کے خادم اور غلام۔ خادمہ اور کنیزیں۔ مگر اتنی قلیل جماعت ہونے پر بھی آپ نے ان تمام لوگوں میں سے صرف اپنی والدۂ مقدسہ اور ان دو تین کنیزوں کو جو ولادت کے وقت بھی جناب نرجسؑ خاتون کی خدمت میں حاضر تھیں اس واقعہ کی خبر سے مطلع ہونے دیا۔ ورنہ سوائے ان کے نہ کسی دوسرے کو اس واقعہ سے مطلع فرمایا اور نہ انکا دیدار فرحت آثار کسی کو دکھلایا۔ عزیز و اقارب کے دائرہ میں حضرت حکیمہ خاتون علیہا السلام از اول تا آخر یوم ولادت اس واقعہ کی اطلاع اور خبر دہی میں شریک فرمائی گئیں اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ مشیت ایزدی کی ہدایت کے مطابق وہ اس واقعہ کی ابتدا ہی سے شریک تھیں۔ چنانچہ جناب امام علی نقی علیہ السلام کی بشارت ان معظمہ کے متعلق ہم اپنے اوپر کے سلسلۂ بیان میں لکھ آئے ہیں خاصکر جسوقت یہ مخدومہ اپنے برادر عالی مقدار کی خدمت میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ جناب نرجس سلام اللہ علیہا سے پیوند کے لئے اجازت لینے آئی ہیں۔ ان چیدہ چیدہ لوگوں کے علاوہ اور کسی حضرات کو یہ شرف اور مفاخرت حاصل نہ ہوئی۔ آپ کی ان احتیاطوں کے علاوہ اسرار یزدانی ہونے کے آپ کے اشفاق اور ہمدردی کے بھی پورے ثبوت پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ اس امر میں اول تو خدا کا حکم ہی ایسا تھا اور ان سب سے زیادہ تو اپنے اس نور عین کی محبت اور تحفظ کا خیال دل سے ہمہ دم اور ہر وقت لگا رہتا تھا اور ہر وقت ایک کھٹک سی لگی رہتی تھی کہ مبادا کوئی ایسی فروگزاشت ہوجائے جس سے اس نونہال آرزو کی مضرت اور ضائع ہوجانے کے اسباب قائم ہوجائیں چنانچہ احتیاطِ مزید کے انہی خیالوں سے اگرچہ جعفر کا گوشۂ محل بالکل علیحدہ تھا اور فیما بین آمد و رفت

بھی کم تھی۔ مگر تاہم جو قطعۂ مکان کہ جناب نرجس خاتون علیہا السلام کی آرامگاہ سے متعلق تھا اور اس میں بغیر اذن کے اور ان کی خاص کنیزوں کے کوئی دوسرا نہیں جاسکتا تھا۔ وہ بھی پردے اور حجاب کے خاص انتظام سے کسی وقت خالی نہیں رہتا تھا۔ ہر وقت اس میں بھی پردے چھوٹے رہتے تھے۔ اور کسی شخص کو عام اس سے کہ کیسی ہی شدید ضرورت ہو اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ باہر کے خاص خادم جب تک کہ آپ ان کو اپنی کسی خاص ضرورت سے خود نہ بھیجیں اندر نہیں جاسکتے تھے۔ یہ قطعۂ مکان آپ کی نشستگاہ بیرونی سے بالکل ملحق تھا۔ اور گھر میں اندر سے ایک دروازہ باہر لگا ہوا تھا اس دروازہ میں پردہ لٹکا رہتا تھا اور آپ زیادہ تر اسی پردے کے پاس تشریف رکھتے تھے تاکہ اندر کے حالات برابر معلوم ہوتے رہیں۔ جب اپنے فرزند ارجمند کے سبب بے چین ہونے یا رونے کی آواز آئی۔ اور اگر پاس باہر لوگ بھی بیٹھے رہے تو فوراً اندر تشریف لے گئے مگر اسی حجاب کے اندر اپنے پارۂ جگر کو بہلاتے تھے اور بہل جانے کے بعد اس کو اندر پہنچا آتے تھے اور اگر باہر خلوت موجود نہ ہوئی اور ایسے لوگوں کا مجمع ہوا جو شرف زیارت سے مشرف نہیں کئے جاسکتے تھے تو آپ اندر تشریف لیجاتے اور وہیں اپنے اس پارۂ جگر کو بہلا لیتے اور پھر جناب نرجس سلام اللہ علیہا کو دے کر باہر واپس آتے۔ آپ کے اشفاق اور احتیاط کی یہ حالت اس وقت تک تھی جب تک کہ آپ صاحب مہد تھے۔ جب فضل الٰہی سے سال بھر کے ہوئے اور جسم مبارک میں نمو اور ترقی کے کامل آثار پیدا ہوئے کیونکہ آپ معصوم تھے اور معصوم کی قوت تو عام خلقت سے دس حصے زیادہ ہوتی ہے (دیکھو اس سلسلہ کی جلد دوم۔ سرو چمن فی حالات امام حسن علیہ السلام میں بحث امامت اور امام کے ذاتی اوصاف) اس لئے آپ سال ہی بھر کے بعد ماشاء اللہ ایسے قوی اور توانا معلوم ہونے لگے جیسے اچھے خاصے تین چار برس کے چلتے پھرتے اور بولتے چالتے بچے ہوتے ہیں۔ اسی وقت سے آپ میں طاقت رفتار بھی موجود تھی اور قوت گفتار بھی۔ چنانچہ حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا ناقل ہیں کہ آپ کی ولادت کے بعد میں نے یہ معمول کر لیا تھا کہ ایک ہفتہ کے بعد بالضرور اور بالخصوص اس مولود کے دیکھنے کیلئے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے گھر میں جایا کرتی تھیں اور میں آپ کو ایک ہفتہ میں ایسا پاتی تھی جیسا کہ ایک مہینے کے بچے۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے سال بھر کے عرصہ میں آپ تین چار برس کے بچوں کی طرح بلاتکلف چلتے پھرتے بھی تھے اور بلا تامل بولتے چالتے بھی تھے۔

جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام کے لئے یہ امر تعجب کا باعث کیوں ہونے لگا کیونکہ آخر کار آپ بھی اسی خاندان عظیم الشان کی چشم و چراغ تھیں جن کے معصوم بچوں کے لئے یہ اوصاف و محامد خاص طور پر خدائے واہب العطایا کی طرف سے تفویض فرمائے گئے تھے۔ پھر آپ اپنے اس نور عین کی یہ حالت دیکھکر متعجب یا متحیر ہوتیں تو کیونکر؟ بہرحال سال بھر کے بعد جناب قائم آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پوری توانائی آگئی اور آپ کنار مادر میں تنہا پرورش پانے کی حالتوں سے ترقی پاکر زانوئے پدر پر جلوہ آرا ہونے اور استراحت فرمانے کے قابل ہوگئے تو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی گرویدگی اور محبت والفت کا یہ عالم تھا کہ جہاں یہ رہتے وہاں تک آپ بھی رہتے۔ یہ تو دن کے واقعات تھے۔ رات کو اس وقت تک کہ اصحاب واحباب خدمت ہمایوں میں حاضر رہتے تو البتہ آپ بھی رہتے تھے معمول سے جہاں یہ حضرات اپنے اپنے گھروں کو واپس گئے آپ فوراً اندر سے اپنے پارۂ جگر کو باہر لائے اور پھر رات بھر اپنا تعویذ دل بنائے ہوئے آرام فرما رہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ بچہ اندر سو گیا اور آپ کو باہر کچھ دیر ہوگئی تو ان کے بچپن ہونے کے خیال سے اُن کو بیدار نہیں فرماتے تھے بلکہ خود ہی ان کے پاس سو رہتے تھے۔ اور ضروریات سے تھا کہ مہینہ دو مہینہ کے بعد معمولی خوابگاہ بدل بھی دی جائے اور ہفتہ دو ہفتہ ایک مکان خاص میں استراحت فرما کر پھر دوسرے قطعہ یا گوشہ میں استراحت فرمانے کا انتظام کیا جاتا تھا۔ یہ خاص کر حفاظت و خبر گیری کے متعلق اہتمام تھے اور اس میں یہ

حُسن تدبیر مضمر تھی کہ مخالفین کو ایک مقام خاص پر آپ کے سُلائے جانے کا یقین نہ ہونے پائے۔ اگر وہ اس ذریعہ سے آپ کی ہلاکت یا ضرر رسانی کا قصد بھی کریں تو صحیح مقام کے نہ ملنے کی وجہ سے اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوسکیں۔

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے تحفظ کی تمام تدبیریں اور ترکیبیں بالکل ویسی ہی معلوم ہوتی ہیں جیسی حضرت ابوطالب علیہ السلام نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت و پرورش کے لئے اختیار فرمائی تھیں اور حقیقت حال یہی ہے جیسا کہ مشاہدہ تاریخی سے ثابت ہوتا ہے کہ خاصانِ الٰہی کی پرورش اور حفاظت کے سامانوں میں جب تک اتنی احتیاط اور تحفظ سے کام نہ لیا جائے اُن حضرات کے بچنے اور قائم رہنے کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔

یہاں تک تو آپ کے اشفاق کے وہ حالات لکھے گئے جو زیادہ تر حضرت قائم آل محمد علیہ السلام کے تحفظ کے متعلق محبت پدری کی حقیقی صورت اور اصلی کیفیت میں ظاہر ہوئے۔ اب ہم آپ کی محبت و الفت کی اعلیٰ مثال میں ایک اور واقعہ ملا مجلسی علیہ الرحمۃ کی کتاب بحار الانوار سے ذیل میں ترجمہ کر کے لکھتے ہیں۔

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے خادم کا بیان ہے کہ میں آپ کی خانہ داری کے متعلق بازار سے گوشت لانے کی مخصوص خدمت پر مامور تھا۔ مجھ کو سخت تاکید تھی کہ معمولی روزانہ راتب سے زائد ایک پُر مغز ہڈی حضرت قائم آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے لایا کروں حسب الحکم میں بلا ناغہ روز لاتا تھا اور اس کا مغز آپ کو کھلایا جاتا تھا۔

بہرحال اِن معاملات کو زیادہ تفصیل سے لکھے جانے کی کوئی ایسی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ ایسے معمولی اور روزانہ معاملات جن کے اثر کو ہر شخص نہایت آسانی سے رات دن معلوم اور محسوس کرتا رہتا ہے۔ وہ کون بے درد باپ ہوگا جو اپنی اولاد کی پرورش اور راحت رسانی کی کوششوں میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اُٹھا رکھیگا۔ پھر ایسا گوہر نایاب منتخب روزگار جس کی مثال نہ اطرافِ عالم میں پیدا کی جاسکتی ہے اور نہ اقصائے عالم میں جسکی نظیر دکھلائی جاسکتی ہے یہاں تک تو یہ مسئلہ فی الحقیقت محض معمولی اور روزانہ مشاہدات میں داخل معلوم ہوتا ہے مگر جب اس کے دوسرے پہلو پر غور کیا جائے تو پھر اس میں ایسی ایسی دشواریاں اور مشکلیں پیچیدہ نظر آتی ہیں کہ پھر مشکل سے کوئی اس کے معمولی ہونے کا خیال کرسکتا ہے۔ وہ دشواریاں یہ ہیں کہ قاعدہ اور معمول کے مطابق تمام والدین اپنی پیاری اولاد کی پرورش اور راحت رسانی کے سامان مہیّا کرتے ان کے چاہنے۔ پیار کرنے۔ پالنے اور پرورش کرنے میں کسی غیر کی مداخلت یا مخاصمت کا کوئی شبہہ یا کوئی خیال نہیں کرتے اور نہ اُن کو اُن سے کسی قسم کا کوئی خوف یا اندیشہ ہوتا ہے وہ نہایت آزادی سے اپنی پیاری اولاد کی پرورش اور آرام دہی کے متعلق اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق اپنے تمام سامان اور اپنے سارے ارمان پورے کرتے ہیں۔ مگر افسوس حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے لئے یہ سامان اور آزادی مطلق ممکن نہیں ہے۔ ان کی آزادی محدود اور ان کا اطمینان مقید ہے۔ ان کو اطمینان کی جگہ ان تمام امور میں خوف اور راحت کے عوض میں دہشت حاصل ہے۔ اس امر خاص کے متعلق اُن کی مجبوری اور معذوری کی یہ کیفیت ہورہی ہے کہ وہ اس واقعہ کی نسبت اپنی خوشی اور مسرت قلبی کا اظہار و اعلان کیا فرمائیں گے۔ منہ سے ایک حرف بھی نہیں نکال سکتے۔ خوف ہے کہ کہیں دشمنوں کو خبر نہ ہو جائے اور وہ اس کی ہلاکت کا باعث ہوں۔ اپنے اصحاب و احباب کو نوید کیسی۔ اس واقعہ کو چھپائے رکھنے کا ابتدا ہی سے حکم ہے۔ اصحاب و احباب تو دُور کے لوگ ہیں۔ گھر کے عزیزوں کو بھی اس سے مطلع نہیں کرسکتے۔ دنیا کے تمام والدین اپنے بچوں کو اپنے اعزہ و احباب کو دکھلا کر خود بھی خوش ہوتے ہیں اور ان کو بھی خوش کرتے ہیں یہاں دکھلانا کیسا۔ گھر کے باہر لانا ممکن نہیں سوائے خلوت کے کسی وقت نہ گلے اپنی چھاتی سے لگا سکتے ہیں اور نہ پیار کرسکتے ہیں۔ کیوں۔ اسلئے کہ شاید کسی بدبین کی نظر پڑ جائے اور وہ معاندین سے

جالگائے تو پھر قیامت ہی ہو جائے۔ ہاں جب کبھی ایسا ہی ہر طرف سے اطمینان ہو جاتا ہے اور کچھ وقت پایا جاتا ہے وہ ہزار غنیمت سمجھ کر اپنے پارۂ جگر کے پیار کرنے اور اس سے جی بہلانے میں صرف کر دیا جاتا ہے۔ اگر غور کی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ جو دشواریاں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو اپنے فرزند ارجمند کی پرورش میں پیش آئیں وہ مشکل سے دنیا میں کسی دوسرے والدین کو پیش آئی ہونگی۔ مگر جس استقلال اور پاداری سے آپ نے اپنے اِس نونہال کی پرورش میں کام لیا وہ حقیقت میں آپ ہی کا حق تھا۔ اور آپ ہی کا حصہ جو بالکل تائید ربانی کے وسیلہ اور اعانت یزدانی کے ذریعہ پر قائم تھا جن لوگوں نے آثار قدریہ کا مطالعہ فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ خاصانِ الٰہی کی پرورش اور ان کی حفاظت کے سامان بھی منجانب اللہ انہی نفوسِ مقدسہ کے سپرد کئے جاتے ہیں۔ جن کے استقلال۔ پاداری اور ہمت کا کامل اور کافی یقین کر لیا جاتا ہے۔ مثال کے لئے دور کیوں جاؤ۔ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت گیارہ بیٹے زندہ چھوڑے مگر یتیم عبداللہ روحی لہ الفدا کی پرورش اور ملاہیت کی خاص خدمت سوائے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے اور بھائیوں میں سے کسی بھائی کو عطا نہیں فرمائی گئی۔ ع ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اور اس بزرگ خاندان اور رئیس قبیلہ (حضرت عبدالمطلب) نے اپنی موت کے قریب القائے ربانی کی تائید و تحریک سے حضرت حمزہ اور حضرت عباس علیہما السلام کے ایسے شجاع اور دلاور بیٹوں کے مقابلہ میں جناب ابوطالب علیہ السلام ہی کو یہ خدمت اور منصب خاص طور پر تفویض فرمایا۔ یہ کیوں اور کس لئے؟ اس لئے کہ دلیری اور شجاعت جداگانہ اوصاف ہیں جن کے اظہار مخصوص اوقات پر موقوف ہیں مگر استقلال ہمت اور پاداری ایسے محامد ہیں جن کی تمام معاملات اور تمام اوقات میں ضرورت واقع ہوتی ہے۔ موجودہ پرورش اور حفاظت کی خدمات کیلئے صرف شجاعت اور جسمانی طاقت ہی درکار نہیں تھی بلکہ ان سے زیادہ ہمت۔ استقلال اور روحانی قوت ضروری اور لازم تھی۔ اور یہ اوصاف سوائے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے اور دوسرے بھائیوں میں بہت کم پائے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے اس حکیم مطلق اور مدبر برحق نے اپنے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش۔ کفالت اور حفاظت کے تمام انتظام ان ہی کو سپرد فرمائے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ٭ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ہم کو جناب قائم آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معاملات میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا استقلال اور پاداری بھی حضرت ابوطالب علیہ السلام کی ہمت اور استقلال کی پوری اور کافی مثال ثابت ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس گراں قدر اور گرانمایہ خدمت کے متعلق آپ نے بھی وہی تدبیریں اختیار فرمائیں جو آپ کے جدِ اعلیٰ آپ سے قبل اختیار فرما چکے تھے۔ کیونکہ نہ ہو۔ اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِيْهِ ع ایں خانہ تمام آفتاب است ٭ یہ استقلال اور استحکام آپ کے موروثی اور خاندانی اوصاف تھے۔ کچھ مستعار اور اغیار کے عطایا و ایثار تو تھے ہی نہیں جو کسی کی حیرت اور تعجب کا باعث ہو سکیں۔

بہرحال جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے اس نونہال چمنِ آرزو حضرت قائم آل عبا علیہ التحیۃ والثنا کو کامل پانچ برس تک جن جن مصیبتوں سے پالا اور جن جن تکلیفوں اور آفتوں کو آپ کے سر سے ٹالا وہ اپنی آپ مثال اور اپنا آپ جواب ہو رہے ہیں۔ اور حقیقت میں کوئی کیسا ہی دردبھرا باپ کیوں نہ ہوتا عموماً ان دن رات کے صدمات اور خوفناک اندیشوں کا کبھی متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ ضرور تھا کہ وہ کبھی نہ کبھی اس ضیق اور کوفت سے گھبرا کر اپنے معصوم بچہ کی شبانہ روز حفاظت سے کسی وقت ضرور غافل ہو جاتا اور یوں اپنے دُربے بہا کو اپنے ہاتھوں سے کھو بیٹھتا۔ واقعی یہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ہی کا کلیجہ تھا کہ محبت پدری کے غیر متحمل تقاضوں کے ساتھ جو فطرت انسانی کا مخصوص لازمہ قرار

پا چکے ہیں۔ حزم و احتیاط کا پورا خیال رکھنا اور اپنے ارمان و تمنا کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کے ساتھ اس اسرار ربانی کے مخفی رکھنے کا ہر دم و ہر لحظہ لحاظ کرنا۔ اپنی تمام راحت و آرام کو اس کی حفاظت اور آرام رسانی کی خدمات پر تصدق کر دینا اور اس کو ہر دم و ہر لحظہ اپنے معاندین و مخالفین کی بد بین نگاہوں سے بچائے رکھنا یہ ایسے امور تھے جو معمولی طبیعت والے انسان سے ہرگز کام نہیں تھے۔ نہ معمولی طبیعتیں اپنی پُر جوشیوں پر اتنا صبر کر سکتی ہیں۔ اور نہ اپنے نکلتے ہوئے ارمانوں کو اس استقلال اور تحمل سے روک سکتی ہیں اور نہ پرورش و حفاظت کی پوری انجام دہی اور ادا کاری اس ہمت اور جگرداری کے ساتھ انجام دے سکتے ہیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں جیسا کہ مشاہد تاریخی کے تمام قدیم اخبار و آثار صاف طور سے ثابت کر رہے ہیں کہ یہ خدمات بھی خاص گرامی ذوات عالیات سے متعلق کی جاتی ہیں جو خاصان ربانی اور برگزیدگان یزدانی کے معزز القاب سے مخاطب فرمائے جاتے ہیں +

آپ کی امامت کا زمانہ

بہر حال جناب قائم آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پرورش کے متعلق آپ کے پدر بزرگوار کے اشفاق اور محبت و الفت کے ضروری حالات قلمبند کر کے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اوپر بیان ہو چکا ہے کہ کل پانچ برس تک آپ کو اپنے پدر بزرگوار کے دامن اشفاق میں پرورش پانے اور راحت اٹھانے کی نعمت نصیب ہوئی۔ سنہ ۲۶۰ھ میں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے ایسے شفیق باپ کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا۔ اور آپ اسی وقت سے منجانب اللہ منصب امامت پر مامور ہوئے۔ اور اپنے والد ماجد کی تجہیز و تکفین کی خدمات بجا لا کر جیسا کہ مفصل طور پر اس سے پہلی کتاب میں بیان ہو چکا ہے۔ فرائض امامت کی انجام دہی میں مشغول و مصروف ہوئے۔

ہم ابتدا ہی میں لکھ آئے ہیں کہ آپ کے تمام معاملات اسرار ربانی اور آیات یزدانی پر مبنی تھے اسلئے نماز جنازۂ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اور اہل قم کے تعمیۂ اموال کے معاملات و مشاہدات کو دیکھ کر جو علی الاتصال آپ سے ظاہر ہوئے ان تمام مومنین نے جو اس موقعہ پر حاضر تھے آپ کی امامت حقہ کا اقرار کامل کر لیا مگر چونکہ نظام قدرت اور تدبیر مشیت کے مطابق آپ کو اپنی امامت کی تمام خدمات بالکل مخفی طور پر انجام دینے کا حکم مقدر ہو چکا تھا۔ اور یہ بھی مقدر ہو چکا تھا کہ آپ اپنے زمانۂ امامت میں بھی عام نگاہوں سے اسی طرح مخفی اور پوشیدہ رہیں گے جس طرح اپنے پدر عالی مقدار کے زمانہ میں پوشیدہ رہتے تھے۔ اس لئے جہاں تک مختلف سیر و تاریخ کی کتابوں سے تفحص و تجسس کیا گیا ہے۔ یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ بعد ان معاملات کے جن کا ذکر ابھی اوپر کیا گیا ہے جناب امام العصر علیہ الصلوٰۃ والسلام پھر دولتسرا میں اندر تشریف لے گئے اور پھر اس وقت کے بعد سے غیبت کبریٰ کے آغاز تک جسکو قریب قریب تہتر برس کی میعاد کہنی چاہئے۔ سوائے چند سعادت مندان خاصین کے کسی اور کو اس زمانہ میں آپ کی زیارت کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ ہم نے جہاں تک ان خوش نصیب حضرات کی تلاش کی ہے۔ ہم کو ان حضرات کی تعداد نہایت کم معلوم ہوئی ہے یہ حضرات وہی ہیں جو خلوص و عقیدت کے اعتبار سے یکتا اور منتخب روزگار ثابت ہوتے ہیں۔ اسی سے سمجھ لینا چاہئے کہ نظام مشیت نے آپ کی رویت کی امتناعی مصلحتوں کو اس وقت سے اس وقت زیادہ ضروری اور لازم سمجھا تھا۔ اور اس زمانہ سے زیادہ اس زمانہ کو آپ کی مضرت اور ایذا رسانی کا درپے اور کوشاں تجویز کیا تھا۔ تاریخ اور سیر بھی ان ہی ضرورتوں کی اور ان کے انہی اسباب کی تصدیق کرتی ہیں اور ثابت کر رہی ہیں کہ زمانہ موجودہ میں آپ کے ایک کرنے آزار پہنچانے اور نام مٹانے میں زیادہ مستعدی اور دلیری دکھلائی جاتی تھی جیسا کہ بہت جلد ہمارے آئندہ سلسلۂ بیان سے ظاہر ہوگا +

غیبتِ صغرٰی کی ضرورت اور اسکی مصلحت

اب اس مقام پر ہم کو ایک امر صاف کر دینا نہایت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ تھوڑی دیر کیلئے آپ کا منظرِ عام میں آنا اور پھر ہمیشہ یا مدتِ دراز تک (از غیبتِ صغرٰی تا بزمانۂ ظہور) پوشیدہ رہنا کس مصلحت پر مبنی بتلایا جائیگا۔ اگر حقیقت میں اختفا ضروری تھا تو چند ساعت کیلئے اس عارضی لقاء اور فوری رؤیت کی کیا ضرورت تھی۔

حقیقت میں عام طور سے ایسے سوال اور ایسے شبہے وہی لوگ پیش کریں گے جو اخبار و آثار قدیمہ سے بالکل ناواقف ہوں گے۔ یا وہ حضرات جن کو تصرفات قدرت میں آج تک تامل باقی ہوگا۔ ہم ان کی تشفی کے لیے عرض خدمت کرنے کو موجود اور تیار ہیں کہ اول تو جب اس قادرِ مطلق کے اسرار قدرت اور آثار مشیت کو پورے طور سے سمجھنا بحکم محکم وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ تنہا انسان ہی کیلئے نہیں بلکہ طبقہ رفیعہ ملائکہ اور سائر فرقہ روحانیہ کے واسطے بھی ممنوع ہو چکا ہے۔ پھر اُس کی غایت اور علل کو دریافت کرنا محض فضول اور بیکار ہے مگر چونکہ غیبت صغرٰے کی مصلحت کا خاص مسئلہ ایسا واضح اور روشن ہے جس کی دلائل نہایت آسانی سے انسان کی سمجھ اور عقل میں آسکتی ہیں اسلئے ہم ایسے حضرات (شبہہ کرنے والوں) کو اس کی کافی اور کامل مثال امم سابقہ کے اخبار و آثار میں دکھلا کر سمجھائے دیتے ہیں کہ چونکہ آپ کی امامت کا خاص مسئلہ مذبذبین اور شاکین کے دائرہ میں برابر شبہ چلا آتا تھا اور ابھی تک کسی قدر باقی ہے اسلئے جناب صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے ضرور تھا کہ آپ اپنی امامت کی ماموری کے وقت اپنا جمال جہاں آرا مومنین و نیز تمام حاضرین کو دکھلا کر مطمئن کر دیں کہ پھر کسی معترض کو اس اعتراض کے پیش کرنے کا موقع نہ ملے کہ محض ایک ایسے شخص کی اقتدا، اور امامت و اطاعت کا دعوی کیا جاتا ہے جس کو آج تک کسی نے دیکھا بھی نہیں۔ اور آئندہ بھی مخالفین اپنی سوء فہمی سے مخالفت مومنین کی پُرجوشیوں میں اس کہنے پر نہ تیار ہو جائیں۔ کہ پھر تم لوگوں نے وجودِ خدا اور وجود امام میں کون شئے الفرق ما بہ الامتیاز باقی چھوڑی ہے۔ انہی دونوں وجہوں سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے امامت کے زمانہ میں ضرورت کے موافق جس طرح اس نورِ الٰہی کی زیارت کرائی تھی اسی طرح آپ نے بھی اپنے عہد معدلت مہد میں مصلحت وقتی کے موافق اپنے جمال جہاں آرا سے دیدۂ مشتاقین کو پُرنور اور قلوبِ مومنین کو محظوظ و مسرور فرمایا تھا۔ یہ اعتراضات درمیان سے اٹھ جائیں اور یہ شبہے دلوں سے مٹ جائیں اور معترضین کو اعتراض کا کوئی موقع نہ ملے۔ مگر فی زمانہ چونکہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات سے آپ کی حفاظت و وکالت کا سارا انتظام جاتا رہا اور اب کوئی ایسا شخص نہیں پایا گیا جو آپ کی حفاظت اور خبرگیری کی کامل صلاحیت رکھتا ہو اسلئے آپ کا قطعی طور پر اخفا و انزوا کی خاص حالتوں میں رہنا قرینِ مصلحت سمجھا گیا۔ یہ انتظام اور مصلحتِ خداوندی کے یہ خاص اہتمام بھی کچھ نئے نہیں تھے۔ اس کی مثالیں انبیاء سابقین علی نبینا وآلہ وعلیہم السلام کے دائرہ میں کثرت سے ملتی ہیں۔ جن لوگوں نے آثارِ قدیمہ کا مطالعہ فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ جب کسی نبی صاحب شریعت یا رسول علیہ السلام کو مخالفین نے ایسا ستایا آزار پہنچایا یہانتک کہ اُس کی ہلاکت کا یقین ہونے لگا تو ایسی حالتوں میں نظامِ قدرت نے یہی انتظام کیا کہ ایک وقت معین تک عام اس سے کہ وہ کتنا ہی قلیل یا طویل کیوں نہ ہو اس سے بحث نہیں۔ اس خاصۂ الٰہی کو اس مقام خاص سے ہٹا کر عام نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی کر دیا کہ پھر مخالفین میں سے کسی فرد واحد کو اس کی خبر نہ ہو سکے۔ ایک مدت خاص کے بعد جب عام فتنہ و فساد کی شورشوں میں سکون آگیا اور ملک و قوم میں اطمینانی حالت اور صلاحیت پیدا ہو گئی تو پھر اُس حجتِ خدا کو اس کے مقام ماموریت پر واپس کر دیا۔ مگر تاہم اس حالتِ اختفا میں بھی کیا وہ خاصۂ خدا اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی سے باز رہا۔ نہیں کبھی نہیں۔ بلکہ وہ موجودہ جگہ کے مقامی لوگوں میں خدا کی معرفت اور عام ہدایت کے اعلان کرتا رہا۔ دیکھو جناب ادریس علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام ایک زمانہ تک اپنی قوم و ملک

کے لوگوں کو دین الٰہی کی تعلیم فرماتے رہے مگر جب ان کا ہمعصر بادشاہ اُن کا جانی دشمن ہوگیا تو خداوند عالم نے ایک زمانہ دراز تک اُن کو اُن لوگوں سے علیحدہ کر دیا۔ آپ ایک زمانہ تک پہاڑ کے دروں میں قیام فرما رہے۔ بعد مرور ایام جب دنیا میں اطمینان اور عام امن و امان کے آثار قائم ہو گئے تو آپ کو پھر اپنی قوم کی طرف رجوع فرمانے کا حکم دیا گیا۔ اسی طرح جناب صالح حضرت ہود اور جناب یونس علیٰ نبینا و آلہ وعلیہم السلام کے واقعات ہمارے بیان کی پوری تصدیق و توثیق کرتے ہیں۔ یہ حضرات اور ان کے لیے اور دوسرے تمام بزرگوار جن کو ایسی دشواریاں پیش آئی ہیں ان کی جانوں کی حفاظت اور دین خدا کی اشاعت اور اعانت کے قصد و ضرورت سے ان کی غیبت کے لیے ہی احکام مشیتِ الٰہی نے جاری فرمائے ہیں۔

اب میرے بیان سے جو شاہدِ تاریخی کا خلاصہ ہے ثابت ہوگیا کہ جناب صاحب العصر علیہ السلام کے مخفی رکھے جانے میں بھی وہی اسباب اور امور تھے جو انبیائے سابقین علیٰ نبینا و آلہ و علیہم السلام کو قدیم زمانہ میں پیش آ چکے تھے۔ بہر حال اتنی توجیہ اور توضیح کو تمہیداً عرض کر کے اب ہم آپ کی امامت کے متعلق وہ واقعات اور حالات قلمبند کرتے ہیں جو آپ نے اپنے موجودہ اختفا و انزوا کی خاص حالتوں میں نافذ فرمائے۔ یہ تو ساری دنیا کو معلوم ہے کہ حضرات آئمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے پاس چھوڑا ہی کیا گیا تھا جس کا وہ انتظام کرتے یا جس کی نسبت وہ اپنے حکم و احکام جاری فرماتے۔ نہ مالی دولت باقی تھی نہ ملکی جاہ و حشمت۔ نہ دنیا میں ان کے لئے کوئی اختیار باقی تھا اور نہ اعتبار زمانہ کی کس مپرسی اور عام نامہربانی کی یہ کیفیت ہو رہی تھی کہ معمولی سے معمولی اور ادنیٰ سے ادنےٰ بازاری آدمیوں کی لفاظی اور عام فریبی کی باتوں کو آمنا و صدقنا کہہ کر تسلیم کر لیا جاتا تھا۔ مگر اُن کے اقوال و ارشاد کی اقتدا کو جو بالکل نصوص الٰہی اور منشور حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ماخوذ ہوا کرتے تھے ایک ساعت کیلئے بھی نہیں مانا جاتا تھا۔ ان کے قول و ارشاد کی منظوری یا غیر منظوری تو در کنار معمولی اور بازاری لوگوں کے مقابلہ میں اُن کے وجود ذی جود کو لاشئے کی فضولیات سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ پھر ایسی کسمپرسی کی حالت میں کیا بتلایا جا سکتا ہے کہ ان حضرات نے دنیا میں کیا کام کیا۔ اور نظامِ عالم یا اصلاحِ امت کے متعلق آپ سے کون کون سے امور پیش آئے۔ کوئی ریاست کوئی علاقہ کہیں کی حکومت تعلق رکھتی ہو تو اس میں آپ کے نظام سیاسی اور احکام تمدنی کی خوبیاں دکھلائی جا سکیں۔ اگر یہ نہیں تو کسی مملکت یا سلطنت میں بڑے بڑے عہدے اور مناصب پر فائز ہوں تو ان کی انجام دہی میں آپ حضرت کی استعداد جامعیت قابلیت و صلاحیت کے جوہر اور نمونے دکھلائے جائیں خاص ذاتی اعتبار سے کوئی بہت بڑے صاحب دولت ہوں تو اس کی کیفیت لکھی جائے۔ کوئی فروغ یافتہ تجارت کا ذریعہ ان حضرات سے وابستہ پایا جائے تو ان کی ترقی اور افزائش میں ان کے کمال دکھلائے جائیں۔ یہاں تو ان تمام باتوں میں سے ایک بات بھی ان حضرات کے ساتھ پائی نہیں جاتی۔ پھر ان کے حالات میں کیا لکھا جائے۔

غرض دنیاوی تعلقات میں سے کوئی تعلق ان حضرات سے وابستہ نہیں پایا جاتا۔ پھر ایک معمولی سیرت نگار کے لئے ان حضرات کے نظام مخصوصہ کو قلمبند کرنا۔ اور ان کو ایسی حالت میں دنیا کے سامنے پیش کرنا۔ جب دنیا ان سے بالکل لاعلم اور ناواقف ہے سخت سے سخت اور دشوار سے دشوار امر معلوم ہوتا ہے خصوصاً جناب صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات آپ کی غیبت صغریٰ کے زمانہ سے لیکر غیبت کبریٰ کے وقت تک لکھنا اور ان کو نظامِ تالیف کے مطابق سلسلہ وار بیان کرنا دشوار ہے اور نہایت دشوار۔ اس میں جو سب سے بڑی دشواری ہے وہ یہ ہے کہ ایک سے لیکر گیارہ اماموں تک کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں وہ ظاہری طور پر واقع ہوئے اور عام نگاہوں کے سامنے گزرے۔ سب نے دیکھا۔ عام اس سے کہ انہیں مانا یا نہ مانا مگر آپ کی امامت کے نظام اور تمام احکام کو یہاں تک کہ آپ کی ذات ہمایوں صفات کو بھی معدودے چند خوش قسمت حضرات کے سوا کسی نے بھی نہ دیکھا۔ اسلئے آپکے واقعہ نگار کو آپ کے خاص حالات قلمبند کرنے میں سخت دشواری

ہے۔ جس کو ہم ابتدا سے دکھلاتے آتے ہیں۔

بہر حال اتنی تمہید کے بعد ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ اوپر یہاں تک بیان ہوچکا ہے کہ علائق دنیاوی کے متعلق آپ حضرات سے کوئی امر وابستہ نہیں تھا۔ نہ آپ حضرات دنیا کیلئے تھے اور نہ دنیا آپ حضرات کیلئے۔ یہ ایک ایسا جملہ ہے جو ظاہری طور پر تو ہر کس و ناکس اپنی غلط فہمی اور ناواقفیت کی وجہ سے فوراً کہہ بھی دیتا ہے اور لکھ بھی دیتا ہے مگر حقیقت کی نظر سے جب دیکھا جائے تو ایسا کہنا یا اقرار کرنا صریح غلطی ہے۔ کیونکہ اصولاً وجودِ امام کے بغیر جس طرح دنیا کا قیام ناممکن تسلیم ہوچکا ہے ویسا ہی نظام بھی اس دلیل سے کہ جب قیام ہی نہیں تو نظام کیسا۔ حدیث کی کتابوں میں اس کی تفصیل اور توجیہ قرآن و حدیث کی قوی اور مستحکم دلیلوں سے ثابت کی جاچکی ہے۔ دنیا ابتدائے آفرینش سے آخر وقت تک وجودِ امام کی پوری محتاج ہے۔ یہ ایک تسلیمی امر اور مسلّمہ اور متفقہ مسئلہ ہے جس پر علمائے اسلام کے علاوہ دنیا کے مختلف مِلل و ادیان اور قبائل و اقوام کے حکماء و فضلاء اور عقلاء جس کی ضرورت اور احتیاج کو بیک کلام و بیک زبان تسلیم کرچکے ہیں اور یہ امر واضح ہوکر تمام دلائل و قرائن سے ثابت ہوچکا ہے کہ اگر فی الواقع سلاطین اور عام حکمرانانِ ملکی۔ معاملاتِ سیاسی و تمدنی کے علاوہ ضروریاتِ دینی اور امورِ ہدایت کے لئے بھی کافی اور کامل سمجھے جاتے۔ جس طرح کہ بعد پیغمبرِ اسلام علیہ السلام بعض اہلِ اسلام نے اُن کی پاک تعلیم کے خلاف اس مسئلہ کو اپنے قیاس اور سوءِ فہمی سے ایسا ہی سمجھا اور ایک فرمانروا میں دونوں قوتوں کا وجود تسلیم کرلیا تو پھر ان عام ملکی فرمانرواؤں کے مقابلہ میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت محض بیکار ثابت ہوجاتی۔ حالانکہ مشاہدِ تاریخی بتا رہے ہیں کہ کوئی زمانہ اور کوئی وقت ایسا نہیں گزرا ہے جس میں بمقابلہ بادشاہانِ ملکی پیغمبر یا رسول (علیہ السلام) نہ بھیجا گیا ہو۔ یا کسی وقت میں سلسلۂ نبوت و رسالت بمقابلۂ حکومت و سلطنت غیر ضروری سمجھ کر موقوف اور بند کردیا گیا ہو۔ اور نہ سوائے تین چار پیغمبرانِ اولی العزم علیٰ نبینا و آلہ و علیہم السلام کے کسی اور بزرگ میں ان دونوں قوتوں کے اجماع کے کوئی ثبوت پائے جاتے ہیں۔ ان امور سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظامِ روحانی ہمیشہ احکامِ دنیاوی سے علیحدہ رکھے گئے۔ اور کبھی کسی دنیاوی حکمران کو باوجودیکہ وہ دنیا میں کیسا ہی ذی اقتدار اور صاحبِ اعتبار کیوں نہ ثابت ہوا ہو۔ خدا کے اعزاز و اسرارِ روحانی نہیں سپرد فرمائے گئے اور نہ کسی زمانہ میں وہ اس کے اہل اور سزاوار سمجھے گئے۔ بلکہ وہ ان امور کی تعلیم و ہدایت کی ضرورت کے وقت ہمیشہ انہی حضرات کے محتاج اور زیر بارِ احسان بنائے گئے۔ ان امور سے ان حضرات کی علوِ شان ہی کا اظہار نہیں ہوتا ہے بلکہ اس قادرِ مطلق اور حکیم برحق کو اپنی قوت و جبروت کا جلوہ دکھلانا بھی منظور تھا۔ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ۔ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ خَبِیْرٌ ؕ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ؕ

اب ہم ان امور کی تفسیر میں کہ ان حضرات سے کون کون مصالح اور نظامِ عالم کے متعلق تھے بیان کئے دیتے ہیں۔ اور ان کی مثال امم قدیمہ کے پارینہ اخبار و آثار کو چھوڑ کر صرف امتِ مرحومہ مصطفویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دکھلائے دیتے ہیں۔ جس کی حمایت۔ حفاظت اور اعانت کے فرائض خدمت جزو امامت قائم ہوچکے تھے جو نظام کہ ان حضراتِ مقدسین سے خاص طور پر وابستہ تھے وہ نظامِ امت۔ احکامِ دینیہ کی حفاظت معرفتِ الٰہیہ کی اشاعت اور امورِ شرعیہ کی حمایت و اعانت کے امور تھے۔ اب ان امور کو دیکھ کر ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ فرائض۔ یہ خدمات کبھی اور کسی طرح ملکی سیاست اور نظامِ حکومت کی ذمہ داریوں سے کم نہیں تھے۔ بلکہ اگر حقیقی طور پر دیکھے جائیں تو ان کی ذمہ داری اور جوابدہی اُن سے کہیں زائد بھی اور ایسی بھی کہ مخلوق سے لیکر خالقِ مطلق تک اس کا سلسلہ قائم اور باقی تھا۔ ان قرائن اور اسباب کو مدِنظر رکھ کر ہر شخص بہ آسانی نتیجہ نکال سکتا ہے کہ ایک امام منصوب من اللہ کے فرائض ایک حکمران مامور عن الناس کے خدمات سے کہیں زیادہ سخت اور دشوار معلوم ہوتے ہیں۔ اسی لئے عام فطرتِ انسانی ان کی انجام دہی اور ادائگاری سے بالکل

قاصر اور مجبور ہے۔ ہاں ان فرائض اور ان کی تمام شرائط کو وہی نفوس بجا لا سکتے ہیں۔ اور ان خدمات کو وہی وجود ذی جود پورا کر سکتے ہیں جن کی انسانی ترکیبیں نورانی اجزاء سے مرکب کی گئی ہیں اور جن کے فضل و کمال کی تحصیل کی تعلیم بالکل روحانی اور وہبی طریقوں سے پہنچائی جاتی ہے۔ نہ کسی ظاہری اور کسی ذریعے سے ان کے تعین اور ماموری سے پہلے ان کے قلوب کے امتحان لئے جاتے ہیں۔ اُن کے اوصاف و کمال کی کامل آزمائش کر لی جاتی ہے اور جب وہ ہر طرح سے ...... نفس مطمئنہ کے درجۂ علیہ میں پورے اتر جاتے ہیں اور فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ کے عرش الکمال تک پہنچے ہوئے ثابت ہوتے ہیں۔ تب کہیں ان تمام مراتب کے طے ہو جانے کے بعد یہ عظیم الشان اور جلیل القدر مناصب ان بزرگواروں کو تفویض فرمائے جاتے ہیں۔ یہ امور آپس کی پنچایت۔ طرفداری اور رعایت سے تھوڑے ہی دستیاب ہوتے ہیں اور ایسا تھوڑا ہی ہو سکتا ہے کہ دس آدمی متفق ہو کر ایک جگہ جمع ہو گئے اور احمد کی پگڑی محمود کے سر بندھ گئی۔

یہ امور بالکل قدرت کے خاص نظام سے تعلق رکھتے تھے اور ان میں انسانی تجویز و تدبیر کی مطلق گنجائش نہیں تھی۔ اسی وجہ سے یہ امور دنیاوی سلاطین کے سپرد نہیں کئے گئے اور یہی وہ خاص وجہیں تھیں جن کی وجہ سے ان حضرات کی مالی حالت اگرچہ روز بروز کم ہوتی گئی۔ دنیا کی کس مپرسی اور زمانہ کی نامہربانی نے ان کو پانی کی طرح آنکھوں سے گرا دیا۔ مگر با ایں ہمہ جس جاہ و جلالت اور شان و عظمت سے یہ حضرات اپنے حصیرِ قناعت پر گوشہ نشین اور عزلت گزین رہتے تھے ویسی نموداری اور ذی اقتداری کسی فرماں روائے سلطنت کو اپنے سریرِ حکومت پر نصیب نہیں ہوتی تھی۔ یہ ایک ایسا مسلمہ امر ہے جس پر تمام اسلامی فرقوں کا اعتراف و اتفاق ہو چکا ہے اور اہل اسلام کے علاوہ دنیا کی تمام قومیں بھی اس کو تسلیم کر چکی ہیں۔ اور اسی سے آیۂ کریمہ اَلْعِزَّةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ کے اصلی مدعا کو بخوبی سمجھ لیا جا سکتا ہے۔

بہر حال اتنا لکھ کر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آ جاتے ہیں اتنا اوپر بیان ہو چکا ہے کہ امام عصر کو سلاطین کی احتیاج نہیں مگر سلاطین کو امام عصر کی ضرور احتیاج ہے دنیا کو ہر وقت امام کی ضرورت ہے اور امام اپنے منصبِ امامت کے اعتبار سے تمام مخلوق کی ہدایت اور حفاظتِ شریعت کا ذمہ دار ہے۔ امام منصوب من اللہ کے مقابلہ میں امام مامور عن الناس کا کوئی وجود اور کوئی ہستی ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اور اگرچہ وہ اپنے مدارج و مناصب میں ترقی کرتا ہوا کتنا ہی اعلیٰ کیوں نہ ثابت ہو مگر وہ امام منصوب من اللہ کا فضائل و مراتب میں کبھی مساوی اور برابر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح عام اس سے کہ کتنی ہی بڑی عظمت و جلالت اور شان و شوکت کا کوئی بادشاہ اور بہت ہی بڑی اقلیم کا فرمانروا کیوں نہ ہو اور وہ اپنی موجودہ ثروت و اقتدار کی بدولت چاہے دنیا بھر سے مستغنی اور بے پروا کیوں نہ ہو۔ مگر تاہم وہ امام منصوب من اللہ کا کسی نہ کسی وقت میں ضرور محتاج ہوگا۔ اور جب اس کا امورِ شرعیہ اور نصاب دینیہ کی ضرورتوں سے مقابلہ ہوگا تو وہ آخر کار ہر طرف سے مجبور ہو کر پھر انہی نفوس قدسیہ کی طرف رجوع کریگا۔ کیونکہ ان امور کی کشود کاری سوائے ان حضرات کے کسی دوسرے سے دنیا میں ممکن نہیں ہے۔ نظامِ قدرت اور نصابِ مشیت نے ایسا نہیں کیا کہ ان حضرات کے مسئلہ ترجیح کو کسی وقت دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی رکھا ہو۔ سیر و تواریخ کی کتابوں سے جہاں تک ان امور کا تفحص و تجسس کیا جاتا ہے یہ امر اچھی طرح ثابت ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ہر وقت اور ہر زمانے میں اپنی قدرت کے اعلان کے ساتھ ان حضرات کے کمال فضیلت کا اظہار فرما دیا ہے اور تنہا اظہار ہی نہیں فرمایا ہے بلکہ ان تمام خاص مخالفین سے جو ان حضرات کے ساتھ ہمیشہ سے مساوات اور ہمسری کے دعوے کرتے چلے آتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں ان کے محامد و اوصاف سے اپنی ذات کو بھی موصوف بتلاتے ہیں۔ ایک آدمی کے سامنے نہیں ہزارہا آدمیوں کے سامنے اُن کے شرف و فضیلت کا اعتراف و اقرار کرا دیا اور اسی تصدیق و توثیق کو اُن کی حقیقت و فضیلت کا اصلی معیار قرار دیدیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط

مخالفین کا ان حضرات مقدسین کے شرف وفضیلت پر اقرار اوران سے استمداد اوران کی اعانت کا اعتراف کرنا ہم ذیل میں قلمبند کرکے کمالِ قدرت کے ادنیٰ نمونے اور کرشمے کو دنیا کی نگاہوں کے سامنے پیش کرتے ہیں ۔

تاریخ وسیر کی چھوٹی بڑی تمام کتابیں بتلا رہی ہیں کہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد زمانہ کی توجہ کا رخ اور اہل زمانہ کی التفات کی نظر اُن کی ذریات طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے بالکل پھر گئی اور یہ حضرات رفتہ رفتہ پھر تو ایسے نا پرساں بناکر چھوڑ دیئے گئے کہ کوئی بھی شخص دنیا میں انکو کسی کام کے قابل نہ سمجھتا تھا اور معدودے چند لوگوں کے سوا کوئی دوسرا شخص ان کے فضائل ومدارج کا جاننے والا اور ان کو انکی پوری شان اور معرفت کے ساتھ پہچاننے والا لاشکل سے ملتا تھا ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ۔ ع اے فلک آں ابتدا ایں انتہائے اہلبیت ۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت کے جدید مدبرین نے خلافت ۔ امامت ۔ ولایت ۔ غرض دنیا بھر کے محامد ومحاسن کا مرکز اسی شخص کو قرار دیدیا جو اہلِ حل وعقد (اہل عرب کی پنچایت) کی طرف سے خلافت کا منتظم قرار دیا گیا ہو مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان حضرات کے عجز ونا قابلیت کی کل کیفیت ظاہر ہوگئی ۔ اور اُن کے ظاہری اور مصنوعی دعووں کی ملمع کاری اور تمام بیرونی قلعی کھل گئی ۔ اور تمام دینی اور شرعی مسائل کی ضرورتوں میں کیا اکثر سیاسی اور تمدنی امور کی مشکلوں اور ضرورتوں میں بھی ان کو پھر اُسی نفس نفیس کی امداد واعانت اور اصابت رائے کی محتاجی ہوئی جو ان کے زمانہ میں امام منصوب من اللہ کے درجہ اعلیٰ پر ممتاز تھا ۔ چنانچہ حضرت عمر کے یہ اقوال اور ان کے عجز ومعذوری کے اعتراف میرے بیان پر کافی روشنی ڈالتے ہیں ۔ وھو ھذا ۔

لا ابقانی اللہ بعدی یا علی (علامہ زمخشری) لا یفتین احد فی المسجد وعلی حاضر (امام عبدالبر) اقضانا علی (امام سلفی) لولا علی لهلك عمر (ابن حجر) اعوذ باللہ من معضلة لیس لها ابوالحسن (محب طبری) یا بن ابی طالب ما زلت کاشف کل شبهة وموضح کل حکم (طبرانی) اللهم لا تنزل لی شدة الا ابوالحسن فی جنبی (امام طبری) عجزت النساء ان یلدن مثل علی ابن ابیطالب (ایضاً) اتنے متواتر اور متعدد اعتراف اور اقرار کی موجودگی میں وہ کون شخص ہوگا جو اب بھی ان حضرات کے مسئلہ ترجیح وتفضیل کو نا تمام یا مشتبہ بتلائے گا ۔

بہرحال ان اعترافات نے بتلا دیا کہ دنیا کے تمام درجہ اور طبقہ کے لوگوں کو امام منصوب من اللہ کی ضرورت اور محتاجی ضروری اور لازم ہے ۔ ہم نے جہانتک اس امر پر غور کیا ہے ہم کو ثابت ہوا ہے کہ کچھ مسائل شرعیہ اور امور دینیہ کی ضرورتوں پر موقوف نہیں بلکہ نظامِ ملکی کی ضرورتوں کے وقت بھی خاص خلافت راشدہ نے بھی جس کے برحق ہونے پر آج اسلام کا سواد اعظم ایمان لایا ہوا معلوم ہوتا ہے امام منصوب من اللہ کی طرف رجوع کی ہے اور ان میں بھی ان کی ہدایت کے مطابق ویسا ہی کام کیا ہے جیسا کہ امور شرعیہ کی تعمیل کی ہے ۔ اور اسی وجہ سے ان امور میں ان کو برابر اور مسلسل کامیابی ہوتی گئی ہے ۔ جن لوگوں نے اسلامی تاریخ کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ محاصرہ روم اور فارس کے اہم مسائل پیش آنے کے وقت مجلس شوریٰ میں حضرت عمرؓ نے تمام صحابہ میں سے جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے استصواب رائے سے کام کیا ۔ ہم نے اپنی کتاب سراج المبین فی تاریخ امیرالمومنین حصہ اول میں ان واقعات کو پوری تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے ۔ من شاء فلیرجع الیہ ۔

اب اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ وجود امام علیہ السلام کی ضرورت کچھ امور شرعیہ اور ضروریات دینیہ ہی میں درکار نہیں ہوتی تھی بلکہ سیاستِ مدن وغیرہ وغیرہ تمام ضرورتوں میں اس کی اطاعت اور متابعت ضروری اور مفید ثابت ہوتی ہے ہم نے اپنے موجودہ سلسلہ کے ہر نمبر میں ترتیب وتفصیل سے اس امر کو بیان کر دیا ہے اور جناب امیرالمومنین علیہ السلام کے وقت سے لیکر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ تک امور شرعیہ ونصاب دینیہ کو چھوڑ کر سیاست مدن کے ان واقعات اور مشکلات کو واضح طور سے لکھدیا ہے جن میں ان حضرات سے پوری مدد لی گئی ہے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان واقعات سے ثابت

ہو گیا۔ دنیا اور دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جس میں امام زماں کی ہدایت اور اعانت کی ضرورت نہ پائی جاتی ہو۔ باایں ہمہ اگر دنیا کی غافل قومیں ایک صد اور مدت تک ان کے وجود کو بیکار اور غیر مفید سمجھیں تو ان کی حالتوں پر خود کردہ را علاجے نیست کی مثال صادق آئے گی اور اس میں خود اُن کا قصور اور ان کے فہم و شعور کا پورا فتور ثابت ہوگا۔ نہ اس میں امام زماں کی کوئی خطا ظاہر ہوتی ہے اور نہ کوئی فروگزاشت۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر خانۂ کعبہ کو خانۂ خدا نہ سمجھے اور اس لئے مناسک حج نہ ادا کرے تو خانۂ کعبہ زاد اللہ شرفہا کی نہ کوئی منزلت گھٹ سکتی ہے اور نہ اس کی عزت و حرمت میں کوئی کمی پیدا ہو سکتی ہے۔ جو کچھ بازپرس اور جواب دہی لازم آئے گی وہ اسی مرد مسلمان کے سر جائے گی جو اس کے آداب کا قائل اور معترف ہو کر اس بات کی ہتک حرمت اور ترک عظمت کا باعث ہوا۔ اسی طرح ایک مسلمان کیا۔ خدانخواستہ سارے جہان کے مسلمان خانۂ خدا کے آداب کو ترک کر دیں تاہم اس کی عظمت میں کوئی کمی نہیں آسکتی اور نہ اس کے لئے یہ مجبوری ہو سکتی ہے کہ وہ خود ان مسلمانوں سے اپنی عظمت کئے جانے کی درخواست کرے یا متمنی بنے۔ بلکہ ایسی حالت میں بھی انہی مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ اپنی ضلالت و جہالت سے تائب ہو کر پھر اس حرم محترم کی طرف رجوع کریں اور اس کے آداب بجا لائیں۔ بہرحال میرے اس تمام و کمال بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ سلاطین اور فرمانروایانِ ملکی نے اپنے ملکی یا مالی اعتبار و اختیار کے مقابلہ میں حضرات آئمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کو کسی لائق نہیں سمجھا اور نہ اپنی ملکی رعایا کو ان کی اقتدا اور متابعت کرنے دی تاہم ان کے فضائل و مراتب میں کوئی کمی نہیں آئی۔ نہ وہ اپنے مناصب سے علیحدہ کئے گئے اور نہ اپنے فرائض کی ادا کاری اور انجام دہی سے جُدا ہوئے۔ ان کی حالتیں اگرچہ کیسی ہی گئی گزری کیوں نہ ہوں اور وہ اپنی ناداری اور عُسرت کی وجہ سے بالکل دربستگی اور دست و پا شکستگی کی حالتوں میں کیوں نہ بسر کرتے ہوں تو اس سے کیا۔ اُن کے ارشاد و ہدایت کے آثار، ان کی عظمت و جلالت کے اقتدار اُسی طرح تمام بلادِ اسلامی میں جاری اور قائم رہے۔

آپ کے نظام امامت

اتنا تمہیداً عرض کر کے پھر ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں جناب قائم آل محمد علیہ السلام نے اپنے پدر عالی مقدار حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد اپنے عہدۂ جلیلہ اور منصب رفیعۂ امامت کے فرائض جو منجانب اللہ آپ کے سپرد فرمائے گئے تھے انجام دینے شروع کر دیئے۔ مگر چونکہ ابتدا ہی سے نظامِ مشیت نے آپ کے تمام امور کو ایک خاص اختفار کی حالت میں رکھا جانا عین مصلحت سمجھا تھا جس کو ہم مفصل طور سے اوپر کی بحث میں بیان کر آئے ہیں۔ اس لئے ان فرائض کے متعلق تمام احکام بہت بڑی حزم و احتیاط کے ساتھ انہی سفراء اور نائبین کے ذریعہ سے انجام دیئے جاتے تھے جو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ ہی سے مومنین خالصین کے اغراض و مقاصد کو آپ کی خدمت میں عرض کیا کرتے تھے۔ مگر چونکہ ان کے عہد کرامت مہد سے آپ کے وقت کی دشواریاں بڑھ گئی تھیں جن کے اسباب عنقریب ہمارے سلسلۂ بیان سے مفصل معلوم ہوں گے۔ اس لئے ان انتظامات میں پہلے سے زیادہ اضافات فرمائے گئے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے وقت میں تو صرف رقم خمس وغیرہ کے ایسے امور کی وصولی میں سفراء اور نائبین وغیرہ کی ضرورت ہوا کرتی تھی پھر بھی آپ کی خدمت میں مومنین کا جمع ہونا چونکہ مخالفین کی ازدیادِ مخالفت اور آپ کی تکلیف و زحمت کا باعث ہوتا۔ اس ترکیب سے روک دیا گیا تھا۔ مگر آپ کے عہد میں یہ دشواری اور مجبوری روز بروز ترقی کرتی گئی قیامت تو یہ ہوئی کہ بیرونی جوڑ توڑ کرنیوالے تو علیحدہ رہے جناب قائم آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالف اور جانی دشمن آپ کے گھر والے نکلے جنھوں نے محض جھوٹی اور بے سروپا باتیں

آپ کی طرف سے لگا کر خلیفہ کو اور بھڑکا دیا۔ اسلئے جوں جوں ان مخالفین کی مخالفانہ گرم بازاری بڑھتی گئی ویسے ہی ویسے آپ کے نظامِ امامت میں رازداری اور حفاظت وہوشیاری کے اہتمامات بھی منجانب اللہ زیادہ ہوتے گئے۔

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے وقت سے رؤیت عموماً موقوف ہوکر خاص خاص۔ وہ بھی صرف معدودے چند خوش قسمت حضرات تک مخصوص ومحدود رکھی گئی تھی۔ آپ کے خاص زمانہ میں تو عام یا خاص۔ رؤیت کا شرف عموماً سب کے لئے ممنوع ہوگیا۔ اور جملہ امور کی اطلاع اور احکام ونصاب ہدایت کے تمام اجراء واعلان سفراء ونائبین سے متعلق کردئیے گئے۔ اور انہی حضرات کو حضوری اور زیارت کی دولت بھی نصیب ہوتی رہی۔ مگر جب مخالفین کی شورش اور زیادہ ہوگئی تو یہ سفراء بھی عموماً زیارت سے محروم رہنے پر مجبور کردئیے گئے۔

سفراء ونائبین وحاجزین کے حالات

اگرچہ سفراء وحاجزین اور نائبین وغیرہ کے انتظامات جناب امام علی نقی علیہ السلام ہی کے زمانہ سے تھوڑے تھوڑے شروع تھے۔ اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ میں یہ انتظام کامل ہوچکے تھے۔ مگر جیسا کہ ہم اپنی کتاب العسکری علیہ السلام میں بیان کرچکے ہیں کہ یہ حضرات مومنین سے رقوم خمس وصول کرکے خدمتِ امامؑ میں پہنچا دیا کرتے تھے۔ جناب قائم آل عبا علیہ التحیۃ والثنا کے عہد میں بھی اگرچہ یہی خدمات ان حضرات سے متعلق رہیں۔ مگر وصولی خمس کی ضرورتوں کے ساتھ ہی اور تمام امور کی اطلاع واجراء کا بھی کافی اضافہ فرما دیا گیا۔ جس کی کوئی اور وجہ سوائے اس کے نہیں ہوسکتی تھی کہ رؤیت کے ممنوع ہوجانے کے باعث ہدایت عامہ۔ استحفاظ شریعت اور دیگر ضروریات کے اجراء وانجاح کی کوئی دوسری سبیل بغیر ان انتظامات کے نہیں تھی۔ اور اگر حقیقت میں یہ انتظام جاری نہ فرمائے جاتے تو شاید وقت ولادت سے لیکر غیبتِ صغرےٰ تک آپ کی حیات والاصفات کا زمانہ محض بیکار ثابت ہوتا۔ بہرحال شوکت ان طریقوں سے احیائے سنت۔ حفظان شریعت اور اجرائے ہدایت کے انتظام کئے گئے وہ یہ تھے کہ بڑے بڑے شہروں میں دو دو تین تین بلکہ ان سے بھی زائد سفراء مقرر فرمائے گئے اور قریوں اور قصبوں میں ایک ایک یا ایک سے زائد ان سفراء کے نائبین مقرر کیے گئے اور قریوں اور قصبوں سے بھی چھوٹی چھوٹی بستیوں میں نائبین سفراء کی ماتحتی میں حاجزین مقرر ہوئے۔ حاجز عربی کا اسم فاعل ہے جس کے معنی حد فاصل ہونے کے ہیں۔ اور مجازاً ذریعہ اور وسیلہ اور واسطہ کے بھی ہوسکتے ہیں اور یہاں بطور مجاز انہی معنوں میں مستعمل ہے۔ بہت سی ایسی چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی تھیں جہاں مومنین کی تعداد بالکل کم تھی اور باعتبار شمار کے وہاں ایک علیحدہ سفیر نائب یا حاجز مقرر کئے جانے کی مصلحت نہیں تھی۔ اسلئے ایسے ایسے دو دو تین تین۔ چار چار مقامات کو ایک آبادی قرار دیکر ایک دو کیں۔ سفیر یا حاجز کے سپرد فرما دیا گیا پھر ان سفراء نائبین سفراء حاجزین اور وکلاء پر وہ مقدس بزرگ۔ راس الرئیس مقرر کیا گیا جو شہر بغداد میں بالاستقلال مقیم رہتا تھا۔ اور وہاں کا مقامی نمائندہ تمام حضرات اپنے تمام مطالب ومقاصد کو اس کے ذریعہ سے امام زماں علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور وہ اپنی ہی معرفت تمام معروضات مومنین پر آپ سے حکم واحکام حاصل کرتا تھا۔ اموال خمس کے جمع کرنے کے بھی یہی طریقے تھے۔ مگر بعض حالات وواقعات کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات نے بلا واسطہ نوابین وسفراء وغیرہم کے اپنے معروضات کے جواب پائے ہیں۔ مگر جہاں تک اس مادہ میں ہماری تحقیق کام کرتی ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ امور مستثناۃ آپ کے ظاہری نظام سے علیحدہ ہوکر آپ کے روحانی اعجاز وکرامات سے خاص تعلق رکھتے ہیں اور نظام مشیت اور احکام قدرت پر موقوف ہوتے ہیں کیونکہ ایسے امور کا ظہور انہی وقتوں میں پایا جاتا ہے جب کوئی مشتبہ اور مشکوک فی امر الامامۃ آپ کے درِ دولت پر حاضر ہوا ہے اور اپنے مسائل کو امتحاناً اپنے دل میں رکھ کر یا غیر امتحاناً عریضہ کی معمولی

صورت میں لکھ کر کسی خادمِ خاص کے ذریعہ سے خدمتِ مبارک میں بھیج چکا ہے۔

سفرا اور نائبین کے نام اور مقامِ ماموریت

اب ہم اپنے آئندہ بیان میں اُن حضرات کے نام نامی اور ان کے مقامِ ماموریت درج کرتے ہیں جو آپ کی طرف سے مامور ہو کر ان خدمات کو انجام دیتے تھے مگر قبل اس کے کہ ہم ان حضرات کی تفصیل کو بیان کریں ہم کو یہ لکھ دینا نہایت ضروری ہے کہ ہم اس تفصیل و تشریح سے کہ یہ حضرات ان خدمات و مناصب پر کس وقت سے کس وقت تک قائم رہے اور ان کے دورانِ تعینن میں اور کون کون سے واقعات پیش آئے بالکل مجبور اور قطعی عاجز ہیں۔ اور اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ یہ امور بالکلیہ اسرارِ ربانی اور آثار و آیاتِ یزدانی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرنا مشیت کے نظام اور قدرت کے انتظام میں خواہ مخواہ مداخلت کرنا ہے جو انسان کی شان کے خلاف اور اس کے امکان سے باہر ہے۔ مُلّا باقر مجلسی علیہ الرحمۃ بحار الانوار جلد سیزدہم میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کے نوابین کے سلسلۂ مخصوصہ میں سب سے پہلے عثمان بن سعید عمری رضی اللہ عنہ کو امرِ نیابت تفویض کیا گیا۔ ان کی وفات ۲۹۵ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ یہ بزرگ جناب امام علی نقی علیہ السلام کے اصحاب معتمدین سے بھی تھے۔ اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے بھی ان کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے محمد ابن عثمان عمری رضی اللہ عنہ اس عہدۂ جلیلہ پر ممتاز ہوئے۔ ان کی وفات ۳۰۵ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد نیابت کا عہدہ حسین ابن روح رضی اللہ عنہ کو تفویض فرمایا گیا جو آپ کے آخر نائبین میں سے تھے۔ یہ بزرگ غیبت کبریٰ کے چند سال پیشتر تک ان خدمات کو انجام دیتے رہے بعد اس کے انتقال فرما گئے۔ ان کے انتقال فرما جانے سے نیابت کا عہدہ قطعی طور پر موقوف ہو گیا اور پھر کوئی دوسرا نائب نہ ہوا۔ ان کا انتقال ۳۲۹ھ ہجری میں واقع ہوا اور ۳۳۳ھ ہجری سے غیبت کبریٰ کے ایام شروع ہوئے۔

بہر حال یہ حضرات تو وہی تھے جو جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے نائب اور قائم مقامِ ظاہری تسلیم کئے جاتے تھے اب ہم وکلا، سفرا، نائب سفرا اور حاجزین وغیرہ کے نام اور اُن کی ماموریت کے مقام ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ محمد ابن عبداللہ کوفی جو وکلائے کوفہ سے تھے اور بذاتِ خاص اس عہدہ کی خدمات بجا لاتے تھے بیان کرتے ہیں کہ آپ کے نائبِ خاص کے علاوہ شہر بغداد میں تین حضرات آپ کی سفارت اور وکالت کی خدمات پر مامور تھے یہ امر اس وجہ سے بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ دار الحکومت ہونے کی وجہ سے شہر بغداد (بغداد) تمام روئے زمین میں اسلامی دنیا کا مرکز تسلیم کیا جاتا تھا جہاں ہزاروں شیعہ آباد تھے جو تقیہ کے احکام کے مطابق کتمانِ ایمان کے طریقہ پر قائم تھے۔ مگر باطنی طور سے وہ شریعت کے تمام اعمال احکامِ ظاہری کے مطابق بجا لاتے تھے اور ایسا کرنے کے لئے وہ مجبور تھے ان مقامی باشندوں کے علاوہ بلادِ اسلامی کے تمام شیعہ اپنی ضرورت سے یہاں آتے تھے اور خاص کر نوابین اور سفراء و وکلاء امام علیہ السلام سے مل کر شریعت کے احکام اور دریافت مسائل کی بھی ضرورتیں ان کی بیشمار اور لاتعداد جماعتوں کو مختلف دیار و امصار سے یہاں کھینچ لاتی تھیں۔ پھر اتنی کثیر لوگوں کی مختلف اور متفرق ضرورتوں کو ایک نائب تنہا اپنی ذات سے کیسے انجام دیکتا تھا۔ اور اگر وہ اپنے خلوص و عقیدت کی وجہ سے ان امور کو کسی نہ کسی طرح پورا بھی کرتا تو پھر رازداری اور احتیاط کے بندوبست کامل نہیں ہو سکتے تھے۔ افشارِ راز کا خوف لگا تھا۔ اسی وجہ سے خاص کر شہر بغداد میں نائبین کے علاوہ متعدد سفراء، وکلاء کا مقرر کیا جانا نہایت ضروری اور مفید تھا۔ انہی امور پر لحاظ و غور کر کے شہر بغداد میں نائبین کے علاوہ بلالی اور عطار رحمہما اللہ تعالیٰ وکالت کے عہدہ پر امور فرمائے گئے۔ کوفہ میں عاصمی اور محمد ابن عبداللہ کوفی وکالت کا کام کرتے تھے۔ اہواز میں محمد ابن ابراہیم ابن مہزیار مامور

تھے۔ قم میں احمد ابن اسحاق اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ ہمدان میں محمد ابن صالح اس عہدے پر مقرر تھے۔ رَے میں دو بزرگوار سفارت و وکالت کی خدمت بجالاتے تھے۔ اس لئے کہ یہاں شیعہ آبادی اس وجہ سے زیادہ ہو گئی تھی کہ وہ غریب اور مصیبت زدہ شیعہ جو سلاطین عباسیہ کے ظلم سے خارج البلد کئے گئے تھے یہیں آکر آباد ہوئے تھے بہرحال اس علاقہ میں بُستامی اور اسدی رحمہما اللہ تعالیٰ عہدۂ سفارت و وکالت پر فائز تھے۔ آذربائجان میں قسم ابن علا رحمۃ اللہ علیہ سفارت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ شہر نیشاپور میں محمد ابن شاذان علیہ الرحمۃ کو یہ عہدہ تفویض فرمایا گیا تھا۔

ان حضرات کی خدمات یہ تھیں کہ ان کی خاص سکونت اور دیگر مقامات قرب و جوار کے مومنین اپنے اپنے مسائل اور دیگر ضروریاتِ شرعیہ جن میں حکم امام علیہ السلام کی خاص ضرورت واقع ہوتی تھی ان کے پاس لیکر آتے تھے اور اپنے مدعا کو خواہ زبانی یا تحریری ذریعوں سے بیان کرتے تھے۔ اور یہ حضرات اپنے انتظامات سے ان کے یہ مراسلات آپ کی خدمتِ بابرکت میں پہنچا دیتے تھے اور اس کے مناسب جوابات آپ کے دستخط اور مہر خاص سے منگا کر ان کو حوالہ کر دیتے تھے اور یہی تحریری احکام شیعی دنیا میں توقیعاتِ مقدسہ کے نام سے مشہور ہیں۔ بعض اوقات مومنین کی زبانی گزارش یا تحریری عرضداشت خود بذاتِ خاص یہ سفراء اور وکلاء لوگ آستانِ مبارک پر حاضر ہو کر عرض کرتے تھے اور حکم و احکام لیکر اپنے اپنے مقامات پر واپس چلے جاتے تھے۔ مگر ان کے لئے یہ ضروری نہیں تھا کہ ہر بار یہ حضرات آپ کی زیارت سے بھی مشرف ہو سکیں۔ کبھی کبھی مشرف بھی ہوتے تھے اور کبھی نہیں بھی۔ اذن نہ ہونے کی حالت میں یہ حضرات کسی خادمِ امامؑ کے ذریعے سے خدمت مقدس میں پیش کرتے تھے اور حکم و احکام منگا لیتے تھے۔ مگر واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفراء اور وکلاء بھی اکثر اوقات اپنی معروضات کو نوابین آنحضرتؑ کے ذریعے سے پیش کرتے تھے۔ مگر یہ امور زیادہ تر مالی معاملات میں ثابت ہوتے ہیں اور حقِ امامؑ یا اموال خمس وغیرہ کی ادائیگی اور وصولی اسی طریقے سے ہوتی تھی اور یہ وہی طریقہ تھا جو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے عہدِ امامت سے برابر جاری تھا۔

علاوہ ان ضروریاتِ دینیہ کے جواوپر لکھی گئیں وہ اموال۔ ہدیے اور انواع و اقسام کے تحائف اور مختلف طرح کے اسباب۔ جنس اور اموال جو منجانب خدا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم حقِ امام علیہ السلام قرار پا چکے تھے۔ مومنین خالصین اپنے اپنے مقامات سے سفراء و وکلاء کے پاس خدمت امامؑ میں پہنچا دئیے جانے کے لئے امانتًا جمع کر جاتے تھے۔ اور وہ حضرات اپنے توسّل اور معرفت سے یہ رقوم آپ کی خدمت میں پہنچا دیتے تھے۔ آپ کی خدمت بابرکت سے ان کی رقم کی رسیدیں نام بنام ہر ارسال کنندہ کے نام علیحدہ علیحدہ مع سفراء کی معرفت کے مُہر و دستخط سے خاص طور پر نوابین کے پاس آتی تھیں اور وہ لوگ سفراء کے پاس بھیجدیتے تھے اور سفراء سے ارسال کنندگان کو مل جاتی تھیں۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ان اموال کے داخل کرنے کے وقت یہ سفراء اور نوابین بذاتِ خاص ان مومنین (ارسال کنندگان) کی کوئی تفصیل یا فہرست داخل نہیں کرتے تھے۔ صرف تعدادِ رقوم اور اقسام اموال مندرج کر دی جاتی تھی جو از راہ اعجاز ان مومنین کے نام فردًا فردًا رسیدیں اپنے مہر دستخط سے مزیّن کر کے ارسال فرمائی جاتی تھیں۔ سفراء اور وکلاء کی طرح نوابین بھی بعض اوقات ان رقوم کو اصالتًا داخل کرنے کی غرض سے آستان مقدس پر حاضر ہونے کی جرأت کو مصلحت نہیں سمجھتے تھے تو ان رقوم کو ایسے وقتوں میں خادمانِ خاص کی معرفت خدمتِ اقدس میں بھیجدیا کرتے تھے۔ اکثر اوقات دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان اموال کا خدمتِ مبارک میں رکھ لیا جانا ہمیشہ ضروری نہیں تھا بلکہ اکثر اوقات ملاحظے سے مشرف فرما کر پھر یہ رقوم و اموال نوابین کے پاس بھیجدیئے

جاتے تھے اور پھر وہاں سے اُسی وقت یا کچھ عرصہ کے بعد مستحقین مومنین میں حسبِ ضرورت تقسیم کر دئے جاتے تھے۔ زیادہ تر ان اموال کے صرف کرنے کے یہی طریقے اور اصول تھے۔ اور حقیقتِ حال اور قرائن وواقعات بھی ایسا ہی بتلا رہے ہیں کہ تقسیم اموال یا ان کا ذخیرہ کرنا اُس زمانہ میں اگر آپ کے خاص ذاتی اہتمام سے ہوتا تو کس قدر غیر مناسب اور خلاف مصلحت تھا۔ ہاں ان اموال و رقومِ مرسلہ کی جانچ البتہ آپ کی ذات ہمایوں صفات سے متعلق تھی۔ اور وہ چیزیں جو ان اموال میں غیر مشروع طریقہ سے حاصل کردہ پائی جاتی تھیں فوراً واپس کی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ ناقص روپے اور تانبا ملی ہوئی اشرفیاں بھی خدمتِ قدسی برکت سے اسی وقت واپس اور مسترد فرمائی جاتی تھیں۔ اکثر اوقات کمی اور بیشی مال کی بھی فوراً خبر دیدی جاتی تھی۔ اور سفراء اور وکلاء کو لکھ دیا جاتا تھا کہ تمہاری مرسلہ اشیاء میں سے اتنی اشیاء نہیں ہیں یا اتنی رقم کی جگہ تم نے اتنی ہی رقم بھیجی ہے۔ اتنی ابھی اور باقی ہے یہ امور اکثر سفراء اور وکلاء کے اتفاقی سہو و نسیان کی وجہ سے واقع ہو جاتے تھے۔ کیونکہ بعض اوقات یہ اشیاء سفراء اپنے مقام پہ بھجاتے تھے لہٰذا آپ کی خدمت میں نہیں پہنچتی تھیں مگر ایسی خاص حالتوں میں انکو فروگزاشتوں سے آگاہ کر دیا جاتا تھا اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ مومنین کے اموال کے ساتھ سفراء و وکلاء کی خاص چیزیں بھی مل کر چلی آتی تھیں وہ فوراً ان کے پاس لوٹا دی جاتی تھیں اور ان لوگوں کو حقیقتِ حال سے مطلع کر دیا جاتا تھا۔

آپ کے نظامِ امامت کے متعلق چند واقعات

اب ہم ذیل کے بیانات میں چند ایسے واقعات قلمبند کرتے ہیں جن سے ہمارے اوپر کے بیان اور دعوے کی کامل تصدیق ہوتی ہے (۱)۔ یحییٰ ابن کثیر نوبختی بیان کرتے ہیں کہ جناب قائم آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نائب اور سفیر حضرت ابوجعفر ابن عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک اہلِ مومنین قم کا کچھ مال خدمتِ امام علیہ السلام میں پہنچا دیئے جانے کے لئے آیا۔ اس شخص آرندۂ مال نے وہ امانت اُن کے حوالہ کی جونہی چاہا کہ ان کی خدمت سے واپس آئے وونہی جناب صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت سے ایک حکمنامہ ابوجعفرؓ کے نام صادر ہوا۔ اسے پڑھ کر انہوں نے حامل کو واپس بلایا اور کہا کہ مال امام علیہ السلام میں سے کوئی چیز تمہارے پاس چھوٹی تو نہیں ہے؟ اس نے کہا کچھ نہیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ اچھی طرح یاد کرو۔ ایسا تو نہیں کہ کسی شے کو تم اس وقت سہو کرتے ہو۔ اس شخص نے جواب دیا کہ میں نے تمام وکمال چیزیں آپ کے حوالہ کر دیں۔ ابوجعفرؓ نے فرمایا نہیں کچھ نہ کچھ تمہارے پاس ضرور رہ گیا ہے۔ اپنی فرودگاہ پر جاؤ اور اچھی طرح تلاش کرو اور اپنے ذہن میں بھی خوب یاد کرلو۔ چنانچہ وہ دو تین روز تک اپنے دل میں یاد کرتا رہا مگر کوئی چیز اس کے ذہن میں نہ آئی اور اس نے اپنے فرودگاہ میں بھی ہر چند ڈھونڈا مگر کچھ نہ پایا۔ اب وہ پھر حضرت ابوجعفرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ میں نے خوب تجسس وتلاش کیا۔ مال امام علیہ السلام میں سے اب کوئی چیز میرے پاس باقی نہیں ہے۔ جو چیزیں تھیں وہ سب آپ کی خدمت میں حوالہ کر دیں۔ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ حضرت قائم آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ مال امام علیہ السلام میں سے دو پارچہ سرمائی جو فلاں شخص مومن نے مال امام علیہ السلام کے متعلق تمہیں دیئے تھے وہ کہاں ہیں؟ اتنا سننا تھا کہ اس شخص کو فوراً یاد آگیا اور اس نے کہا کہ البتہ یہ پارچے مجھے ضرور دیئے گئے تھے مگر مجھے اس وقت یاد نہیں کہ میں نے انہیں کہاں رکھدیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ پھر اپنی فرودگاہ پر واپس آیا اور اپنے اور اپنے تمام ہمراہیوں کے اسباب میں چھان مارا مگر کہیں ان پارچوں کا نشان نہیں ملا۔ آخر عاجز ہو کر پھر ابوجعفرؓ کی خدمت میں واپس آیا۔ اور حقیقت حال کہدی۔ ابوجعفرؓ نے ارشاد کیا کہ تمہیں حکم ہوتا ہے کہ فلاں پنبہ فروش کی دکان پر تم بیٹھے تھے اور اس کے روئی کے گٹھوں کو الٹ پلٹ کر رہے

تھے۔ وہ دونوں پارچے وہیں چھوٹ گئے ہیں۔ وہیں چلے جاؤ اور انہیں گٹھوں میں تلاش کرو۔ یہ سُن کر وہ شخص اس مقام پر آیا اور حسب الارشاد اُن گٹھوں کے نیچے دیکھا تو وہ دونوں پارچۂ سرمائی دبے ہوئے پڑے تھے۔ اُس نے ان پارچوں کو اٹھا لیا اور پھر ابوجعفر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں واپس آیا ان کو دیا اور اپنے وطن کو لوٹ گیا۔

(۲) احمد ابن ابی رَوح بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو ایک مرتبہ دینور کی رہنے والی عورت نے بلا بھیجا۔ جب میں اس کے پاس گیا تو وہ مجھ سے کہنے لگی کہ میں تمہیں ناحیۂ مقدسہ کے بزرگوں میں سب سے زیادہ ثقہ اور معتمد سمجھتی ہوں اور تمہارے زہد و ورع سے بھی خوب واقف ہوں۔ میں تمہیں اس وقت ایک امانت سپرد کرتی ہوں میں جسے کہوں تم اسے پہنچا دو اس نے کہا انشاء اللہ تعالیٰ میں ایسا ہی کرونگا۔ یہ سُن کر اس نے مجھے ایک تھیلی دی اور کہا کہ اس میں درہم بندھے ہوئے ہیں مگر تم اسے کھول کر نہ دیکھنا تاوقتیکہ اس کے پانے والے کے پاس اس کو نہ پہنچا لینا اور وہ پانے والا ابھی جب تک کہ تم کو اس کے اندر کے درہموں کی پوری تعداد نہ بتلا دے۔ تم اس کو یہ تھیلی نہ دینا۔ علاوہ اس کے یہ میرا گوشوارہ ہے اس کی قیمت دس دینار ہے۔ اس میں تین موتی گندھے ہیں ان کی قیمت بھی دس دینار ہے مجھکو حضرت صاحب الامر علیہ السلام سے ایک خاص حاجت ہے مگر اسے خود بیان کرنا نہیں چاہتی۔ بلکہ آپ ہی کی زبان صداقت ترجمان سے سننا چاہتی ہوں۔ جیسا آپ اپنی زبان زبانِ مبارک سے میری حاجت بیان فرماویں اور اسی طرح اُس کیسہ کے اندرونی درہموں کی صحیح تعداد بتلاویں تو اُس وقت تم یہ دونوں چیزیں میری طرف سے ان کی خدمت مبارک میں نذر کر دینا میں نے کہا کہ اگر جناب صاحب العصر علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہاری حاجت مجھ سے خود بیان بھی فرماویں تو میں اس کی تصدیق کیسے کر سکتا ہوں اور (معاذ اللہ) اس کو صحیح کیسے سمجھ سکتا ہوں اس لئے ضرور ہے کہ میں تمہاری اس حاجت کو پہلے تمہاری زبان سے سن لوں تب البتہ حقیقت اور غیر حقیقت کی تمیز کر سکتا ہوں یہ سنکر اس عورت نے کہا کہ میری حاجت یہ ہے کہ میری ماں نے میرے بیاہ میں دس دینار قرض لئے تھے۔ وہ مر گئی مجھے اب تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ دس دینار کس سے قرض لئے گئے تھے۔ اب میں حیران ہوں کہ وہ دس دینار کس کو دے کر اپنی غریب ماں کو عذاب دین سے سبکدوش کردوں جناب قائم آل محمد علیہ السلام جب اس کی خبر دیدیں تو تم یہ گوشوارہ اور کیسہ ان کی خدمت میں میری طرف سے نذر کر دینا یا جسکو آپ فرمائیں یہ گوشوارہ حوالہ کر دینا۔

چونکہ جعفر ابن علی نقی علیہ السلام کی مخالفت کا یہ خاص زمانہ تھا اور ان اموال کی روک تھام کے لئے مومنین پر سخت تاکید کی جاتی تھی اور نہایت جبر ظلم اور تشدد کیا جاتا تھا اس وجہ سے میں نے اس عورت سے احتیاطاً یہ بھی پوچھ لیا کہ اگر جعفر ابن علی نقی علیہ السلام مجھ سے اس مال کو طلب کریں تو میں کیا جواب دونگا۔ اس نے کہا کہ بس یہی امور جو میں نے ابھی تم سے بیان کئے میرے اور ان کے درمیان امتحان کے واسطے کافی ہونگے اگر وہی تم کو اس تھیلی کے درہموں کی تعداد صحیح اور قرض والے قصہ کی سچی خبر دیدیں تو تم بلا تامل یہ اشیاء انہی کے حوالہ کر دینا۔ احمد کا بیان ہے کہ میں وہ امانت لیکر روانہ ہوا اور چند روز کے بعد شہر بغداد میں داخل ہوا۔ اور حاجز بن یزید وشاء کے پاس گیا۔ اسکو سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم کو مجھ سے کوئی خاص ضرورت ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اور وہ یہ ہے کہ میرے پاس مالِ امام علیہ السلام سے کچھ امانت ہے جسے میں تمہارے حوالہ کرنا چاہتا ہوں مگر اس شرط سے کہ تم اسکی پوری حقیقت مجھے پہلے بتلا دو۔ یہ سن کر اُس نے کہا کہ ایسی حالت میں تمہیں سر من رائے جانا چاہیئے وہیں تمہارا موجودہ مسئلہ حل ہو جائیگا میں نے کہا لا الٰہ الا اللہ یہ تو آپ نے مجھے بہت سخت کام بتلایا ہے۔ آخر کار میں مجبور ہو کر وہاں سے چلا اور سامرہ میں داخل ہوا اور قصد کیا کہ پہلے جعفر ابن علی علیہ السلام کے پاس جاؤں اور ان کا امتحان لوں پھر میں نے سوچا کہ مجھے پہلے آستان مقدس پر حاضر ہونا ضرور ہے

چنانچہ میں در دولت پر حاضر ہوا۔ فوراً ایک خادم اندر سے باہر آیا اور کہنے لگا کہ احمد بن روح تمہارا ہی نام ہے؟ میں نے کہا ہاں یہ سنکر اس نے مجھے رقعہ دیا جس میں تحریر تھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اے ابن روح بد عاتکہ بنت ویرانی نے تم کو ایک تھیلی دی ہے اور تم کو گمان ہے کہ اس تھیلی میں ایک ہزار دینار ہیں۔ حالانکہ اتنی تعداد نہیں ہے اس میں شک نہیں کہ تم نے اپنی خدمت کو خوب ادا کیا اور صاحب امانت کی ہدایت کے مطابق ابھی تک اس تھیلی کو کھول کر نہ دیکھا۔ اس تھیلی میں ایک ہزار پچاس درہم ہیں۔ اس کے علاوہ تمہارے پاس گوشوارہ بھی ہے۔ اس عورت کے اندازہ میں اس کی قیمت دس دینار ہے اور اس کا یہ اندازہ صحیح ہے۔ اس گوشوارہ میں دو نگینے بھی ہیں اور ان میں مروارید کے دانے بھی پروئے ہیں وہ بھی دس دینار پر خریدے گئے ہیں لیکن فی الحال ان کی قیمت زیادہ ملے گی۔ اس گوشوارہ کو تم میرے فلاں خدمتگار کو دیدو کہ میں نے اسکو اپنی طرف سے انعام میں دیدیا۔ اس کے بعد تم بغداد واپس جاؤ اور رقم ہمراہی حاجز کے سپرد کردو۔ اور اس سے اپنی زادراہ لے لو۔ اور اور عاتکہ کا سوال کہ اس کی ماں نے اس کی عروسی کے خرچ میں دس دینار قرض لئے تھے۔ اب وہ اپنے قرض دہندہ کو نہیں جانتی۔ اس امر کے متعلق اس کو بتلایا جاتا ہے کہ اس نے یہ دینار ام کلثوم بنت احمد سے قرض لئے تھے۔ جسے وہ خوب جانتی ہے مگر چونکہ ام کلثوم کا شمار فی الحال فرقۂ نواصب میں ہوتا ہے اس لئے عاتکہ کو چاہئے کہ یہ رقم اپنے اعزا اور اقارب پر خرچ کر ڈالے۔ اور اگر وہ اپنے اس فعل میں ہم سے اجازت طلب کرے تو میں اسے اذن دیتا ہوں کہ وہ اس رقم کو محتاج مومنین پر تقسیم کردے۔ اے ابن روح! ہماری یہ تحریر تمہارے اطمینان۔ تصدیق و توثیق کیلئے کافی ہے۔ اب تم ان امور کو ابو جعفر سے دہرانے کا بیکار انتظار نہ کرو اور اپنے وطن کو براہ راست واپس جاؤ۔ کیونکہ تمہارا مخالف مرگیا اور خداوند عالم نے اس کے اہل و عیال کے ساتھ اس کے متاع و اموال بھی تم ہی سے متعلق فرمادئے ہیں۔

احمد ابن ابی روح کا بیان ہے کہ یہ حکم سن کر میں فوراً واپس ہوا اور حاجز کو وہ تھیلی دی۔ کھولی تو اس میں ایک ہزار پچاس دینار رہے ہوئے تھے۔ حاجز نے ان میں سے تیس دینار مجھ کو زادراہ میں دیئے۔ یہ رقم لیکر جونہی میں اپنی فرودگاہ پر واپس آیا وونہی ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ تمہارے چچا نے قضا کی اور ان کے اہل و عیال نے تمہیں بلایا ہے۔ جلد چلو۔ میں فوراً اس قاصد کے ہمراہ ہولیا۔ مکان پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ فی الواقع میرے چچا نے جو مادام الحیات مجھ سے ناراض رہا کرتا تھا انتقال کیا۔ اس نے اپنی میراث میں تین ہزار دینار مجھ کو دئیے ہیں۔

(۳) جناب شیخ مفید نور اللہ مرقدہٗ کتاب ارشاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ محمد ابن عبد اللہ سیاری کا بیان ہے کہ حارث مرزبانی نے کچھ چیزیں مجھے دیں اور کہا کہ میں انہیں جہاں وہ چاہتے تھے (خدمت امام علیہ السلام میں) پہنچا دوں۔ اُن میں ایک طلائی خلخال تھی۔ میں نے حسب خواہش اس کے یہ تمام چیزیں خدمت بابرکت میں پیش کردیں۔ سب چیزیں تو قبول فرمائی گئیں مگر وہ خلخال واپس کردی گئی۔ اور مجھے حکم ہوا کہ اس کو توڑ ڈالو۔ چنانچہ میں اس کو لے کر اپنے مقام پر چلا آیا اور حسب الارشاد اس کو توڑا تو اس کے اندر لوہے۔ تانبے اور پیتل کی ملی ہوئی ایک چیز داخل تھی۔ میں نے اسے نکال کر اپنے پاس رکھ لیا۔ اور پھر خالص سونا خدمت امام علیہ السلام میں پیش کردیا قبول فرمالیا گیا۔

(۴) کتاب ارشاد میں علی ابن محمد کی اسناد سے تحریر ہے کہ اُن کے احباب میں سے کسی بزرگ کے پاس کچھ مال امام علیہ السلام امانت رکھوایا گیا تھا کہ وہ اُسے آپ کی خدمت میں پہنچادیں۔ اُس میں ایک تلوار بھی تھی اتفاقاً وہ تمام مال بجنسہٖ خدمت مطہر میں پیش کردیا گیا۔ مگر وہ تلوار سہواً چھوٹ گئی۔ سب چیزیں تو رکھ لی گئیں۔ مگر ایک پرچہ کاغذ پر لکھا ہوا آیا کہ منجملہ ان اشیائے مرسلہ کے ایک تلوار نہیں ہے جسے تم سہو کر گئے ہو۔ اتنا اشارہ پاتے ہی مجھے خیال آگیا اور وہ تلوار بھی خدمت اقدس میں فوراً حاضر کردی۔

(۵) کتاب النجوم میں جعفر ابن محمد ابن جریر طبری کی اسناد سے مرقوم ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ابو العباس احمد سراج دینوری نے مجھ سے کہا کہ میں شہر اردبیل سے حج بیت اللہ کے شوق میں چلا اور شہر دینور میں داخل ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کو کُل ایک یا دو سال گزرے تھے۔ اور شیعہ امام زماں علیہ السلام کی تحقیق کے خاص مسئلہ میں سخت متفکر اور متحیر تھے۔ جب میرے ہموطن مومنین نے میرا نام سُنا تو وہ سب شاد و مسرور ہوئے اور بہت سے لوگ میرے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ مالِ امام علیہ السلام میں سے سولہ ہزار دینار ہمارے پاس جمع ہیں اور ہم لوگ وہ تمام وکمال رقم تمہارے حوالہ کئے دیتے ہیں کہ جو نصاب مخصوص اور طریقہ مقررہ ان اموال کے پہنچائے جانے کے لئے پیشتر سے مقرر ہو چکے ہیں انہی نصاب اور طریقہ سے تم ہماری رقم کو اس کے مرکز اصلی تک پہنچا دو۔ میں نے اُن کے جواب میں کہا کہ اے میرے بھائیو! یہ ایام حیرت میں اور میں خود اس زمانۂ مقدس میں امام وقت کو نہیں پہچانتا۔ ان لوگوں نے کہا اس کی پروا نہ کرو ہم تم کو نہ چھوڑیں گے۔ اس مال کو لیجاؤ اور تحقیق امام علیہ السلام کرکے اس کو ان کی خدمت میں پہنچا دو۔ کیونکہ تم سے بہتر اس کام کا کرنے والا اب ہم کو نہیں ملے گا۔ تمہارے زہد و ورع اور صلاح و اتقا کا ہم لوگوں کو کامل یقین ہے مگر ہاں اتنا کام ضرور کرنا کہ بغیر دلیل واضح اور برہان روشن کے دیکھے کسی شخص کو ہم لوگوں کی رقم امانت دے بھی نہ ڈالنا کہ مفت ضائع ہو جائے گی۔ احمد سراج کا بیان ہے کہ جب میں وہاں سے چلکر شہر قرمیسین میں پہنچا تو میرے احباب میں سے وہاں ایک صاحب احمد ابن حسن رہتے تھے میں ان کی ملاقات کو گیا۔ وہ مجھے دیکھکر بہت شاد و مسرور ہوئے اور پھر ایک ہزار دینار نقد اور انواع و اقسام کے کپڑے ایک گٹھڑی میں مضبوط باندھ کر میرے حوالہ کئے۔ اور مجھ سے اُس گٹھڑی کی نسبت کچھ نہ کہا اور نہ بتلایا کہ اس میں کیا کیا ہے۔ مجھ سے صرف اتنا کہا کہ میری یہ امانت اپنی ہمراہ لے لو۔ مگر تاوقتیکہ کوئی شخص تم سے اس کی حقیقتِ حال کو خود نہ بتلائے تم کسی کو بھی اُسے نہ دینا۔

خلاصہ یہ کہ میں نے ان کی امانت بھی لے لی اور وہاں سے روانہ ہو کر شہر بغداد میں پہنچا۔ یہاں پہنچکر مجھے سفراء اور نائبین امام علیہ السلام کی تحقیق و تلاش پیدا ہوئی۔ لوگوں نے مجھے مختلف حضرات کے نام بتلائے مگر ان حضرات میں خاص طور پر تین ہی بزرگواروں کے نام بتلائے گئے۔ مجھ سے کہا گیا کہ ایک صاحب باقطانی ہیں۔ دوسرے صاحب اسحٰق بن احمد نامی ہیں۔ تیسرے بزرگوار ابو جعفر عمری ہیں۔ ان تینوں حضرات کو امام علیہ السلام کی نیابت کا ادعا ہے ان میں سے آپ جسے پسند کریں اُن کی معرفت اور وساطت کو اختیار کریں۔ یہ سُن کر سب سے پہلے میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا جن کا نام باقطانی تھا۔ جب میں ان کے مکان پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ بڑے ذی وجاہت اور صاحب شان و شوکت ہیں۔ اُن کے طویلہ میں عرب کے اچھے اچھے اور قیمتی گھوڑے متعدد برابر برابر بندھے ہوئے ہیں۔ اور خدمتگاروں کی معتدبہ جماعت علیحدہ علیحدہ خدمات پر مامور ہے اور ان کے اردگرد بہت سے لوگوں کا ہجوم لگا ہوا ہے۔ میں بھی ان ہی لوگوں کے حلقہ میں ایک طرف سلام کرکے بیٹھ گیا۔ باقطانی صاحب نے نہایت خندہ پیشانی اور اخلاق سے میرے سلام کا جواب دیا۔ اور مرحبا کہکر مجھے بیٹھنے کی اجازت دی۔ میں اتنی دیر تک بیٹھا رہا کہ ان کی صحبت کے تمام لوگ اٹھ گئے۔ جب پوری خلوت ہو گئی تو وہ مجھ سے مخاطب ہوئے اور مجھ سے میرے آنے کی وجہ دریافت کرنے لگے۔ میں نے کہا کہ میں دینور کا رہنے والا ہوں۔ میں کچھ مال آپ کی امانت میں دینے کے لئے لایا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اچھا دیدو۔ میں نے کہا کہ میں اُسے بلا مشاہدۂ حجت دینے کا مجاز و مختار نہیں ہوں۔ یہ سُن کر وہ کہنے لگے کہ اچھا کل آنا۔ میں اس دن تو واپس آیا۔ دوسرے دن اُن کے پاس گیا۔ مگر آج بھی کوئی حجت واضح اُن سے ظاہر نہ ہوئی۔ اسی طرح تین روز متواتر آیا گیا مگر بے نیلِ مرام واپس آیا۔ اس کے بعد میں اسحٰق ابن احمد کے پاس حاضر ہوا اُن کو

میں نے ایک جوانِ صالح پاکیزہ صورت پایا اور ان کے مکان کی زیب و زینت اور سجاوٹ کو باقطانی کے مکان سے بھی زیادہ پایا۔ اور ان کے اصطبل میں گھوڑے۔ نوکر۔ چاکر۔ مال و متاع غرض یہ تمام چیزیں باقطانی صاحب کے گھر سے کہیں زیادہ پائیں۔ بہر حال یہاں بھی سلام کرکے میں نے ایک طرف اپنے لئے جگہ خالی کر لی اور بیٹھ گیا۔ اور صاحب خانہ نے بھی باقطانی صاحب سے زیادہ اپنی خوش اخلاقی کا اظہار فرمایا اور مرحبا کہکر مجھ کو اپنے قریب بٹھلایا۔ میں اتنی دیر تک ضرور خاموش بیٹھا رہا کہ اُن کی صحبت کے تمام لوگ اٹھ کر اپنے اپنے مقام کو واپس آگئے۔ جب پوری خلوت ہوگئی تو اسحٰق نے مجھ سے میرے آنے کا باعث پوچھا۔ میں نے اُن کے استفسار میں بھی وہی کہا جو اس سے قبل باقطانی صاحب سے عرض کر چکا تھا۔ انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ تین روز تک میں پھر حجت واضح کا متوقع بنا رہا۔ مگر ان سے بھی کوئی دلیل ظاہر نہ ہوسکی۔

اسحٰق ابن احمد کے بعد میں ابو جعفر عمری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کو میں نے ایک سن رسیدہ صاحبِ تواضع و انکسار بزرگ پایا۔ وہ اس وقت کئی کپڑوں کے اوپر ایک سفید پیراہن پہنے ہوئے تھے اور بالوں سے بُنے ہوئے (کمبل کے) فرش پر بیٹھے تھے اور کوئی غلام یا مصاحب وغیرہ اُن کے آس پاس نہیں تھے۔ اور نہ میں نے ان کے گھر میں غلام۔ گھوڑے۔ اونٹ۔ مال و اسباب غرض کوئی سامانِ دولت دیکھے اور نہ اسباب امارت۔ جاتے ہی میں نے ان کی خدمت میں سلام کیا۔ مجھے جواب دیا اور اپنے پاس بُلا کر بٹھا لیا۔ اور مجھ سے میرے حاضر ہونے کی وجہ دریافت فرمائی میں نے عرض کی کہ ممالکِ کوہستان سے آرہا ہوں۔ کچھ مال امام علیہ السلام لایا ہوں۔ یہ سنتے ہی مجھ سے ارشاد کیا کہ اگر حقیقت میں تم اس مال کو اُسی بندگوار کی خدمت میں پہنچانا چاہتے ہو جس کے لئے تم لائے ہو تو فوراً شہر سامرہ میں چلے جاؤ اور وہاں جاکر آستانِ مبارک کے وکیلِ خاص کا نام دریافت کر لو۔ اور اسی کے ذریعہ سے یہ اموال خدمت امام علیہ السلام میں پہنچا دینا۔

احمد دینوری کا بیان ہے کہ بغداد سے چلکر میں شہر سامرہ میں پہنچا اور خانۂ امام علی نقی علیہ السلام کے متصل جاکر میں نے وکیلِ خاص کا نام پوچھا۔ دربانِ خانہ نے کہا کہ وہ کسی کام سے اندر گئے ہیں مگر وہ فوراً باہر آجائیں گے۔ میں دروازہ پر کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تشریف لائے۔ میں نے سبقت کرکے سلام کیا۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور وہاں سے مجھے اپنے خاص مکان پر لیگئے۔ اور میری بڑی خاطر و مدارات کی پھر مجھ سے میرے آنے کی وجہ پوچھی۔ میں نے کہا کہ علاقۂ کوہستان سے آیا ہوں اور میرے ساتھ کچھ مالِ امام علیہ السلام ہے جسے میں بمشاہدۂ حجت تسلیم کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ بہت بہتر ہے اس کے بعد میرے لئے کھانا آیا۔ مجھ سے کہا کہ تم کھانا کھا لو اور آرام کرو کیونکہ تم زحمتِ سفر سے بالکل چکنا چور ہورہے ہو۔ انشاء اللہ المستعان قبل مغرب میں تم کو تمہارے مدعائے دلی تک پہنچا دوں گا۔ احمد دینوری کا بیان ہے کہ میں نے کھانا کھایا اور فوراً سو رہا۔ یہاں تک کہ نماز مغرب کا وقت آگیا میں اٹھا اور میں نے نماز مغرب پڑھ لی اور نماز پڑھکر دریا کے کنارے چلا گیا اور غسل کرکے پھر ان ہی کے دولت خانہ پر واپس آیا۔ اور اپنے بستر پر لیٹ رہا۔ یہاں تک کہ چوتھائی حصہ رات کا گزر گیا۔ اسی اثنا میں صاحب خانہ میرے پاس تشریف لائے اور ایک رقعۂ پیچیدہ مجھے عنایت فرمایا۔ میں نے اُسے کھولا تو اس میں یہ عبارت مندرج تھی کہ احمد دینوری آیا ہے اور ایک تھیلی میں سولہ ہزار دینار لایا ہے وہ تھیلی اس اس قسم کی ہے اور اس پر اس اس طرح کے نشان ہیں اس تھیلی میں اور بھی تھیلیاں ہیں اور ان میں ایسے ایسے نشان ہیں۔ ان تھیلیوں میں ایک تھیلی فلاں شخص کی ہے جس پر اس طرح کا نشان بنا ہوا ہے اور اس میں اس قدر دینار رکھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے شخص کی فلاں تھیلی ہے اور اس میں فلاں نشان موجود ہے اور اس میں اتنے دینار رکھے ہوئے ہیں حتیٰ کہ ایک ایک کرکے تمام تھیلیوں کی پوری حالت اور علامت اس میں صاف صاف لکھی ہوئی تھی حالانکہ ان ارسال

کنندگان میں سے ایک کے نام سے بھی میں واقف نہیں تھا۔ سب سے آخیر میں خصوصیت کے ساتھ یہ مندرج فرمایا گیا تھا کہ اس میں ایک تھیلی فلاں کاشتکار کی ہے جس کی فلاں علامت ہے اور وہ بنظر امتحان و تحقیق سائل کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔

احمد دینوری بیان کرتے ہیں کہ اس تحریر کو پڑھ کر مجھے کامل یقین ہو گیا کہ حضرت صاحب الامر علیہ السلام کو بھیجنے والوں کے نام اور اُن کی مرسلہ رقوم کی صحیح تعداد مجھ سے بہتر معلوم ہے۔ پھر اُس کے بعد اُسی تحریر مقدس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اطراف قریسین سے ایک اور بقچہ ہے جسے احمد ابن حسن مادرانی برادر اصواف نے اس کو (احمد دینوری کو) دیا ہے۔ اس بقچہ میں بھی ایک تھیلی ہے۔ جس میں ایک ہزار دینار رکھے ہوئے ہیں۔ دینار کے علاوہ اس بقچہ میں فلاں فلاں قسم کے کپڑے ہیں اور ان کے ایسے ایسے رنگ ہیں۔ یہاں تک کہ ایک ایک کر کے اس بقچہ کے تمام کپڑوں کی بھی پوری تفصیل قلمبند تھی۔

احمد کہتے ہیں کہ اس تحریر کو تمام پڑھ کر میں نے فوراً خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ کا سجدۂ شکر ادا کیا۔ اس لئے کہ اس تحریر مقدس کے باعث وہ میرے تمام شکوک اور شبے جو مجھے اپنی موجودہ حالت اور اشیائے امانت کے متعلق لگے ہوئے تھے بالکل زائل ہو گئے۔ اس رقعہ میں یہ حکم بھی تحریر تھا کہ یہ تمام و کمال مال ابو جعفر عمری رضی اللہ عنہ کو حوالہ کر دیا جائے جب میں یہ تحریر پڑھ چکا تو وکیل امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ اب تم یہاں سے بغداد چلے جاؤ۔ میں تم سے اس مال کے لینے کا مجاز نہیں کیا گیا۔ بلکہ ابو جعفرؓ تم سے اس کے لینے کیلئے ماذون و مختار فرمائے گئے ہیں۔ یہ سن کر میں ان کی خدمت سے رخصت ہوا۔ اور بغداد میں پہنچکر حضرت ابو جعفر عمری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھ کو بغداد سے سامرہ اور سامرہ سے بغداد تک آنے جانے میں تین روز لگ گئے۔ مجھکو ابو جعفرؓ نے جونہی دیکھا فرمانے لگے کیا تم سامرہ نہیں گئے تھے۔ میں نے کہا میں وہاں گیا بھی اور آج واپس بھی آ رہا ہوں۔ ابھی ہم سے ان سے یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ بجنسہٖ ایک ویسا ہی رقعہ جیسا کہ ان اشیاء کی حوالگی کے لئے میرے نام آیا تھا۔ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے نام بھی آیا۔ جس میں یہ تحریر فرمایا گیا تھا کہ تم یہ تمام و کمال چیزیں لے کر ابو جعفر محمد ابن احمد ابن جعفر کوفی کو دیدو۔ یہ حکم پاتے ہی ابو جعفرؓ نے فوراً کپڑے پہنے اور مجھ سے کہا کہ اپنی تمام اشیاء ہمراہ لے کر میرے ساتھ چلے چلو۔ میں نے فوراً اُن کے ارشاد کی تعمیل کی اور اپنا مال و متاع لے کر اُن کے ہمراہ محمد ابن احمد ابن جعفر کے مکان پر پہنچا۔ میرے سامنے ابو جعفرؓ نے وہ تمام مال ایک ایک کر کے انہیں حوالہ کر دیا۔ پھر ہم اور وہ وہاں سے واپس آئے۔

احمد دینوری کا بیان ہے کہ یہ تمام مراتب طے کر کے میں بغداد سے براہِ راست حج بیت اللہ کی غرض سے مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً کی طرف چلا گیا۔ اور حج بیت اللہ سے مشرف ہو کر اپنے وطن مالوف شہر دینور میں بانیلِ مرام واپس ہوا۔ جملہ مومنین اسی وقت میرے پاس جمع ہو گئے۔ میں نے وہ تمام توقیعات مقدسہ جن میں ان تمام لوگوں کے نام اور ان کی اشیاء اور ان کی اقسام۔ ان کی وصولی و رسید کے ساتھ قلمبند فرمائے گئے تھے۔ اُن لوگوں کو دیدیئے۔ اُن لوگوں نے اس پرچۂ مطہرہ کو جو خاص دستِ مبارک کی تحریر تھی اپنی آنکھوں سے لگایا اور پھر بمسرت و مفاخرت تمام پڑھنا شروع کر دیا۔ جب اُس کاشتکار کے کیسہ کے ذکر پر آئے تو ان لوگوں میں وہ بھی موجود تھا۔ اپنے کیسہ کا حال سنتے ہی بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ یہ دیکھتے ہی ہم سب اس کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ جب وہ پھر ہوش میں آیا تو اس نے سجدۂ شکر ادا کیا اور کہا کہ شکر ہے اس پروردگار عالم کا جس نے مجھ ایسے بندۂ حقیر کو راہ راست دکھلائی۔ واقعی آج مجھ کو یقین ہو گیا کہ کسی زمانہ اور کسی حال میں دنیا حجتِ الٰہی سے خالی نہیں رہ سکتی۔ میرے کیسہ کی حقیقت حال یہ ہے کہ میں اصل میں زراعت پیشہ آدمی ہوں مگر میرا یہ مال اصل نہیں ہے

مجھ کو ایک زرّاع نے یہ کیسہ خدمت امام علیہ السلام میں بھیجدینے کے لئے دیا تھا۔ اور میں نے امتحاناً حقیقت حال کو پوشیدہ رکھ کر اپنے نام سے دیا تھا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ (علیہم السلام)۔

احمد آگے بیان کرتے ہیں کہ دینور کی ضرورتوں سے فراغت کر کے میں احمد ابن حسن کے پاس شہر قستین میں پہنچا۔ ان سے ملا اور تمام واقعہ دہرایا۔ اور وہ توقیع مبارک جو اُن کے خاص نام سے برآمد ہوئی تھی اُن کے حوالہ کر دی وہ بھی بسرت تمام سجدۂ شکر بجا لائے اور کہنے لگے کہ اے احمد سراج! چاہے دنیا بھر کے امور میں شک کرو کوئی عذر نہیں کر سکتا مگر اس امر میں ہرگز شک نہ کرنا کہ دنیا کسی وقت اور کسی حال میں وجود امام علیہ السلام سے خالی ہو سکتی ہے۔ میں تم سے اس وقت اپنے اوپر گزرا ہوا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں اُسے غور سے سن لو۔

جب کرتگین (غلام ترکی معتضد باللہ) اور یزید ابن عبد اللہ کے فیما بین شہر زور میں لڑائی ہوئی تو کرتگین نے یزید کو شکست کامل پہنچا کر اُس کی تمام جائداد اور مال ومتاع پر قبضہ کر لیا میں کرتگین کا ملازم تھا اس نے مجھے اُسکی جائداد اور مال متاع کی تلاشی اور ضبطی پر تعینات کیا اور حکم دیا کہ اس کے یہ تمام مال ومتاع واسباب ضبط کر کے کرتگین کے خزانہ میں بھجوا دوں چنانچہ میں اُس کی طرف سے اس کام میں مشغول تھا کہ اتنے میں ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یزید ابن عبد اللہ نے ان مال واسباب میں سے فلاں گھوڑا اور فلاں تلوار حضرت صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں نذر گزرانی جانے کیلئے رکھی تھی یہ سن کر میں نے اُسکی چیزوں کی آئندہ ضبطی اور تلاشی میں اُن اشیاء کا خیال رکھا حتی کہ سلاح خانہ میں وہ تلوار اور اُس کے اصطبل میں وہ گھوڑا برآمد ہوا۔ اگرچہ کرتگین کی طرف سے ان تمام مال ومتاع کا اس وقت امین تھا مگر میری حمیت اور خلوص ہرگز اس کا متقاضی نہ ہوا کہ میں اپنے ایک برادر ایمانی کی تمنائے دلی کو ضائع کر دوں اور ان اشیاء کو جنہیں وہ امام علیہ السلام کی خدمت میں خاص طور پر پیش کرنا چاہتا تھا خدمت امام علیہ الصلوٰۃ والسلام تک نہ پہنچاؤں۔ بلکہ ایک مخالفِ دین کے خزانہ میں بھجوا دوں۔ یہ سوچکر وہ دونوں اشیاء تو میں نے اپنے پاس رکھ لیں اور بقیہ چیزیں ایک ایک کر کے کرتگین کے پاس پہنچا دیں۔ ان دونوں چیزوں کی نسبت میں نے اپنے خزانچی کو حکم دے رکھا تھا کہ کبھی ان چیزوں کو ہمارے پاس نہ لائے۔ شاید کہ انہیں دیکھکر میرے دل میں خیانت پیدا ہو۔ میرا قصد تھا کہ انشاء اللہ المستعان بوقتِ اطمینان میں اپنے برادرِ ایمانی یزید ابن عبد اللہ کی تمنا کے مطابق ان دونوں اشیاء کو خدمت امام علیہ الصلوٰۃ والسلام تک ضرور پہنچا دونگا۔ میں اسی خیال اور فکر میں تھا کہ میرے کسی مخالف نے کرتگین کو ان دونوں چیزوں کی خبر کر دی۔ اس نے دونوں چیزیں منگا بھیجیں۔ پہلے تو میں چند بار بلطائف الحیل اُس کو ٹالتا رہا مگر وہ میرے پیچھے پڑ گیا اور کسی طرح نہ مانا۔ آخر کار میں نے وہ دونوں چیزیں اُس کے حوالہ کر دیں۔ اور اس موذی سے کسی نہ کسی طرح اپنا پیچھا چھڑایا۔ اور ان چیزوں کے عوض میں ایک ہزار دینار علیحدہ کر دیئے اور اسی وقت سے یہ نیت کر لی کہ انشاء اللہ المستعان ان اشیاء کے معاوضہ میں یہ رقم جناب صاحب الزماں علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کر دونگا۔ ایک دن میں اپنے کارندوں کے ساتھ بیٹھا ہوا اپنا کام کر رہا تھا۔ اتنے میں ابو الحسن اسدی میرے پاس تشریف لائے۔ یہ بزرگ اکثر میرے پاس آیا کرتے تھے۔ اور میں ہمیشہ اُن کے اغراض ومطالب کو ان کے ارشاد کے مطابق پورا کر دیا کرتا تھا۔ آج مجھے مشغول کار دیکھ کر یہ غریب دیر تک میری فرصت کا انتظار کرتے رہے۔ میں ان کی اتنی زحمت کو گوارا نہ کر سکا۔ اپنے کام کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ آپ کو میرے ساتھ جو ضرورت ہو اسے ارشاد فرمائیے انہوں نے جواب دیا کہ آپ خلوت کریں تو میں اپنا مدعا آپ سے عرض کروں۔ یہ سُن کر میں نے اپنے خزانچی کو حکم دیا کہ میرے لئے خزانہ کے مکان میں خلوت کا انتظام کرے۔ چنانچہ فوراً خلوت کر دی گئی اور میں ابو الحسنؒ اسدی کے ہمراہ اس خلوت میں چلا گیا۔ ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں پہنچکر مجھکو ایک رقعہ

پیچیدہ دیا جو جناب قائمِ آلِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے میرے نام صادر ہوا تھا۔ اس میں تحریر فرمایا گیا تھا کہ اے احمد ابن حسن جو ہزار دینار تمہارے پاس گھوڑے اور تلوار کے عوض میں ہمارے مال سے جمع ہیں وہ ہماری طرف سے ابو الحسن اسدی کو حوالہ کردو۔ اس تحریر کو پڑھتے ہی میں خدا کے سجدۂ شکر میں جھک گیا اور خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ کا شکریہ ان الفاظ میں ادا کیا کہ پروردگارا! میں نے اس وقت تیری حجت موجودہ کو کامل طور سے پہچان لیا۔ کیونکہ دنیا میں کوئی شخص آج تک اس راز سے آگاہ نہیں تھا۔ پھر اس نزولِ رحمتِ خداوندی کے خاص شکرانہ میں میں نے ایک ہزار پر تین ہزار دینار کا اور اضافہ کیا اور وہ تمام وکمال رقم ابو الحسن اسدی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کردی۔

(۶) کتاب کافی میں علی ابن محمد اور سعید ابن عبداللہ کی معتبر اسانید سے مرقوم ہے کہ حسن ابن نصر اور ابو صدام اور ان کے ساتھ ایک جماعت کثیر نے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد امرِ وکالت دنیا بت کی تلاش کی اور اس فکر کے ساتھ اپنی تحقیق کا اتنا اضافہ اور کیا کہ اس بزرگوار کی تلاش اور جستجو بھی شروع کردی جس کی طرف سے وہ حضرات ان خدمات پر مامور کئے گئے ہیں اور اس فکر و تلاش سے ان کا اصلی مقصد یہی تھا کہ وہ صاحب الزماں علیہ السلام کی خدمت سے نائبین اور سفراء کی نسبت تحریری اجازت حاصل کریں اسی اثنا میں حسن ابن نصر ابو صدام کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں تو حج بیت اللہ کو جاتا ہوں ابو صدام نے جواب دیا کہ امسال اس عزم کو ملتوی کرتے تو اچھا ہوتا۔ حسن نے کہا کہ میں نے اس کی نسبت ایک ہولناک خواب دیکھا ہے اسلئے مجھ کو وہاں جانا ضرور ہوگیا ہے غرضکہ حسن نے حج کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اور اپنے مال میں سے تھوڑا سا مال نذر امام علیہ السلام نکال کر احمد بن یعلیٰ ابن حماد کو اس رقم کا وصی مقرر کیا۔ اور ان سے تاکید کردی کہ جبتک حجتِ واضح نہ دیکھ لی جائے کسی کو یہ مال نہ دیا جائے۔

حسن ابن نصر کا بیان ہے کہ یہ مراتب طے کرکے میں بغداد میں پہنچا۔ اور ایک مکان کرایہ لیکر مقیم ہوا۔ اس اثنار میں بعضے وکلا تھوڑا کپڑا اور تھوڑا روپیہ میرے پاس لائے اور امانت رکھوا گئے۔ میں نے ان سے پوچھا یہ کیا ہے؟ وہ صرف مجھ سے یہ کہہ کر چلے گئے کہ یہ وہی چیزیں ہیں جنہیں تم آپ جانتے ہو۔ ان کے جانے کے بعد ایک دوسرے صاحب تشریف لائے اور وہ بھی کچھ نقد و پارچہ کی اقسام سے میرے مکان پر رکھ کر تشریف لیگئے۔ پھر تیسرے بزرگ تشریف لائے اور انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ یہانتک کہ اتنے بزرگوار پے درپے تشریف لاتے گئے اور میرے پاس اپنے ہمراہ کا مال و اسباب جمع فرماتے گئے کہ میرا مکان ان کے اشیائے امانتی سے بھر گیا۔ ان تمام لوگوں کے بعد احمد ابن اسحاق جو بذاتِ خاص منصبِ وکالت و سفارت پر مامور تھے اپنے جمع کردہ اسباب و اموال کو جو اُس وقت تک ان کے پاس اطراف و جوانب کے مومنین کی طرف سے آج تک جمع اور موجود تھا۔ لئے ہوئے میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے تمام حالات سُن کر اور خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرما کر سخت حیران ہوئے۔ اس اثنار میں ایک رقعۂ پیچیدہ میرے پاس اس مضمون کا صادر ہوا کہ فلاں روز سے اس وقت تک تمہارے پاس اتنا مال کثیر جمع ہوا ہے۔ تم ان تمام مال و اسباب کو لیکر سامرۂ مبارک کی طرف چلے آؤ۔ یہ حکم سنتے ہی میں لبیک گویاں۔ فرحناک و شاداں ناحیۂ مقدسہ (سرمن رائے) کی طرف روانہ ہوا۔ اس زمانہ میں بغداد و سامرہ کے مابین سائڈ نصر فقراء کی جماعت راہ روکے پوشیدہ رہا کرتی تھی اور وہ سب کے سب درویشی کے لباس میں رہزنی اور قزاقی کا پیشہ کیا کرتے تھے جس وقت یہ مال و متاع مزدوروں پر اٹھوا کر چلا تو آغاز ہی سے میرے دل میں ان لٹیروں کی طرف سے سخت خوف لگا ہوا تھا مگر خداوند عالم نے مجھے اُن کے شر سے محفوظ و مصون رکھا۔ یہاں تک کہ میں بخیر و عافیت شہر سامرہ میں پہنچ گیا۔ اور ایک مقام پر قیام کیا۔ فوراً دوسرا رقعۂ مطہرہ میرے پاس آیا جس میں یہ تحریر تھا کہ تم اپنے مال و اسباب کو

لیکر فوراً آستانِ مبارک پر حاضر ہو۔ یہ حکم پاتے ہی میں اسی طرح مزدوروں سے وہ تمام اسباب ڈھلوا کر آستانِ مبارک پر حاضر ہوا۔ میں جب اس آستانِ مطہر پر حاضر ہوا اور قصد کیا کہ دہلیز سے گزر کر دولتسرا میں داخل ہوں ویسے ہی ایک غلامِ حبشی نمودار ہوا اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم ہی حسن ابن نضر ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے جواب دیا اندر چلے جاؤ۔ چنانچہ میں اپنے دونوں مزدوروں کو ہمراہ لیے عصمت سرا میں داخل ہوا پہلے صحن میں آیا۔ پھر ایک دالان میں داخل ہوا جو بالکل خالی تھا۔ یہاں پہنچکر میں نے وہ تمام مال و اسباب مزدوروں سے اُتروا لیا۔ اتنے میں ایک مکان کے دوسرے گوشہ کی طرف میری نظر گئی اور میں نے دیکھا کہ اس میں ایک ظرف کے اندر بہت سی روٹیاں رکھی ہوئی ہیں۔ اتنے میں دو ایک اور خادم آگئے اور ان میں سے ایک نے اس روٹی کے ڈھیر سے ایک ایک روٹی اٹھا کر میرے دونوں مزدوروں کو دی اور ان دونوں کو وہاں سے باہر کر دیا۔ پھر مجھے اس مکان مقدس میں ایک طرف پردہ پڑا ہوا کھلائی دیا۔ اور اسی حجابِ مقدس سے آواز برآمد ہوئی کہ اے حسن ابن نصر! خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ کی اس نعمت و احسان کا شکریہ ادا کرو جو تمہارے حالِ خاص پر اس وقت نازل فرمائی گئی ہے اور کسی قسم کے شک یا وسوسہ کو اپنے دل میں راہ نہ دو۔ کیونکہ شیطان چاہتا ہے کہ تمہیں شکوک اور عام وسوسوں میں ڈال کر خراب کرے پھر ایک پارچۂ کفن اس پردے سے باہر نکال کر مجھے عنایت فرمایا گیا اور ارشاد ہوا کہ اسے لے لو اور رکھ لو کہ سخت سے سخت ضرورت تم کو اس کی بہت جلد پیش آنے والی ہے۔ میں نے بہزار مفاخرت وہ عطیۂ گرانقدر لے لیا۔ اور آپ کی خدمت مبارک سے واپس آیا۔ سعد کا بیان ہے کہ حسن ابن نصر اس سفر سے واپس آکر ماہ رمضان المبارک میں قضا کر گئے اور اسی پارچۂ مطہر میں کفنائے گئے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ؕ

(۷) شیخ طوسی علیہ الرحمۃ نے کتاب امالی میں ابراہیم بن مہزیار سے نقل فرمایا ہے کہ ان کا بیان ہے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد تعیین امام علیہ السلام کے مسئلہ میں بڑا شک واقع ہوا۔ میرے باپ کے پاس اسی زمانہ میں مالِ امام علیہ السلام سے بہت سا مال و اسباب جمع ہوا تھا۔ میں نے اس تمام مال و اسباب کو کشتی پر لادا اور اپنے باپ کے ساتھ چلا راستہ میں میرے باپ کو سخت تپ آئی۔ اسی حالت میں میرے باپ نے مجھے بلا کر وصیت کی کہ مجھے گھر واپس لے چلو۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اسی تپ سے میں مر جاؤں گا۔ میرے بعد تم اس اسباب و متاع کی نسبت ہمیشہ اپنی نیت۔ امانت اور دیانت درست رکھنا۔ اور اس کی تعمیل میں ہمیشہ تقویٰ ایمانداری اور پرہیزگاری کو ملحوظ رکھنا۔ یہ سنکر میں نے اپنے دل میں کہا کہ میرے باپ نے ایک امر مبہم اور غیر معتبر کی نسبت مجھے کیا وصیت کی ہے۔ میں نے اس مال کو لیکر یہ قصد کیا کہ میں بغداد میں جاؤں اور وہاں ایک علیحدہ مکان لے کر قیام کروں۔ اور کسی کو اپنی حقیقت حال سے خبر نہ کروں۔ اگر کوئی ایسی ہی دلیل اس امر میں کافی طور سے وجود امام علیہ السلام اور ثبوت نظامِ نیابت اور سفارت وغیرہ کے متعلق مجھ پر ظاہر ہو جائے جیسا کہ اکثر جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے عہد امامت میں ظاہر ہوا کرتی تھی تب البتہ یہ مال تسلیم کرونگا ورنہ میں یہ تمام و کمال مال و متاع تصدق کر دونگا۔

الغرض اپنے دل میں یہ ارادہ مصمم کر کے میں شہر بغداد میں پہنچا اور دریا کے کنارے پر ایک مکان کرایہ پر لیا اور چندے اس میں مقیم رہا۔ رات دن اپنے اموال ہمراہی کی نسبت متفکر اور متردد تھا کہ ایک روز ایک صاحب میرے پاس تشریف لائے اور ایک چھوٹا سا رقعہ پیچیدہ میرے ہاتھ میں دے کر رخصت ہو گئے۔ اس رقعہ کو میں نے کھولا تو اس میں یہ عبارت مندرج تھی۔

اے محمد! تمہارے پاس فلاں فلاں مال ہے اور اس کی فلاں فلاں پہچان ہے۔ تم یہ تمام مال و اسباب

حاملِ رقعہ ہذا کو دیدو۔ میں یہ حجتِ واضح دیکھکر اور اُن اشیاء کے متعلق وہ اخبار و علامات معلوم کر کے جنہیں میں خود بھی نہیں جانتا تھا سخت متحیر اور دم بخود ہو گیا۔ اور سمعنا و اطعنا کہکر وہ تمام چیزیں حامل رقعہ کو اسی وقت حوالہ کر دیں۔ اُن کے واپس جانے کے بعد مجھے خوشی بھی ہوئی اور ملال بھی۔ خوشی تو اس وجہ سے کہ جو میرے دل میں شکوک اور شبہے تھے وہ بالکل زائل ہو گئے اور جن دلائل اور حجتوں کے ساتھ میں اپنے ہمراہی مال کو دینا چاہتا تھا۔ ان سے کہیں زائد اور بہتر مجھے معلوم ہو گئیں مگر اس کے ساتھ ہی میرے ملال کا باعث یہ ہوا کہ میں نے وساوسِ شیطانی میں مبتلا ہو کر اور بیجا شکوک داوہام کو اپنے دل میں راہ دے کر اپنے موروثی منصب سفارت کو جو میرے باپ کو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے وقت سے حاصل تھا۔ مفت مفت ضائع کیا۔ اگر یہ خیالاتِ فاسد میرے دل میں نہ سمائے ہوتے تو جناب قائم آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی میرے خاندانی اعزاز و مناصب کو مجھ سے منتزع نہ فرماتے۔ یہی سوچ سوچکر میں برابر ملول و محزون رہا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ چند روز کے بعد پھر ایک صاحب دوسرا رقعہ پیچیدہ مجھ کو عنایت فرما گئے جس میں یہ مضمون تحریر فرمایا گیا تھا۔ اے محمد! ہمیں میں نے تمہارے باپ کے عہدے پر مامور و منصوب کر دیا خدا کا شکر بجا لاؤ اور کسی قسم کا غم و ملال نہ کرو۔

(۸) کتاب اکمال الدین و اتمام النعمۃ میں محمد بن علی اسود سے منقول ہے کہ مجھے ایک بار ایک مومنہ نے ایک کپڑا دیا کہ میں اس کو اس کی طرف سے امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا دوں۔ میرے پاس علاوہ اس پیرزن کے اُن دنوں بہت سے اور مومنین کے مال بھی جمع تھے۔ چنانچہ میں اُن تمام اموال کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے بغداد میں پہنچا۔ جونہی شہر میں داخل ہوا دیکھا کہ ابو جعفر عمری رضی اللہ عنہ رستہ میں استادہ ہیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنا مال محمد ابن عباس قمی کو سپرد کر دو۔ چنانچہ میں نے وہ تمام مال اُن بزرگوار کے حوالہ کر دیا۔ مگر اس پیرزن کا کپڑا انہیں دینا بھول گیا۔ دوسرے دن ابو جعفر عمری کا پیغام میرے پاس پہنچا کہ اس پیرزن کا کپڑا بھی اُنہی کو دیدو جسے تم بھول گئے ہو۔ یہ سن کر مجھے اس کپڑے کا فوراً خیال آیا۔ اب جو میں نے اسے ڈھونڈھا تو نہ پایا سخت پریشان اور پشیمان ہوا۔ اسی اثنا میں ابو جعفر عمری رضی اللہ عنہ کا دوسرا پیغام آیا اس مضمون کا کہ پریشان نہ ہو تلاش کرو۔ انشاء اللہ المستعان تم اسے بہت جلد پا لوگے۔ بہرحال میں نے اسے نہایت مستعدی سے تلاش کیا تو تھوڑی دیر میں وہ میرے اسباب ہمراہی کے اندر مل گیا۔ اور میں نے صاحبِ مشارٌ الیہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔

(۹) اُسی کتاب میں نعیم شاذانی علیہ الرحمۃ سے منقول ہے ان کا بیان ہے کہ میرے پاس ایک بار مال مومنین سے چار سَو اسی دینار جمع ہوئے۔ میں نے بیس دینار اپنے پاس سے ملا کر اور پانچسو پورے کر کے ابوالحسن اسدی رحمۃ اللہ علیہ کو جو جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے سفراء میں سے تھے حوالہ کر دیئے اور جو رقعہ کہ خدمت امام علیہ السلام میں ان کی معرفت ارسال کیا تھا اسمیں اپنے ملائے ہوئے بیس دیناروں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ابوالحسن اسدی علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں کہ میری مرسلہ رقم کی جو رسید مجھ کو ابو جعفر رضی اللہ عنہ کی معرفت وصول ہوئی اس کی یہ عبارت تھی کہ تمہارے پانچسو درہم مرسلہ جس میں بیس روپیہ تمہارے خاص مال سے تھے مجھے مل گئے۔

(۱۰) پھر ایک دوسرا واقعہ نعیم شاذانی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے پھر تھوڑا سا مال مومنین خدمتِ امام علیہ السلام میں روانہ کیا۔ مگر اتفاق سے مومنین ارسال کنندگان کے نام و نشان لکھنا بالکل بھول گیا اُس کی رسید اس مضمون کے ساتھ تحریر فرمائی گئی کہ تمہارا اس قدر مرسلہ مال مجھے پہنچا جس میں سے اتنا فلاں شخص کا مال ہے اور اتنا فلاں شخص کا۔

(۱۱) نعیم شاذانی ابوالعباس کوفی علیہ الرحمۃ کی زبانی ناقل ہیں کہ ایک بار تھوڑا سا مال مومنین خدمت امام علیہ السلام میں پہنچا دیئے جانے کی غرض سے جمع کیا گیا تھا مگر میرا خیال اس کی نسبت یہ ہوا کہ تا وقتیکہ کوئی حجت واضح نہ دیکھ لی جائے یہ مال ناحیہ مقدسہ کے لوگوں کو نہ سپرد کیا جائے۔ یہ تجویز کر کے میں شہر سامرہ میں پہنچا میرے پہنچتے ہی ایک توقیع مبارک میرے نام برآمد ہوئی جس میں خاص دستِ مبارک سے ارسال کنندگان کے نام تحریر فرمائے گئے تھے اور یہ بھی لکھا تھا کہ اگر اس خیال سے تم کو امر ہدایت مقصود ہے تو بیشک ہدایت تمہارے شامل حال ہوگی۔ اور اگر اس کے سوا تمہاری کوئی دوسری خواہش ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ بھی پوری کر دی جائیگی اب تم کو یہ حکم ہوتا ہے کہ تم اپنے اموال ہمراہی کو لے کر آستان مبارک پر حاضر ہو جاؤ۔ یہ حکم سنتے ہی میں نے اس میں سے بلا وزن کیئے ہوئے چھ دینار نکال لئے اور باقی کو خدمت امام علیہ السلام میں سفیر خاص کی معرفت بھیجدیا ابھی میں آستانِ مقدس پر حاضرہ کر منتظر تھا ہی کہ ایک دوسری توقیع میرے نام برآمد ہوئی جس میں تحریر تھا کہ اس مال میں سے چھ دینار تم نے بلا وزن کئے ہوئے نکال لئے انہیں فوراً مجھے واپس دیدو اور ان چھ دیناروں میں ہر ایک کا وزن پانچ دانق ڈیڑھ حبہ ہے۔ اس شخص کا بیان ہے کہ یہ حکم پاتے ہی میں نے وہ رقم آپ کی خدمت بابرکت میں اسی وقت بھیجدی۔ میں نے جس وقت ان کو وزن کیا تو ان میں سے ہر ایک کا وزن پانچ دانق ڈیڑھ حبہ ہی تھا۔ صدق اللہ تعالیٰ و حجتہ۔

(۱۲) محمد ابن یعقوب کلینی علیہ الرحمۃ محمد بن حسن مروزی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے مال امام علیہ السلام میں دو سو دینار حاجز وشا کے پاس بھیجدیئے ان کی رسید ناحیہ مقدسہ سے میرے نام اس عبارت میں وصول ہوئی کہ اے محمد ابن حسن! تمہارے ذمہ حق امام علیہ السلام میں ہزار دینار چاہیے ہیں جن میں سے اس وقت مجھے دو سو دینار حاجز وشا کی معرفت پہنچے۔ اب اس کے بعد اگر تم بقیہ رقم کو کسی کی امانت میں سپرد کرنا چاہو تو ابوالحسنؒ اسدی کو جو شہر رَے میں رہتے ہیں دیدیا کرو۔ محمد راوی کا بیان ہے کہ اس حکم کے نافذ ہونے کے دو تین دن بعد حاجز وشا کی وفات کی خبر مجھے معلوم ہوئی۔ بہر حال اتنے مختلف اور متعدد واقعات جن کا بڑا ذخیرہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے لکھکر ہم آپکی امامت اور اس کے موجودہ نظام کو ذیل کے بیان میں کامل تصریح اور کافی توضیح کے ساتھ قلمبند کر دینا نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔ مگر باعتبار واقعات کے تمام حالات ایک طرح اور ایک قسم کے نہیں ہیں اسلئے اُن کو ایک سلسلہ میں یکجا بیان کر دینا ناظرین کتاب کی طبع پر ناگوار اور دشوار گزرے گا اس لئے ہم ہر ایک واقعہ کے متعلق اس کی علیحدہ علیحدہ تفصیل کر کے پوری وضاحت سے کام لیتے ہیں۔

(۱) اس واقعہ میں قم کے ایک شیعہ باشندے نے مال امام علیہ السلام سفیر کے پاس جمع کرتے وقت تھوڑا سا مال جمع کرانا سہو کر دیا تھا۔ ہر چند اس نے تلاش کی مگر اس کو نہ پایا۔ آخر کار اس کو وہ اشیاء جہاں وہ رکھکر بھول گیا تھا بتلا دی گئیں۔ اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ آپ کی امامت کے نظام میں ان اقسام کی سہو یا فروگذاشت آپ کے ذاتی علم و اطلاع سے باہر نہیں ہوتی تھی جن لوگوں نے خلافتِ باطنی کے اخبار و آثار کو ملاحظہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ بغیر ان مشاہدا ور مقاصد کے خلافت و ولایت کا ظاہر بین نگاہوں میں معیار صداقت پر کامل اترنا اور ثابت ہونا عموماً سخت دشوار اور ناممکن ہے۔

(۲) اس واقعہ میں آپ کی امامت کے متعلق مختلف اقسام کے نظام معلوم ہوتے ہیں۔ اول تو انہی باطنی نظام کے اصول پر عامتہ کی تمام اشیاء مرسلہ کی صحیح مقدار اقسام اور اوزان کی پوری خبر دینا جن کا خود لانے والے

کو بھی علم نہیں تھا۔ اس کے علاوہ عاتکہ کو خود بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کی ماں نے اس کی شادی میں کس سے قرض لیا ہے۔ اس امر سے بھی پوری اطلاع دیدی گئی اور صاف صاف لفظوں میں بتلا دیا کہ اُمِّ کلثوم نامی عورت سے دس دینار لئے گئے تھے۔

یہاں تک تو نظامِ باطنی کے اصول پر آپ کی امامت کے فرائض ادا کئے گئے۔ اب ظاہری طریقے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو عاتکہ کو اس معاملہ کی حقیقت سے آگاہ کر دینا بھی امامِ وقت علیہ السلام کے فرائض میں داخل تھا۔ کیونکہ وہ اس معاملہ میں اس وقت تک بالکل لاعلم تھی۔ مگر اپنی متوفی ماں کی سبکدوشی اور گلو خلاصی پر مستعد اور تیار۔ اب ایسی حالت میں اگر عاتکہ کی اطلاع اور ہدایت سے تغافل اختیار کیا جاتا تو ایک مومنہ اور اس کی ماں دونوں قرض کے مواخذہ میں ہمیشہ گرفتار رہتیں۔ اور یہ امر امام منصوب من اللہ کی شانِ عدالت و عصمت کے خلاف ثابت ہوتا۔ اور یہی وہ معاملات ہیں جن سے امام منصوب من اللہ اور امام مامور من الناس کے فرق و مابہ الامتیاز معلوم ہوتے ہیں۔ اِن امور کے علاوہ عاتکہ کو صورتِ موجودہ میں ایک خاص مسئلہ شرعیہ کے حکم شرعی سے بھی خبر دیدی گئی اور بتلا دیا گیا کہ اب وہ اپنی ماں کے قرض لئے ہوئے دس دینار کو امِّ کلثوم کو نہیں دے سکتی کیونکہ وہ فرقہ حقہ سے نکلکر گروہ نواصب میں مل گئی ہے۔ اسلئے مستحقین مومنین پر اس رقم کا ایثار زیادہ تر اَحوَط ہے۔ یہ حکم زبانی دے کر بخیال مزید احتیاط یہ بھی لکھدیا گیا کہ اگر کوئی شخص اس حکم کو زبانی سمجھ کر عمل کرنا نہ چاہے اور اگر عاتکہ خواہش کرے تو اُسے اس فعل میں مختار رہونے اور مومنین مستحقین پر اس رقم کے ایثار کرنے کا تحریری حکم بھی عنایت فرمایا جائے گا۔ دنیا کے اگر دیدۂ بصیرت وا ہوں تو وہ اس واقعہ سے تمام حالات دریافت کر سکتے ہیں کہ جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کے نظامِ امامت اور احکام ہدایت وغیرہ وغیرہ باطنی اور ظاہری دونوں طریقوں سے دنیا اور اہل دنیا کے لئے ویسے ہی مفید تھے جیسے تمام انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کے ظاہری نظامِ رسالت اور احکام امامت دنیا کے وہ کوتہ اندیش اور کم بین جو آپ کی امامت کو غیبت کی موجودہ حالت میں دیکھ کر محض بیکار اور فضول سمجھتے ہیں وہ ان تمام واقعات کو غور سے پڑھکر دیکھیں اور سمجھیں کہ آپ کی امامت کے موجودہ نظام سے دنیا اور دنیا کے لوگوں کو کیسی اور کتنی ہدایت ملتی تھی۔ اور ان کی دینی اور دنیاوی دونوں ضرورتیں کس آسانی اور سہولت سے انجام پاتی تھیں۔ یہ سب امور تو عاتکہ بنتِ دیرانی کی ہدایت اور ضرورتوں کے متعلق بتلائے گئے اب خاص ان سفیر صاحب کی نسبت جو اس واقعہ میں ہدایت فرمائی گئی وہ یہ ہے کہ ان بزرگوار نے بھی اپنے عمِّ نامہربان کے متعلق ایک غرض خاص طور پر اپنے دل میں پوشیدہ رکھی تھی اور اس کو اس وقت تک کسی نوع سے ظاہر نہیں فرمایا تھا۔ اس کے متعلق بھی انہیں کافی اطلاع دیدی گئی اور صاف لفظوں میں لکھدیا گیا کہ تمہارے تمام خوف و اندیشہ کی باتیں جاتی رہیں۔ تمہارا چچا مر گیا اب اس کے تمام عزیز و اقارب تمہارا راستہ دیکھ رہے ہیں۔ اور علاوہ بریں وہ اپنی مالیت سے تم کو تین ہزار دینار میراث میں بھی دے گیا ہے۔

حقیقت میں یہ ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ تھا جو ابن ابی روح رحمۃ اللہ علیہ کو مدت سے بے چین اور سخت متفکر اور متردد بنائے ہوئے تھا۔ اور وہ اس کی طرف سے اپنے سفر کی موجودہ حالت میں بھی سخت مضطرب تھے مگر انتشار و اضطرار کی موجودہ حالت میں بھی وہ اپنے اس عہدے کی انجام دہی کو جو اُن کی وفاداری اور دیانت شعاری کا اصلی معیار تھا اپنا پہلا فرض سمجھتے تھے۔ دنیا کے تمام افعال نیت پر مبنی ہوتے ہیں۔ جس استقلال اور دیانت داری سے وہ کام کیئے گئے ویسے ہی اچھے نتیجے اُن کو ملتے گئے۔ چنانچہ سفارت و وکالت کے فرائض انجام دینے کے بعد جن امور

نے لئے وہ بے چین اور مضطرب الحال ہو رہے تھے اُن میں کی پوری تشفی اور تسکین کردی گئی اور وہ خاطر خواہ فائیز المرام ہو کر اپنے مقام کو واپس گئے۔ اب ان کے متعلق امام علیہ السلام کے اخلاق واشفاق کے اظہار میں اتنا اضافہ اور فرمایا گیا کہ اُن کی اتنی زحمت اور تکلیفوں کے معاوضہ میں جو انہوں نے سفر میں اٹھائی تھیں اور اپنے امورِ ضروری کو اتنے دنوں تک معطل چھوڑ دیا تھا۔ اور اپنی سفارت کی خدمات کو صرف انجام دیا تھا۔ ان کو تیس روپیہ زادِ راہ کے لئے عنایت فرمائے گئے۔ جو ان کی اور تمام مومنین کی عام رضامندی کا بہت کچھ باعث ہوا۔ ظاہری طور پر تو اس امر خاص سے آپ کے اشفاق واخلاق ظاہر ہوتے ہیں مگر ان کے ساتھ ہی غور کرنے سے یہ امر بھی اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ رقوم جو آپ کی خدمت میں بھیجی جاتی تھیں وہ ایسے ہی امورِ ضروری میں صرف کی جاتی تھیں جن سے عام مومنین کو پورا فائدہ پہنچتا ہو۔

(۳) یہ بہت بڑا واقعہ ہے اور اس میں نظام امامت کے ساتھ ہی آپ کے سفیروں اور وکیلوں کی پوری ماہیت بھی درج ہے۔ دنیا کی رفتار بھی عجیب وغریب ہے اور سب سے زیادہ اس کی رفتار کا پہچاننا اور اس کے نیرنگ انداز کو جاننا دشوار ہے۔ اس واقعہ میں سراج دینوری کے ایسے قابل اور ثقہ بزرگ کو سب سے پہلے جو مشکل پیش آئی وہ سفراء اور وکلاء کی تلاش تھی۔ چونکہ شروع ہی سے انکی سفارت ووکالت کی تصدیق و توثیق مشاہدۂ براہین پر موقوف رکھی گئی تھی اسلئے وہ اصلی سفیر اور وکیل کے پیدا کرنے میں ضرور مجبور تھے۔ ان کو جن لوگوں کے نام پہلی بار بتلائے گئے وہ ان کے نزدیک صحیح نہ اترے۔ اور بالآخر وہ اس حقیقی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی طرف سے وکالت کے عہدے پر مامور تھے مگر اس وقت یہ بھی مصلحتاً ان کی انجاح مطالب کے لئے ماذون نہیں فرمائے گئے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جن مومنین کی طرف سے یہ نیابت کے عہدے مامور ہو کر آئے تھے وہ لوگ اپنے امامِ وقت علیہ السلام کی معرفت اور ان کے وجود ذیجود کے براہین ودلائل کو پورے طور سے جاننا چاہتے تھے نہ کہ سفیروں کے اصلی اور غیر اصلی ہونے کو۔ امام وقت سلام اللہ علیہ کا فرض تھا کہ مومنین سے پہلے سفیر کی خاص تشفی اور تسکین کر دیں۔ مگر چونکہ نظام امامت کے متعلق معرفت امام اور ادراک حالاتِ سفراء بھی ضرور تھے اسلئے دونوں امور کی اطلاع بیک وقت پہنچائی گئی۔ اور بتلادیا گیا کہ سفراء کو امام زماں علیہ السلام کی خدمت سے حقیقت میں اِن اموال کی امانت اور رازداری سپرد تھی۔ مگر ان کے خاص معاملے میں حضرت ابوجعفر عمری رضی اللہ عنہ بھی ماذون نہ فرمائے گئے۔ اس میں یہ مصلحت خاص مضمر تھی کہ ابوسراج دینوری اور ان کے ہمراہی مومنین کو اپنے اصل امام علیہ السلام کی تلاش تھی اور ان کی تمام سفارت کا منشاء بھی یہی تھا۔ ان وجہوں سے براہِ مستقیم آستان مقدس پر بلائے گئے۔ مگر چونکہ معرفت سفیر بھی ضروری تھی۔ ورنہ نظامِ امامت میں فرق پڑتا۔ اسلئے آستانِ مقدس پر بلاکر اور ان کے اموالِ ہمراہی کے تمام انواع واقسام کے متعلق پوری خبر پہنچا کر پھر ان کو ابوجعفر عمری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں واپس بھیجدیا گیا۔ اس لئے کہ ان کی معرفت امام بھی کامل ہو جائے اور تمیز سفیر بھی پوری ہو جائے۔ اب دوسری مصلحت جو اس خاص واقعہ میں مضمر تھی وہ یہ تھی کہ اس کے لئے حضرت ابوجعفر عمری رضی اللہ عنہ ماذون نہیں فرمائے گئے۔ بلکہ ان کی جگہ ایک دوسرے بزرگ شہر قم کے رہنے والے ان تمام چیزوں کے لینے کے لئے خاص طور پر ماذون فرمائے گئے۔ اور یہ تمام امور ابوسراج دینوری اور ان کے دیار کے مومنین کی عام ہدایت کے لئے عمل میں لائے گئے تاکہ اُن لوگوں کو اپنے امام اور سفیر دونوں بزرگواروں کی پوری معرفت حاصل ہو جائے اور موجودہ امامت کے نظام کی حقیقت بھی اُن پر کھل جائے جس کی تلاش اور تفحص میں متحیر اور متفکر رہ کر اس کے ادراک کو اپنے خلوص اور عقیدت کا معیار قرار دے چکے تھے۔ جب اس طرح موجودہ نظامِ امامت کے بعض مصالح ان کے خاص امور میں انکو دکھلا دیئے گئے

اور امام زماں علیہ السلام اور اُن کے سفار کی معرفت بھی ان کو پورے طور سے کرادی گئی اور ان تمام امور کی طرف سے اُس دیار و امصار کے تمام مومنین کی تشفی اور تسکین کردی گئی تو پھر ان کی رقوم مرسلہ کے مخارج کے حالات اور تفصیل سے بھی ان کو مطلع کردیا گیا اور بتلادیا گیا کہ تمہاری بھیجی ہوئی رقوم تمہارے امام علیہ السلام یا سفراء وغیرہ کے عین ارسال قرار پاکر ان کے ذاتی مصارف میں نہیں لائے جاتے بلکہ یہ تمام وکمال مال نصاب شرعیہ کے مطابق مومنین مستحقین پر تقسیم کردیئے جاتے ہیں۔ ان بزرگ قمی کو اس رقم کے حوالہ کردیئے جانے سے ابو سراج اور ان کے ہموطن مومنین کو ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کو معلوم ہوگیا کہ حالتِ موجودہ میں مومنین قم یا وہ لوگ جو اس اطراف و جوانب میں آباد تھے ان رقوم کے زیادہ تر مستحق تھے۔ یہی وجہ تھی جو یہ رقم حضرت ابو جعفر کی جگہ ان قمی سفیر کو عنایت فرمائی گئی کہ وہ مستحقین اصلی پر اس کو تقسیم فرمادیں۔ حقیقت میں اگر دنیا کے دیدۂ بصیرت کشادہ ہوں تو وہ دیکھ لے کہ امام منصوب من اللہ کی امامت کے نظام اگرچہ مخفی ہوتے ہیں مگر تاہم اس سے کتنے فائدے ظاہری طور پر دنیا کو پہنچتے ہیں۔ منکرین غیبت کے لئے یہ واقعہ پورا ہادی اور رہبر ہے۔ پھر آخر میں حسن دینوری رئیس قنسرین کی زبانی واقعہ نے جو خاص ان کے مشاہدہ میں آچکا تھا اس امر کی تصدیق کردی۔ اب تو ابو سراج دینوری کو اپنے شکوک و شبہ کی جگہ پورا یقین ہوگیا اور اس سے قبل جتنے جتنے شکوک اور شبہے ان کے دل میں فطور کررہے تھے یکبارگی زائل اور رفع ہوگئے۔ کیونکہ ان کی تسکین و تشفی دونوں طریقوں سے کردی گئی ایک تو یہ تمام امور انھوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلئے۔ دوسرے حسن کے خاص مشاہدات نے اُن کے خلوص اعتقاد کو اور کامل کردیا اور وہ ان امور میں جن پر اُن کے ایمان و ایقان کا دارومدار تھا پورے طور سے ہدایت پاگئے۔ فالحمد للہ۔

(۴) حسن ابن نصر کا واقعہ ہے جو قریب قریب ایسا ہی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے مگر اس میں جو خصوصیت ہے وہ یہی کہ ابو سراج دینوری قبل ہی سے نظامِ امامت کے قائل تھے اور حسن ابن نصر نہیں۔ وہ ہمیشہ سے اس مسئلہ میں مشکوک و متامل تھے اس لئے ان کی ہدایت ابو سراج کی ہدایت سے زیادہ ضروری تھی۔ بالآخر ان کی ہدایت کے سامان خاص انہی کے سامنے فراہم کئے گئے اور امر مشتبہ فیہ کی تمام خدمات انہی کے ہاتھوں سے انجام کرائی گئیں جن کو وہ اپنے والد مرحوم و مغفور کی نسبت ایک خیالی امر سمجھے ہوئے تھے اور آج تک اس کے متعلق مشکوک اور مخدوش تھے چنانچہ قیام بغداد کے ایام میں تمام مومنین آتے گئے اور انہی کے پاس اپنے اپنے اموال جمع کراتے گئے۔ ابو سراج رحمۃ اللہ علیہ کو تو خیر سامرۂ مقدسہ میں بلاکر وکیل خاص کی معرفت ہدایت فرمائی گئی۔ مگر حسن ابن نصر علیہ الرحمۃ کو شہر مقدس میں بلواکر بلا واسطہ غیرے و بلا شراکت احدے آستان بوسی کا اعزاز خاص عنایت فرمایا گیا۔ اور خاص طور پر ناحیۂ مقدسہ کے اندر بلائے گئے تاکہ بنفس نفیس زبان مبارک سے اُن کی ہدایت فرمائی گئی اور چونکہ اُن کی اجلِ موعود کا زمانہ قریب آگیا تھا اس لئے ان کو ملبوس خاص کا کفن بھی خلعت فرمایا گیا۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں تک آپ کی امامت کے انتظامی واقعات دیکھے گئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مسالک خاص کر اُن ہی حضرات کے ساتھ قائم رکھے گئے ہیں اور اپنی امامت کے نظامِ مخفیہ کی تھوڑی بہت اہمیت ان ہی کو تبلادی گئی ہے جو بفحوائے آیۂ کریمہ فمنھم من قضی نحبہ اپنی موت سے قریب آچکے تھے کیونکہ ان سے افشائے راز کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ حسن ابن نصر کا نتیجہ بھی ویسا ہی ہوا جیسا کہ عد کی زبانی اوپر مرقوم ہوچکا۔

(۵ و ۶) چنداں تشریح و توضیح کی ضرورت نہیں رکھتے اس لئے انکی شرح خواہ مخواہ طوالت کا باعث ہوگی

(۷) اس واقعہ میں جس طرح ابراہیم ابن مہزیار کی ہدایت فرمائی گئی اس میں ایک خصوصیت اور نوعیت ضرور ہے اور وہ یہ ہے کہ اِن کے مرحوم والد ماجد جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے سفیروں میں سے تھے ان کے پاس بھی اموال مومنین جمع ہوتے تھے اور یہ ان کو بشرائطِ امانت و دیانت خدمتِ امام علیہ السلام تک پہنچا دیتے تھے۔ غریب اب کی بار اثنائے راہ میں اپنی اجل موعود سے دوچار ہوگئے جیسا کہ اوپر سلسلۂ بیان سے واضح ہوچکا ہے اتفاق سے ابراہیم بھی اب تک آپ کے نظام امامت سے مشکوک و مشتبہ تھے۔ اسلئے انھوں نے اپنے والد مرحوم کی ادائے وصیت میں اپنی طرف سے تساہل اور تغافل اختیار کیا۔ اور اس پر قیامت یہ کہ اس رقم موصیٰ لہٗ کو اپنے قیاس کے حکم کے مطابق صرف کرنا چاہا جو شریعت کے موافق بالکل ممنوع اور غیر مشروع تھا۔ ان وجہوں سے ان کی ہدایت ایک خاص خصوصیت کے ساتھ کی گئی اور اسی ہدایت کے ساتھ ان کے والد مرحوم کے فرائض منصبی بھی جو وہ اپنے حیات کے زمانہ میں مخفی طور پر کیا کرتے تھے پوری تشریح اور توضیح کے ساتھ ظاہر کردیئے گئے۔ چنانچہ اوپر کے بیان سے ظاہر ہوا کہ جب ابراہیم نے ان تمام و کمال مال کو ایک مکان میں شہر بغداد کے جمع کیدیا اور اس کو تمام لوگوں سے پوشیدہ رکھا اور دو چار روز کے توقف کے بعد اس کو عام مسلمین پر تقسیم کر دینا چاہا۔ اسی اثنا میں تمام مومنین از خود اپنے اپنے مال لیکر ان کے پاس آنے لگے اور اپنے اپنے ہمراہی اسباب و اموال جمع کرانے لگے۔ یہاں تک کہ احمد ابن اسحٰق کے ایسا ذی وجاہت اور معتمد علیہ بزرگ بھی اپنا مال انہی کے پاس جمع کرا گئے۔ یہ غریب ہر چند ان لوگوں کو ٹالتے تھے مگر وہ لوگ نہ مانتے۔ جب دو چار روز میں ان کے پاس مالِ کثیر جمع ہوگیا تو یہ سخت پریشان ہوگئے یہاں تک کہ توقیع مبارک کے ذریعہ سے خدا خدا کرکے ان کو وہ تمام و کمال مال ایک شخص خاص کو دیدینے کا حکم ہوگیا۔ جب انہوں نے توقیع مبارک کی وہ عبارت پڑھی جو خاص دستِ مطہر کی لکھی ہوئی تھی تو ان کے تمام شکوک ان کے دل سے نکل گئے مگر اس کے ساتھ ہی اپنے وہم و قیاس کی بدولت اپنے موروثی منصب وکالت امام علیہ السلام کے منتزع کرلئے جانے کا پورا یقین کرلیا۔ جس پر انہیں سخت ملال ہوا۔ مگر یہ ہے اخلاق کریمانہ کی شان۔ اور یہ ہے خلقِ عظیم کا اصلی مقتضا دو تین ہی دن کے بعد ان کی بحالی اور تقرری کا حکم بھی آگیا۔ جس کی عبارت اصل واقعہ کے ساتھ اوپر تحریر ہوچکی ہے آئمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے حسن تدبیر پر غور کرنے والے جانتے ہیں کہ ایسے ایسے معاملات میں ہدایت اور تنبیہ کے بعد فوراً اپنے الطاف عمیم اور اخلاق عظیم کا اظہار بھی فرما دیا جاتا تھا۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد۔

(۸) یہ واقعہ محمد ابن علی اسود رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہے۔ اس میں کوئی خصوصیت اور نوعیت نہیں ہے اور جو ہے وہ اسی قدر کہ اس سے یہ امر بخوبی ثابت ہوجاتا ہے کہ ایسے اوقات میں جب سفرا یا وکلا اپنی امانت میں سے کوئی چیز داخل کرنا بھول جاتے تھے تو ان لوگوں کو وہ بھولی ہوئی چیز فوراً یاد دلا دی جاتی تھی اور یہی امر ان کی ہدایت اور تصدیق معرفت کے لئے کافی ہوجاتا تھا۔ چنانچہ یہ بزرگوار بھی اپنے ہمراہی اموال میں سے اس پیر زن کا دیا ہوا کپڑا جو قمی صاحب کو دینا بھول گئے دوسرے دن ان کو اس سہو کی خبر کردی گئی۔ انہوں نے تلاش تو کی مگر اتفاق سے نہ ملا پھر ان کو تلاش کرنے کی تاکید کی گئی تو آخر جہاں یہ رکھکر بھول گئے تھے وہیں سے وہ کپڑا مل گیا۔

(۹ و ۱۰) چونکہ یہ دونوں واقعات ایک ہی راوی سے متعلق ہیں۔ اس لئے ہم دونوں واقعات کو یکجا بیان کرتے ہیں واضح ہو کہ یہ دونوں مشاہدے ابو نعیم شاذانی سے مرقوم ہیں۔ اول کی نسبت وہ اپنی خصوصیت کا یوں ذکر کرتے ہیں کہ میں نے چار سو اسی ۴۸۰ روپیہ میں اپنے پاس سے بیس روپیہ ملا کر پورے پانچسو ۵۰۰ کی رقم کامل کردی اور خدمت امام علیہ السلام میں بلا تفصیل و اظہار حقیقت روانہ کردیا۔ آستان مقدس سے اسکی رسید میں جو توقیع مقدسہ برآمد ہوئی۔

اُس میں اس بیس روپیہ کی پوری حقیقت درج تھی جس کو سوائے ہمارے اور کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا۔ دوسرے واقعہ کی بابت ان کا بیان ہے کہ میں نے اموال مومنین مختلف انواع و اقسام کے خدمت امام علیہ السلام میں بھیجے مگران کے انواع و اقسام کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اور نہ ان کے بھیجنے والوں کے نام لکھے رسید جو برآمد ہوئی اس میں تمام انواع و اقسام۔ ان کے مالکوں کے نام مع اُن کی سکونت اور مقام کے پوری تفصیل کے ساتھ درج تھے۔

(۱۱) یہ واقعہ ابوالعباس کوفی کے مشاہدات میں داخل ہے۔ مگراس کے راوی بھی ابونعیم شاذانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں ابوالعباس ایک بار کچھ مال لیکر آستانِ مقدس پر پہنچے۔ دل میں سوچے کہ بدون ادراک حجت اس کو کسی کو نہ دوں گا۔ دلیل حجت قائم ہونے کے لئے اس رقم میں سے کل چھ دینار بلا وزن کردہ نکال لئے اور بقیہ مال کو خادم خاص کی معرفت بھجوا دیا۔ فوراً توقیع مبارک کے ذریعے چھ دینار کی حقیقت اوران کے صحیح وزن لکھ بھیجے گئے۔ اُنہوں نے اُنہیں وزن کیا تو وزنِ مسطورہ بالکل ٹھیک پائے۔ فوراً صدق اللہ و حجتہٗ کہکر وہ چھ دینار بھی خدمت امام علیہ السلام میں روانہ کر دیئے۔

(۱۲) اس واقعہ کے راوی محمد بن حسن مروزی ہیں۔ ان کو جو ہدایت ہوئی وہ یہ ہے کہ ان کے مرسلہ دو سو روپیہ کی رسید میں اتنا اور اضافہ کر دیا گیا کہ ابھی آٹھ سو روپیہ کی رقم مال امام علیہ السلام میں سے تمہارے ذمہ اور واجب الادا ہے۔ جس کا ذکر تو اُنہوں نے اپنے عریضہ میں نہیں کیا تھا مگر اس کا علم ان کو ضرور تھا۔ پھر اسی توقیع مقدس میں یہ تفصیل بھی تحریر تھی کہ اصل میں تمہارے پاس مجموعہ ہزار دینار مال امام علیہ السلام سے امانت تھے جس میں سے اب کی بار حاجز کی معرفت پھر دو سو روپیہ وصول ہو کر اب کل آٹھ سو روپیہ تمہارے ذمہ باقی رہ گئے۔ اب اگر تم کو روپیہ بھیجنا ہو تو شہر رَے میں ابوالحسین اسدی کو حوالہ کر دینا۔ ابوالحسین کی خصوصیت کی وجہ بھی فوراً معلوم ہو گئی کہ غریب حاجز کا ایک دو روز کے بعد ہی انتقال ہو گیا رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کا عہدہ ابوالحسین علیہ الرحمۃ کو تفویض فرمایا گیا۔

بہرحال اس باب میں ہم نے اتنے واقعات آپ کے نظام امامت کے متعلق لکھے ہے جن سے ہمارے اوپر کے تمام دعووں کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ موجودہ نظامِ امامت، ہدایت و ارشاد کے تمام فرائض پورے طور سے انجام دیتے تھے اور ایسے لوگوں کا جو خاص کر آپ کے پوشیدہ اور زیادہ مخفی رہنے کے باعث آپ کے نظام کی طرف سے تامل کرتے تھے پوری تشفی اور کامل اطمینان کر دیا جاتا تھا۔ جن لوگوں نے حضرات آئمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے حالات پڑھے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ آپ کے نظامِ امامت جو ان حضرات کے حسن تدبیر کا ایک نام ہے بالکل نظامِ مشیت اور احکامِ قدرت سے تعلق رکھتے تھے۔ جیسی اس طرف سے تاکید ہوتی تھی ویسی ہی اس طرف سے تعمیل ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ زمانہ اور زمانہ والوں نے دیکھ لیا کہ ان کے محاسن تدبیر اور اصابت رائے کے مقابلہ میں سلاطینِ عصر اور فرمانروایانِ دہر کی طرف سے ان کے قتل و ہلاکت کی کیسی کیسی تدبیریں عمل میں لائی جاتی تھیں مگر ایک بھی مفید کار نہیں ہوتی تھی۔ اور بخلاف ان مخالفانہ ترکیبوں کے وہ حافظ حقیقی ان کی حفاظت و صیانت کے اپنی طرف سے ایسے سامان کر دیتا تھا کہ پھر ان کے مخالفین اور معاندین ان کا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتے تھے۔ ع دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست + نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حضرات سلام اللہ علیہم اپنے ان فرائض مخصوصہ کو اپنی اپنی حیات کے زمانہ میں نہایت اطمینان کے ساتھ انجام دیئے گئے جیسا کہ ہم اس سلسلہ کے سابق تمام نمبروں میں پوری تفصیل کے ساتھ دکھلا چکے ہیں۔

ان تمام امور پر غور کر کے جو اوپر گیارہ کتابوں میں مفصل اور مسلسل طور پر بیان ہو چکے ہیں سمجھ لینا چاہیے کہ

جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے زمانۂ امامت میں بھی مخالفین کی شورش اور کاوش اسی طرح اپنے انتہائی درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ جن کے مقابلہ میں آپ کے نظام امامت کا اجرا پانا ایک ظاہربین نگاہ میں ضرور دشوار خیال کیا جاتا تھا۔ مگر یہ واقعات جو ابھی ابھی مختلف رواۃ کے ذریعہ سے اوپر بیان کئے گئے ہیں ثابت کردیتے ہیں کہ ان مخالفانہ تراکیب وتدابیر اور ظلم وتہدید کی موجودگی میں آپ کی امامت کے احکام تمام بلاد اسلام میں برابر نافذ ہوتے رہے اور جن اصول اور حدود تک ان کا نفاذ ضروری تھا وہ برابر قائم اور جاری رہا۔ اور ان کے اجراء اور نفاذ سے ہدایت وارشاد کے فرائض انجام ہوتے رہے اور سینکڑوں بندگان خدا حقیقتاً ایسی تاریکی اور عام ظلمت کے بنانے میں جب غفلت اور جہالت کے پردے عموماً لوگوں کی آنکھوں پر پڑے تھے۔ راہ راست اسی کے ذریعہ سے پاتے تھے اور اپنے تمام شکوک وساوس اور شبہات کو جو بشریت کے تقاضے سے اکثر ان کے دلوں میں فطور کرجاتے تھے دور اور زائل کرلیتے تھے۔ اور اسی کے ساتھ آپ کی امامت کے باطنی احکام اور مخفی نظام کی ضرورت اور مصلحت اور ان کی حسن تدبیر سے کامل طور سے آگاہ ہوجاتے تھے۔ ہم اپنی موجودہ بحث کو یہاں تک پہنچا کر آپ کی امامت کے نظام کے دوسرے امور کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم آپ کے نظام کے بقیہ حالات کو ایک جداگانہ باب میں بارِ دیگر علیحدہ بیان کرینگے۔ مگر نہیں۔ شاید ہمارا ایسا کرنا سلسلہ بیان اور موجودہ ترتیب مضامین کے خلاف سمجھا جائے۔ اسلئے ہم ان تمام مضامین کو یکجا جمع کرنا اور ایک ہی سلسلہ میں بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

بہرحال ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ موجودہ بحث کے متعلق جتنے واقعات اوپر لکھے گئے ہیں ان میں تمام تر اموال خمس کی بابت آپ کے مختلف نظام واحکام کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسری قسم نظام اور نوع احکام کی کوئی تفصیل نہیں کی گئی ہے۔ اگر کسی واقعہ سے کوئی دوسری چیز معلوم بھی ہوتی ہے تو وہ ضمناً خیال کی جائیگی نہ اصلاً۔ اسلئے اس سے غلط فہمی پیدا ہونے کا پورا احتمال ہے کہ شاید آپ کے نظام اموال خمس ہی کے انتظام تک محدود و موقوف تھے۔ اس لئے ہم کو آپ کے دوسرے احکام بھی اسی تفصیل سے لکھدینا نہایت ضروری اور لازم ہیں۔ ان ضرورتوں پر غور کرکے ہم اپنے آئندہ سلسلہ بیان میں آپ کے وہ نظام اور احکام درج کرتے ہیں جو آپ نے ہدایتِ عام۔ اجرائے احکامِ اسلام اور احیاء سنت حضرت خیر الانام علیہ وآلہ الصلوٰۃ من رب العلام کے متعلق نافذ فرمائے ہیں اور یہ ایسے ضروری اور مفید احکام تھے جنہوں نے سینکڑوں کیا ہزاروں مسلمانوں کی روزانہ عملی ضرورتیں پوری کردیں اور لوگوں نے احکام شرعیہ اور نظام دینیہ کے متعلق اپنی کامل تسکین اور کافی تشفی کرلی جن کی نسبت وہ اسوقت تک کچھ بھی نہ جانتے تھے اور اپنی عدم واقفیت اور لاعلمی کے باعث ان کی ضرورتوں میں ان کو طرح طرح کی دشواریاں اور مصیبتیں پیش آیا کرتی تھیں اور ان عملیات میں سخت حرج واقع ہوتا تھا۔

آپ کی امامت کے دوسرے نظام

شیخ طوسی علیہ الرحمۃ کتاب الغیبۃ میں حسین ابن علی ابن بابویہ قمی کی زبانی یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جس سال قرامطہ نے تمام بلاد اسلامیہ میں فتنہ وفساد پھیلا رکھا تھا اور خلافت بغداد کے خلاف میں پورے طور سے مخالفت اور دست بقبضہ ہونے کی جرأت اور بغاوت اختیار کی تھی تو ان کے اثر سے تمام ملک میں سخت بدامنی اور بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور ہر شخص انتشار اور اضطرار کی حالتوں میں گرفتار تھا۔ حسینؔ کے والد علی بن بابویہ نے بھی رات دن کے موجودہ فکر وانتشار کے خیال سے سفر بیت اللہ اختیار کرنے کا قصد کیا۔ اور اپنے خاص حسن تدبیر سے اس تہلکۂ عظیم سے بچنے کی یہ خاص ترکیب نکالی جو ہم خرما وہم ثواب کی مصداق تھی۔ اور یہ سوچ کر ایک عریضہ جنابِ قائم آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں لکھا اور اپنے حج بیت اللہ کے لئے اذن طلب کیا۔ حسین راوی حدیث کا بیان ہے کہ جواب میں تحریر فرمایا گیا کہ امسال تمہارے

سے حج کرنا بہتر نہیں ہے۔ یہ جواب پاکر آپ کی خدمت میں پھر لکھا گیا کہ امسال میں حج بیت اللہ کے لئے نذر کرچکا ہوں تو کیا ایسی حالت میں قضائے نذر میرے لئے جائز ہوگی؟ جواب میں ارشاد کیا گیا کہ صورت موجودہ میں تم مجبور ہو۔ بہتر ہے۔ حج بیت اللہ معظم کو جاؤ مگر سب سے آخر والے قافلہ کے ساتھ جانا۔ حسین کا بیان ہے کہ میرے والد ماجد حسب ارشاد امام علیہ السلام اس قافلہ کے ساتھ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے جو سب سے آخر میں ہمارے شہر سے مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اور الحمد للہ بخیر و عافیت پہنچ گئے۔ اور ان سے پہلے جتنے قافلے گئے تھے ان سب کو قراسطہ نے لوٹ لیا اور ان میں کا کوئی فرد واحد بیت اللہ معظم تک صحیح و سالم نہ پہنچ سکا۔

(۲) ابن قولویہ علی ابن محمد کی زبانی نقل فرماتے ہیں کہ میرے دوستوں میں سے ایک صاحب کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ انہوں نے اس کی رسم عقیقہ کی نسبت جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی خدمت میں یہ پوچھا تھا کہ بچہ کا عقیقہ یا رسم تطہیر ولادت کے کے دن بعد کی جائے؟ جواب میں حکم آیا کہ نہ کرو۔ چنانچہ ولادت کے ساتویں دن وہ بچہ مر گیا۔ میں نے یہ واقعہ خدمت مبارک میں لکھ بھیجا ارشاد ہوا کہ غمگین نہ ہو۔ خدائے سبحانہ و تعالیٰ تمہیں بہت جلد دو بیٹے عنایت فرمائیگا جو انشاء اللہ المستعان تمہارے بعد تمہارا نام و نشان بنکر دنیا میں قائم رہیں گے۔ ان میں سے بڑے کا نام احمد اور چھوٹے کا جعفر رکھنا۔ چنانچہ حسب الارشاد میرے ہاں دو لڑکوں کی ولادت واقع ہوئی اور میں نے ایک کا نام احمد اور دوسرے کا جعفر رکھا اور بفضلہ تعالیٰ دونوں زندہ و سلامت رہے۔

(۳) اس واقعہ کے بعد وہی راوی بیان کرتے ہیں کہ ان بچوں کی ولادت کے بعد میں نے حج بیت اللہ کا قصد کیا اور اس قصد سے اپنے اہل و عیال کو وداع کیا۔ اسی اثنار میں بغیر تحریک ایک توقیع مقدس میرے نام برآمد ہوئی جس میں تحریر تھا کہ میرے نزدیک تمہارا یہ سفر قرین مصلحت نہیں ہے۔ مگر تمہیں اختیار ہے چاہے جاؤ چاہے نہ جاؤ۔ یہ حکم دیکھکر خلافِ حکم کرنے کی تو کسی طرح جرأت نہ کرسکا مگر شرفِ حج سے محروم رہ جانے کا بھی سخت صدمہ ہر دم و ہر لحظہ لگا رہتا تھا۔ اسی اثنار میں ایک دوسری توقیع وارد ہوئی جس میں تحریر تھا کہ تم غمگین و ملول نہ ہو انشاء اللہ المستعان سال آئندہ تم حج بیت اللہ سے مشرف ہوگے۔ سال آئندہ جب حج کا زمانہ قریب آیا تو میں نے پھر خدمت مبارک میں اس امر کی اطلاع کی۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ ضرور جاؤ۔ پھر میں نے عرض کی کہ اس سفر میں میں نے محمد ابن عباس کو اپنا ہم سفر قرار دیا ہے کیونکہ مجھے ان کی رفاقت اور امانت پر پورا اعتماد ہے۔ جواب میں حکم آیا کہ اگر محمد ابن عباس کی جگہ ابوالحسین اسدی تمہیں ملجائیں تو بہتر ہے۔ تم ان کو اپنا رفیق اور ہم طریق بنانا۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ میں نے جملہ امور کو حسب الارشاد تعمیل کیا۔ مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا پہنچا تو معلوم ہوا کہ سال گذشتہ بدوؤں کے ظلم سے بہت سے حجاج کی جانیں تلف ہوئیں۔ اور قافلوں کو ان کے ہاتھوں بڑی بڑی مصیبتیں پیش آئیں۔ بخلاف سال گذشتہ کے سال موجودہ میں کوئی تردد اور فکر نہ تھی۔ ہر شخص نے آرام و اطمینان حج بیت اللہ کے تمام ارکان ادا کئے اور میں بھی مناسک حج ادا کر کے صحیح و سلامت اپنے مقام کو واپس آیا۔

(۴) حضرت قسم ابنِ علا رضی اللہ عنہ جو جناب امام علی نقی علیہ السلام کے وقت سے لیکر آپ کے موجودہ زمانہ امامت تک وکالت و سفارت کے عہدے پر مامور تھے اپنا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ایک امر کے لئے آپ کی خدمت میں استدعا کی جس ایک حاجت یہ بھی تھی کہ میں بوڑھا ہوگیا اور اس وقت تک میری کوئی اولاد نہیں ہے جو بعد میں میری یادگار رہ سکے۔ اس کے ساتھ ہی میری دو اور بھی حاجتیں تھیں۔ چنانچہ میری ان دونوں حاجتوں کے تو مفصل جواب دئے گئے۔ مگر اولاد والی حاجت کی بابت کچھ نہ تحریر فرمایا گیا۔ جس کی وجہ سے مجھکو سخت اندیشہ اور فکر

دامنگیر ہوئی۔ بارِ دیگر میں نے اِس امرِ خاص کیلئے عریضہ لکھا اب کی بار مجھے جواب میں لکھا گیا کہ میں نے تمہاری استدعا کا جواب نہ دیا۔ اس لیئے کہ میں نے اس مادۂ خاص میں خداوند تعالیٰ سے درخواست کی ہے کہ وہ تمہیں فرزند عطا فرمائے اور جو تمہارے گھر میں لڑکی کا حمل ہے اس کو اپنی قدرتِ کاملہ سے لڑکے کی شکل میں مبدّل فرما دے۔ یہ خط پڑھکر مجھے سخت تعجب ہوا۔ کیونکہ مجھکو اپنی زوجہ کے حاملہ ہونے کا مطلق علم نہیں تھا میں نے اپنی زوجہ سے اس امر کو دریافت کیا تو اس نے اس کی تصدیق کی اور کہا کہ جو بیماری امتناعِ حمل کی مجھے عرصہ سے لاحق تھی وہ بالکل زائل ہو گئی چنانچہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد لڑکا پیدا ہوا۔

(۵) علی ابنِ محمد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک توقیع مبارک عام شیعہ گروہ کے نام برآمد ہوئی جس میں تحریر فرمایا تھا کہ ان ایام میں کوئی شخص عتباتِ عالیات کاظمین شریفین۔ کربلائے معلّے۔ نجف اشرف اور سائرِ مشاہدِ مقدسہ کی زیارت کو نہ جائے اس حکم سے تمام شیعہ پبلک میں ایک عام بے چینی اور انتشار پھیلا ہوا تھا چنانچہ دو چار مہینے گزرنے کے بعد وزیرِ بغداد نے باقطانی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی خلوت میں بلا کر کہا کہ شیعیانِ بنی فرات اور اہلِ برس کو بلا کر کہو کہ مقابرِ مقدسہ کی زیارت کو نہ جائیں کیونکہ مجھ کو حکم سلطانی ہوا ہے کہ ایسے لوگوں کی تلاش اور تفحصِ احوال کرکے گرفتار کروں۔ عنقریب وہ لوگ گرفتار ہو کر مادام الحیات قید میں رکھے جائیں گے۔

اسی ایک واقعہ سے آپ کے نظامِ امامت کے فوائد اور منافع علی رؤس الاشہاد معلوم ہو جاتے ہیں جو حضرات کہ اپنی کوتاہ اندیشیوں کے باعث آپ کے نظامِ امامت کو دنیاوی مصالح کے لئے ضروری اور مفید نہیں سمجھتے وہ تنہا اسی واقعہ کو دیکھکر سمجھ لیں اور یقین کر لیں کہ آپ کے موجودہ احکام نے شیعہ گروہ کی کتنی غریب جانوں کو ضائع اور برباد ہونے سے بچایا۔ اور ان کو ایک ایسی آنے والی بلا سے مطلع فرما دیا جسکی انہیں مطلق اطلاع اور خبر نہیں تھی اور وہ اپنی لاعلمی کے باعث بہت جلد سخت سے سخت تہلکہ میں ایکبارگی پڑ جاتے۔

(۶) غالب رازی کا بیان ہے کہ میں اپنے چند رفیقوں کے ہمراہ حضرت ابی رَوح رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا۔ انہوں نے میرے رفیقوں میں سے ایک صاحب کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ انہوں نے میری نسبت معرفایہ عرض کی کہ یہ زرارہ ابن اعین کی اولاد سے ہیں۔ پھر وہ خود مجھ سے مخاطب ہوئے اور میرے حسب و نسب کی نسبت مجھسے دریافت فرمانے لگے میں نے عرض کی کہ اے سیّد! میں بکر ابن اعین کی اولاد سے ہوں جو زرارہ کے برادرِ عینی تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ اس میں کلام نہیں آپ خاندانِ اعلیٰ اور دودمان والا سے ہیں۔ آپ کے پدر بزرگوار بہت بڑے نامور اور با اثر گزرے ہیں۔ اس اثنائے گفتگو میں میرے رفیق نے اُن سے عرض کی کہ اے سیدا اسوقت مجھے آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا ہے کہ آپ میری طرف سے ایک امرِ خاص کے متعلق امام علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں ایک عریضہ لکھدیں۔ انہوں نے کہا بہتر ہے۔ میں ابھی لکھے دیتا ہوں یہ سُن کر مجھے بھی یہ خیال ہوا کہ میں بھی اپنے ایک امرِ خاص کے لئے خدمتِ امام علیہ السلام میں عرض کروں۔ اور وہ امر ایسا رازِ مخفی تھا جس کو سوائے میرے اور کوئی دوسرا جانتا ہی نہیں تھا۔ اور وہ راز یہ تھا کہ میری زوجہ (ابو العباس کی ماں) ہمیشہ سے میری سخت مخالف تھی اور اس کے سلوک میرے ساتھ اچھے نہیں رہتے تھے۔ لیکن باوجود مخالفت کے اس کی محبت میرے دل سے کسی طرح کم نہیں ہوتی تھی اور میں ہمیشہ اُسکا گرویدہ بنا رہتا تھا۔ اسی راز کو اپنے دل ہی میں مخفی رکھکر میں نے اُسے خدمتِ امام علیہ السلام میں پیش کرنے اور فیمابین رسمِ اتحاد قائم ہونے کیلئے دعا فرمائی جانے کیلئے استدعا کی۔ اور یہ نیت دل میں کرکے میں نے حضرت ابی رَوح رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے بھی

خدمت امام علیہ السلام میں کچھ عرض کرنا ہے مگر اسے لکھ کر افشا کرنا نہیں چاہتا۔ صرف حاجت خاص لکھکر خدمت بابرکت میں مستدعی ہوتا ہوں۔ چنانچہ صرف اتنا ہی لکھکر میں نے اپنا اور اپنے رفیق کا عریضہ خدمتِ امام علیہ السلام میں بھیجدیے جانے کیلئے حضرت ابی روح رضی اللہ عنہ کے حوالہ کردیا انہوں نے وہ دونوں رقعے اپنے پاس رکھ لئے۔ پھر ہم لوگ اُن کے پاس سے اُٹھ آئے۔ جب اس واقعہ کو تھوڑا زمانہ ہوگیا تو ہم لوگ دریافت احوال کی غرض سے پھر حضرت ابی روح علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم لوگوں کو دیکھتے ہی انہوں نے ایک رقعۂ پیچیدہ نکالا اور ہم لوگوں کے پاس رکھدیا۔ ہم لوگوں نے اُس توقیع مبارک کو پڑھا تو اس میں پہلے ہمارے رفیق کے مدعا کا حسب دلخواہ جواب مندرج تھا جسے پڑھکر وہ بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد میری استدعا کا جواب تحریر تھا اور اسکی عبارت سراپا ہدایت یہ تھی کہ سوالِ رازی کے متعلق خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ سے دعا کردی گئی ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے اُس کے اور اس کی زوجہ کے فیما بین اصلاح جاری اور قائم فرمادے یہ تحریر پڑھکر میں بہت مسرور ہوا اور آپ کا رعب عظیم مجھ پر مستولی ہوا۔ اسکے بعد میں اور میرا رفیق دونوں وہاں سے واپس ہوئے۔ اثنائے راہ میں میرے رفیق نے مجھ سے کہا کہ تم نے بھی تو اپنی استدعا کا جواب پالیا۔ میں نے کہا ہاں۔ اور اُس کے ساتھ مجھے سخت حیرت اور تعجب لاحق ہے۔ میرے رفیق نے کہا کہ مجھے خود تعجب ہوتا ہے کہ تم ان معاملات میں حیرت کیوں کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ معاذاللہ میرے تعجب کا خدانخواستہ اور کوئی مطلب نہیں ہے۔ صرف اسی قدر کہ یہ ایک ایسا راز تھا جس سے سوا میرے کوئی دوسرا اس وقت تک آگاہ نہیں تھا۔ میرے رفیق نے کہا سبحان اللہ! تم ناحیۂ مقدسہ کے نظام میں شک کرتے ہو۔ غرض اس گفتگو کے بعد پھر ہم لوگ اپنے اپنے مکان واپس چلے آئے۔ مجھے کوفہ جانے کا اتفاق ہوا۔ اور میں اپنی سُسرال کو نہ گیا جہاں میری زوجہ مجھ سے ناراض ہوکر اور میرے گھر سے اٹھکر جارہی تھی مگر میں اپنے گھر گیا۔ خلاف معمول میرے واپس آنیکی خبر سُنکر میری زوجہ خود بخود میرے گھر واپس آئی اور آتے ہی مجھ سے اپنی بدسلوکی۔ بیرحمی اور کج خلقی کی نسبت بہت معذرت کی اور اس کے عوض میں میری بڑی دلجوئی عظمت اور خدمت کی۔ اور اسی دن سے موافقت۔ مرافقت اور اخلاص واتحاد کے باہمانہ تمام طریقے جاری کئے اور مخالفت ومفارقت کے قدیم دستور درمیان سے اٹھادئے۔ یہانتک کہ اجل موعود نے ہمارے اور اس عفیفہ کے درمیان دائمی مفارقت کردی۔ خدائے ارحم الرحمین اسکی مغفرت فرمائے۔ آمین

(۷) ایسا ہی واقعہ ابوالفرج محمد ابن مظفر کی زبانی نقل ہے کہ وہ شہر کوفہ کے بازار ابی غالب کے رہنے والے تھے انہوں نے اس واقعہ کو پانچویں ذیقعدہ روز یکشنبہ ۳۵۶ھ کو بیان کیا۔ اس طرح کہ میں نے ایک عورت سے عقد کیا۔ اور وہ پہلی عورت تھی۔ جس کے ساتھ میں نے نکاح کیا تھا۔ میں ان دنوں اپنی پوری جوانی پر تھا اور تخمیناً بیس برس کی عمر کا تھا اور شادی کے بعد کئی برس تک اپنی سُسرال میں مہمان رہا۔ اور اس اثنا میں برابر اس فکر میں رہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح میں اپنی زوجہ کو اپنے گھر رخصت کرالیجاؤں۔ مگر جب اس امر کا اظہار اپنی سُسرال والوں سے کرتا تھا وہ برابر انکار کرتے تھے۔ اسی مدت میں اُسے حمل ہوگیا اور تھوڑے دنوں کے بعد لڑکی پیدا بھی ہوئی اور مر بھی گئی۔ اتفاقاً میں نہ اُس کی ولادت کے وقت موجود تھا اور نہ اُسکی وفات کے وقت اور اُسکی وجہ یہ تھی کہ میری زوجہ کے نہ رخصت کردینے کے سبب میں ناراض ہوکر سُسرال سے اپنے گھر چلا آیا تھا۔ لڑکی کے مرجانیکے بعد ہم میں اور سُسرال والوں میں اس امر پر تصفیہ ہوگیا کہ وہ لوگ میری زوجہ کو رخصت کردیں۔ یہ وعدہ وعید کرکے میں اپنے گھر چلا آیا اور روعدہ کے دن اپنی بی بی کو لانے کیلئے گیا تو ان لوگوں نے بدستور سابق پھر ویسے ہی انکار اور ممانعت پیش کی۔ اتفاق وقت سے پھر وہ ان ایام میں حمل سے ہوگئی۔ غرضکہ پھر کہنے سننے سے آپس میں مصالحت ہوگئی۔ مگر یہ مصالحت بھی دیرپا نہ رہی تھوڑے ہی دن کے بعد پھر ویسے ہی فتنہ وفساد کے دروازے

کھل گئے۔ پھر میری موجودہ غیبت کے زمانہ میں میری دوسری لڑکی پیدا ہوئی اور اسکی ولادت سے کامل دو برس تک فیما بین عداوت اور مخاصمت قائم رہی۔ اس حالت میں شہر بغداد میں داخل ہوا۔ اور چونکہ اہالیان کوفہ کے ملجاؤ ماوائی زمانا ابو جعفر محمد ابن احمد تھے اور قرابت میں وہ بمنزلہ میرے باپ اور چچا کے ہوتے تھے اور وہ اس وقت تک بغداد ہی میں مقیم تھے۔ اِس لئے میں نے انہی کے پاس قیام کیا اور اپنے اسی قیام کے زمانہ میں جو جو فسادات اور عداوت کہ فیما بین ہمارے اور ہماری سسرال والوں کے قائم تھے وہ ایک ایک کرکے ان سے بیان کردیئے انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم یہ حالات و واقعات لکھکر خدمتِ امام علیہ السلام سے اس اپنے معاملہ خاص میں دعائے فرج کی استدعا کرو چنانچہ ان کے ارشاد کے مطابق میں نے ایک عریضہ کی صورت میں اپنے تمام ماجرے کی مفصل اور مسلسل سورتِ حال قلمبند کی اور اُسکو خدمتِ فیضدرجت میں پہنچا دیئے جانیکی غرض سے ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ کردیا۔ انہوں نے اسکو محمد ابن علی علیہ الرحمہ کے سپرد فرمادیا اور انہوں نے جناب حسین ابن روح رضی اللہ عنہ کی خدمتِ بابرکت میں پہنچا دیا۔ کیونکہ اس زمانہ میں وکیل خاص کے عہدہ پر وہی فائز تھے اور یہ تمام امور انہی کے توسل سے آستانہ مقدس تک پہنچائے جاتے تھے۔ ان معاملات کو عرصہ ہوگیا۔ بالآخر ایک بار میں حسین ابن روح رضی اللہ عنہ کی خدمت میں استفسارِ حقیقت کی غرض سے گیا۔ انہوں نے میری عرض حال سُنکر جواب دیا کہ میرے نزدیک تاخیرِ جواب تمہارے حق میں زیادہ مفید ہے کیونکہ عجلت میری طرف سے ہوگی اور تاخیر امام علیہ السلام کی طرف سے یہ سُنکر میں ان کی خدمت سے اُٹھ آیا جب اس گفتگو کو بھی عرصہ گزر گیا اور پھر بھی کچھ حقیقتِ احوال نہ معلوم ہوئی یہانتک کہ مجھے اِس کا خیال بھی بھول گیا تو ایک دن حسین ابن روح رضی اللہ عنہ نے خود مجھے طلب فرمایا۔ میں حاضر ہوا تو مجھے ایک پیچیدہ رقعہ دیکر ارشاد فرمایا کہ یہی تمہاری استدعا کا جواب ہے اگر تم چاہو تو اسکی نقل لیلو میں نے پڑھا تو اُسمیں تحریر تھا کہ خداوند عالم نے زن و شوہر کے معاملات میں اصلاح فرمادی اور مخالفت فیما بین سے اٹھادی یہ پڑھکر میں نے اُس توقیع مبارک کی ایک نقل لیکر اپنے ہمراہ رکھ لی اور اصل تحریر مقدس ان کو واپس دیدی پھر میں کوفہ آیا تو میں نے اپنی زوجہ کو اپنا نہایت مطیع اور فرمانبردار پایا اور پھر وہ مادام الحیات میری اطاعت وفرمانبرداری کی تمام خدمات نہایت خوبی سے بجالاتی رہی۔ اُس کے بطن سے میری متعدد اولادیں وجود میں آئیں جو میرے بعد دنیا میں میری یادگار رہیں حالانکہ میں نے اُس کے ساتھ مختلف اقسام کی بدسلوکیاں اور سختیاں ایسی ایسی کی تھیں جن کو عام طور سے عورتیں برداشت نہیں کرسکتیں۔ لیکن باوجود ان تمام امور کے کبھی اس عورت کا مُنہ میری طرف سے میلا نہ ہوا۔ اور نہ اُس کے گھر والوں نے کبھی سابق شکایتوں کے متعلق مجھ سے اشارۃً یا کنایۃً ذکر کیا۔ یہانتک کہ اجلِ موعود نے ہمارے اور اس کے درمیان دائمی مفارقت پیدا کردی۔

(٨) یہی ابی غالب اپنا ایک دوسرا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اِس واقعہ سے پہلے میں نے ایک عریضہ اس مضمون کا خدمتِ امام علیہ السلام میں روانہ کیا کہ میں اپنی آراضی خدمت امام علیہ السلام میں نذر کرتا ہوں قبول فرمائی جائے اُس وقت اِس نذر سے میری نیت تقرب خدا حاصل کرنیکی مطلق نہیں تھی بلکہ میرا تمام مقصود یہ تھا کہ میں طائفہ نوبخت سے سازش کرکے دولتِ دنیاوی اور آرام و عشرت حاصل کروں۔ میرے اس عریضہ کا ایک مدت تک جواب نہیں آیا۔ میں نے جواب حاصل کرنیکے لئے بار بار عریضے پر عریضہ لکھا اور شرف جواب عطا فرمائے جانے کیلئے اصرار پر اصرار کیا تو آخرکار مجھے یہ جواب عنایت ہوا کہ جس شخص کی امانت و دیانت پر تمہیں پورا اعتماد ہو اُسکے نام اپنی اراضی لکھدو۔ کیونکہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد پھر تم کو اسی اراضی کی ضرورتِ شدید پیش آنیوالی ہے یہ حکم پاکر میں نے وہ اراضی موسیٰ ابن حسن زجوجی رئیس کوفہ کے نام لکھدی۔ کیونکہ مجھکو ان کی امانت و دیانت پر پورا اعتماد تھا۔ اس تحریر کو لکھے ہوئے ابھی کوئی زمانہ نہیں ہوا تھا کہ عرب کی ایک راہزن قوم نے میرے گھر پر چھاپہ مارا اور نقدیات وغیرہ سے جو کچھ میرے گھر میں تھا اُسے اُٹھا لیگئے۔ اور مال و اسباب کے متعلق

میرے تمام گھر میں ایسی جھاڑو پھیردی کہ ایک تنکا تک بھی باقی نہیں چھوڑا۔ انہوں نے اس پر بھی اکتفا نہیں کی مجھکو مقید بھی کرلیا میری تمام جائداد جو تلف کردی گئی وہ چار ہزار کامل کی مالیت تھی غرضکہ میں اُنکی اسیری میں ایک مدت تک رہا۔ اور انواع و اقسام کے مصائب و شدائد دن رات اٹھاتا رہا۔ آخرکار میں نے اپنی آزادی کو پندرہ سو درہم دیکر بار دیگر خرید کرلیا۔ اور ہمارے اس کے درمیان یہ معاملہ طے پایا کہ رقم موعودہ کی کامل اداکاری کے بعد وہ ہم کو سابق بدستور آزاد کردینگے اور پھر ہم سے کوئی واسطہ او سروکار نہ رکھینگے۔ مگر یہ سب کچھ تو ہوگیا۔ اتنا روپیہ کس کے پاس تھا جو یہ انتظام کئے جاتے۔ میں نے اپنی آزادی پانے کی تمنا میں اس رقم کی اپنے تمام احباب سے منت دسماجت کی مگر کہیں سے کوئی انتظام نہ ہوسکا اور کسی نے مجھ کو ایک حبہ نہ دیا میں نے اس کیلئے اتنی کوشش کی کہ مختلف مقامات پر متفرق قاصد متواتر بھیجے مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا اور رالٹے ان بند وبستوں میں میرے پانچسو روپیہ اور صرف ہوگئے آخرکار ایک شخص سے میں نے اتنی رقم قرض لی کہ قید ریزناں سے مخلصی پاکر اپنے شہر کوفہ میں پہنچ گیا۔ پھر اسی اراضی کو بیچا اور یہ دین ادا کیا اور مجھکو اسی وقت قول امام علیہ السلام کی کامل تصدیق و توثیق ثابت اور معلوم ہوگئی۔

(۹) ابن نوح کی زبانی علی ابن حسین ابن یوسف قمی کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ علی ابن حسین قمی نے اپنی چچیری بہن کے ساتھ جو محمد ابن موسیٰ کی صاحبزادی تھیں عقد کیا۔ لیکن ایک زمانہ تک ان سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔ میں نے حضرت ابن قسم کے ذریعہ سے خدمت امام علیہ السلام میں یہ استدعا کی کہ عطائے اولاد کیلئے درگاہ قاضی الحاجات میں دعا فرمائی جائے۔ اس کے جواب میں مجھے تحریر فرمایا گیا کہ اس بی بی سے تمہاری کوئی اولاد ہونیوالی نہیں مقدر رکیگئی ہے ہاں تمہاری کنیز دلیمیہ سے تمہارے بیٹے ہونگے جو صاحب علم وفقیہ مشہور ہونگے انشاءاللہ المستعان۔ چنانچہ میعاد مقررہ کے بعد اُسی کنیز دلیمیہ سے تین بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام محمد حسن و حسین رکھے۔ جن میں سے محمد اور حسین بہت بڑے عالم فقیہ اور محدث نکلے۔ دونوں دینیات میں اپنا عدیم و نظیر نہیں رکھتے تھے باقی حسن جوان کے برادر اوسط تھے۔ وہ علوم ظاہری میں تو چنداں معرفت پیدا نہ کرسکے۔ ہاں زہد وعبادت میں البتہ اس قدر محو تھے کہ اُن کو دنیا کے ایک کام سے بھی کوئی واسطہ اور سروکار نہیں تھا محمد اور حسین (رحمہا اللہ تعالیٰ) کی جامعیت۔ قابلیت اور استحفاظ احکام شریعت وغیرہ کی یہ کیفیت تھی کہ ذکر حدیث اور بیان وعظ وغیرہ کے خاص اوقات میں اُنکے حسن تقریر فصاحت وبلاغت اور کلام کی سلاست کو سُنکر تمام لوگ حیران اور انگشت بدندان رہ کر خاموش رہ جاتے تھے اور کسی کو یارائے کلام نہیں ہوتا تھا اور اُن کے آگے کوئی بول نہیں سکتا تھا اور نہ اپنے بہائے تقریر کھول سکتا تھا بلکہ بکمال اعتراف ہر شخص یہی کہتا تھا کہ یہ تمام فضل وکمال دعائے امام علیہ السلام کے باعث ہے۔ ورنہ سادات قم میں صاحب علم واستعداد بہت سے حضرات موجود ہیں مگر ان کے ایسا کسی کو فروغ حاصل تھا نہ شہرت۔

(۱۰) کتاب اکمال الدین میں حسن ابن فضل یمانی بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں شہر سر من رائے میں مقیم تھا کہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی خدمت سے ایک کیسۂ سربستہ میرے لئے آیا جس میں چند دینار رکھے اور اس کے ساتھ دو کپڑوں کے کھاتے بھی تھے۔ میں نے اس تحفۂ مبارک کو لینا پسند نہ کیا اور واپس لیا اور اپنے دل میں یہ سوچا کہ میری موجودہ حیثیت ایسی نہیں ہے کہ میں ایسا چھوٹا اور بیمقدار تحفہ قبول کروں ان اشیاء کا قبول کرنا میرے موجودہ اقتدار کے خلاف اور بدنامی کا باعث ہوگا۔ مگر میں جب ان چیزوں کو واپس کرچکا تو مجھے سخت ندامت اور حیرانی بھی لاحق حال ہوئی۔ اور بالآخر میں نے اپنی اس گستاخی کی خاص معذرت میں ایک عریضہ بھی لکھا اور خدمت بابرکت میں بھیجدیا اور اسی وقت یہ نیت کرلی کہ اگر وہ اشیاء پھر آپکی طرف سے مجھے واپس ملینگی تو انشاءاللہ المستعان میں انہیں بغیر دیکھے اور بغیر کھولے ویسے ہی اپنے باپ کے پاس لیجاؤں گا۔ اور انہی کو دیدونگا۔ اور وہ جس مصرف میں چاہیں گے اُسے لائینگے۔ اس عریضہ کے جواب میں مجھے تحریر

فرمایا گیا کہ حقیقۃً تم نے اس کیسہ کے پھیر دینے میں خطا کی ہے کیا تمہیں آج تک معلوم نہیں کہ میں اپنے انفاق وایثار کے ایسے معاملات خاصکر اپنے انہی احباب کے ساتھ کیا کرتا ہوں جو میرے نزدیک کامل الایمان اور خالص الاعتقاد ثابت ہو جاتے ہیں اور اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ ان لوگوں نے ان ہدایا اور تحائف کو یمن وبرکت کے خیال سے خود مجھ سے مانگا ہے۔ اور میں نے بھی اپنی غایت مسرت سے ان کی مطلوبہ چیزیں انکو بھیجدی ہیں لیکن اسوقت بخلاف ان لوگوں کے تم نے خاصکر میرے الطاف واحسان کو خفیف وحقیر سمجھا اور واپس کردیا۔ مگر اب چونکہ تم خدائے سبحانہ وتعالیٰ سے عفو تقصیر کے خواستگار ہوئے اسلئے اُس غفور رحیم نے تمہاری تقصیر کو معاف فرمایا۔ مگر چونکہ اب تمہارا یہ قصد ہے کہ وہ رقم خود تم اپنے مصرف میں نہ لاؤ اسلئے وہ رقم تو تمہیں نہیں بھیجی جاتی ہے۔ ہاں وہ دونوں طاقے کپڑے کے البتہ پھر بھیجے جاتے ہیں اسلئے کہ تم انہی کپڑوں میں احرام باندھو اور حج بیت اللہ زاد اللہ شرفہا کو چلے جاؤ۔

(۱۱) ابو محمد وجنانی رحمہا اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے شہر کے احوال میں سخت بد امنی اور بے چینی پیدا ہو گئی۔ اور عموماً کوچہ و بازار میں فتنہ وفساد برپا ہو گیا۔ آخر کار ہم اپنے شہر سے اٹھکر بغداد میں چلے آئے اور یہاں اٹھارہ روز تک مقیم رہے۔ اسی اثنا میں ایک بزرگ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ اب تم اپنے شہر کو واپس جاؤ۔ ان کا یہ ارشاد سُنکر مجھے سرتابی کی مجال تو نہیں ہوئی مگر بغداد سے نکلنے کیلئے کسی طرح بھی طبیعت نہیں چاہتی تھی۔ بہر حال ہم طوعاً وکرہاً اسی حالت میں شہر بغداد سے نکلے اور شہر سامرہ میں پہنچے اور قصد کیا کہ چندے یہاں قیام کیا جائے مگر پھر اپنی گھر کی پریشانی اور عدم اطمینانی کی وجہ سے یہاں بھی طبیعت نہیں لگی اور گھر واپس جانیکی پوری نیت ہو گئی۔ الغرض وہاں سے چلا راستہ ہی میں تھا کہ پھر وہی بزرگ میرے پاس تشریف لائے انھوں نے ایک خط نکالکر مجھے دیا جو میرے اہل وعیال نے لکھا تھا اسکی عبارت یہ تھی "الحمد للہ اب شہر میں امن وامان ہو گیا اب تم چلے آؤ"۔

(۱۲) راویانِ سابقین رحمہا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مال امام علیہ السلام میں سے ایک ہزار دینار جو حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ نے بھیجے تھے وہ میرے پاس امانتاً جمع تھے۔ میں نے قصد کیا کہ وہ تمام وکمال رقم خدمت امام علیہ السلام میں پہنچادی جائے۔ اس لئے ہم لوگ بمعیت ابو الحسین اور اسحٰق ابن جنید روانہ ہوئے۔ ابو الحسین نے وہ خرجین (تھیلی) جس میں وہ مال رکھا تھا اٹھالی۔ جب ہم لوگ اُس محلہ میں جو قبر ابو حنیفہ سے قریب ہے پہنچے تو ہم لوگوں نے اُن گدہوں کو تلاش کرنا شروع کیا جن کو ہم قبل سے کرایہ کر چکے تھے۔ اسی تجسس وتلاش میں جب ہم قریہ ناطول کے قریب پہنچے۔ تو ہم نے آخرکار ابو الحسین سے کہا کہ تم خرجین کو لئے ہوئے دوڑ کر قافلہ سے ملجاؤ۔ اور ہم یہاں کرایہ کا ایک گدھا ابن اسحٰق کے واسطے پیدا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ بوڑھا آدمی ہے۔ بغیر سواری کے پیدل نہیں جا سکتا۔ اور نہ کبھی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے نہایت دقت سے کرایہ کا ایک خچر پیدا کیا اور اُس پر اسحٰق کو سوار کر کے قریہ حیدہ کے قریب قافلہ کو آلیا۔ اور پھر وہاں سے ہم لوگ ہمراہی قافلہ روانہ ہوئے راستہ میں میں نے ابو الحسین کو خرجین اٹھائے ہوئے دیکھکر کہا کہ خدا کا شکر ادا کرو کہ اُس نے یہ منصب عالی تمہیں عطا فرمایا۔ اُس نے جواب میں کہا البتہ میں خدائے سبحانہ وتعالیٰ کی اس عنایت خاص کیلئے شکر بجالاتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیشہ یہ مبارک خدمات مجھ سے لیا کرے۔ الغرض تھوڑے عرصے کے بعد ہم لوگ بخیر وعافیت شہر سامرہ میں داخل ہو گئے۔ اور وہ تمام وکمال مال وکیل امامؑ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ وکیل نے وہ رقم ایک رومال میں باندھکر ایک غلام حبشی کی معرفت آپ کی خدمت میں بھیجدی۔ عصر کے وقت ابو الحسین وہ خالی بقچہ میرے پاس اٹھا لائے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت ابو قسم وکیل امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ وہ غلام حبشی جو رومال میں تمہارا مرسلہ مال لیکر بھیجا گیا تھا یہ روپیہ لایا ہے۔ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں یہ روپیہ اس شخص کو دیدوں جو یہ مال اپنی پشت پر اٹھا کر لایا ہے۔ اور وہ ابو الحسین اسدی تھے ہم لوگوں نے وہ روپے ان سے لے لئے۔ ابو الحسین اسدی اُس وقت ہمارے پاس موجود نہیں تھے۔ کچھ دیر کے بعد آئے

تو بغیر ہماری کسی تحریک کے کہنے لگے کہ اثنائے سفر میں جب تم بمقام حیرہ ہم سے آملے تو ہم نے اپنے دل میں اس وقت یہ آرزو کی تھی کہ کیا اچھا ہوتا اگر جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے حضور سے کچھ روپے مجھے عنایت فرمائے جاتے تو میں انہیں تبرک سمجھکر اپنے پاس رکھتا۔ ایک مرتبہ میں نے اور ایسی ہی تمنا کی تھی جس وقت ہم تم دونوں فوج میں نوکر تھے۔ ان سے یہ روئداد سُن کر فرطِ مسرت کے مارے مجھ سے تحمل اور ضبط نہ ہوسکا اور بیساختہ ابوالحسین کو گلے سے لگا کر کہنے لگا کہ لو۔ جو خدائے واہب العطایا نے تمہاری استدعا کے مطابق تمہیں عطا فرمایا ہے۔ ابوالحسین اسدی نے بکمال مسرت وہ روپے مجھ سے لئے اور الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی محمد وآلہ الطیبین والطاہرین کہکر اپنے پاس رکھ لئے۔

بہرحال۔ ہم نے اتنے واقعات اپنے بیان کی تصدیق میں لکھدیئے جو ہمارے مدعائے تالیف کو پورے طور سے ثابت کرتے ہیں۔ ان مشاہدات اور خاص معاملات کو پڑھکر یہ شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ غیبت صغریٰ کے ایام میں آپ کے باطنی نظام تمام لوگوں کے انجاح مطالب اور رفع حوائج کیلئے ویسے ہی مویّد معاون اور مفید ثابت ہوتے ہیں جیسے اور آئمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی ظاہری امامت کے نصاب۔ ان تمام واقعات کو غور سے پڑھکر بخوبی یہ تصفیہ کرلیا جاسکتا ہے کہ تفقد احوال الناس یا فلاح وصلاح عامہ کی بابت وہ کونسے امور رہ گئے ہیں جو آپ کے موجودہ نظام میں داخل نہیں پائے جاتے۔ ہمارا ذاتی خیال جہانتک کام کرتا ہے۔ ہمیں یہ امر پورے طور سے ثابت ہوتا ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام ان مطالب ومقاصد کے متعلق نہیں چھوڑا گیا ہے۔ اور تمام لوگوں کی استدعا۔ تمنا اور حاجت اُن کی خواہشوں کے مطابق پوری فرمادی گئی ہیں۔ جس نے جیسی خواہش جسوقت کی یا جیسی درخواست اور جیسی استدعا آپکی خدمت بابرکت میں کی ویسی ہی پوری فرمادی گئی۔ جیساکہ اوپر کے واقعات سے مفصل اور مسلسل طور پر ظاہر ہوگیا۔

آپ کے اِن اقسامِ نظام کو تمام کرکے اب ہم آپ کے وہ مخصوص احکام بیان کرنیکا شرف حاصل کرتے ہیں جو خاص طور پر اجرائے احکام شریعت اور احیائے سنتِ نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق نافذ فرمائے گئے ہیں۔

اجرائے شریعت اور احیائے سنّت

(۱) چند مسائل کی تحقیق میں بعض فریب پیشہ حضرات کا یہ دعویٰ تھا کہ یہ جنابِ قائم آل محمد علیہ السلام کے جواب نہیں ہیں۔ بلکہ ہمارے کمال استعداد اور جامعیت کے خاص نمونے ہیں۔ یہ دعویدار شلمغانی حضرت تھے۔ جن کی عالم فریبی کی پوری حقیقت ہم ایک جداگانہ بحث میں عنقریب لکھیں گے۔ انشاء اللہ المستعان۔ بہرحال یہ مسائل اور ان کے جواب لکھکر ناحیہ مقدسہ میں بھیجے گئے۔ اُن کے جواب میں جو توقیع حضراتِ سائلین کے نام برآمد ہوئی اس کی عبارت یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَدْ وَقَفْنَا عَلٰى هٰذِهِ الرُّقْعَةِ وَمَا تَضَمَّنَتْهُ فَجَمِيْعُهُ جَوَابُنَا وَلَا مَدْخَلَ لِلْمَخْذُوْلِ الضَّالِّ الْمُضِلِّ الْمَعْرُوْفِ بِالْعَزَاقِرِيِّ لَعَنَهُ اللّٰهُ فِيْ حَرْفٍ مِنْهُ وَقَدْ كَانَتْ اَشْيَاءُ خَرَجَتْ اِلَيْكُمْ عَلٰى يَدَيْ اَحْمَدَ بْنِ بِلَالٍ وَغَيْرِهِ مِنْ نُظَرَائِهِ وَكَانَ مِنِ ارْتِدَادِهِمْ عَنِ الْاِسْلَامِ مِثْلُ مَا كَانَ مِنْ هٰذَا عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ غَضَبُهُ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ تمہارے خط کے مضامین سے میں مطلع اور آگاہ ہوا۔ تم نے اُن سوالات کے متعلق جن کو اپنے خط میں لکھا ہے۔ مجھ سے پوچھا ہے۔ میں تم لوگوں کو مطلع کرتا ہوں کہ وہ تمام میرے ہی جواب ہیں اور اُن میں اُس رسوا گمراہ اور گمراہ کنندہ خلائق جسکو عزاقری کہتے ہیں۔ خدا کی اس پر لعنت ہو۔ اُسکا ایک حرف بھی داخل نہیں ہے۔ اور اس سے قبل جواب احمد ابن بلال وغیرہ کی معرفت جاچکا ہے جو اُسکے ارتداد عن الاسلام سے بخوبی واقف ہوچکے ہیں۔ خدا کی لعنت اور غضب اُن سب پر ہو۔

(۲) اِن توقیعاتِ مبارکہ کی نسبت جو دائرہ مومنین میں آپ کی طرف منسوب کی جاتی تھیں پوچھا گیا تو ذیل کی عبارت میں صدورِ حکم فرمایا گیا۔ اِلَّا مَا اسْتَثْبَتَّ فَاِنَّهُ لَا ضَرَرَ فِيْ خُرُوْجِ عَلٰى اَيْدِيْهِمْ وَاِنَّ ذٰلِكَ لَصَحِيْحٌ۔ یعنی جن احکام

کی بابت یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں شخص معتمد کی معرفت یہ حکم نافذ ہوا ہے تو اس کے صحیح ماننے جاننے میں کوئی ضرر نہیں ہے۔

(۳) ایک بار ایسا ہی واقعہ اور پیش ہوا تھا جس میں پوری صراحت کے ساتھ ذیل کے احکام صادر فرمائے گئے تھے۔ اَلْعِلْمُ عِلْمُنَا وَلَا شَیْءَ عَلَیْکُمْ مِنْ کُفْرِ مَنْ کَفَرَ فَمَا صَحَّ لَکُمْ مِمَّا خَرَجَ عَلٰی یَدِہٖ بِرِوَایَۃِ غَیْرِہٖ مِنَ الثِّقَاتِ رَحِمَہُمُ اللّٰہُ فَاحْمَدُوا اللّٰہَ وَاقْبَلُوْا وَمَا شَکَکْتُمْ فِیْہِ اَوْ لَمْ یَخْرُجْ اِلَیْکُمْ فِیْ ذٰلِکَ اِلَّا عَلٰی یَدِہٖ فَرُدُّوْہُ اِلَیْنَا لِنُصَحِّحَہٗ اَوْ نُبْطِلَہٗ فَاللّٰہُ تَقَدَّسَتْ اَسْمَآئُہٗ وَجَلَّ ثَنَاؤُہٗ وَلِیُّ تَوْفِیْقِکُمْ وَحَسْبُنَا فِیْ اُمُوْرِنَا کُلِّهَا وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ (یعنی اصل علم ہمارا علم ہے۔ اور جو شخص کہ کافر ہو گیا اس کے کفر سے تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ پس اگر کوئی حکم (توقیع) کسی ایسے شخص کے ذریعے تمہیں معلوم ہوا اور اسکی صحت علمائے ثقہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی کر دی ہو تو تم اسوقت اپنے پروردگار کا شکر بجالاؤ اور اُس میرے حکم کو قبول کرلو۔ اور ایسے احکام جن کیلئے کوئی توقیع برآمد نہیں ہوئی اور تم نے اُس کی نسبت کسی گمراہ یا غیر معتبر شخص کی زبانی کوئی حکم سُنا ہے اور اب اس کے کرنے اور نہ کرنے میں تمہیں تامل ہے تو تم اس حکم کو فوراً ہماری طرف رجوع کر دو۔ ہم تمکو اُس کے صحیح حکم سے آگاہ کر دینگے اور بتلا دینگے کہ یہ حکم صحیح ہے یا نہیں۔ اور خدا تعالیٰ کا اسم مقدس پاک و اور وہی قابلِ ستائش ہے اور وہی تمہارا توفیق دہندہ ہے اور ہر امر میں تمہارا کفایت کرنے والا۔ اور وہی سب اچھا ہمارا وکیل اور کفیل ہے۔

(۴) حضرت قسم ابن علار رضی اللہ عنہ نے ایک طول وطویل اور پر تفصیل عریضہ خدمت اقدس میں تحریر فرمایا اور یہ مضمون اس میں قلمبند کیا کہ" میرے شہر میں ایک جماعت کے لوگ ہیں جو استظہار حق کے خواہاں ہیں۔ اِن لوگوں کے نام جو گرامی نامہ حمایتِ دین کے متعلق تحریر ہوا تھا پہنچا علی ابن محمد ابن حسین ابن مالک مشہور بہ ابن مادولہ جوص کے داماد ہیں۔ ان کا نام اس گرامی نامہ میں داخل نہیں ہے اپنا نام تحریر نہ پاکر وہ نہایت محزون و ملول ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنی تائید آپکے امور میں نازل فرمائے۔ اب علی ابن محمد نے مجھے اس امر خاص میں خواستگاری کی ہے کہ آپکی خدمت میں اُن کی طرف سے عفو تقصیر کیلئے استدعا کی جائے کہ آپ اپنے اخلاق کریمانہ سے ان کے قصور کو معاف فرمائیں اور ان کے نام نہ لکھے جانیکی وجہ تحریر فرما دیں۔ اگر حقیقت میں اُن سے خطا واقع ہوئی ہو تو وہ اُس سے توبہ و انابت کریں اور اگر کوئی ایسا امر لاحق نہیں ہوا تو اپنی تحریر گرامی سے اُن کی تسکین خاطر فرما دیجئے۔" اس طولانی عرضداشت کا جواب ان مختصر لفظوں میں مرحمت ہوا لَمْ نُکَاتِبْ اِلَّا مَنْ کَاتَبَنَا میں نے انہی کو خط لکھے جنہوں نے مجھے خط لکھے تھے۔

(۵) ابو العباس احمد ابن خضر کا بیان ہے کہ میں ایام غیبت صغریٰ میں آپ کی رویت اور زیارت کی تمنا میں ازحد بے چین تھا۔ اسی اثنا میں بغیر کسی تحریک کے ایک توقیع مبارک میرے نام برآمد ہوئی جس کی عبارت یہ تھی۔ مَنْ بَحَثَ فَقَدْ طَلَبَ وَمَنْ طَلَبَ فَقَدْ دَلَّ وَمَنْ دَلَّ فَقَدْ اَشَاطَ وَمَنْ اَشَاطَ فَقَدْ اَشْرَکَ ط یعنی" جس شخص نے میری جستجو کی وہ حقیقتاً میری تلاش میں میرے پیچھے پڑگیا۔ اور جو شخص میری تلاش میں میرے پیچھے پڑگیا وہ ضرور تمام خلائق کو میرا نشان بتلا دیگا۔ اور جس شخص نے خلائق کو میرا نشان بتلا دیا وہ میرے قتل وہلاکت کا باعث ہوا۔ اور جو شخص میرے قتل وہلاکت کا باعث ہوا وہ مشرک بھی ہوا اور کافر بھی۔" ابو العباس کا بیان ہے کہ اس توقیع مقدس کے پڑھتے ہی جس کے لفظ لفظ اور حرف حرف سے آپ کے حسن تدبیر اور نظام امامت کے اعلیٰ جوہر نمایاں ہوتے تھے۔ میرے تمام اشتیاق اور برسوں کی تمناؤں کا خاتمہ ہوگیا اور اسرارِ مشیت کی سطوت و عظمت مجھ پر اس طرح طاری ہو گئی کہ میں نے یہ قصد اور یہ خیال ہمیشہ کے لئے اپنے دل سے نکال ڈالا۔ اور پھر کبھی اس کی طرف کوئی خیال نہیں کیا۔

(۶) سائل نے نماز جناب جعفر طیار علیہ السلام کی نسبت استفسار کیا کہ حالتِ قیام میں یا رکوع و سجود کی حالتوں میں ذکر تسبیح اس سے سہو ہوگیا۔ اور نماز تمام ہونے سے پہلے ذکر سہو شدہ کا اسکو خیال آگیا تو ایسی حالت میں وہ اپنے سہو کردہ ذکر تسبیح کو ادا کرے

یا نماز کو تمام کرلے۔ بعد اس کے ذکر تسبیح کو ادا کرے؟ سائل کے سوال کا جواب توقیع خاص کے ذریعہ اس عبارت میں عنایت فرمایا گیا:۔ اِذَا هُوَ سَهَا فِي حَالَةٍ مِّنْ ذٰلِكَ ثُمَّ ذَكَرَ فِي حَالَةٍ اُخْرٰى قَضٰى مَا فَاتَهُ فِي حَالَةِ الَّتِيْ ذَكَرَ ؕ جب ایسی حالتوں میں سے کسی حالت میں سہو واقع ہو اور وقت گزر جانیکے بعد وہ یاد آئے تو جو چیز کہ اس سے فوت ہو گئی ہے ادا کر سکتا ہے اسی حال میں جس میں یاد آجائے۔

(۷) زن و شوہر کے معاملات میں پوچھا گیا کہ آیا عورت اپنے شوہر کی مشایعت جنازہ میں شریک ہو سکتی ہے۔ جواب میں ارشاد ہوا۔ تَخْرُجُ فِي جَنَازَتِهٖ ؕ مشایعت جنازہ کرسکتی ہے۔

(۸) پھر دریافت کیا گیا کہ بیوہ کو ایام عدت میں اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تحریر فرمایا گیا۔ تَزُوْرُ قَبْرَ زَوْجِهَا وَلَا تَبِيْتُ عَنْ بَيْتِهَا ؕ شوہر کی قبر کی زیارت کرسکتی ہے۔ مگر رات کے وقت اپنے گھر سے باہر نکلنا اُسے جائز نہیں ہے۔

(۹) پھر استفسار کیا گیا کہ وہ اپنے کار ضروری کے لئے بھی ایسی حالت میں باہر جاسکتی ہے؟ حکم ہوا۔ اِذَا كَانَ لَهَا حَقٌّ خَرَجَتْ فَقَضَتْهُ وَاِذَا كَانَتْ لَهَا حَاجَةٌ وَلَمْ يَكُنْ لَهَا مَنْ يَنْظُرُ فِيْهَا خَرَجَتْ لَهَا حَتّٰى تَقْضِيَ وَلَا تَبِيْتُ عَنْ مَنْزِلِهَا ؕ اگر اس کو کسی شخص غیر سے اپنا کوئی حق لینا ہے تو وہ اس سے لے سکتی ہے اور اس کے لئے باہر جاسکتی ہے اور اگر اس کے علاوہ کوئی کام ہو اور کوئی دوسرا کام کرنیوالا اس کے عوض میں موجود نہ ہو تو وہ باہر جاسکتی ہے مگر رات کے وقت البتہ اپنا گھر نہیں چھوڑ سکتی۔

(۱۰) دریافت کیا گیا کہ کتب اعمال مثل "ثواب القرآن فی الفرائض" وغیرہما میں وارد ہے کہ آپکی خدمت سے حکم ہوا ہے کہ مجھے سخت تعجب ہوتا ہے اس شخص کی غفلت پر جو اپنی نماز میں سورہ انا انزلناہ کی تلاوت اور قرأت کو ترک کرتا ہے میں نہیں سمجھتا کہ اس کی نماز کیسے مقبول بارگاہ احدیت ہوتی ہے پھر دوسری جگہ حکم ہوا ہے کہ وہ نماز کسی طرح خیر و بہتر نہیں کہی جاسکتی جس میں سورہ قل ہو اللہ احد کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ پھر تیسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو شخص اپنی نماز میں سورہ ہمزہ کی تلاوت کرتا ہے وہ دولت دنیا پر فائز ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں جائز ہے کہ سورہائے انا انزلناہ اور قل ہو اللہ کو ترک کرکے سورہ ہمزہ کی تلاوت کیجائے۔ اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ ان دونوں سوروں کے ترک کرنے میں اجابت و قبولیت نماز میں احتمال واقع ہوتا ہے۔ اسکا جواب توقیع مبارک کی مفصلہ ذیل عبارت میں تحریر فرمایا گیا۔ توقیع اَلثَّوَابُ فِي السُّوَرِ عَلٰى مَا قَدْ رُوِيَ وَاِذَا تَرَكَ سُوْرَةً مِّمَّا فِيْهَا الثَّوَابُ وَقَرَءَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَاِنَّا اَنْزَلْنٰهُ لِفَضْلِهَا اُعْطِيَ ثَوَابَ مَا قَرَءَ وَثَوَابَ السُّوْرَةِ الَّتِيْ تَرَكَ وَيَجُوْزُ اَنْ يَقْرَاَ غَيْرَهَا تَيْنِ السُّوْرَتَيْنِ وَتَكُوْنُ صَلٰوتُهٗ تَامَّةً وَلٰكِنْ يَكُوْنُ تَرَكَ الْفَضْلَ ؕ ثواب ان سوروں کی تلاوت کا ایسا ہی ہے جیسا کہ وارد کیا گیا ہے اور اگر کوئی سورہ ان سوروں میں سے جن کا ثواب لکھا ہے ترک کردے اور بجائے اس کے سورہ قل ہو اللہ احد اور سورہ انا انزلناہ انکی فضیلت کی وجہ سے پڑھے تو ثواب اُن سوروں کا جو اُسنے پڑھے اور ان سوروں کا بھی جو اُس نے ترک کردیے دونوں اُسکو عطا کئے جائینگے اور یہ بھی جائز ہے کہ ان دونوں سوروں کے سوا دوسرے سورے بھی پڑھے جائیں۔ ان کی نماز تمام ہو جائیگی۔ لیکن فضیلت کا ثواب اُسے نہیں ملیگا۔

(۱۱) وداع رمضان المبارک کی نسبت پوچھا گیا کہ عموماً وداع ماہ مبارک رمضان شب آخر میں پڑھی جاتی ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ روز آخر جب ہلال عید نمودار ہو پڑھنا چاہیے۔ ان دونوں صورتوں میں کون صورت اختیار کیجائے جواب میں ارشاد ہوا اَلْعَمَلُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فِي لَيَالِيْهِ وَالْوَدَاعُ يَقَعُ فِي اٰخِرِ لَيْلَةٍ مِّنْهُ فَاِنْ خَافَ اَنْ يَّنْقُصَ جَعَلَهٗ فِي لَيْلَتَيْنِ ؕ اعمال ماہ مبارک رمضان تمام تر رات کو کئے جاتے ہیں اس لئے وداع بھی آخر شب میں کرنی چاہیے۔ اگر کمی ایام کا خیال

ہے تو دونوں راتوں (انتیس[۲۹] اور تیس[۳۰]) کو وداع کریں

(۱۲) نماز کے بارے میں پوچھا گیا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے جب تشہد اوّل سے فارغ ہوا اور تیسری رکعت کیواسطے کھڑا ہوا تو اس کیلئے تکبیر کہنا واجب ہے یا نہیں بعضے اس کے وجوب کے قائل نہیں۔ صرف بِحَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ قُوَّتِہٖ اَقُوْمُ وَ اَقْعُدُ کے ذکر کو کافی سمجھتے ہیں۔ اس مسئلہ کے جواب میں ارشاد ہوا حَدِیْثَیْنِ اَمَّا اَحَدُھُمَا فَاِنَّہٗ اِذَا انْتَقَلَ مِنْ حَالٍ اِلٰی اُخْرٰی فَعَلَیْہِ تَکْبِیْرٌ وَ اَمَّا الْاٰخِرُ فَاِنَّہٗ رُوِیَ اَنَّہٗ اِذَا رَفَعَ رَأْسَہٗ مِنَ السَّجْدَۃِ الثَّانِیَۃِ فَکَبَّرَ ثُمَّ جَلَسَ ثُمَّ قَامَ فَلَیْسَ عَلَیْہِ لِلْقِیَامِ بَعْدَ الْقُعُوْدِ تَکْبِیْرٌ وَکَذٰلِکَ التَّشَہُّدُ الْاَوَّلُ یَجْرِیْ ھٰذَا الْمَجْرٰی وَ بِاَیِّھِمَا اَخَذْتَ مِنْ جِھَۃِ التَّسْلِیْمِ کَانَ صَوَابًا۔ اس میں دو حدیثیں وارد ہیں ایک یہ ہے کہ جب مصلّی ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو تو اس وقت اُس کو تکبیر کہنا واجب ہو جاتا ہے اور دوسری یہ ہے کہ سجدۂ دومی سے سر اٹھایا تو تکبیر کہنا واجب ہو گیا۔ پھر بیٹھ جائے۔ پھر اُٹھے۔ پس بیٹھنے کے بعد اٹھنے کیلئے اسے تکبیر کہنا واجب نہیں ہے اور اسی طرح تشہد اول کی بھی صورت ہے اور ان دونوں صورتوں میں سے جس پر عمل کیا جائے وہ صحیح ہوگا۔

(۱۳) قربانی کے متعلق سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنے دوست سے کہا کہ اُس کے ہَدی کیلئے اونٹ مول لے کر اسکی طرف سے منیٰ میں نحر کر دے۔ چنانچہ اس شخص نے اونٹ تو خرید لئے مگر قربانی کرتے وقت اس کا نام لینا بھول گیا۔ جب ذبح کر چکا تو نام یاد آیا۔ تو ایسی قربانی اس شخص اصلی کی طرف سے صحیح ہوگی یا نہیں؟ جواباً قلمی ہوا۔ لَا بَاْسَ بِذٰلِکَ وَ قَدْ اَجْزٰی عَنْ صَاحِبِہٖ۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اس کے دوست کی طرف سے جائز ہے۔

(۱۴) ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا کہ ایک شخص کو تحصیل اموالِ موقوفات کا عہدہ سپرد ہے اور وہ اُن اموال کو جو اُسکے قبضہ میں ہیں اپنے جیسے حلال جانتا ہے اور اموالِ موقوفات کے لینے سے کوئی پرہیز نہیں کرتا۔ ایسی حالت میں مجھکو اکثر اُن دیہات میں جانیکا اتفاق ہوا جو اس کے زیر انتظام ہیں اور اسکو میں اکثر وہاں پاتا ہوں اور مجھے اُسکے پاس جانے کا بھی اتفاق ہوتا ہے اور اکثر کھانے کا وقت بھی ہو جاتا ہے۔ وہ مجھے کھانیکی تکلیف دیتا ہے۔ اگر میں اُسکے کھانے سے انکار کرتا ہوں تو وہ مجھ سے سخت عداوت کرتا ہے اور اسکی موجودہ عداوت میری مختلف اقسام کی مضرت کا باعث ہوتی ہے ایسی خاص حالت میں مجھے اُسکا کھانا کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟۔ اور اگر میں اسکے کفارہ میں تصدق کرنا چاہوں تو اس تصدق کی کیا مقدار ہونی چاہیئے اور اگر یہ وکیلِ موقوفات کسی شخص کے پاس کوئی شے کھانے کی ہدیہ کے طور پر بھیجتا ہو اور اتفاق وقت سے میں بھی اس کے پاس موجود ہوں اور وہ مجھ سے کہے کہ اس میں سے کچھ کھالو یا اپنے گھر لیجا۔ حالانکہ مجھے خوب معلوم ہے کہ فرستادۂ ہدیہ۔ وکیل موقوفات۔ ان اموال موقوفات کے تصرف میں کوئی خوف نہیں کرتا ہے تو اگر وہ ہدیہ میں لے لوں یا اس میں سے کچھ اپنے گھر لیجاؤں تو میرے اس عمل میں سے خاص میرے لئے کوئی حرج ہوگا یا نہیں؟ اس کا جواب ذیل کی عبارت میں مرحمت کیا گیا اِنْ کَانَ لِھٰذَا الرَّجُلِ مَالٌ اَوْ مَعَاشٌ غَیْرُ مَا فِیْ یَدِہٖ فَکُلْ طَعَامَہٗ وَ اَقْبِلْ بِرَّہٗ وَ اِلَّا فَلَا۔ اگر اس شخص کی کوئی جائداد یا آمدنی سوائے اموالِ موقوفات کے اس کے اختیار میں ہے تو اس کا کھانا بھی کھایا جا سکتا ہے اور تحفہ بھی لیا جا سکتا ہے اور اگر دوسری معاش نہیں ہے تو جائز نہیں ہوگا۔

(۱۵) ارکانِ نمازِ واجب وسنت اور سجدۂ شکر کی نسبت استفسار کیا گیا کہ نمازِ واجب میں مصلّی قنوت کی دعا پڑھکر اپنے ہاتھ اپنے منہ اور سینہ کی طرف سیدھا کر لیتا ہے۔ مطابق اُس روایت کے کہ وارد ہوا ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اِس سے کہیں زیادہ بزرگ ہے کہ وہ اپنے بندے کے ہاتھوں کو دعا کرنے کے بعد خالی پھیر دے بلکہ وہ اپنی رحمت سے اُس کے ہاتھوں کو لبریز کر دیتا ہے اور دوسری روایت کی رو سے ہاتھوں کو منہ پر پھیر لیا منقول ہوا ہے۔ آیا یہ

عمل جائز ہے یا نہیں۔ بعض علماء سے مروی ہے کہ نماز میں دونوں صورتوں میں سے صرف ایک ہی پر عمل جائز ہو سکتا ہے۔ جواب میں ارشاد فرمایا گیا۔ رَدُّ الْیَدَیْنِ مِنَ الْقُنُوْتِ عَلَی الرَّأْسِ وَالْوَجْهِ غَیْرُ جَائِزٍ فِی الْفَرَائِضِ وَالَّذِیْ عَلَیْهِ الْعَمَلُ فِیْهِ اِذَا رَفَعَ یَدَهٗ فِیْ قُنُوْتِ الْفَرِیْضَةِ وَفَرَغَ مِنَ الدُّعَاءِ اَنْ یَرُدَّ بَطْنَ رَاحَتِهٖ مَعَ صَدْرِهٖ تِلْقَاءَ رُکْبَتَیْهِ عَلٰی تَمَهُّلٍ وَیُکَبِّرُ وَیَرْکَعُ وَالْخَبَرُ وَهُوَ فِیْ نَوَافِلِ النَّهَارِ وَاللَّیْلِ دُوْنَ الْفَرَائِضِ وَالْعَمَلُ بِهٖ فِیْهِمَا اَفْضَلُ۔ نماز واجبی میں ہاتھوں کو سر اور منہ پر پھیرنا جائز نہیں ہے اور جس چیز کے ساتھ نماز واجبی میں عمل کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جب مصلی قنوت پڑھ چکے تو وہ اپنے ہاتھوں کو آہستگی اور سہولت کے ساتھ اپنے سینے کے مقابل لاکر اپنے زانو تک پہنچائے اور تکبیر کہے اور پھر رکوع میں جلد چلا جائے۔ منہ پر ہاتھ پھیر لینے کی خبر بھی صحیح ہے مگر نوافل شب و روز میں نہ کہ نماز ہائے واجب میں۔ اور نوافل میں اس عمل کے ساتھ بجالانا۔ یعنی ہاتھوں کو منہ پر پھیرنا افضل ہے۔

(۱۶) سجدۂ شکر کے بارے میں پوچھا گیا کہ نماز واجبی کے ساتھ سجدۂ شکر واجب ہے یا نہیں۔ کیونکہ بعض اسکو بدعت بتلاتے ہیں تو نظر بر آں نماز فرائض میں واجب نہیں اور اگر واجب بھی ہے تو اس کا وجوب صرف نماز مغرب اور اس کے بعد کی چار رکعتہائے نوافل تک محدود و مخصوص ہوگا آیا حکم صحیح ہے اور اس پر عمل جائز ہوگا یا نہیں؟ اس مسئلہ کا جواب ذیل کی عبارت میں صادر ہوا۔ سَجْدَةُ الشُّکْرِ مِنَ الْزَمِ السُّنَنِ وَاَوْجَبِهَا وَلَمْ یَقُلْ اَنَّ هٰذِهِ السَّجْدَةَ بِدْعَةٌ اِلَّا مَنْ اَرَادَ اَنْ یُحْدِثَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ بِدْعَةً وَاَمَّا الْخَبَرُ مَرْوِیٌّ فِیْهَا بَعْدَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ لَا خِلَافَ فِیْ اَنَّهَا بَعْدَ الثَّلَاثِ اَوْ بَعْدَ الْاَرْبَعِ فَاِنَّ الدُّعَاءَ وَالتَّسْبِیْحَ بَعْدَ الْفَرَائِضِ عَلَی الدُّعَاءِ تَعْقِیْبَ النَّوَافِلِ کَفَضْلِ الْفَرَائِضِ عَلَی النَّوَافِلِ وَالسَّجْدَةُ دُعَاءٌ وَتَسْبِیْحٌ وَالْاَفْضَلُ اَنْ تَکُوْنَ بَعْدَ الْفَرْضِ فَاِنْ جُعِلَتْ بَعْدَ النَّوَافِلِ اَیْضًا جَازَ۔ یعنی سجدۂ شکر لازم ترین سنت واجب سے ہے اور کبھی کسی نے اسکو بدعت نہیں بتلایا۔ مگر اس شخص نے جس نے خود دینِ خدا میں احداث و اختراع کیا ہوگا۔ اب اس امر کا جواب کہ سجدۂ شکر خصوصاً بعد از نماز مغرب و قبل از چہار رکعت نوافل مغرب کے ساتھ لازم ہے یہ ہے کہ دعا اور تسبیحات کی فضیلت جو بعد فرائض بجالائی جائیں اُن دعاؤں پر جو نوافل کے ساتھ ادا کی جائیں بعینہٖ ایسی ہیں جیسا کہ فرائض کے فضائل نوافل پر ثابت ہیں اور سجدہ اصل میں دعا و تسبیح ہے اور افضل یہی ہے کہ فرائض کے بعد بجالایا جائے اور اگر بعد نوافل بجالائیں تو بھی جائز ہوگا۔

(۱۷) بیع و شراء کے متعلق یہ سوال کیا گیا کہ ہمارے چند برادرانِ ایمانی ایسے ہیں جنہیں ہم پہچانتے ہیں۔ ایک قطعہ زمین نو آباد قید خانۂ شاہی سے ملحق ہے جس میں حاکمِ وقت کا بھی حصہ ہے۔ اور قبضہ۔ مگر جابرانہ اور محض غاصبانہ۔ اکثر اوقات بعضے اہلِ شہر اُسے بغیر اجازت جوت بو لیتے ہیں اور اس کی وجہ سے عمالِ شاہی ان کو سزا بھی دیتے ہیں اور حتی الامکان ملازمینِ سلطانی اس کی پیداوار پر قابض و متصرف ہونے سے اہل شہر کو باز رکھتے ہیں اس لئے وہ زمین بوجہ ویران رہنے کے کچھ ایسی قیمت بھی نہیں رکھتی اسلئے کہ کامل بیس برس سے محض افتادہ پڑی ہوئی ہے یہ مذکورۂ بالا برادرانِ ایمانی اس کے خریدنے سے انکار محض کرتے ہیں اسلئے کہ ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ قطعۂ زمین کسی زمانہ میں کسی شخص خاص نے وقف کیا تھا جسکو سلطان وقت نے جبراً لے لیا ہے۔ پس صورتِ مسطورہ میں اگر زمینِ مذکورہ کی بیع سلطانِ وقت کی طرف سے جائز ہے اور اس میں کوئی حرج شرعی نہیں ہے تو اس کا خرید لینا ہمارے برادرانِ مومنین کیلئے نہایت مفید اور نافع ثابت ہوگا۔ اور زمینِ مذکورہ بھی شاداب و آباد ہو جائیگی۔ اور وہ حصۂ زمین ایسا ہے کہ آسانی سے سیراب ہو سکتا ہے اور عمدہ پیداوار دے سکتا ہے۔ اور اگر اسکی بیع سلطانِ وقت کی جانب سے حلال نہیں ہے تو حکم امتناع جاری فرمایا جائے۔ جواب یہ آیا۔ اَلضَّیْعَةُ لَا یَجُوْزُ ابْتِیَاعُهَا اِلَّا مِنْ مَالِکِهَا اَوْ بِاَمْرِهٖ رِضًا مِنْهُ۔ سوائے مالکِ زمینِ مذکورہ کے بیع کئے ہوئے یا کم سے کم اس کا حکم یا اس کی رضا و استمزاج لئے ہوئے معاملہ مسطورہ صحیح و جائز نہیں ہوگا۔

(۱۸) کنیز اور غلام کے متعلق پوچھا گیا کہ ایک شخص نے اپنی ایک کنیز کو اپنے ایک غلام کیلئے حلال کر دیا۔ وہ کنیز بچہ جنی۔ اس مرد غلام کو اس کنیز کے بچہ دینے پر شک گزرا۔ مگر اس بچہ کو اپنا بچہ کہدینے کے سوا اس مرد غلام کو کوئی دوسرا چارہ نہیں ہوا آخر اُس نے قبول کر لیا مگر اس کے دل میں یہ شک ہمیشہ بنا رہا کہ یہ بچہ اُسکا نہیں ہے اسوجہ سے اس بچہ کو کبھی اپنے ساتھ نہیں رکھتا اور نہ اسکو اپنی اولاد و اعقاب میں داخل اور شامل سمجھتا ہے۔ پس اگر وہ بچہ بھی مثل اُن بچوں کے ہے جو اس مرد سے پوری نسبت رکھتے ہیں تو اس کیلئے ضروری ہے کہ اس کو بھی اپنی طرف مثل اپنی دوسری اولادوں کے منسوب کرے۔ یا اگر یہ بچہ اسکی اور اولاد سے حسب و نسب میں کمتر ہے تو وہ اپنی جائداد و اموال میں بمقابلہ دیگر اولاد کے اسکو کچھ کم حصہ دے۔ اس سوال کے جواب میں ذیل کی توقیع مبارک صادر فرمائی گئی۔ اَلْاِسْتِحْلَالُ الْمَرْءَةِ تَقَعُ عَلَی الْوُجُوْہِ وَالْجَوَابُ یَخْتَلِفُ فِیْھَا فَلْیُذْکُرِ الْوَجْہُ الَّذِیْ وَقَعَ الْاِسْتِحْلَالُ بِہٖ مَشْرُوْحًا لِیُعْرَفَ الْجَوَابُ فِیْمَا یُسْئَلُ عَنْہُ مِنْ اَمْرِ الْوَلَدِ اِنْشَاءَ الْمُسْتَعَانُ۔ ایک عورت کا حلال کیا جانا کئی وجہ سے واقع ہوتا ہے اسکی مختلف صورتیں ہوتی ہیں سائل کو صورت تحلیل پہلے لکھنی چاہیئے تاکہ بچہ کی پوری حقیقت سے جواب دیا جائے۔ انشاء اللہ المستعان۔

(۱۹) ۳۰۸ھ ہجری میں محمد ابن عبداللہ حمیری نے آپکی خدمت میں ایک بہت بڑا عریضہ لکھا اور یہ بیان کیا کہ ہماری قوم و ملت کے بعض ارباب علم و یقین اور اکثر خواتین با تمکین آج ۲۲ برس سے ماہ رجب کے روزے رکھتی ہیں اور اپنے اُن روزوں کو علی التسلسل شعبان و رمضان کے روزوں سے ملا دیتی ہیں بخلاف اس سیرت کے ہمارے بعض علما فرماتے ہیں کہ یہ روزے معصیت میں داخل ہیں۔ اس مسئلہ کے جواب میں ذیل کی عبارت تحریر فرمائی گئی۔ توقیع۔ یَصُوْمُ مِنْہُ اَیَّامًا اِلٰی خَمْسَۃَ عَشَرَ یَوْمًا ثُمَّ یَقْطَعُ اِلَّا اَنْ یَّصُوْمَہٗ عَنِ الثَّلٰثَۃِ الْفَائِتَۃِ لِلْحَدِیْثِ اَنْ نِعْمَ شَھْرُ الْقَضَاءِ رَجَبُ۔ ماہ رجب میں پندرہ روز تک تو روزہ رکھیں پھر منقطع کر دیں مگر اپنے قضا کردہ روزوں میں سے تین روزے اس مہینہ میں ضرور رکھ لیں کیونکہ اس امر میں حدیث خاص وارد ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ماہ رجب قضا روزوں کے ادا کرنیکے لئے سب سے اچھا مہینہ ہے

(۲۰) دریافت کیا گیا کہ ماموم اُس وقت شریک جماعت ہوا جب امام ذکر رکوع میں مشغول تھا۔ وہ اپنے موجودہ الحاق بالجماعت اور ذکر رکوع کو جو اس نے امام کے ساتھ کیا ہے رکعتِ فوت شدہ کے برابر جانتا ہے بخلاف اس کے بعض اصحاب کا خیال ہے کہ تاوقتیکہ یہ شخص اس تکبیر کی آواز کو جو امام پیش از رکوع کہتا ہے نہ سُن لے اپنے صرف ذکر رکوع یا محض اقتدائے امام جماعت کو ایک رکعت فوت شدہ کی جگہ نہیں شمار کر سکتا۔ اس مسئلہ کا جواب ان لفظوں میں قلمی ہوا۔ اِذَا لَحِقَ بِالْاِمَامِ مِنْ تَسْبِیْحِ الرُّکُوْعِ تَسْبِیْحَۃً وَّاحِدَۃً اُعْتُدَّ تِلْکَ الرَّکْعَۃَ وَاِنْ لَّمْ تَسْمَعْ تَکْبِیْرَۃَ الرُّکُوْعِ۔ اگر وہ شخص ایسی حالت میں بھی امام جماعت سے ملجاوے کہ جب اُسکو ذکر رکوع میں صرف ایکبار سبحان اللہ کہنے کو اور رہ گیا ہو تاہم اسکی ایک رکعت شمار میں آئیگی۔ خواہ اُس نے امام جماعت کی تکبیر قبل از رکوع کی آواز کو سنا ہو یا نہیں۔

(۲۱) دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے نماز ظہر کے بعد نماز عصر پڑھی جب نماز عصر کی دو رکعت پڑھ چکا تو اُسے خیال آیا کہ اس نے نماز ظہر کی کل دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ ایسی صورت میں اسے کیا کرنا چاہیئے جواب میں تحریر فرمایا گیا۔ اِنْ کَانَ اَحْدَثَ بَیْنَ الصَّلٰوۃِ حَادِثَۃً یَقْطَعُ بِھَا الصَّلٰوۃُ اَعَادَ الصَّلٰوتَیْنِ وَاِذَا لَمْ یَکُنْ اَحْدَثَ حَادِثَۃً جَعَلَ الرَّکْعَتَیْنِ الْاَخِیْرَتَیْنِ تَتِمَّۃً لِلصَّلٰوۃِ الظُّھْرِ وَصَلَّی الْعَصْرَ۔ اگر اُس نے درمیان نماز کے کوئی ایسا امر کیا ہے جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے تو اُسے دونوں نمازوں کا اعادہ کرنا چاہیئے۔ اور اگر ایسا امر کوئی اس سے سرزد نہیں ہوا ہے۔ تو ان دونوں رکعتوں کو جو اس نے نماز عصر کے حساب میں پڑھی ہیں نماز ظہر کے تتمہ میں محسوب کرے۔ بعد اس کے نماز عصر پڑھ لے۔

(۲۲) سوال ہوا کہ آیا اہل بہشت کے لئے توالد و تناسل بھی لازم آسکتا ہے یا نہیں؟ ناحیۂ مقدسہ سے اس مسئلہ کا جواب اس عبارت میں مرحمت فرمایا گیا۔ اِنَّ الْجَنَّۃَ لَا حَمْلَ فِیْھَا لِلنِّسَاءِ وَلَا وِلَادَۃَ وَلَا طَمْثَ

لَا نِفَاسَ وَلَا شَقَآءَ بِالطُّفُوْلِيَّةِ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِي الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ كَمَا قَالَ سُبْحَانَهٗ فَاِذَا اشْتَهَى الْمُؤْمِنُ وَلَدًا خَلَقَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِغَيْرِ حَمْلٍ وَّلَا وِلَادَةٍ عَلَى الصُّوْرَةِ الَّتِيْ يُرِيْدُ كَمَا خَلَقَ اٰدَمَ عِبْرَةً۔ عورتوں کو بہشت میں ولادت۔ حیض۔ نفاس اور تمام نسائی ضرورتوں کی کوئی حاجت نہیں ہوگی اور وہ تمام تکلیف و محنت جو ابتدائے طفولیت سے لیکر سنِ رشد تک اٹھانی ہوتی ہے وہ بھی ایک نہ ہوگی مگر چونکہ بہشت میں وہ تمام چیزیں فراہم ہونگی جن کی خواہشیں دلہائے مومنین کو ہوا کرتی ہیں اور جن کے نظارے اور سیر کی ضرورت عموماً آنکھوں کو ہوا کرتی ہے چنانچہ خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ قرآنِ مجید میں خود فرماتا ہے کہ مومن کو جس شے کی خواہش جس طرح اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے اُسی صورت اور اسی حالت کے مطابق خداوند تعالیٰ اس شئے مطلوبہ کو اس بندۂ مومن کے لئے پیدا کر دیتا ہے اور عورتوں کو بہشت میں حمل ہونے اور بچہ جننے وغیرہ کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ اور تمام اشیاء وہاں ایسی ہی مخلوق ہوں گی جیسے کہ حضرت آدم علیٰ نبینا و آلہ وعلیہ السلام کو اس نے عبرت اور تنبیہ خلائق کے لئے خاص طور پر بغیر ان معمولی ضرورتوں کے خلق فرمایا ہے۔

(۲۳) استفسار کیا گیا کہ ایک آدمی نے دوسرے سے مبلغ ایک ہزار روپیہ قرض لیا۔ اُسکے اس دعوی کے ثبوت میں اُسکے پاس شاہد کامل اور معارفِ صادق موجود ہیں۔ مگر اس کو ابھی اس کا دعوی رجوع کرنیکی ضرورت نہیں ہوئی تھی کہ اُس نے پھر اسی شخص کو ایک دوسرے تمسک کے ذریعہ سے پانچسو روپے قرض دیئے اور اس کے بھی کافی ثبوت اُسکے پاس موجود ہیں اسکے بعد اُس نے تیسرے تمسک کی رُو سے اس کو تین سو روپے اور دیئے اور اس کا ثبوت بھی رکھتا ہے۔ غرضکہ ان دونوں تو م تمسکات کے علاوہ وہ ایکہزار ہے جسکا دعوےٰ اس نے رجوع کیا ہے۔ مدعا علیہ بجواب دعوئے مدعی بیان کرتا ہے کہ ان تمام تمسکات کا کل روپیہ ایک ہزار ہے۔ جس کا دعوی پیش ہو چکا ہے۔ مدعی کو اس جواب مدعا علیہ سے قطعی انکار ہے مرقومہ میں وہ ہزار درہم ایک بار ادا کر دیا جائے یا بار بار کرکے سب تمسکاتِ مقیدہ کی ادا کاری لازم ہے اور ... بہ تمام و کمال رقم وہی ایکہزار رقم مدعا علیہ ہے یا علیحدہ علیحدہ ہزار۔ پانچسو اور تین سو۔ توقیع مبارک کے ذریعہ سے اس کو اس مسئلہ کا جواب ان الفاظ میں تحریر فرمایا گیا۔ يُؤْخَذُ مِنَ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ اَلْفُ دِرْهَمٍ وَهِيَ الَّتِيْ لَا شُبْهَةَ فِيْهَا وَيُرَدُّ الْيَمِيْنُ فِي الْاَلْفِ الْبَاقِيْ عَلَى الْمُدَّعِيْ فَاِنْ نَّكَلَ فَلَا حَقَّ لَهٗ۔ مدعا علیہ سے ایک ہزار روپیہ لینا چاہیے اور یہ وہی ایکہزار کی رقم ہے جسکی نسبت فریقین سے کسی کو بھی کوئی عذر اور کلام نہیں ہے۔ باقی ہزار درہم کے لئے مدعی سے شرعی قسم لیجاوے اگر وہ حلفِ شرعیہ سے انکار کرے تو حقیقت میں اسکو مدعا علیہ سے اس رقم کی وصولی کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

(۲۴) پوچھا گیا کہ خاکِ تربتِ جنابِ امام حسین علیہ السلام میت کیا تھ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ یا نہیں؟ جواب میں تحریر فرمایا گیا۔ تُوْضَعُ مَعَ الْمَيِّتِ فِيْ قَبْرِهٖ وَتُخْلَطُ بِحُنُوْطِهٖ اِنْشَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ خاکِ مرقدِ منور جناب امام علیہ السلام کو میت کی قبر میں رکھنا اور اس کے حنوط کے ساتھ شامل کرنا جائز ہے انشاء اللہ المستعان۔

(۲۵) استفسار کیا گیا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے فرزند گرامی حضرت اسمعیل کے کفن پر اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرمایا تھا۔ اِسْمٰعِيْلُ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ آیا ہم لوگوں کے لئے بھی ایسا ہی ... کے بار چہائے کفن پر اس کا لکھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور آیا ہم ان فقرات کو خاکِ تربتِ امام حسین علیہ السلام سے لکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب میں تحریر ہوا۔ يَجُوْزُ ذٰلِكَ۔ جائز ہے۔

(۲۶) پوچھا گیا کہ خاکِ تربتِ حضرت امام حسین علیہ السلام سے تسبیح تیار کرکے اس پر سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو اس میں کوئی فضیلتِ خاص بھی ہے یا نہیں؟ جواب میں حکم ہوا۔ تسبیح پڑھو اس سے افضل

شَیئٌ مِنَ التَّسْبِیحِ اَفْضَلُ مِنْہُ وَمِنْ فَضْلِہٖ اَنَّ الرَّجُلَ یَنْسیٰ التَّسْبِیحَ وَیُدِیرُ السُّبْحَۃَ فَیُکْتَبُ التَّسْبِیحُ ۔ تسبیح خاکِ شفا پر ذکر جائز ہے۔ کسی دوسری شئے پر ذکر تسبیح کو وہ فضیلت حاصل نہیں ہے جو اس پر۔ اور جو فضیلت مخصوصہ اس کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ذکرِ تسبیح کو بھول جائے اور صرف اسکے دانوں کو گردش دیا کرے تو اُسکو ذکرِ تسبیح کا پورا ثواب دیا جائیگا۔

(۲۷) پوچھا گیا کہ خاکِ پاک پر سجدہ صحیح ہے۔ اور اس میں بھی کوئی فضیلتِ خاص ہے؟ حکم ہوا۔ یَجُوزُ ذٰلِکَ وَفَضْلٌ مِنْہُ جائز ہے اور اس میں فضیلت بھی ہے۔

(۲۸) استفسار کیا گیا کہ ایک شخص زیارتِ قبورِ پرانوار حضراتِ آئمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کیلئے جایا کرتا ہے۔ اس کو اُن قبورِ مطہرہ کے آگے سجدہ جائز ہے یا نہیں۔ آیا یہ بھی اُس کے لئے جائز ہے کہ وہ قبرِ مطہرات کے نزدیک نماز پڑھے اور اگر نماز پڑھے تو قبرِ مطہر کی پشت پر کھڑا ہو۔ اور مزارِ خالص الانوار کو قبلہ کی طرف آگے لیلے۔ یا سرِ مطہر کی جانب استادہ ہو۔ یا بائیں جانب کھڑا ہو کر نماز ادا کرے۔ آیا جائز ہے کہ قبرِ منور کو اپنی پشت پر لیکر اُسکے آگے قبلہ کی طرف اس طرح کھڑا ہو کہ قبرِ مطہر اسکی پس پشت واقع ہو۔ ناحیۂ مقدسہ سے اِس کا جواب اِس عبارت میں صادر ہوا۔ اَمَّا السُّجُودُ عَلَی الْقَبْرِ لَا یَجُوزُ فِی نَافِلَۃٍ وَّلَا فَرِیْضَۃٍ وَّلَا زِیَارَۃٍ وَّ الَّذِی عَلَیْہِ الْعَمَلُ اَنْ یَّضَعَ خَدَّہُ الْاَیْمَنَ عَلَی الْقَبْرِ وَاَمَّا الصَّلٰوۃُ فَاِنَّھَا خَلْفَہٗ وَیَجْعَلُ الْقَبْرَ اَمَامَہٗ وَلَا یَجُوْزُ اَنْ یُّصَلِّیَ بَیْنَ یَدَیْہِ وَلَا عَنْ یَّمِیْنِہٖ وَلَا عَنْ یَّسَارِہٖ لِاَنَّ الْاِمَامَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ لَا یُتَقَدَّمُ عَلَیْہِ وَلَا یُسَاوٰی ۔ قبور پر سجدہ کرنا کسی صورت میں عام اِس سے کہ بقصدِ زیارت ہو یا نوافل یا فرائض جائز نہیں ہے۔ باقی رہا جس امر پر عمل ہو سکتا ہے وہ اتنا ہی ہے کہ سیدھے رخسارے کو قبرِ مطہر پر رکھے اور نماز ہر قبرِ منور کی پشت پر اس طرح ادا کرے کہ قبرِ منور کو اپنے مُنہ کے آگے رکھے۔ اور قبرِ مطہر کے آگے کھڑے ہو کر یا بالائے سر یا پائین یا نماز کا ادا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ امام علیہ السلام کے آگے کھڑا ہونا یا اُن کے برابر کھڑا ہونا یا اُن کے یمین و یسار کھڑا جائز نہیں ہے۔

(۲۹) پوچھا گیا کہ دو رکعتِ آخر نماز میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ بعض میں وارد ہے کہ اِن رکعات میں تنہا سورۂ حمد پڑھنا چاہیئے اور یہی کافی فضیلت رکھتا ہے اور بعض کے نزدیک تسبیح اربعہ کا پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہوتا ہے ان دونوں میں جسکو فضیلت ہو تحریر فرمایا جائے۔ جواب میں ارشاد ہوا۔ قَدْ نَسَخَتْ قِرَاْءَۃُ اُمِّ الْکِتَابِ فِیْ ھَاتَیْنِ الرَّکْعَتَیْنِ التَّسْبِیْحَ وَالَّذِیْ نَسَخَ التَّسْبِیْحَ قَوْلُ الْعَالِمِ عَلَیْہِ السَّلَامُ کُلُّ صَلٰوۃٍ لَّا قِرَاءَۃَ فِیْھَا فَھِیَ خِدَاجٌ اِلَّا لِلْعَلِیْلِ اَوْ مَنْ تَکْثُرُ عَلَیْہِ السَّھْوُ فَیَتَخَوَّفُ بُطْلَانَ الصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ ۔ ان دونوں رکعتوں میں سورۂ حمد کا پڑھنا تسبیحاتِ اربعہ کی قرأت کو منسوخ کر دیتا ہے اور وہ چیز کہ جس نے تسبیحات اربعہ کی قرأت کو منسوخ کر دیا ہے وہ قولِ امام علیہ السلام ہے کہ جو نماز بغیر سورۂ حمد پڑھی جاتی ہے وہ منقطع اور خالی از خیر ہے۔ مگر ہاں وہ شخص البتہ پڑھ سکتا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ اگر ہم سورۂ حمد پڑھیں گے تو ہم کو سہو ہو جائیگا یا ہمارا مرض بڑھ جائے گا۔

(۳۰) استفسار کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنے مال میں سے کچھ نذرِ خدا نکالا اور نیت کی کہ اپنے اس مال کو اپنے کسی برادرِ مومن پر ایثار کر دے گا مگر اس نیت کے بعد وہ اپنے عزیز و اقارب میں سے خاص ایک شخص کو محتاج پاتا ہے۔ تو کیا ہو سکتا ہے کہ بخلافِ نیتِ سابق وہ اپنے اس مال کو بجائے عام برادرانِ ایمانی کے اپنے اس عزیز اور قریب برادر کو حوالہ کر دے۔ ناحیۂ مقدسہ سے یہ جواب عنایت کیا گیا۔ یَصْرِفُہٗ اِلٰی اَدْنَاھُمَا وَاَقْرَبِھِمَا مِنْ مَّذْھَبِہٖ فَاِنْ ذَھَبَ اِلٰی قَوْلِ الْعَالِمِ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ الصَّدَقَۃَ وَبَیْنَ اَقْرِبَائِہٖ ذُوْرَحِمٍ مُّحْتَاجٌ فَلْیَقْسِمْ بَیْنَ الْقَرَابَۃِ وَبَیْنَ الَّذِیْ نَوٰی حَتّٰی یَکُوْنَ قَدْ اَخَذَ بِالْفَضْلِ کُلِّہٖ ۔ اُس مال کو ایسے شخصوں میں سے اسی کو دینا چاہیئے جو اُس کی قرابت میں عزیز تر اور قریب تر ہو۔ اگر چاہے تو اِس قولِ امام علیہ السلام پر عمل کر سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ ایسے شخص کا

صدقہ ہرگز قبول نہیں کرتا جو ایسی حالت میں صدقہ دوسروں کو دیتا ہے۔ جب اُسکی قرابت اور عزیزداری میں فقیر و محتاج خود موجود ہوتے ہیں۔ تحقیق کہ اسے لازم ہے کہ اپنے اُس مال کو اپنے عزیز محتج اور اس غیر شخص محتاج کے فیمابین تقسیم کر دے جسکی نسبت وہ پہلے سے نیت کر چکا ہے تاکہ اس کو دونوں فضیلتیں اور دونوں ثواب بیک وقت حاصل ہو جائیں۔

(۳۱) دریافت کیا گیا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام سے پوچھا گیا تھا کہ آیا لباس خز میں جو بالکل خرگوش کے بالوں سے تیار کیا جاتا ہے نماز پڑھنا جائز ہو گا یا نہیں؟ ارشاد ہوا تھا کہ نہیں۔ مگر حضور کی خدمت بابرکت سے ایک توقیع مقدس برآمد ہوئی ہے جس میں حکم جواز نافذ فرمایا گیا ہے۔ اب اِن دونوں احکام مطہرہ میں سے کس ایک پر عمل کرنے کی اجازت دی جاتی ہے؟ اس مسئلہ کا یہ جواب عنایت فرمایا گیا۔ اِنَّمَا حُرِمَ فِی هٰذِهِ الْاَوْبَارُ وَالْجُلُوْدُ فَاَمَّا الْاَوْبَارُ وَحْدَهَا فَلَا وَقَدْ سُئِلَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ عَنْ قَوْلِ الصَّادِقِ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَا یُصَلّٰی فِی الْاَذْنَبِ وَلَا بِالثَّوْبِ حِقِّ بِدَانِهٖ فَقَالَ اِنَّمَا عَنٰی بِالْجُلُوْدِ دُوْنَ غَیْرِهَا۔ اِن پشموں میں مع پوست کے نماز پڑھنا حرام ہے اور تنہا پشم والے کپڑے میں نماز پڑھنا حلال ہے اور بعض علما جو قول حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نقل کرتے ہیں اسکے یہ معنی ہیں کہ پوستِ روباہ میں جو مصلی کے بدن سے ملحق ہو نماز جائز نہیں ہے سوائے اِس کے کوئی دوسری مراد نہیں ہو سکتی ہے۔

واضح ہو کہ اوپر کے یہ چند سوالات وہ ہیں جن کو محمد ابن عبداللہ حمیری رضی اللہ عنہ نے جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں لکھکر استفسار کیا تھا۔ اِن کے جوابات کے آخر میں جو عبارت خاص دست مبارک سے اُنکو لکھی گئی تھی وہ یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ لَا لِاَمْرِ اللّٰهِ تَعْقِلُوْنَ وَلَا لِاَوْلِیَائِهٖ تَقْبَلُوْنَ حِکْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِهِ الصّٰلِحِیْنَ اِذَا اَرَدْتُمُ التَّوَجُّهَ بِنَا اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی وَاِلَیْنَا فَقُوْلُوْا کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی سَلَامٌ عَلٰی اٰلِ یٰسِیْنَ (طرز ترجمہ) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ احکام خدا و آئمہ سلام اللہ علیہم السلام کو نہ خود تم لوگ سمجھتے ہو اور نہ اُسپر خوض و غور کرتے ہو اور نہ اولیاء اللہ علیہم السلام کے سمجھانے سے سمجھتے ہو اور نہ ان کے احکام کو قبول کرتے ہو اور اسمیں بھی خدا کی حکمتِ بالغہ مضمر ہے کہ اُن قوموں کو حضراتِ انبیا و اولیا علیہم السلام کا بتلانا اور سمجھانا کوئی نفع نہیں بخشتا۔ سلام خدا ہو ہم پر اور اُن بندوں پر جو صالح اور نیکوکار ہیں جب تم کو یہ منظور ہو کہ ہم تمہاری طرف متوجہ ہوں اور تم اللہ تعالیٰ کی طرف اور ہماری طرف توجہ کرو تو جیسا کہ خدائے حمید نے قرآن مجید میں ہم پر اُن لفظوں کے ساتھ سلام فرمایا ہے تم بھی یوں کہا کرو سلام ہو آل یٰسین پر۔ اللھم صلی علی محمد و آلِ محمد۔

بہرحال ہم نے اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں آپ کے چند ایسے احکام جو صرف ہدایتِ عام اور تعلیم اُمت کے تنہا اصول پر نافذ فرمائے گئے ہیں پوری تفصیل کے ساتھ مندرج کئے ہیں جو ہمارے مدعائے تالیف کو پورے طور سے ثابت کر دیتے ہیں اور سمجھا دیتے ہیں۔ ان احکام کو پڑھکر اور انکی مختلف صورت اور ضروریات پر کامل غور کر کے ہر شخص نہایت آسانی اور سہولت سے خود سمجھ سکتا ہے کہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے ایامِ امامت میں بھی جن کی ظاہری صورت غیبت صغریٰ کے زمانہ میں بھی قطعی طور پر حالتِ اختفا میں رہی۔ یہ فرائض اور شرائطِ امامت کامل طور سے ادا ہوتے رہے۔ یہ مسائل عموماً وہی ہیں جنکی ضرورت سب کو ہوا کرتی ہے۔ اِن تمام مندرجۂ بالا سوالات کے جواب کا پہنچانا امام وقت کا کام تھا۔ جو باوجود اُن تمام دشواریوں کے جو آپ کے دورانِ امامت میں پیشِ نظر تھیں پوری تفصیل اور تشریح کے ساتھ اہل ایمان کو پہنچائے گئے۔ اور ان تمام مطالب و مقاصد میں ان کو کافی تسکین اور کامل تشفی فرما دی گئی۔ ہم نے جہانتک آپ کی وقت دشواریوں پر غور کیا ہے یہ امر ہم کو اچھی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کے زمانہ کی دشواریاں اور سختیاں کچھ ایسی شدید اور ناقابلِ برداشت تھیں جو اور اماموں کو اپنے زمانۂ امامت میں نہیں اُٹھانی پڑی تھیں۔ ہم اُن کی کامل تصنیف ایک علیحدہ باب میں انشاءاللہ

المستعان عنقریب درج کرتے ہیں۔ ابھی ہم کو اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں جو پہلے بیان کر دینا بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا یہ دعویٰ کہ آپ کی امامت اگرچہ بالکل باطنی تھی اور اس کے تمام احکام بالکل اسرارِ الٰہی کی صورت میں ہوتے تھے لیکن اُن کا نفاذ اور اُن کے طریقے ظاہری طور پر محسوس ہوتے تھے اور ہر شخص بقاعدۂ مشاہدات اُن کا قائل اور اُن پر عامل ہوتا تھا۔ آپ کی امامت کے نظام بھی اعلیٰ تدبر سے خالی نہیں تھے۔ بلکہ احکام شرعیہ اور نصابِ دینیہ کے اجراء کا نفاذ تو اسی طرح فرمایا جاتا تھا جیسا کہ اور امامتِ ظاہری کے ایام میں۔

جن لوگوں نے ہمارے مرقومہ بالا واقعات اور مشاہدات کو پڑھا ہے وہ جہّالِ زمانہ کے اُن فضول اعتراضات کی حقیقت کو پورے طور سے سمجھ گئے ہوں گے۔ جو اپنے واہی خیالوں میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایسے امام کی امامت سے جو خلائق کی نظروں سے قطعی طور پر پوشیدہ بتلایا جاتا ہو عامۃ الناس کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا یہ تو دنیا جانتی ہے کہ کچھ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام تک محدود و موقوف نہیں ہے۔ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہی کے بعد سے اِن تمام حضرات کو امورِ ملکی سے کوئی واسطہ اور تعلق باقی نہیں رہا تھا بلکہ فرمانروایانِ عصر اور حکمرانانِ وقت نے اِن کے رہے سہے اقتدار اور اعتبار کو بھی ساری دنیا سے اُٹھا دینا چاہا۔ بلکہ قریب قریب اُٹھا ہی دیا۔ اور انکی وہ حالت پہنچا دی کہ اس مقدس دائرہ اور عام لوگوں کے طبقہ میں مشکل سے امتیاز کیا جا سکتا تھا۔ دنیا کے عام اور تمام فقرار بھی کسی قدر فراغت اور اطمینان سے بسر کرتے تھے۔ مگر یہ نہیں۔ ہم اپنی موجودہ تالیف کے ہر نمبر میں اس مضمون کو ہر بزرگوار کے حال کے ساتھ مسلسل اور مفصل طور پر برابر لکھتے آئے ہیں۔ جب بے سروکاری اور ترکِ تعلق کی یہاں تک حالت پہنچی ہوئی ہو تو پھر حضرت قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ والثناء کے زمانہ میں وہ ملکی واقعات جو آپ سے تعلق رکھتے ہوں کیسے پائے جا سکتے ہیں یا لکھے جا سکتے ہیں تو اب سوائے احیائے سنت حفظانِ شریعت وغیرہ وغیرہ اور دیگر امور شرعیہ جو نظامِ ہدایت کے متعلق منجانب اللہ آپ کی امامت کے فرائض منصبی قرار پا چکے تھے۔ اور وہ کون دوسرے امور تھے جو آپ کے احوال کے ساتھ بیان کئے جاتے۔ ہمارے موجودہ سلسلۂ تالیف سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام کے بعد ان تمام حضرات علیہم السلام کے متعلق سوائے اُن امورِ شرعیہ کے جن کا ذکر اوپر ابھی ہو چکا ہے اور کوئی دوسرے امور نہیں تھے اور جس طرح ان بزرگواروں نے اپنی ظاہری امامت کے ایام میں اپنے اپنے فرائض کو پوری ہوشیاری اور حُسنِ تدبیر سے انجام دیا اسی طرح جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام نے بھی ان امور کو اُسی احتیاط۔ بیداری اور پاداری کے ساتھ ادا فرمایا جو ہر وقت و ہر زمانہ میں مصلحتِ خداوندی کا عین مقصود قرار پا چکا تھا۔ جیسا کہ مندرجۂ بالا واقعات سے ظاہر اور ثابت ہو چکا۔ اور اُن سب سے آپ کی امامت کے فیوض اور استفادات مشاہدات کے پورے معیار پر پہنچ چکے۔

اب اسی سے بہ آسانی سمجھ لیا جا سکتا ہے کہ امامت اور اُس کے نفاذِ احکام کو عام اس سے کہ وہ ظاہری ہوں یا مخفی کبھی کوئی مجبوری نہیں ہوئی۔ تائیدِ ربانی اور مشیتِ یزدانی اپنے تمام افعال اور خدمات کو ان حضرات سے اُسی طرح انجام اور تمام و کمال کرا لیتی ہے جس طرح ازل سے اس کی مشیت اور ارادے میں آ چکا ہے۔ لہٰذا نظامِ ظاہری کے نہ ہونے کے سبب تدابیرِ باطنی کے وجود سے انکار کرنا شعارِ عقل نہیں کہا جا سکتا۔

بہرحال اس بحث کے متعلق صرف اتنا ہی لکھ کر ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور اپنے آئندہ بیان میں وہ واقعات اور ان کے اسباب درج کرتے ہیں جن سے معلوم ہو جائے گا کہ سلاطینِ عصر کے ہاتھوں سے جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کو اپنے امور میں کیسی کیسی دشواریاں تھیں اٹھانی پڑی ہیں۔ اور اپنے پدر عالیقدر جناب امامِ حسن عسکری علیہ السلام کے روزِ وفات سے لیکر تا ابتدائے ایامِ غیبتِ کبریٰ آپ کے تجسس و تلاش

آپ کے قتل و ہلاکت کے کیا کیا سامان فراہم کئے گئے ہیں۔ اور شریعتِ اہلبیت علیہم السلام کے احکام اور اُن کے اجراؤ ان کی متابعت کی وجہ سے شیعہ فرقہ کے لوگوں کو متواتر کتنی اور کیسی مصیبتیں پیش آئی ہیں، اور اُن کو اپنے کتنے جانی اور مالی نقصانات اٹھانے پڑے ہیں۔ اپنے اسی بیان کے مقدمہ میں ہم موجودہ خلفائے عباسیہ اور انکی سلطنت کی موجودہ کیفیت کو بھی نہایت اختصار کے ساتھ خلاصہ کے طور پر دکھلا کر اپنے ناظرین کو اُن لوگوں کے اعمال و افعال سے آگاہ کئے دیتے ہیں۔ جو اپنی دولت و ثروت اور حکومت و سیاست کے ظاہری اقتدار و اعتبار پر اپنے آپ کو حضرات آئمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ہمسر اور مساوی سمجھتے تھے۔ اور تمام دنیا کو اسی کا سبق دیتے تھے۔ جن حضرات نے ہمارے موجودہ سلسلہ کے تمام نمبروں کو مسلسل اور بالاستیعاب دیکھا ہے انکو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم نے کچھ اسی کتاب میں خاصکر یہ التزام تالیف اور انتظام ترتیب تنہا قائم نہیں کیا ہے۔ بلکہ اپنی تمام کتابوں میں اُن لوگوں کے طور و اطوار اور اصول حکمرانی دکھلا کر پورے طور پر ثابت کر دیا ہے کہ اُن کی اخلاقی کمزوریاں ہرگز اس قابل نہیں تھیں جو ان خاصانِ خدا اور ذواتِ مقدسہ سے کسی محاسن اور محامد میں مقابلہ کر سکیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم کو یہ اعتراف بھی ضرور رہے کہ ان حکمرانانِ عصر اور فرمانروایانِ زمانہ کا یہ خیال بھی اس وقت کچھ نیا اور اُن کا خاص ایجادی نہیں تھا۔ بلکہ یہ ان کی قدیم جہالت تھی۔ اور ایسا پرانا اور لاعلاج جنون تھا جو کسی وقت اُن کے سر سے نہیں اُترتا تھا۔ اور غور سے کام لیا جائے اور کامل طور پر تحقیق کی جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ بیرونی لوگوں میں امرِ خلافت کے جاتے ہی جسکی ابتدا سن گیارہ ہجری کے تیسرے مہینہ سے قائم ہوتی ہے۔ اہلبیت علیہم السلام سے ہمسری کے دعوے پیدا ہو گئے مگر مساوات کے خیالات اُس وقت صرف اسی شخص کے دماغ تک محدود پائے جاتے تھے جو تختِ خلافت پر متمکن ہوتا تھا۔ مگر چھبیس [۲۶] برس کے بعد یہ خیال یکایک اتنی ترقی پکڑ گیا۔ اتنا عام ہو گیا کہ خلافتِ چہارم میں مختلف قوم و قبیلہ کے لوگ خلیفۂ عصر کے مقابلہ میں اپنے آپ کو ہر طرح سے خلافتِ نبوی اور حاکمِ شرعی ہونے کیلئے پورا سزاوار سمجھنے لگے۔ اگرچہ ان خیال والوں کی پیدائش بھی تیسری خلافت کے آخر زمانہ سے ثابت ہوتی ہے مگر اس وقت تک اُن کے اِن مخالفانہ خیالوں پر مروان ابن الحکم کی بدسلوکیوں کا پردہ حائل تھا۔ اور خلیفۂ عصر سے مقابلہ اور مقاتلہ کے جواب میں یہ دکھلایا جاتا تھا کہ مروان کی حرکات نے ان لوگوں کو خلیفۂ عصر کے ساتھ گستاخانہ طور پر پیش آنے کیلئے مجبور بنا دیا۔

بخلاف اس کے چوتھی خلافت کے زمانہ میں جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی مدتِ حکومت میں نہ مروان یا کسی دوسرے کی وزارت، مشورت یا مداخلت وغیرہ کی کوئی شکایت نہیں تھی۔ پھر آپ کے خلاف جو دنیا کی دنیا اُٹھ کھڑی ہوئی اور تمام بلادِ اسلامیہ کے گوشہ گوشہ سے ہل من مبارز کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ اس کی کیا وجہ بتلائی جائیگی۔ اسکی وجہ اور اس کے اسباب وہی تھے جن کو ہم اپنے سلسلہ کے نمبر اول میں پوری تفصیل کے ساتھ دکھلا آئے ہیں کہ اس زمانہ میں ہر شخص اپنے آپ کو خلافت کا دعویدار اور حکومت کا سزاوار و شایاں تصور کرتا تھا۔ اور خلیفۂ عصر سے مساوات اور موازنہ تو درکنار مقابلہ اور مقاتلہ پر ہمہ دم و ہر لحظہ تلا رہتا تھا۔ چنانچہ سنہ ہجری سے لیکر سنہ ہجری کے ماہِ رمضان تک اس کی متواتر کوششیں ہوتی رہیں۔ بہرحال ان واقعات سے معلوم ہو گیا کہ خلفائے عباسیہ نے بھی ابتدا سے لیکر اس وقت تک جو جو مخالفانہ کارروائیاں اپنے معاصر رئیس اہلبیت علیہ السلام سے پیش کیں وہ سب اسی مساوات و ہمسری کے غلط اصول پر مبنی تھیں۔ کیونکہ محض امرِ حکومت کے ہاتھ میں آتے ہی عام اس سے کہ وہ قہر و غلبہ۔ غضب و جبر۔ یا کسی اور حکمت عملی اور حیلہ دنیاوی سے حاصل ہوا ہو۔ وہ اپنے آپ کو اسلام اور اہلِ اسلام کے تمام دنیاوی۔ روحانی اور ایمانی امور کا پیشوا اور مقتدا سمجھنے لگے تھے اور یہی سارے زمانہ کو بھی سمجھانے لگے تھے۔ اور سلاطینِ بنی امیہ کی طرح اِن کا خیال یہی تھا کہ

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُن کے تمام کمالات اور فضائل و مراتب میراث میں انہی کو ملے ہیں۔ اور کسی دوسرے کو نہیں۔ بہرحال اپنے موجودہ تمہیدی مضامین کو یہاں تک پہنچا کر ہم ان سلاطین عباسیہ کے حالات کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں جو جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے ہمعصر واقع ہوئے تھے۔

معتمد کی سلطنت کا زمانہ

یہاں تک اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے آٹھویں ربیع الاولی سنہ ۲۶۰ ہجری کو انتقال فرمایا۔ وہ معتمد کی حکومت کا زمانہ تھا۔ معتمد کی حکومت کا حال کسی قدر اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اسی کے وقت کا بہت بڑا واقعہ صاحب الزنج کا خروج ہے جو ۲۵۵ھ ہجری سے شروع ہو کر معتمد کی سلطنت کو ڈانواڈول کیے ہوئے تھا۔ اور آئے دن نئی نئی مصیبتیں طرح طرح کی دقتیں تمام ملکی کاروبار میں برابر پیش لا رہا تھا۔ معتمد کی عمر تمام ہو گئی مگر صاحب الزنج کے ساتھیوں کے حملات کم نہ ہوئے بلکہ اور ترقی کرتے گئے۔ معتمد نے اپنے مرنے سے چند روز پیشتر اپنے بیٹے مفوض باللہ کو اپنی ولیعہدی سے معزول ہونے کیلئے مجبور کیا گیا اور اس نے تمام صلحا و علمائے شہر اور امرا و اراکین سلطنت کے بہت بڑے مجمع میں حکم سلطانی کے مطابق اپنی معزولی کے ننگ و عار کو قبول کر لیا۔ جب مفوض اپنے عہدہ سے خارج اور کنارے کر دیا گیا تو معتمد نے اسکی جگہ اپنے بھانجے معتضد کو اپنے بعد اپنا ولیعہد اور قائم مقام قرار دیا۔ اس کے علاوہ معتمد نے تمام مساجد میں وعظ کہنے کی عام ممانعت کر دی اسکے وقت میں منجم اور کہانت پیشہ لوگوں کو بہت بڑا عروج ہوا۔ اور تمام شاہراہ۔ بازار اور مجمع کے خاص مقاموں میں اُن کی نشست اور مجلس قائم ہونے لگی۔ معتمد نے بغداد کے تمام صحافوں اور کتب فروشوں کو بلا کر حکم عام دیدیا کہ علم مناظرہ اور فلسفہ و حکمت کی کتابوں کو نہ کوئی خریدے اور نہ بیچے اور نہ کوئی جلد ساز ان کتابوں کی جلد باندھے

معتمد نے خاص اطوار اور کردار و رفتار کی نسبت ابن اثیر اور روضۃ الصفا اسلام کے مشہور مورخین کا بیان ہے کہ معتمد عموماً عیاش مزاج اور عیش پسند تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے اوقات کو انواع و اقسام کے لہو و لعب اور نشاط و طرب میں گزارتا تھا۔ اور کاروبار خلافت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا۔ جملہ کاروبار موفق کے سپرد تھے۔ جیسا وہ چاہتا تھا کرتا تھا کسی کو اسکی تجویز میں مداخلت کی مجال باقی نہیں تھی۔ اسکی صحبت کے بیٹھنے والے نائک اور قوال تھے اور وہی اُس کے جملہ امور میں پیش پیش تھے معتمد اپنے تمام امور میں انہی لوگوں کی صلاح و مشورت سے کام لیتا تھا۔ اور انہی کی ہدایت کے مطابق وہ اپنی صحبت و عیش کی ترتیب محفل عیش و نشاط کی زیب و زینت اور جلسۂ شراب و کباب کی آرائش میں ہمہ دم و ہر لحظہ مصروف و مستغرق رہتا تھا۔ اور انہی سامانوں کے ساتھ انواع و اقسام کے الوانِ نعمت مطبخ سلطانی سے تیار ہو کر آیا کرتے تھے۔ اور یہی چٹورے چاٹ جایا کرتے تھے۔ معتمد نے اپنی سلطنت کا تمام زمانہ انہی سامانوں میں صرف کر ڈالا۔

یہ تھے معتمد کے ذاتی حالات اور یہ تھے اسکی حیات کے روزانہ مشاغل۔ مگر بایں ہمہ کہ وہ اپنے ذاتی عیش و عشرت میں سراپا مستغرق تھا مگر تاہم وہ اپنے معاصر بنی فاطمہ علیہا السلام کی ایذا رسانی کے خیال اور ارادے سے کبھی باز نہ آیا۔ اس کی ذاتِ خاص سے جیسے جیسے ظلم اور جیسی جیسی ایذائیں جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کو اٹھانی ہوئیں وہ پوری تفصیل کے ساتھ اس سے پہلی کتاب میں لکھدی گئی ہیں۔ اور انہی حالات کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے قتل کرنے میں معتمد کو کون شے مجبور کر رہی تھی۔ ان واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ معتمد کی تمام کوششیں رائگاں گئیں۔ اور اُسکے تمام مخالفانہ حملات سے حضرت امامِ حسن عسکری علیہ السلام محفوظ و مصئون رہ کر اپنے بعد اس ودیعتِ الٰہی کو منصب امامت پر فائز فرما گئے جسکے منسوب کرنے کیلئے وہ خدائے سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مامور ہوئے تھے۔ بہرحال معتمد نے جو کچھ جنابِ امامِ حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ اپنے زمانۂ سلطنت میں کیا وہ ہم اس سے پہلی کتاب میں لکھ آئے ہیں۔ اب ہم حسب وعدہ وہ واقعات ذیل میں

سکتے ہیں جن کو معتمد آپکی وفات کے بعد جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے تجسس وتلاش اور تفحص احوال میں اپنی مخالفت سے کام میں لا یا اور کیسے کیسے جابرانہ اور ظالمانہ حکم واحکام اس کے متعلق جاری کئے۔ ہم اپنی پہلی کتاب میں لکھ آئے ہیں کہ معتمد کو آپ کا وجود تو اُسی وقت ثابت ہو گیا تھا جس وقت جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی نماز جنازہ کی کیفیت اس کو معلوم ہوئی تھی۔ اس اسرارِ ربانی اور قدرتِ یزدانی کو دیکھکر اس کے حواس مختل ہوگئے۔ مگر تاہم کسی قدر خودداری کو راہ دیکر اس نے اپنی تشویش کا اظہار نہ ہونے دیا اور عیسیٰ کو بارِ دیگر امامتِ نماز کا حکم دے کر اس راز کو فوراً مخفی کر دیا۔ مگر پھر آگے چلکر اس نے آپ کے تفحص احوال کیلئے پوری مستعدی اور سرگرمی سے تحقیق کرنیکی بلیغ کوشش کی اور اپنی اس کوشش میں اس نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے جعفر کو اپنی طرف ملا لیا۔ مگر اس خوابیدہ بخت (معتمد) کو یہ خبر کہاں تھی کہ مشیت کے نظام اس سے پانچ برس پہلے اپنا کام پورا کر چکے ہیں۔ اور آپ کی ولادت کی خبر اُس وقت تک جعفر کو کانوں کان نہ تھی۔ معتمد نے اس وقت جعفر سے جو ساز باز کی یا جعفر نے معتمد سے جو میل جول بڑھایا اُسکی وجہ جانبین کی خود غرضی کے سوا کچھ اور ثابت نہیں ہوتی۔ معتمد کی تو یہ خواہش تھی کہ اسکو جعفر کے ذریعہ سے آپ کا رتی رتی حال ملجائیگا اور جعفر کی یہ تمنا تھی کہ معتمد کے وسیلہ سے حصول ثروت اور دولت ہوگا۔ اور علاوہ بریں سلطانِ عصر اور حاکم وقت کے نوازش والطاف دکھلا کر شیعہ گروہ سے اپنی امامت کا باآسانی اقرار کرالیا جائیگا چونکہ فیمابین خود غرضی حائل تھی اسلئے اُن میں سے ایک دوسرے کا فوراً رفیق اور شریک بن گیا۔ مگر حقیقت میں جعفر بھی جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے حالات سے ویسے ہی لاعلم اور بے خبر تھے جیسا معتمد۔ اسلئے یہ بھی مسلۂ وجود کے ویسے ہی منکر ہوئے جیسا کہ معتمد۔ حالانکہ واقعۂ امامت نمازِ جنازہ سے اِن کو پوری حقیقت معلوم ہو چکی تھی۔ مگر چونکہ ان کا کام بھی اس وقت انکار ہی سے نکلتا نظر آتا تھا۔ اس لئے انھوں نے بھی معتمد کے ساتھ ان واقعات کو بالکل چھپا ڈالا۔ اور آپ کی ولادت اور وجود کے مسئلہ سے قطعی انکار کر دیا۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ معتمد کو ان کے (جعفر کے) چھپانے اور انکار کرنے سے کیا فائدہ ہونیوالا تھا۔ اور ایسے ہی جعفر کو ان حرکات سے کونسے نفع پہنچنے کی امید تھی۔ جن لوگوں نے اُسوقت کے حالات کو بالاستیعاب دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ معتمد اگر واقعاتِ نماز جنازہ کو نہ چھپاتا تو پھر آپ کا وجود تمام دنیا کے لوگوں کو اسی وقت ثابت ہو جاتا اور پھر اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا تھا اور وجود ذی جود کے چھپانے، مٹانے اور اُس کے متعلق اسلام کی تمام پیشین گوئیوں کو جو عند الفریقین اسنادِ صحیحہ اور معتبرہ سے ثابت ہوتی ہیں محض وہم وگمانِ غلط بتلانے میں اسکی تمام کوششیں جنکو وہ اپنے باپ متوکل کی وفات کے بعد ہی سے برابر اور متواتر عمل میں لارہا تھا سرے سے بیکار اور رائگاں چلی جاتیں۔ اور پھر طالبانِ حق اور سالکانِ طریقۂ قادرِ مطلق جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک بشارتوں کے مطابق اسی ودیعتِ الٰہی اور وصی رسالت پناہی سلام اللہ علیہ وآلہ کی اقتدا کو اپنا افتخار اور شعار بناتے جو قائم برحق۔ امام الزماں اور صاحب العصر علیہ السلام کے گرانمایہ خطاب والقاب سے سرفراز وممتاز فرمایا گیا ہے۔ پھر ایسے برگزیدۂ ربانی کے مقابلہ میں معتمد کے عارضی اور فانی ثروت واقتدار سلطانی کی کیا ہستی تھی۔ اور عام نگاہوں میں اُس کی کیا وقعت تھی۔ معتمد کو تو اس کے اختفا اور انکار سے یہ مطلب تھا۔ جعفر کو جو اس سے حاصل ہونیوالا تھا وہ یہ تھا کہ اگر وہ اپنے خاص مشاہدۂ نماز کو نہ چھپاتے اور آپ کے مسئلۂ ولادت سے نہ انکار فرماتے تو کہاں جاتے۔ ایسی دلیلِ واضح اور حجت روشن کے مقابلہ میں انکی امامت کا کون قائل ہوتا۔ اور ایسے اعجاز وکرامت کے سامنے اُن کے زبانی دعووں کی کیا سماعت ہو سکتی تھی۔ ان وجوہ سے جعفر کو بھی معتمد کا ہم کلام اور ہمزبان ہونا ضرور رہتا۔

بہرحال۔ جہانتک تاریخی طور سے اسکی تلاش کی جاتی ہے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں آدمیوں نے ملکر اس مسئلۂ خاص میں اپنی متحدہ کوششوں سے کام لیا اور اپنی کج فہمی کے اتفاق سے اس کے متعلق سب سے پہلے جو فساد اور غلط گمانی تمام دنیا میں پھیلانی چاہی وہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کو قطعی لاولد مشہور کرنا تھا۔ اس کا بہت بڑا ثبوت جعفر کا خاص

اقرار تھا جو بحیثیت بھائی ہونیکے عوام کے ظاہری اطمینان و تشفی کیلئے پورے طور سے کافی ہوگیا۔ اگرچہ اس کا اثر دیرپا اور ہمیشہ کیلئے نہیں ہوا مگر تاہم ابن الجعفر یوں نے اہل اسلام کے عقائد میں بخلاف بشارت حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انواع واقسام کے اختلاف اور فسادات پیدا کردیئے۔ مگر بمصداق الحق یعلوا ولا یعلیٰ تھوڑے ہی دنوں کے بعد یہ غلط فہمی رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی اور جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے احکام سفراء و وکلاء کے ذریعہ سے گروہ مومنین میں چاروں طرف نافذ ہونے لگے جیسا کہ پوری تفصیل کے ساتھ ایک جداگانہ باب میں اوپر بیان ہوچکے ہیں۔ انہی احکام اور دیگر نظام کے نفاذ اور دوسرے مشاہدات کے طریقوں سے مومنین کو آپ کے وجود ذیجود کا پورا یقین ہوگیا اور معتمد کی وہ تمام سو تدبیریاں جو اس نے آپ کے خلاف میں پیش کی تھیں بالکل رائگاں اور بے سود ثابت ہوئیں اور اخیر میں تقدیر ربانی کے سامنے تدبیر انسانی کچھ بھی کام نہ کرسکی۔

بہرحال معتمد نے ان امور میں جس امر سے ابتدا کی وہ جناب نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کی گرفتاری تھی کیونکہ اس کی خبر اسکو تحقیق ہوچکی تھی کہ وہ مولود مسعود آپ ہی کے بطن مبارک سے وجود میں آیا ہے +

جناب نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کی گرفتاری

معتمد نے سب سے پہلے حضرت نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اُس کے اِس ظالمانہ حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور حضرت موصوفہ ظالم معتمد کے سامنے لائی گئیں۔ جہاں تک میری تحقیق کام کرتی ہے مجھ کو اسلام کی تاریخ میں یہ دوسری مثال ثابت ہوتی ہے کہ اس خاندان اعلیٰ اور دودمان والا کی مخدرات عظمیٰ حاکم وقت اور فرمانروائے زمانہ کے دربار عام میں جائزۂ سلطانی کے لئے لائی گئیں اور اسلام کے سلاطین جابرین کی فہرست میں یزید ابن معاویہ کے بعد معتمد ابن متوکل کا دوسرا نمبر خصوصیت کے ساتھ قائم کیا جاتا ہے جس نے پاس شریعت کے ساتھ ہی عرب ہونے کی عزت اور قوم قریش ہونے کی حمیت بھی ہمیشہ کے لئے ضائع کردی۔ اور دنیا میں اپنے لئے وہ ننگ و عار اختیار کی جو اسکی پیشانی کا سیاہ داغ بن کر قیامت تک اس کی بدافعالی اور شامت اعمالی کا یادگار رہا رہیگا۔

بہرحال علیا مکرمہ حضرت نرجس خاتون سلام اللہ علیہا جیسا کہ ابھی بیان ہوچکا ہے اُس شقی القلب کے سامنے لائی گئیں تو اُس نے جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی نسبت استفسار کیا تو آپ نے نہایت ہوشیاری اور عاقبت اندیشی سے اپنی حفاظت جانی اور اسرار خداوندی کے اختفا اور کتمان کی خاص غرض سے انکار کیا اور کہا کہ مجھ سے اس وقت تک کوئی ولادت نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ میں ابھی تک حاملہ ہوں اور میرے وضع کے ایام پورے نہیں ہوئے ہیں۔

خدا کی قدرت اور خدا کی شان۔ اُن کے بیان پر معتمد کو فوراً یقین ہوگیا اور اُس نے اپنے موجودہ اضطراب کی فکر میں اس کو ہزار غنیمت سمجھ کر کہ جب ولادت ہوگی تو مولود فوراً قتل کردیا جائیگا۔ علیا مکرمہ جناب نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کو قاضی ابوشوآب کی حراست میں قید کردیا اور قاضی کو سخت تاکید کردی کہ وہ ان کی حفاظت و نگرانی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے اور جس وقت ولادت واقع ہو فوراً خبر کی جائے کہ وہ اپنی آئندہ تجویزوں کو اس کے متعلق فوراً عملی صورت میں لائے۔

حجاز و یمن میں صاحب الزنج کے حملات

وَاللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

معتمد کی کیا بساط تھی جو اُس کے ظاہری نظام پر کوئی اعتماد کیا جاسکتا۔ اور اس کا کیا منہ جو احکام مشیت سے اپنے نصاب سیاست کو بڑھا لیجاتا۔ ادھر جناب نرجس علیہا السلام کو قاضی ابوشوآب کی حراست میں آئے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا کہ احکام مشیت نے دنیا کا رنگ ہی بدل دیا۔ اور حکومت بغداد بغداد میں وہ انقلاب عظیم پیدا ہوا جس نے یکایک معتمد کے ہوش و حواس کھودیئے۔ وہ کیا تھا؟ صاحب الزنج کا حجاز

اور اطراف یمن میں یکایک حملہ کیا جس نے چاروں طرف سے بلادِ سلطانی میں تاخت و تاراج مچا دی اور نظام عباسیہ کو درہم و برہم کر ڈالا۔ اور حجاز و یمن کے تمام علاقوں پر اپنا پورا تسلط ایسا جما لیا کہ اُن کے مقابلے کی سلطنت بغداد کو کوئی حوصلہ اور جرأت باقی نہیں رہی۔ معتمد کے ایکباری ایسے کمزور ہو جانے اور ہمت ہار دینے کی بہت بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اپنی قوت آلِ صفار کے مقابلہ میں بالکل صرف کر چکا تھا۔ اسکا خزانہ اور لشکر اس مہم میں بالکل خرچ ہو چکا تھا۔ اور پھر آخر اُسکی اِن ہفت سالہ کوششوں کا جو نتیجہ بھی نکلا وہ یہی تھا کہ معتمد کو آخر ایک گوشہ ایرانی علاقہ کا صفاریوں کیلئے خالی کر دینا ہوا۔ جیسا کہ تاریخوں سے ظاہر ہے۔

ابھی یہ بلا کسی نہ کسی طرح اُس کے سر سے ٹلی تھی کہ صاحب الزنج کی دوسری آفت اُسکے سر آ دھمکی۔ جو چیزیں کہ غنیم کی مدافعت اور مقابلہ کے لئے ضروری تھیں اُن کی کمزوریاں تو ظاہر تھیں۔ پھر معتمد کے کامیاب ہونے اور اِس بلائے عظیم سے نجات پانے کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔ مگر تاہم معتمد نے اپنی طرف سے کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اور اس کے بھائی موفق نے بھی اُس کا خوب ساتھ دیا اور سردار فوج ہونیکی حیثیت سے اپنے فرمانروا بھائی کی خدمات بڑی وفاداری اور جاں نثاری کے ساتھ ادا کیں۔ جنکے کسی قدر تفصیلی حالات اس سے پہلی کتاب میں بیان ہو چکے ہیں۔ موفق کی کوششیں ضرور اس کے مقاصد کے موافق ہوئیں اور اُس نے اپنے مخالف سردار کا سر کاٹ کر بھائی کے پاس بھیجدیا۔ اور ان کی باقی ماندہ جماعت کو جو سر دست عراق کے تمام علاقوں میں بدامنی کا باعث ہو رہی تھی پسپا اور منتشر کر دیا۔ اور عام ملکی فساد میں کسی قدر اطمینان ضرور پیدا کر دیا۔ مگر افسوس کہ وہ اس کے بعد فوراً ہی مر گیا۔ اُس کے مرتے ہی فرقۂ مخالف نے اپنی مخالفت کو از سرِ نو پھر تازہ کر دیا۔ اور غنیم سے میدان خالی پا کر اپنی تاخت و تاراج کے ویسے ہی سر بفلک طوفان اٹھائے۔ معتمد کو وہی دقتیں اٹھانی ہوئیں جو اس سے پہلے وہ اٹھا چکا تھا۔ اور وہ اسی کشمکش میں چودہ برس تک مصروف رہا۔ اگرچہ یہ کوششیں بھی معتمد کی ذاتی نہیں تھیں۔ بلکہ یہ احمد ابن موفق کی کارگزاریاں تھیں۔ جو الولد سرٌ لابیہ کے معنوں میں ہو کر اپنے چچا کے حقوق کو نہایت خوبی سے انجام دے رہا تھا۔ کیونکہ معتمد کی عیش پسندی آرام طلبی اور تن آسانی اتنے مہمات ملکی اور شدائدِ جنگی کی برداشت لانے کی کہاں طاقت رکھتی تھی۔

خیر بہر حال۔ جناب نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کے معاملات کی طرف سے اس کی غفلت اور چشم پوشی کا ایک تو یہی باعث ہوا اور علاوہ اس کے دوسرا باعث جو معتمد کی چشم پوشی کا محرک ہوا وہ موفق کا اہلبیت کرام علیہم السلام کی طرف سے کسی قدر بہ نرمی پیش آنا تھا جیسا کہ عنقریب موفق کے خاص حالات میں بیان کیا جائیگا۔ انشاء اللہ المستعان۔

بہر حال۔ معتمد کی ان مجبوریوں کے حالات کو یہاں تک پہنچا کر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہاں تک اوپر بیان ہو چکا ہے کہ معتمد حضرت نرجس خاتون سلام اللہ علیہا سے یہ معلوم کر کے کہ ابھی تک ولادت سے فراغت نہیں ہوئی۔ مطمئن ہو گیا۔ اور ان کو اسی وقت قاضی ابو شوراب کے حوالہ کر دیا۔ اس کے بعد وہ صاحب الزنج اور صفاریوں کے معاملات میں خود ایسا گرفتار و مبتلا ہو گیا کہ اپنے سر و پا کی بھی مطلق خبر نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے معتمد کی جگہ موفق نے بھی کچھ تو ان امور کی مشغولیت اور کچھ اپنی طبعی ملائمت کی وجہ سے آپ کے معاملات کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ آپ چھ مہینے تک قاضی صاحب کی حراست میں رہ کر پھر اپنی عصمت سرا کی طرف واپس کر دی گئیں۔ اور اس کے بعد پھر آپ سے حمل و ولادت کے بارے میں کوئی خاص سوال نہیں کیا گیا۔ اور یہ خاص مسئلہ ہمیشہ کے لئے طے ہو گیا۔ اور سلطنت کی طرف سے پھر کوئی باز پرس نہیں کی گئی۔ یہ تو معتمد کی کارروائیاں تھیں جو اُس نے حضرت امام حسن عسکریؑ کی وفات کے بعد فوراً ہی شروع کر دیں۔ اور جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی سُراغ رسانی اور تفحصِ احوال کی غرض سے عمل میں لائی گئیں۔

حضرت جعفر تواب کی غلط فہمی کے حالات

اب معتمد کے ساتھ ہم کو جعفر تواب کی غلط فہمیاں بھی لکھدینی ضروری ہیں۔ اگرچہ جناب نرجس علیہا السلام

کی گرفتاری بھی جعفر کی تحریک سے بتلائی جاتی ہے اور اسکی مثال بالکل ویسی ہی پائی جاتی ہے جیسی محمد بن اسمٰعیل ابن جعفر صادق علیہ السلام کی روئداد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے خلاف ہارون رشید کے زمانہ میں واقع ہوئی جس کو ہم پوری تفصیل کے ساتھ علوم کاظمیہ میں قلمبند کر چکے ہیں۔

بہر حال حضرت جعفر تواب نے اپنی پہلی غلط فہمی کی ابتدایوں کی کہ اہالیانِ قم کی ادائے خمس والی شرائط اور امتحان میں جب اُن کا نقص فی الامامت ثابت ہوگیا تو یہ غریب ایسے خفیف ہوئے کہ اپنی اسی شرم اور غصہ کی جھنجھلاہٹ میں اُٹھے اور معتمد کے پاس پہنچے۔ اور اُس موذی کو اپنے پدر بزرگوار جناب امام علی نقی علیہ السلام اور اپنے برادر عالی مقدار حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ایام میں ان اموال کی تحصیل کے متعلق جیسے جیسے خفیہ اور پوشیدہ انتظام تھے۔ یا اُن کے جو جو مخفی ذرائع قائم تھے۔ ایک ایک کر کے سب بتلا دیئے۔ اور اپنے اِس معروضہ کے اخیر میں غرض یہ ظاہر کی کہ اُن لوگوں سے یہ مال مجھکو دلا دیا جائے۔ معتمد کے یہ اُن دنوں معتمد علیہ تو ضرور ہی تھے۔ اِن کا بیان سُنکر اُس نے شیعیانِ قم کو بلا بھیجا۔ وہ آئے تو اُن سے کہا کہ تم اپنے ہمراہی اموال جعفر کے حوالہ کر دو۔ اُن خالص الاعتقادوں نے خلیفہ کو دعائے دولت دیکر نہایت صفائی اور متانت سے جواب دیا کہ حقیقتِ حال یوں ہے کہ ہم وہ جماعت ہیں جو ہمارے ملک اور زبان میں اجیر (اجرت پر کام کرنے والے) کہے جاتے ہیں۔ ہم لوگ بذاتِ خاص ان اموال کے مالک نہیں ہیں بلکہ ان کے اصلی مالکوں کی طرف سے صرف وکیل اور امین بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اور ان لوگوں نے ہم لوگوں کو اپنے یہ اموال اِس شرط و عہد پر حوالے کئے ہیں کہ ہم ان کی یہ امانت اس شخص کو دیدیں جو ہم کو اعجاز و کرامات کے پورے دلائل دکھلا کر اپنی ذات کو اس مال کے لینے کا پورا مستحق ثابت کر دے۔ چنانچہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی حیات کے زمانہ میں ہم لوگ برابر اُن کی ذات سے ایسے ہی اعجاز و کرامات دیکھتے رہے۔ آپ ہم کو اُن اموال کی اقسام تعداد اوزان اور ان کے جملہ اوصاف او ضاع سے پوری خبر دیدیتے تھے۔ اور ان کے مالکوں کے نام اور ان کے بھیجنے والوں کے پتے اور نشان کامل طور سے بتلا دیتے تھے۔ جب اُن کی زبان معجز بیان سے ہم اُن کی یہ تفصیل اپنے خاطر خواہ سن لیتے تھے تب اموال ہمراہی اُن کے حوالے کر دیتے تھے۔ جبتک آپ اِس دار فانی میں بقید زندگانی رہے ہم لوگ برابر آپ کی خدمت سے شرف اندوز ہوتے رہے۔ اور برابر ایسے ہی مشاہدات آپ کی خدمت سے ظاہر ہوتے رہے۔ اے امیر! اب اُن کے مرجانے کے بعد اگر یہ شخص بھی اُنہی اوصافِ مشہورہ اور مخصوصہ کے ساتھ موصوف ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہی اعجاز و کرامات جو ہمارے امورِ خاص کے ساتھ متعلق ہیں ہم کو دکھلائے۔ تب ہم لوگوں کو البتہ اُن امور کے مشاہدات کے بعد اسکو یہ مال دینے میں کوئی عذر اور کوئی کلام نہیں ہوگا۔ اور تا وقتیکہ یہ مشاہدات ہم نہ دیکھ لیں ہم کسی کو یہ مال نہیں دینگے۔ بلکہ ان کو اپنے ہمراہ لیجا کر اُن کے مالکوں کو واپس کر دینگے۔

ان کے یہ بیانات سُن کر جعفر نے معتمد سے کہا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں اور ہمارے بھائی پر بیرون از عقل محض جھوٹی جھوٹی باتوں کی تہمت لگاتے ہیں۔ اور اُن پر علم غیب رکھنے کا پورا الزام اور اتہام باندھتے ہیں جس کو خدائے عالم الغیب کے سوا کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ معتمد نے جعفر کی اس تعریض پر کوئی توجہ نہیں کی۔ بلکہ بخلافِ امید اُن کو یہ جواب دیا کہ حقیقت میں یہ لوگ اِن اموال کی نسبت دوسروں کی طرف سے امین ہیں اور رسول اور وہ ادائے رسالت کے سوا اور کسی امر کے مجاز نہیں ہو سکتے۔ ایسی حالت میں تا وقتیکہ جو شرائط ادا کاری ان لوگوں کو بتلائے گئے ہیں وہ تم میں نہ پائے جائیں۔ یہ اپنے ہمراہی مال تمہیں کیسے دے سکتے ہیں؟ معتمد کا یہ جواب سُن کر جعفر کی تمام امیدیں منقطع ہوگئیں اور سوائے خاموشی کے اُن سے کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑا۔ اسی اثناء میں اُن

خالص الاعتقادوں نے معتمد سے پھر درخواست کی کہ چونکہ ہم لوگ مسافر اور غریب الوطن اور یہاں کے راستوں سے ناواقف ہیں اس لئے متدعی ہیں کہ کوئی شخص ہمارے ساتھ کر دیا جائے کہ ہمیں اصل راستے سے لگا دے۔ معتمد نے اپنا ایک خاص ملازم ان لوگوں کے ہمراہ کر دیا اور وہ اس رہبر سلطانی کے ساتھ واپس ہوئے۔ جوں ہی بیرونِ شہر پہنچے تھے کہ ایک طرف سے آواز آنی شروع ہوئی کہ اے فلاں ابنِ فلاں اور اے فلاں ابنِ فلاں شہرِ قم کے رہنے والو! تمہارے مولا تمہیں بلاتے ہیں تم ان کے حکم کو مانو اور اُن کی متابعت اختیار کرو۔ یہ لوگ آواز پر پھرے تو انہوں نے ایک غلامِ زنگی کو یہ آواز دیتے ہوئے پایا۔ اس کے قریب پہنچکر اُس سے پوچھا کہ کیا تم ہی ہمارے مولا اور امام ہو؟ وہ یہ سُنکر کانپنے لگا اور کہنے لگا کہ توبہ! توبہ! (استغفر اللہ ربی واتوب الیہ) میں تمہارے مولا کا ایک غلام ہوں اور تمہاری ہی طرح اُن کے حکموں کا مطیع ومنقاد آؤ تم سب کے سب ہمارے ساتھ اپنے امام علیہ السلام کی خدمت میں چلے چلو۔ چنانچہ اہلِ قم کا بیان ہے کہ ہم اُس غلام حبشی کے ساتھ چلے اور خانۂ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام میں داخل ہو کر ہم نے حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کو دیکھا کہ ایک پرتکلف تخت پر باشان وشوکت بیٹھے ہیں آپ کا جمال جہاں آرا ماہ شب چہاردہم کو مات کر رہا تھا۔ آپ اُس وقت لباس سبز زیب تن فرمائے ہوئے تھے۔ ہم نے حاضرِ خدمت ہوتے ہی نہایت ادب سے سلام کیا اور آپ نے نہایت خوش اخلاقی سے ہمارے سلام کا جواب دیا اور پھر ہمارے تمام مال واسباب ہمراہی کے اقسام۔ اوضاع اور اوزان پوری طرح سے بتلا دیئے۔ آپ کے کلام صداقت التیام کو سُنکر جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کا وقت اور آپ کے ذاتی اوصاف ہماری آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ اور ہم لوگوں نے اسی وقت سے آپ کو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا وارثِ اصلی اور قائم مقام حقیقی یقینی طور پر تسلیم کر لیا اور وہ تمام وکمال مال جو ہمارے ساتھ تھا خدمتِ مبارک میں حاضر کر دیا۔

اس کے بعد اُن لوگوں نے اپنے اپنے مسائل جو مختلف احکام شرعیا اور نصاب دینیہ کے متعلق اُنکو پوچھنے ضروری تھے آپ سے پوچھے اور خاطر خواہ جواب آپ کی خدمت مطہر سے حاصل کئے۔ اہل قم کہتے ہیں کہ جب ہمارے سوالوں کے جواب ہمیں عنایت فرما چکے تو ارشاد کیا کہ اب آپ حضرات کو ہمارے پاس آنیکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس آمد ورفت سے ہمارے موجودہ نظام میں بہت بڑا فساد ہونیکا خطرہ ہے بلکہ ہماری مضرتِ جسمانی اور نقصانِ جانی کا بھی پورا یقین ہوتا ہے۔ ان وجوہات سے اب تم کو نہ ہمارے پاس آنے کی ضرورت ہے اور نہ کسی مال واسباب لانے کی۔ ان امور کے لئے سفراؤ وکلاء اور ان کے معتمد نائبین تمام قبائل وبلاد مومنین میں ہماری طرف سے مامور ہیں جو ہماری طرف سے ان خدمات کو انجام دینگے۔ اتنا ارشاد فرما کر آپ ہم لوگوں میں سے ابو العباس محمد ابن جعفر قمی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف مخاطب ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ خدائے ارحم الراحمین تجھکو تیری وفات کی مشکلات اور شدائد میں صبر عطا فرمائے اور اجر عظیم کے مدارج عالی پر پہنچائے۔ یہ فرما کر قدرے حنوط بھی انہیں مرحمت فرمایا۔ پھر ہم لوگ آپکی خدمت قدسی برکت سے رخصت ہوئے اور قریب شہر ہمدان پہنچکر محمد ابن جعفر قمی نے رحلت فرمائی۔

اس واقعہ سے جعفر کا جو کچھ مرکوز خاطر تھا وہ یہی کہ انہوں نے بمقتضائے بشریت منصب امامت کو تعمیم کے معمولی درجہ میں ڈالنا چاہا تھا اور معتمد کی قربت اور شرف صحبت کو اپنے حصول مقصود کا قوی ذریعہ سمجھا تھا مگر ان کو اپنے پہلے ہی ارادے میں شکست پہنچی۔ اور جس ذریعہ سے ان کی تمام امیدیں وابستہ تھیں وہ اُنکی مطلق امداد نہ کر سکا۔ بالآخر جو جس کا حق تھا وہ اُسے پہنچ گیا۔ اور حقیقت میں اسی ایک واقعہ سے حق وباطل کا پورا امتیاز ہو گیا۔ جب جعفر کو اس ترکیب سے اپنی کشود کاری اور مقصد براری کی کوئی صورت نہیں دکھلائی دی تو انھوں نے اپنی سوء تدبیری سے اپنی کامیابی کی ایک دوسری تجویز پیدا کی جو حقیقت میں پہلی ترکیب سے بھی زیادہ بیکار اور فضول ثابت ہوئی اور ان کو سوائے مضرت ونقصان اور ذلت وپشیمانی کے اخیر میں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکی۔ چنانچہ ملائے مجلسیؒ

جناب شیخ صدوق اعلی اللہ مقامہ کا سناد سے تحریر فرماتے ہیں کہ جعفر نے اسکے بعد بیس ہزار روپیہ کا نقد نذرانہ معتمد کی خدمت میں پیشکش گزرانا اور ریاست رعا کی کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام اُن کے برادرِ مرحوم کا منصبِ امامت ان کو عطا کیا جائے۔ حقیقت تو یوں ہے کہ جعفر کو اس وقت تک منصبِ امامت کے اوصاف مخصوصہ اور اسکی معرفت کی حاصل ہی نہیں تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ اپنی الجلی علمی اور عدم واقفیت کی وجہ سے وہ اپنے برادرِ عالیمقدار علیہ السلام کے منصبِ امامت کو منجانب اللہ نہیں جانتے تھے بلکہ اس کو بھی محض معمولی طور پر موجودہ سلطنت کا ایک عہدہ تجویز فرماتے تھے جو بالکلیہ حاکم وقت اور فرمانروائے عصر کے اختیار کی بات تھی۔ انہی وجہوں سے جعفر نے معتمد سے ایسی لایعنی درخواست کی جس کے جواب میں معتمد نے نہایت آزادی اور صفائی سے جواب دیا کہ تمہارے برادر بزرگوار علیہ السلام کا منصب میری طرف سے نہیں تھا بلکہ وہ حضرت واہب العطایا کی جانب سے تھا یہ عہدہ تفویض سلطانی نہیں تھا بلکہ عطایائے ربانی تھا سمجھو دیکھو کہ میں نے اپنے ابتدائی حکومت سے ایام اسی غور و فکر میں تمام کر دیئے کہ اپنی قوت و اقتدار کے ذریعہ سے ان کے مدارج و مراتب میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں پیدا ہو۔ مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ مجھے ان تمام کوششوں میں سے ایک میں بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ بخلاف اسکے میں نے جوں جوں ان کے استخفافِ مراتب کی فکر کی اُن کے مدارج میں اور ترقی پر نمایاں ترقی ہوتی چلی گئی۔ اور آخر میں میں ان کا کچھ نہ کر سکا۔ اگر شیعوں کے نزدیک تمہاری ذات میں بھی وہی اوصاف پائے جاتے ہیں تو پھر تم کو ہم سے کسی استعانت و استمداد کی کوئی محتاجی اور ضرورت باقی نہیں ہے اور اگر ان لوگوں کے نزدیک تمہاری ذات میں وہ محامد و اوصاف پائے نہیں جاتے اور تم کو وہ اُس قدر و منزلت کا نہیں سمجھتے اور تم میں وہ فضل و کمال اور علم و معرفت اور تقویٰ و عبادت نہیں دیکھی جاتی جو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی ذات مجمع الحسنات میں پائی جاتی تھی تو پھر ایسی حالت میں اگر میں تمہارے برادرِ عالیمقدار کے منصبِ امامت پر مامور و منصوب بھی کر دوں تو میرا یہ مامور و منصوب کرنا تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ معتمد کی زبانی ایسا خشک جواب پا کر جعفر کی کشتِ امید پر یکایک ایسی بجلی گری کسان کو بالکل سکتہ کا سا عالم ہو گیا۔ اور وہ بھی اپنے پادر ہوا خیالوں میں ایسے ناامید ہو گئے کہ پھر فی عمرہ کبھی اسکی طرف یا دیگر کوئی خیال نہ کر سکے اور اپنے دیگر مشاغل میں مصروف رہ کر اپنی حیات کے ایام بسر کرنے لگے۔ ہم نے جہاں تک ان بزرگ کے حالات دیکھے ہیں ہم کو یہ ثابت ہوا ہے کہ ان کے اطوار و اوضاع میں اتنی ہی باتیں تھیں جو اُن سے پہلے اکثر ذریتِ امام علیہ السلام اور ساداتِ کرام میں پائی گئی ہیں۔ جن میں سے بعض حضرات کے ذکر ہم اُن کے خاص خاص مقامات پر اپنے موجودہ سلسلہ تالیف میں مفصل اور مسلسل طریقہ سے قلمبند کر چکے ہیں ہم کو سمجھ لینا چاہئے کہ جس طرح ان تمام حضرات سے اپنے اپنے امور میں لغزشیں واقع ہوئیں اسی طرح اپنے زمانہ میں ان سے بھی بات یہ ہے کہ انسان کی معمول پسند طبیعتیں ہر امر اور ہر مسئلہ کو اپنے اختیار کردہ اصول معمولی پر اندازہ کرنیکو تیار ہو جاتی ہیں اور ہر وقت و ہر دم اسکو اپنے امکان اپنی قوت اور اختیار کے اندر یقین کرتی ہیں۔ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے بعد حضرت جعفر تواب نے بھی بدقسمتی سے مسئلہ امامت کو ایسا ہی سمجھا جو اُن کے غیر معصوم ہونے اور مقتضائے بشریت ثابت کرنیکے لئے پورے طور پر کافی ہے۔ بالآخر اُن کو اپنی موجودہ غلط فہمی پر انفعال ہوا اور توقیع مقدسہ کے ذریعہ سے انکی برأت ثابت ہوئی اور آپ کے تمام معاملات اخوانِ حضرت یوسف علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کے مقابل اور مماثل ٹھہرائے گئے۔

معتمد کے دیگر مظالم اور شیعوں کے مصائب

جعفر تواب کے حالات کو خاتمہ تک پہنچا کر ہم اپنے موجودہ سلسلہ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ معتمد سے خشک جواب پا کر حضرت جعفر تواب تو گھر میں خموش ہو بیٹھے۔ اور انہی کے ایسا معتمد بھی اپنے مقام پر خاموش ہو بیٹھا۔ اور ان کے سکوت اختیار کرنیکا وہی باعث ہوا جسکو ہم کسی قدر تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ صفاریوں کی تاخت کے بعد صاحب الزنج کے یلغاروں نے اسکو بالکل مجبور و لاچار بلکہ قریب قریب اسکی تمام سیاسی تدابیر و تجاویز کو کامل چودہ برس تک فضول اور بیکار بنا دیا۔ اور وہ رات دن ان ترددات اور تفکرات میں ایسا غلطاں و پیچاں رہتا تھا کہ اسکو کسی دوسرے ملکی معاملات کی کوئی فکر باقی نہیں تھی۔ اس سکوت اور خموشی سے جناب قائم آلِ

محمد علیہ السلام کے نظامِ ملکی اور آپ کے معتقدین کے گروہ میں قدرے سکون تو ضرور پیدا ہو گیا مگر تاہم وہ اپنے مراسم اور فرائض کو علانیہ طور پر ادا کرنے کی مطلق جرأت نہیں کر سکتے تھے وہ جس طرح سے متوکل کے ایام سلطنت سے خوف جان۔ تقیہ و کتمان ایمان کی مجبوریوں میں گرفتار تھے اسی طرح تا ہنوز مجبور ہے۔ اگر حاکم وقت اور فرمانروائے عصر ان امور میں بذات خاص کسی قدر ساکت ہو گیا تھا تو کیا۔ اُسکے وزراء اور دیگر اراکین سلطنت جو سراپا تعصب کے تیار مجسمے ہو رہے تھے۔ وہ اپنی اشتعال انگیز اور مخالفت خیز حرکات سے کب باز آنے والے تھے۔ وہ کچھ تو اپنی ذاتی مخالفت کے تقاضوں سے اور کچھ طمع دولت اور جلبِ منفعت کی غرضوں سے گروہ شیعہ کے پیچھے پڑ گئے۔ اور ایسے کہ اس غریب اور ناپرسان گروہ کو ان کے پنجۂ مخاصمت و مخالفت سے اپنا پیچھا چھڑانا دشوار ہو گیا۔ اگرچہ اس سے قبل بھی کئی بار یہ مصیبتیں ان غریبوں کے سر پڑ چکی تھیں۔ مگر ان تمام شدائد و مصائب سے اس وقت کے مظالم کہیں زیادہ تھے۔ ان مظالم کے ادنیٰ نتیجے یہ تھے کہ خاندان کے خاندان، قبیلے کے قبیلے اپنے گھر بار چھوڑ چھاڑ خانہ بدوشی کی غیر متحمل مصیبتوں کو برداشت کر کے دور و دراز ملکوں میں نکل گئے اور دوسرے لوگوں کی خدمت اور اطاعت پر اپنی زندگی کے ایام بسر کرنے لگے۔ ان میں سے جو کسی قدر مستطیع اور اہلِ مقدرت تھے وہ بیرونی ممالک میں نکل کر تجارت اور زراعت کے ذریعے سے اپنے دن گزارنے لگے۔ بعض ان میں سے ایسے دست و پا شکستہ تھے جو ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کی صلاحیت بھی نہ پیدا کر سکتے تھے وہ غریب دامانِ صحرا اور درہائے جبال میں آوارہ اور پریشان و حیران پھر کر اپنی زندگی کے دن کاٹتے پھرتے تھے۔ اُن آفت رسیدوں کے بالآخر یہ نتیجے نکلے کہ وہ سب کے سب جنکی کوئی تعداد اس وقت معلوم نہیں کی جا سکتی۔ ان ویران سنسان اور سنگلاخ زمینوں میں اپنی غربت اور مصیبت کی حالت میں سر ٹپک ٹپک کر مر گئے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ہم نے جہانتک ان آفت زدوں اور مصیبت نصیبوں کے حالات و واقعات پر غور کی نگاہ کی ہے ہمکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں سے سب سے زیادہ بدقسمت ہی تھی جو جلا وطنی اور مسافرت و غربت کی سخت سے سخت مصیبتیں اٹھا اٹھا کر مر گئے ؎

اس بیکسی کی موت کسی کو خدا نہ دے ✤ مٹی جسے عزیز نہ دے آشنا نہ دے (مرزا دبیر مرحوم)

اُن غریبوں کا آج صفحۂ روزگار پر نہ کوئی نام لیوا باقی ہے اور نہ پانی دیوا۔ اور اگر کوئی پایا جاتا ہے تو ان کی غربت کے واقعات اور مصیبت کے حالات۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ زمانہ شیعوں کے لئے سخت مصیبت کا زمانہ شمار کیا جاتا ہے اور عباسیوں کی سختیاں اِن لوگوں پر بنی امیہ کی بے رحمیوں سے کبھی کم نہیں خیال کی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس زمانہ کا ایک واقعہ نمونے کے طور پر ہم ذیل میں درج کرتے ہیں جن سے اُن تمام حالات کے علاوہ یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے موجودہ نظامِ امامت کو درہم و برہم کرنے میں سلطنت کی طرف سے کتنی سعی و کوشش کی گئی۔

حسن ابنِ حسن علوی کا بیان ہے کہ معتمد کے ندیموں میں سے کسی ندیم نے اُس کو اطلاع کی کہ جناب قائم آل عبا علیہ التحیۃ والثنا کی طرف سے اطراف عالم میں سفرا اور وکلاء وصولی خراج کے لئے مامور ہیں۔ اور وہ لوگ یہ رقوم ملک کی شیعہ رعایا سے وصول کر کے برابر آپ کی خدمت بابرکت میں پہنچایا کرتے ہیں۔ ندیم صاحب کو نہیں معلوم کیسے صحیح اسناد اور قوی ذریعہ سے یہ خبر پہنچ گئی تھی کہ انہوں نے تمامی سفراء اور وکلاء امام علیہ السلام کے نام بھی بتلا دیئے۔ اس زمانہ میں عبید اللہ ابن سلیمان معتمد باللہ کا وزیر تھا۔ اُس نے یہ روئداد سُن کر خلیفۂ عصر کو ان لوگوں کے تفحص و تجسس کی صلاح دی۔ معتمد نے کہا کہ تجویز تو ضرور صحیح ہے مگر ہر چیز کسی طرح کی ہو اچھی یا بُری۔ کسی حجت اور دلیل کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ اگر ایک بارگی یونہی اُن کا تجسس۔ تلاش اور گرفتاری جاری کر دی جائیگی تو عام طور سے شکایت کا باعث ہوگا۔ اسلئے بہتر ہے کہ کچھ لوگ مصنوعی طریقہ اور عیارانہ چال سے ان وکلاء اور سفراء کے پاس تھوڑا بہت مال دے کر بھیجے جائیں۔ وہ لوگ یہ رقم دکھلا کر اُن سے کہیں کہ یہ مال امام علیہ السلام ہے اور تم لوگوں کی معرفت خدمت امام علیہ السلام میں بھیجنا چاہتے ہیں۔ آپ اس کو ہم سے لے لیں اور حسب دستور اس کی رسید ہم کو دیدیں جب یہ جاسوس اس عیاری اور ہوشیاری سے وہ رقم اُن لوگوں

کو دیکر اس کی رسید لے لیں تو اس کے بعد ان ہی رسیدوں کے ذریعے سے ہم ان لوگوں کو گرفتار کرینگے۔ اور یہ طریقہ ہمارے لئے کسی شکایت کا باعث نہ ہوگا۔ یہ ترکیب وتجویز سلطانی وزیر کو بہت پسند آئی اور اس نے اسی کے مطابق عملدرآمد شروع کر دیا۔ مگر قبل اس کے کہ یہ کارروائیاں آغاز ہوں ناحیۂ مقدسہ سے تمام وکلار کے نام پہ حکمنامہ جاری ہوا۔ جس میں یہ تحریر تھا کہ اسوقت سے کوئی شخص کسی غریب الوطن اور تازہ وارد سے کوئی مال نہ لے تاوقتیکہ وہ بذات خاص اس سے پوری واقفیت نہ رکھتا ہو۔ اس توقیع مبارک کی ہدایت سے تمام وکلار اور سفرار جو اس منصب پر مامور تھے آگاہ ہوگئے۔ اس اثنار میں وزیر کی تدبیر بھی ظاہری طور پر جاری ہوئی اور طرح طرح کی عیاری اور مکاری کے ساتھ دنیا کے ایمان فروش ایمان والوں کے مصنوعی لباس میں مومنین کی گرفتاری اور دل آزاری کی غرض سے شہر در شہر۔ قریہ در قریہ اور گلی در گلی تفحص کرنے اور سراغ لگانے لگے مگر چونکہ انکی عیارانہ تدبیر سے پہلے یہاں تمام سفرار اور وکلار حقیقت احوال سے آگاہ ہو چکے تھے۔ اسلئے معتمد کی یہ سوچی ہوئی چال اور اُس کے وزیر کا پھیلایا ہوا دامِ تزویر ان خالص الاعتقاد لوگوں کا کچھ نہ کر سکا۔ اور بالکل بیکار اور بے اثر ثابت ہوا۔ مگر اس پر بھی ان لوگوں نے اپنی کوششوں کا سلسلہ نہ چھوڑا۔ چنانچہ انہی جاسوسان شاہی میں سے ایک حضرت مال کثیر لیکر محمد ابن احمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ یہ بزرگوار مشاہیر وکلار میں سے تھے اور عراق کی سرحدی شیعہ آبادیوں کے تمام اموال انہی کے پاس جمع ہوکر خدمتِ امام علیہ السلام میں پہنچتے تھے۔ جب یہ جاسوس مال لیکر ان کی خدمت میں پہنچا اور اپنا ہمراہی مال دکھلا کر ان کو اپنے دام میں لانا چاہا تو انہوں نے صاف طور سے انکار کر کے کہدیا کہ تمہارا یہ وہم بالکل غلط اور سراسر بیجا ہے۔ میں ان امور سے ذرا بھی واقف نہیں ہوں۔ اور نہ یہ امور مجھ سے کوئی تعلق یا واسطہ رکھتے ہیں اور نہ اس مادۂ خاص میں کوئی ذاتی علم و اطلاع رکھتا ہوں۔ اثنائے گفتگو میں وہ حضرت ان بزرگ کی خدمت میں اظہار ِ حال کی غرض سے بہت دیر تک اصرار کرتے رہے۔ مگر اس کامل الایمان اور راسخ الاعتقاد بزرگوار کی رازداری اور وفا شعاری ذرا بھی لغزش یا جنبش نہ کر سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جاسوس صاحب اپنی ترکیب و تدبیر میں بالکل محروم و مایوس رہ کر ان کی خدمت سے واپس آئے۔ اسی ایک واقعہ کو پڑھکر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ سلطنت کی طرف سے کتنے لوگ اس عیاری اور مکاری کے لباس میں سفرار اور وکلار کی فریبدہی اور اغوا کے لئے مقرر ہوئے ہونگے کیونکہ کچھ ایک ہی شخص تو وکیل اور سفیر تھا ہی نہیں۔ ان بزرگواروں کی بھی آخر ایک معتدبہ جماعت تھی۔ جن میں چند نفوس مقدسہ کے نام نامی اور ان کی ماموریت کے مقام ہم اسی کتاب میں اوپر لکھ چکے ہیں۔

اس واقعہ سے معلوم ہوگیا کہ معتمد اور اُسکے امرا و ارکین دولت نے نظامِ امامت کے درہم و برہم کرنے یا کم سے کم اُن کے اسرار و اخبار پر پورا علم و اطلاع پا جانیکی کوششوں میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اگر وہ اسرار حقیقت میں مشیت یزدانی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تو ضرور تھا کہ یہ تلاش اور تجسس سلطانی جو تدبیر انسانی کا اعلیٰ نظام کہا جاتا ہے ان امور کا پورا سراغ اور کامل پتہ لگا لیتی۔ مگر چونکہ یہ تمام کلیتہً نظام مشیت ہی کے احکام تھے اس لئے انسان کی تلاش اور تحقیق اسکے متعلق کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتی تھی۔ بہرحال معتمد کی ان مخالفانہ کارروائیوں سے جو کچھ اُسکا دلی مقصود تھا وہ کسی طرح اسکو حاصل نہ ہو سکا۔ اور جو فائدہ کہ اس کی نظر میں مترتب ہونیوالا تھا وہ ایک بھی نہ پہنچ سکا۔ مگر ہاں اُسکی ان کارروائیوں نے عام اہل اسلام کے عقائد میں جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے وجود ذیجود کے مسئلہ کو ایک ایسا پیچیدہ اور اختلافی مسئلہ بنا دیا جس نے انواع و اقسام کے فساد پیدا کر دیئے۔ اور طرح طرح کے اصول اور محض بے بنیاد اعتقاد اسلام میں پیدا کر دیئے۔ جن سے اسلام کے مذہبی افق میں مشرقی مذہبوں کی طرح اوہام پرستی کی جھلک نمایاں ہونے لگی۔ ان تمام خرابیوں کی وجہ یہی تھی کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے وجود ذیجود کے مسئلہ کو اس عظمت اور وقعت سے گرا دینے اور اُسکو عام قلوب سے مٹا دینے کی کوشش کی گئی جس سے کہ وہ منجانب اللہ موصوف و مخصوص فرمائے گئے تھے اور ان اوصاف و محامد کی بابت خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد نصوص موجود تھے۔ مگر چونکہ فی الحال آپ کا وجود ان

لوگوں کے مطلب و مقصود کے منافی اور مضر ثابت ہوتا تھا۔ اس لئے اس سے انکار ضروری اور لازم تھا۔ اور اسی مجبوری اور دشواری کے خاص لحاظ سے مسئلہ توحید کے خلاف میں ایسے بے دلیل۔ غیر اصول اور بے پاور ہوا اخبار مشہور کردیئے گئے جس نے ایسے صاف اور واضح مسئلہ کو خواہ مخواہ اختلافی بناکر تمام اسلامی امت میں گمراہی کے اعتقاد اور خیالات پیدا کردیئے +

اسلام میں مہدویت کے دعویدار

اب ہم ان سوء اعتقادیوں کی ایک مختصر سی تفصیل ذیل میں درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ اس مسئلہ کے متعلق اسلام میں کس کس قسم کے مختلف خیالات مختلف زمانوں میں پیدا ہو گئے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام میں مہدی موعود سلام اللہ علیہ من رب الودود کے ہونے کا مسئلہ ایسا مقدس اور موقر تسلیم کیا گیا تھا کہ ہر شخص بہ ہزار آرزو و تمنا اس کا منتظر و مشتاق تھا کہ یہ عظمت و جلالت اس کی قوم و قبیلہ کی خوش نصیبی اور امتیاز کا تمغہ بنکر حاصل ہو۔ اس وجہ سے خلافت راشدہ کے ایام تمام ہوتے ہی مسلمانوں نے اسکو بھی خلافت کا ردیف بناکر اپنا اپنا کر لینا چاہا۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) سب سے پہلے بعض اہل اسلام نے جناب امیر المومنین علیہ السلام کو مہدی موعود خیال کیا۔ کوفہ میں شہید ہونے کے بعد بصرے والوں نے آپ کی نسبت اپنی ان غلط فہمیوں کی بنا اس قیاس پر قائم کی کہ خلافت راشدہ یہی امامت حقہ تھی جس کا ختم کنندہ مہدی بتلایا گیا ہے۔ ایسے خیال والے وہی حضرات تھے جو حسن بصری کو آپ کا خلیفہ اور جانشین قرار دیتے ہیں اور یہ حضرات اس زمانہ میں سبابا یا کے لقب سے مشہور تھے۔

(۲) اس کے بعد حضرت محمد حنفیہؓ کے طرفداروں نے ان اوصاف سے ان کو مشہور و موصوف بتلایا مگر جناب امام زین العابدین علیہ السلام اور محمد ابن حنفیہؓ کے مابین حجر الاسود کے قدرتی محاکمہ نے اس غلط فہمی کی فوراً اصلاح کردی۔

(۳) پہلی صدی کے ختم ہونے کے قریب بعضوں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو مہدی بتلایا۔ مگر آپ نے خود انکی تنبیہ فرمائی اور ان کو ایسی غلط فہمیوں سے روکا۔ (۴) بعضوں نے عبداللہ۔ افطح کو مہدی خیال کیا۔

(۵) ابتدائے دوران حکومت عباسیہ میں عبداللہ محض نے اپنے صاحبزادے نفس زکیہ کو اس لقب سے مشہور کرنا چاہا جس کو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے خلاف بتلایا اور مقام ابوا کے خاص جلسہ سادات میں ان کے اس دعوی کے جواب میں صاف صاف کہدیا کہ آپ کا بیٹا مہدی موعود نہیں ہوسکتا۔ اور نہ مہدی موعود کے ظاہر ہونے کا یہ زمانہ ہے۔

(۶) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد بعض فرقہ نے حضرت اسمٰعیل ابن جعفر صادق علیہ السلام کو مہدی تجویز کیا۔

(۷) فرقہ راجعیہ کے لوگوں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو مہدی موعود خیال کیا۔

بہرحال اتنے واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ ابتدا ہی سے اسلام میں مختلف فیہ چلا آتا ہے مگر خیر اسی میں ہے کہ دعویدار مہدویت تمام تر سادات اور اہل بیت علیہم السلام ہی ہیں۔ اور کوئی غیر نہیں۔ مگر تاہم چونکہ ہر شخص ہمیشہ اس میں اپنے ذاتی قیاس سے کام لیتا تھا اور ہمیشہ اس کے متعلق اختراع و ایجاد کے مادے سب کے دماغ میں موجود اور تیار رہتے تھے۔ اس لئے زمانہ کی ذرا سی تحریک پر وہ تمام مردہ خیالات پھر از سر نو ایک نئی صورت میں پیدا ہو جایا کرتے تھے۔ اور مخالفین کو اپنے مخالفانہ اور مغویانہ مشن کے کامیاب بنانے میں نہایت آسانی ہوتی تھی مگر با ایں ہمہ اتنے مختلف عقائد جو مختلف زمانوں اور متفرق لوگوں میں وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے تھے۔ وہ ایک میعاد خاص کے بعد فوراً زائل ہو جاتے تھے اور مٹتے جاتے تھے۔ اور اتنے غلط خیالات اور قیاسات میں ایک بھی صحیح اور درست نہیں ثابت ہوتا تھا۔ مگر اب اس نکبت اور شامت کا کیا علاج ہوسکتا ہے کہ باوجود اتنے مشاہدات متواترات کے بھی اُن کے خیال قطعی طور پر مستاصل اور ختم نہ ہوئے۔ بلکہ اُن کی اس غلط فہمی۔ سوء تدبیری اور کوتہ اندیشی کا لگاتا سلسلہ اس زمانہ سے لیکر جناب قائم آل عبا علیہ التحیۃ

والثناء کے خاص زمانہ تک چلا گیا۔ چنانچہ اب ہم اُن لوگوں کی تفصیل اور ان کے عقائد ذیل میں لکھتے ہیں۔ جنہوں نے آپ کی موجودگی میں دوسروں کو آپ کی جگہ مہدی موعود قرار دیا۔

(۱) ان لوگوں میں سے پہلا گروہ تو وہ ہے جو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کو مہدی موعود اور حی القائم سمجھتا ہے۔ ان کے عقائد میں آپ کی وفات ثابت ہی نہیں بلکہ وفات فرمانے کی جگہ وہ آپ کے غائب ہو جانے کو تسلیم کرتے ہیں۔

(۲) بعض محمد ابن علیؑ کو اپنا مہدی مانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ ایک مقام میں اب تک محفوظ و مصئون ہیں۔

(۳) بعض جعفر ابن علیؑ (جعفر تواب) کو مہدی مانتے ہیں۔ (۴) بعض کا یہ خیال تھا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے بعد اپنا کوئی فرزند جو آپ کے بعد آپ کا قائم مقام اور جانشین ہو عقب میں نہیں چھوڑا۔ اس لئے امر امامت ہمیشہ کے لئے موقوف اور منقطع ہو گیا۔ اب جس طرح منظور مشیت ہو گا ظہور پذیر ہو گا۔

(۵) اکثر لوگ اسی مسلک کو اتنے اضافہ کے ساتھ تسلیم کرتے تھے کہ سلسلۂ امامت ایک میعاد مقررہ تک ضرور منقطع رہے گا۔ مگر قریب قیامت حسب نصوص محکم اس کا سلسلہ از سر نو شروع ہو گا۔ مہدی موعود کی ولادت ہو گی اور وہ تمام حجت و براہین آپ سے ظاہر و ثابت ہونگے جو مطابق نصوص آپ کے متعلق بتلائے جاتے ہیں۔ یہ وہی فرقہ ہے جو اُس وقت تمام فرقوں سے زیادہ خلفائے عباسیہ کے زیر اثر تھا۔ اور باعتبار تعداد و شمار کے سب سے بڑا فرقہ تھا۔ کیونکہ موجودہ حکومت کے بھی یہی عقائد تھے۔

بہر حال جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے مسئلۂ امامت میں اتنے ظاہری اختلاف پیش تھے جو عام اہل اسلام کے اعتقادات میں طرح طرح کے فساد پھیلا رہے تھے۔ اور انوار حقیقت کو دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی کر رہے تھے۔ جب یہ تمام واقعات ایک منصف مزاج اور عدالت پسند انسان کے سامنے پیش کئے جائیں گے تو وہ تھوڑے ہی غور کے بعد اس امر کو فوراً تسلیم کر لیگا کہ ان تمام اختلافات اور فسادات کا باعث سلطنت کی خود غرضی اور نفسانیت ہے۔

حقیقت تو یوں ہے کہ اس مسئلہ میں سلطنت کی طرف سے مخالفانہ کارروائیاں نہ پیش کیجاتیں تو پھر یہ مردہ خیالات جو سوا ڈیڑھ سو برس سے قریب زوال پہنچ گئے تھے۔ پھر از سر نو زندہ نہ ہوتے۔ مگر چونکہ اس مادہ خاص سے سلطنت نے جلب منفعت کے خاص اغراض قائم کر لئے تھے۔ اسلئے ان لوگوں نے پھر ان خیالات کے منتشر کرنے اور اسکو پورے اعلان کی حدود تک قائم کرنے میں اپنی کوششوں کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اس صورت میں ہمارا یہ سمجھ لینا اور لکھ دینا ضرور صحیح ہو گا کہ خلفائے عباسیہ نے آپ کی مخالفت کا وبال آخرت تو اپنے سر لیا ہی تھا۔ اب اہل اسلام کے عقائد میں بھی اختلاف و فساد پھیلانے کا دوسرا عذاب اپنی گردن پر اٹھا لیا۔ اور اپنے آپ کو دنیا و عقبیٰ میں خدا کا گنہگار اور اس کی عقوبت و عذاب کا مستحق اور سزاوار بنا لیا۔

اب ان تمام بیانات کے ساتھ ہمارے لئے یہ لکھ دینا بھی نہایت ضروری ہے کہ آخر ان تمام اختلافات اور فسادات کا نتیجہ کیا نکلا۔ ہم نے جہاں تک اس کے نتیجہ کی تحقیق کی ہے ان تمام قیاسی اور وہمی طریقوں کا بھی آخر میں وہی نتیجہ ثابت ہوا ہے جو اس سے قبل ایسے بے اصول اور بے بنیاد عقائد والوں کا نتیجہ ظاہر ہو چکا ہے اِس میں شک نہیں کہ تھوڑے دنوں تک تو ان کا اور انکے عقائد کا دنیا میں وجود معلوم ہوتا رہا مگر پھر آگے چل کر ان تمام فرقوں کا نام اور نشان باستثنائے فرقۂ اُخرے کے تمام دنیا سے مٹ گیا اور یہ تمام فرقے رفتہ رفتہ اپنی غلط فہمیوں کی حقیقت معلوم کر کے اپنے عقائد باطلہ سے رجوع کر کے مسالک حقہ پر قائم ہو گئے۔ لیکن اب کی باران کی غلط فہمیوں کا ایسا کامل استیصال ہوا کہ صفحہ روئے زمین پر آج تک ان فرقوں میں سے کسی ایک فرقہ کا نام بھی سننے میں نہیں آتا۔

معتمد آپکی ولادت کا قائل تھا

ہمارے اوپر کے بیانات سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ معتمد نے آپ کے انکار ولادت کے مسئلہ میں اپنے ساتھ قریب قریب تمام اہل اسلام کو اپنا شریک اور ہم خیال بنا لیا۔

اس کے بعد ہم اُس کے آئندہ حالات کو بیان کرتے ہیں۔ معتمد نے عام طور سے مشہور کر رکھا تھا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے لاولد انتقال فرمایا ہے اور آپکی کوئی اولاد دنیا میں موجود نہیں ہے جو آپ کے املاک ومقبوضات وغیرہ کا مالک اور وارث سمجھا جائے۔ اسلئے آپکی تمام جائداد کے وارث جعفر توّاب ہیں اور آپکی والدۂ گرامیقدر جو اُسوقت تک بقید حیات تھیں۔ معتمد کا یہ حکم کیا تھا اور کیونکر تھا؟ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت تک جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی ولادت کا اُس کو مطلق علم ہی نہیں تھا حالانکہ اِس کی تردید وتکذیب خود اُسی کے کلام سے کماحقہ ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ جعفر توّاب کی درخواست عطائے عہدۂ امامت کیمتعلق اُس نے کُھل کُھل کر صاف صاف لفظوں میں کہدیا کہ تم اِس منصب کی صلاحیت نہیں رکھتے اگر رکھتے ہوتو گروہ شیعہ خود تمہیں اپنا پیشوا اور مقتدا بنالیگا میری کسی تحریک یا تاکید کی کوئی ضرورت نہیں ہے اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ معتمد جعفر کو قابل امامت نہیں جانتا تھا۔ اور گیارہویں امامت تمام ہوجانے کے بعد بارہویں امامت کیلئے اس کے نزدیک بھی کوئی شخص جعفر کے سوا ضرور ہونا چاہیئے تھا۔ اور جسکو ہونا چاہیئے تھا اس کی حالت اُسکو خود جعفر اور اپنے دیگر عمائد وارا کین دولت کی زبانی نماز جنازہ کی امامت کے متعلق معلوم ہوچکی تھی۔ پھر اتنے ذاتی علم ہونیکے باوجود بھی معتمد نے جس ضرورت سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی تمام جائداد جعفر کو وراثت میں دلوادی۔ اُسی ضرورت نے آپ کے اقرار ولادت کے بعد پھر اُس سے انکار بھی کرادیا۔ اور وہ وہی ضرورت تھی جو بالکل ظاہر ہے اور نہایت واضح۔ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ معتمد حقیقت میں آپ کی ولادت کے مسئلہ کا پوری طرح سے قائل تھا۔ مگر اس کا اقرار اُسکے ذاتی مطالب ومقاصد کیلئے نہایت مضر تھا۔ اِس وجہ سے وہ اپنے اقرار کو کسی طرح اپنی زبان سے کہنا نہیں چاہتا تھا۔ کچھ معتمد ہی پر موقوف نہیں ہم نے جہاں تک حضرات آئمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے اوصاف ومحامد اور فضائل ومناقب کے منکرین کے حالات وواقعات لکھے ہیں ہمکو ان سب کے حالات یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ مگر وہ مخالف اِن ذواتِ مقدسہ کے تمام فضل وکمال کے پورے معترف ہوتے تھے اُن کے مدارج ومراتب کی دل میں ہمیشہ تصدیق کیا کرتے تھے مگر بااینہمہ اپنے مُنہ سے کچھ کہنا نہیں چاہتے تھے۔

جن لوگوں نے ہمارے موجودہ سلسلۂ تالیف سیرتِ اہل بیت علیہم السلام کو ترتیب کے ساتھ ملاحظہ کیا ہے۔ وہ معاویہ ابن ابوسفیان سے لیکر معتمد اور معتضد تک سب کو اسی اصول کا پابند پائیں گے۔ اس میں بھی بہت بڑی مصلحت خداوندی مضمر تھی۔ کیونکہ بمصداق اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ ان کے فضائل ومناقب کا اعتراف اُن کے مخالفین اور منکرین تک کرتے تھے۔ اب اس سے بڑھکر ان کی حقانیت کی اور دلیل کیا ہوسکتی ہے کہ دشمن ان کی فضیلت کا قائل ہے۔ عام اس سے کہ وہ اپنی خودغرضی اور نفسانیت کی خاص وجہوں سے اس کا اظہار کرے یا نہ کرے اس سے کوئی بحث نہیں۔

بہرحال اس وقت معتمد کی بھی بجنسہ یہی حالت ہے اور آپ کے مسئلہ ولادت کے متعلق اس کے اقرار کی بھی یہی صورت حقیقت میں جن لوگوں کے قلوب خلوص وعقیدت سے خالی ہوتے ہیں۔ ان کی ضعیف الاعتقادی اور اوہام پرستی کی بھی کیفیت ہوا کرتی ہے۔ بہرحال حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد جب جعفر نے وراثت کا معاملہ پیش کیا تو معتمد نے ان کی دلجوئی اور اشک شوئی کی غرض سے ان کے تنازعہ کو اُن کے خاطر خواہ فیصل کردیا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ ظاہری شریعت کے فتوئے سے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کو لاولد قرار دیکر آپ کے متروکات کو آپ کے بھائی اور والدۂ گرامی کے درمیان حسب سہام شرعیہ تقسیم کردئیے جانے کا حکم دیدیا۔ اس کی رو سے جعفر کو آپ کی جائداد میں تین ثلث سے زیادہ کا حصہ ملا۔ اور آپ کی والدۂ مقدسہ بحساب سدس کے ایک ثلث سے بھی کم کی سہیم ٹھہرائی گئیں معتمد کی یہ جیسی کچھ حق تلفی اور ناانصافی تھی وہ اس کے اس فیصلہ سے ظاہر ہے۔

جناب قائم آل محمد علیہ السلام نے اپنے کمال حُسن اندیشی اور آل بینی سے اس ظلم اور اپنی محرومُ الارثی کی مصیبتوں پر

صبر و تحمل فرمایا۔ اور نظام مشیت نے اُسکے اس کردار کی فوری سزا کو مصلحت نہ سمجھا۔ کیونکہ ان امور کی تلاش اور تحقیق اُسوقت بہت سے اسرار مشیت کا افشا کردیتی۔ معتمد کے شدید سے شدید ظلم و تعدی اور سخت سے سخت جور و جفا نے آپ کے مٹانے اور ہلاک کرنیکے متعلق جیسے جیسے انتظام کیے تھے۔ کسی طرح سے شمار میں نہیں آسکتے ہیں یہانتک تو نوبت پہنچا دی تھی کہ باوجود اتنی بیداری اور ہوشیاری کے بھی شیعہ گروہ کے وہ اشخاص جو مختلف مقامات سے خمس کے اموال و اسباب لیکر بغداد میں سفراء اور وکلائے امام علیہ السلام کے پاس آتے تھے انکو اتنی رازداری کی موجودہ حالتوں پر مزید احتیاط کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ عضیوں اور کیماوں کو اپنے نام نہ بتلائیں۔ اور نہ اموال و اسباب کے بھیجنے والوں کے نام و نشان سے کوئی خبر دیں اور نہ اموال و اسباب کے انواع و اقسام سے ان کو مطلع اور آگاہ کریں۔ اور اسی طرح توقیعات مقدسہ کے ذریعہ سے تمام شیعوں کو حکم عام دیدیا گیا تھا کہ وہ ان لوگوں میں بھی جنکو مال خمس ادا کریں نہ اپنا نام و نشان بتلائیں اور نہ اپنی سپرکردہ اشیاء کے انواع و اقسام سے مطلع کریں۔ ان لوگوں سے صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ اس مال کو فلاں مقام پر پہنچا دو۔ یا فلاں شخص کے حوالے کردو۔ اور اس سے زائد ایک حرف اُس سے کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تمام باتیں کیوں تھیں؟ صرف اس لیئے کہ اُس وقت میں شہر شہر۔ قریہ قریہ گلی گلی۔ کوچہ کوچہ۔ ان تمام امور کے سراغ لیئے جاتے تھے۔ سلطنت کی طرف سے جاسوسوں کی کثیر التعداد جماعت رات دن گشت پر گشت لگاتی تھی۔ اور جس اجل نصیب پر اُن کو ذرا بھی شبہ ہوتا اُس کی بلا تامل اسی وقت گردن اڑادی جاتی تھی اُس کی جان لینے میں ذرا بھی دریغ نہ کیا جاتا تھا غرضکہ چاروں طرف شیعہ گروہ کی غریب جانوں کا خون کیا جاتا تھا۔ اور دنیا کے وسیع اور چوڑے میدان میں بے خوف و خطر ان کے خون کا سیلاب بہایا جاتا تھا۔ اُسوقت آپ کے نظام امامت بالکل اسراری اسرار تھے ورایسے کہ کسی کو انکی مطلق خبر نہیں تھی۔ اور نہ کوئی شخص اُن سے واقف ہوتا تھا معتمد کی ظلم و تعدی روز بروز بڑھتی ہی جاتی تھی اور شیعوں کی غریب جانوں پر یہ قیامت کی مصیبتیں انواع و اقسام کی صورتوں میں نازل ہوتی رہتی تھیں۔ ملک میں نہ کوئی کاروبار کرسکتے تھے اور نہ اپنی گزران اوقات کے واسطے کوئی روزگار۔ نہ بازاروں میں جاسکتے تھے۔ نہ خوف جان کی وجہ سے کسی کے پاس آجاسکتے تھے۔ دوست آشنا عزیز و اقارب سے ملنا جلنا کیسا۔ باپ بیٹے کے ساتھ۔ بیٹا باپ کے ساتھ آقا غلام کے ساتھ۔ غلام آقا کے ساتھ اپنا کوئی راز نہیں کہہ سکتا تھا۔ اور اگر ان امور کی کچھ ضرورت واقع ہوتی تو فیما بین شرعی حلف اور عہد و پیمان قائم ہولیتے تھے تو ایک دوسرے کے سامنے زبان تقریر کھولتا تھا۔ اور منہ سے بولتا تھا۔ اس احتیاط پر بھی انکی غریب جانوں کی مخلصی نہ ہوئی پر نہ ہوئی۔ تو آخرکار ان بیچاروں نے محض خانہ بدوشی کی مصیبتیں اختیار کرلیں یہ وہی حالات ہیں جن کو ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے حالات میں قلمبند کر آئے ہیں ۔

شیعوں کی بربادی اور جناب صاحب الامر علیہ السلام کی شدید احتیاط

غریب شیعوں کی تو یہ کیفیت ہو رہی تھی۔ اب جناب صاحب الامر علیہ السلام کے نظام امامت اور اجرائے احکام امامت کی عموماً اُسوقت کیا حالت ہو رہی تھی۔ سچی کیفیت یہ ہے کہ جب ایک قوم اور فرقہ کے تمام قومی۔ تمدنی اور سیاسی امور سے صاف تنفر و بیزاری ظاہر کیجاتی ہے تو ان کی مذہبی رسوم اور دینی امور سے تو بدرجہ اولیٰ تنفر کا اظہار کیاجاتا ہوگا۔ یہ ایک ایسا کھلا ہوا یقینی امر ہے کہ ہر شخص اس سے پوری واقفیت رکھتا ہے۔ پھر شیعوں کی ایسی عام پریشانی اور بے سروسامانی میں ان کی تعلیم و تلقین کے کیا سامان ہوسکتے ہیں۔ یہاں کہاں خطرات جان و مال کی ہمہ دم فکروں سے اتنی فرصت اور فراغت کہاں تھی جو ازخود اپنی دینیات کی ضرورتوں کی نسبت کوئی فکر کرتے۔ مگر ہم ان کے بے نظیر استقلال نے موجودہ انتشار و اضطرار کی خاص حالتوں میں بھی اپنی تعلیم و تلقین کے فرائض جس اخلاص سے ادا کیے وہ ابھی ابھی پوری تفصیل کے ساتھ ایک طول و طویل بحث میں بیان ہوچکے ہیں۔ دنیا کی مختلف تاریخیں دیکھنے والے مشکل سے اس وقت کے شیعوں کے استقلال و استحکام کی مثال دنیا کے کسی دوسری قوم کے حالات میں دکھلاسکتے ہیں۔ حقیقت میں ان کی یہ راسخ الاعتقادی اور خالص الایمانی ایسی بے نظیر بے عدیل اور لاثانی ثابت ہوتی ہے کہ نص قرآنی اور احکام ربانی نے ان لوگوں کو

كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ کے گرانمایہ القاب سے مخاطب فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

بہرحال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو محض اتفاقی طور پر ہمارے موجودہ سلسلۂ بیان میں حائل ہوگیا۔ ہم اُس کے متعلق یہاں تک بیان کرکے اپنے موجودہ تالیفی مضامین کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہاں تک اوپر بیان ہوچکا ہے کہ جب شیعہ گروہ کی نوبت جانیں تقیہ کی حالت میں بھی تباہی و بربادی سے نہ بچ سکیں تو آخرکار ان کی قوم اور قبیلے کے قبیلے دور و دراز ملکوں میں جلا وطن ہوگئے۔ ترکِ وطن۔ مفارقتِ احباب اور فرقتِ اہل و عیال گوارا کرکے ممالکِ غیر میں چلے گئے۔ ان غریبوں کے سر تو یہ بیتی۔ نظامِ امامت کی یہ حالت ہوئی کہ کوئی شخص جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کا نام بھی اپنی زبان سے نہیں نکال سکتا تھا۔ اور اس امرِ خاص کے متعلق نہایت سخت تاکید کے ساتھ توقیع مبارک کے ذریعہ سے حکمِ امتناعی نافذ ہوگیا تھا کہ کسی وقت اور کسی حالت میں اگرچہ وہ کیسا ہی ضروری کیوں نہ ہو ہمارا نام نہ لیا جائے۔ بلکہ اپنے مقصود و مفہوم کو اشارۃً دوسرے الفاظ میں بیان کیا جائے۔ اس اہتمام کی ضرورت اور مصلحت کو اکثر شیعوں نے نہ سمجھا۔ اتنی مجال۔ اتنی آزادی اور جرأت کہاں کہ خدمتِ مقدس میں اصالتہً یا وکالتہً حاضر ہوکر اس کا سبب دریافت کرتے۔ مگر ہاں بعض نے اپنے وکلاء اور سفراء سے اسکی وجہ دریافت کی۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ ہمارے بیان پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔

ابو عمر عثمان ابن سعید رضی اللہ عنہ سے جو آپ کے اول نواب ہیں دریافت کیا گیا کہ آپ کے اسم مبارک نہ لئے جانے کی کیا وجہ قائم کی جاسکتی ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ تمہارے سوال کرنے سے پہلے ہم کو تمہارے سوال کا جواب خدمت امام علیہ السلام سے تعلیم ہوچکا ہے اور یہ حکم ہوا ہے کہ ہم اچھی طرح سے تمام گروہ شیعہ کو بتلادیں اور سمجھادیں کہ جو جو اوصاف و محامد ہماری ذات کے متعلق وہ دریافت کریں بتلانا مگر اس کے ساتھ ہی اگر وہ میرا نام تم سے پوچھیں تو نہ بتلانا۔ بلکہ اس سوال کے جواب میں اُن سے کہدینا کہ زمانۂ موجودہ میں ہمارا نام لینا ہمارے شیعوں پر حرام کیا گیا ہے۔ اگر اس پر بھی وہ نہ مانیں اور تم سے اس کی وجہ دریافت کرنے پر اصرار کرتے رہیں تو تم اُن کو میرا یہ حکم پڑھکر سنا دینا۔

چونکہ حاکم وقت کا یہ عقیدہ ہے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے بعد کوئی فرزند عقب میں نہیں چھوڑا ہے اور اسی غلط قیاس پر اُس نے آپ کے کل متروکات ظاہری کو اُن ہی لوگوں پر تقسیم کردیا ہے جو کسی طرح اس تقسیم کے مستحق و سزاوار نہیں ہوسکتے تھے۔ لیکن ان تمام امور پر بھی میں نے اس وقت تک صبر کیا اور کچھ نہ کہا بلکہ بالکل خاموش رہا۔ اور اسی وجہ سے ان کے وارث اور جائز وصی کی حالت زمانۂ موجودہ میں ایسی ہو رہی ہے کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ۔ اور دوسری جگہ سے تیسری جگہ سخت پریشان اور بے سر و سامان پھر رہے ہیں اور کسی سے اپنا صحیح نام و نشان بتلانے اور معرفت کرانے کی جرأت نہیں کرسکتے۔ ایسی حالت میں اگر تم لوگ میرا نام اسی طرح سے لیا کروگے جس طرح تم دنیا کے اور لوگوں کے نام لیا کرتے ہو تو پھر ہماری جستجو اور تلاش کرنے والے ہمارے پیچھے پڑجائیں گے اور پہلے سے کہیں زیادہ ستائیں گے۔ اور آزار پہنچائیں گے جسکی وجہ سے نظامِ امامت اور اجرائے احکامِ شریعت میں سخت نقصان اور خلل واقع ہوگا۔

ایسی واضح اور روشن عبارت میں خود جناب صاحب الامر علیہ السلام نے اپنی غایت درجہ کی مجبوری اور معذوری کی حالت کو بیان کردیا ہے جسے دیکھکر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ ان ایام میں تنہا شیعوں پر ہی سلطنت کی طرف سے یہ مظالم اور شدائد قائم نہیں تھے بلکہ شیعوں پر اور شیعوں کے امام پر سلطنت اور اس کے تمام ارکین کی طرف سے مخالفت کی یکساں صورت تھی۔ آپ کے بیان صداقت نوامان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اپنے مخالفین کے خوف سے اس زمانہ میں ترکِ سکونت اور مہاجرت کی تمام زحمتوں پر مجبور تھے۔ جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ یہ اُس کے اہل و عیال ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ پریشان حال پھرتے ہیں۔ اس فقرہ سے ثابت ہوگیا کہ آپ شہرِ سامرہ میں فی الحال نہیں رہ سکتے تھے۔

بلکہ اُن اسبابِ خاص کی وجہ سے جو اوپر تحریر کیے گئے۔ غیر متعارف مقامات میں تشریف فرما رہتے تھے۔ اور وہاں بھی آپ قطعی اختفا کی حالت میں بسر کرتے تھے اور کسی شخص کو اپنی معرفت سے آگاہ نہیں فرماتے تھے۔ دوسری بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اِس عالم پریشانی اور بے سروسامانی میں آپ تنہا ہی نہیں تھے بلکہ آپ کے ساتھ آپ کی والدۂ گرامیقدر عُلیا مکرمہ حضرت نرجس خاتون سلام اللہ علیہا بھی شریک و رفیق تھیں۔ اور حضرتِ مقدسہ کے ہمراہ رکھنے میں بہت بڑی مصلحت یہ تھی کہ آپ کے ہجرت فرمانے کے بعد حضرتِ موصوفہ کو مخالفین سے ایذا پہنچنے کا جو احتمال تھا وہ کسی طرح ہمراہ رکھنے میں باقی نہیں رہتا تھا۔ کیونکہ ابھی چند روز پیشتر اُن بے شرموں نے جو کچھ بے ادبی کی تھی وہ پوری تفصیل کے ساتھ اوپر قلمبند ہو چکی ہے۔ اِس خاص مصلحت کے باعث آپ کے تنہا چھوڑنے میں بہت سے امور کا خوف لگا ہوا تھا۔ جو آپ کے موجودہ مصالح کے بالکل خلاف اور منافی ثابت ہوتے تھے۔

بہرحال ہم اتنا لکھ کر پھر اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں کہ جناب صاحب الامر علیہ السلام کے اِس حکمِ عام سے آپ کی مجبوری محرومی اور مظلومی اور آپ کے مخالفین کی ستمگاری اور دل آزاری کماحقہٗ ثابت ہوئی جس کو دیکھ کر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ آپ کو اپنی موجودہ امامت کے فرائض کے متعلق احیائے سنت اور اجرائے ہدایت کی تدبیرات اِن ایام میں کیسی دشوار ہو رہی تھیں۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی حفاظتِ جان کے سامان بھی کیسے مشکل اور عموماً خارج از امکان تھے۔ مگر واقعات کے دیکھنے والے اور حالات کے مطالعہ کرنے والے پر اچھی طرح روشن ہے کہ آپ کے حُسنِ تدبیر نے اور مصلحت بینی نے ان تمام دقتوں کی موجودگی میں اپنی کامیابی کے لئے نہایت آہستگی اور سہولت سے راستہ پیدا کر لیا اور پھر ایسا کہ دنیا کی دنیا آپ کے سُراغ۔ آپ کے تجسس اور آپ کی تلاش میں اپنا سر ٹکراتی رہی۔ مگر اُن میں سے کسی ایک کو بھی آپ کے کسی امر کا کوئی پتہ اور نشان نہ ملا پر نہ ملا۔ اسی کا نام تائیدِ ربانی ہے۔ اور یہی خاصانِ یزدانی کی مخصوص علامت اور نشانی ہے۔

بہرحال آپ کی پریشانی بے سروسامانی اور حیرانی و سرگردانی کی تو یہ کیفیت تھی اور دشمنوں کے مخالفانہ تجسس اور تلاش کی شبانہ روز کوشش کسی طرح کم نہ ہوتی تھی۔ بلکہ اُن کی کوشش چاروں طرف عام طور سے شورشیں پیدا کر رہی تھی اور شیعوں کا قتل شیعوں کی گرفتاری۔ شیعوں کی بربادی اور تباہی کے علاوہ آپ کی خاص پریشانی اور حیرانی کی نسبت جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے ہم کو ثابت ہوا ہے کہ سامرۂ مقدسہ سے ترکِ سکونت فرمانے کے بعد زمانۂ اطہر میں اس وقت کوئی شخص آپ کی جدہ ماجدہ سلام اللہ علیہا کے سوا موجود نہیں تھا۔

والدۂ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام

جناب صاحب الامر علیہ السلام نے اپنی جدہ معظمہ کو اس سفر میں اپنے ہمراہ نہ لیا۔ اس میں جو مصلحت خاص طور پر مضمر تھی وہ یہ تھی کہ وہ حضرتِ مقدسہ اپنے زمانہ کی بہت بڑی صاحبِ علم و فضل۔ بہت بڑی محدثہ اور مقدسہ مشہور تھیں۔ اور جملہ احکامِ شرعیہ اور امورِ دینیہ کا کامل علم اور عبور رکھتی تھیں۔ مومنین کی کثیر التعداد جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر استماعِ حدیث اور اخذِ حدیث کی تحصیل کیا کرتی تھی۔ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی شش سالہ قید و حراست کے زمانہ میں آپ نے یہ تمام خدمات نہایت آسانی اور اطمینان سے کامل طور پر انجام فرمائی تھیں۔

موجودہ انتشار و اضطرار کی حالت میں ارکانِ شریعت شکستہ اور شیعوں کے لئے ابوابِ ہدایت بستہ ہو رہے تھے۔ اور بخوفِ ہلاکت کی بابت کوئی شخص اس کے اقدام پر جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے حضرتِ مقدسہ کا اِن امور کی انجام دہی کے لئے سامرہ میں موجود رہنا ضروری سمجھا گیا۔ کیونکہ مخالفین کو آپ کی نسبت اِن امور کے شک اور شبہات مشکل سے ہو سکتے تھے۔ جناب صاحب الامر علیہ السلام کی تشریف بری کے بعد آپ تمام مومنین کو احکامِ دینِ مبین کی تعلیم و تلقین فرمایا کرتی تھیں

چنانچہ وہ لوگ جو پہلے سے حضرتِ مطہرہ کے فضل وکمال اور استعداد و جامعیت سے واقف تھے وہ بغیر کسی تحریک کے آپ کی خدمت مبارک میں حاضر آکر اخذِ مسائلِ شرعیہ کیا کرتے تھے۔ بعض کو اس میں تامل ہوا اور وہ بنظرِ استفسار حضرت ابو سعید عمری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے حقیقت حال اور اس کے اصلی باعث او رسباب ان سے بیان کر دیئے۔ مگر تاہم آپ کے جواب سے اُن لوگوں کی تشفی نہیں ہوئی۔ وہ یہاں سے اُٹھ کر جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام کی خدمت میں آئے اور مقصد حاصل ہوئے۔ چنانچہ ہم اس واقعہ کو بحار الانوار کی جلد سیزدہم صفحہ ۱۴۰ مطبوعہ تبریز۔ ایران سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

احمد ابن ابراہیم کا بیان ہے کہ ۲۶۲ھ ہجری میں جناب حکیمہ دختر امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں ہم لوگ حاضر ہوئے ہمارے آپ کے درمیان ایک پردہ حائل تھا۔ ہم اس پردہ کے باہر سے باتیں کرتے تھے۔ میں نے اُس وقت کی عام ضرورت کی وجہ سے اصول تقیہ کے مطابق مخفی طور پر عقائد کی بابت پہلے سوال کیا۔ اس کے جواب میں آپ نے تمام امور خدائے وحدہٗ لاشریک کے اسماء و صفات سے لیکر نبوت و امامت کی معرفت کلی تک جو جو ضروری احکام تھے بیان فرمائے گیارہ اماموں (سلام اللہ علیہم) کے سلسلہ وار نام لیکر ارشاد فرمایا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے بعد امامت آپ کے فرزند کی طرف منتقل ہو گیا اور اُن ہی کی ذاتِ ستودہ صفات پر امرِ امامت کی تمام خدمات ختم ہو گئیں۔

ابن ابراہیم کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں نے خاص کر تجاہلِ عارفانہ کیا اور جناب موصوفہ سے پوچھا کہ کیا واقعی جناب امامِ حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے بعد اپنا کوئی فرزند عقب میں چھوڑا ہے جو اس زمانہ میں امر امامت کا متکفل ہے؟ حضرتِ موصوفہ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ حقیقت میں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد ہمارا امام اُن کا وہ فرزندِ رشید اور خلفِ صالح ہے جس کو حجت کہتے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ حجت ابن حسن علیہما السلام کو آپ نے برائی العین دیکھا ہے اور اُن کی ولادت باسعادت کی خبر آپ کو محقق ہوئی ہے؟ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ ہاں اور مجھے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی طرف سے اُن کی امامت کے متعلق نص صریح وصحیح پہنچ چکی ہے۔ میرے نام آپ کا ایک مغافرت نامہ بھی صادر ہوا تھا جس میں مرقوم فرمایا گیا تھا کہ میرے بعد امامت حجت علیہ السلام کی ہوگی۔ آپ کی وفات کے بعد میں نے آپ کی والدہ مقدسہ (عُلیا مکرمہ زوجہ جناب علی نقی علیہ السلام) سے اس مولود کی نسبت دریافت کیا تو حضرتِ موصوفہ نے جواب دیا کہ وہ مخفی ہیں۔ احمد کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں نے حکیمہ خاتون سے دریافت کیا کہ حجت علیہ السلام کے ایام غیبت میں لوگ اپنی ضروریاتِ دینی کو کس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور کون شخص اُن کے مسائل کا جواب دیتا ہے۔ اور اُن کے شبہات و شکیات کو زائل کرکے اُن کے عقائد کو درست کرتا ہے۔ حضرتِ موصوفہ نے ارشاد فرمایا کہ جناب حجت علیہ السلام کی جدہ ماجدہ جو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی والدہ معظمہ ہیں۔ تمام شیعوں کو لازم ہے کہ اپنے امور کو ان کی طرف رجوع کریں۔ اور اُن ہی کی تقلید اختیار کریں یہ سُن کر میں نے عرض کی کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے اس حکم کے صدور میں کہ جمیع مومنین کو ایک عورت کی تقلید اختیار کرنے کا حکم دیدیا۔ کس کی تاسّی فرمائی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس امرِ خاص میں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی تاسّی سے کام لیا ہے جیسا کہ آپ نے بوقت شہادت اپنے باقی ماندہ اہلبیت علیہم السلام کو بالصحت حضرت زین العابدین علیہ السلام اپنی خواہر معظمہ علیا مکرمہ جناب زینب خاتون سلام اللہ علیہا کی تقلید اختیار کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ آپ کے بعد حضرت زین العابدین علیہ السلام نے بھی اپنی خانہ نشینی اور عزلت گزینی کے ایام میں جناب زینب صلوات اللہ علیہا کو اس امر کا مجاز فرمادیا تھا۔ ایک عرصہ تک سلاطین بنی امیہ کے خوف سے جناب

امام زین العابدین علیہ السلام کے تمام احکام حضرت زینب علیہا السلام کی طرف منسوب کیے جاتے تھے۔ یہی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے موجودہ نظام کی بھی صورت ہے۔ احمد ابن ابراہیم کا بیان ہے کہ جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام کا یہ مدلّل اور مفصّل جواب سُن کر مجھ کو آئندہ یارائے تقریر بالکل باقی نہ رہا۔ اور میں نے اپنی موجودہ حالت میں حضرت واہب العطایا کا مخصوص شکریہ ادا کیا کہ اُس نے ذات موصوفہ کے ذریعہ سے میری ارشاد و ہدایت کے ایسے سامان فراہم فرمائے۔ جن سے میرے موجودہ عقائد میں تازہ استحکام و استقلال پیدا ہوگیا۔

بہرحال۔ جناب حکیمہ خاتون کی اس تقریر سے ثابت ہوگیا کہ اُس وقت ہدایتِ مومنین کے امور میں کیسی دشواری اور دقت واقع تھی۔ اور یہ زمانہ جماعتِ مومنین کے لئے کیسی آفت مصیبت اور قیامت کا تھا۔ نہ حفاظتِ جان کی کوئی صورت ہوسکتی تھی۔ اور نہ ہدایتِ ایمانی کی کوئی ترکیب کارگر ہوسکتی تھی۔ اُن کی مجبوری تھی تو غایت درجہ کی اور معذوری تھی تو پرلے سرے کی۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ علمِ تاریخ کے وسیع عالم میں اس سے (شیعہ قوم سے) بڑھ کر کسی قوم۔ کسی قبیلہ یا کسی طریقہ کی مجبوری اور معذوری اور کیا ثابت کی جاسکتی ہے اور اُن کے مقابلہ میں کسی اور قوم و ملت کی ذلت اور رسوائی پیش کی جاسکتی ہے۔

بہرحال جناب ریحانہ زوجہ مقدسہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی ان ایام میں وہی کیفیت تھی جو حضرت حمیدۂ مصفّٰی رضی اللہ عنہا زوجہ مطہرہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی حالت۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے آغازِ امامت میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ تاریخ و سیر کی کتابوں سے ثابت ہوتاہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے آغازِ امامت میں منصور کی شدتِ مخالفت کی وجہ سے جناب حمیدۂ مصفّٰی ارشاد و ہدایت کے احکام اور تعلیم و تلقین مومنین کے اجرا کے لئے عام طور پر ماذون تھیں۔ اور جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے اُس وصیت نامہ میں جو آپ نے اپنی وفات کے بالکل قریب تحریر فرمایا تھا اس کی عبارت میں آپ کے بعد آپ کے ورثا اور قائم مقاموں کے سلسلہ میں ان خاتونِ مقدسہ کا نام نامی بھی خاص طور پر داخل فرمادیا گیا تھا۔ اُن ایام میں جو حکم و احکام خاتون مطہرہ کی خدمت سے نافذ فرمائے جاتے تھے وہ بالکل حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام امام عصر اور حجتِ زمانہ کے عینِ حکم یقین کئے جاتے تھے۔ اسی طرح ان ایام میں بھی جو احکامِ تعلیم و ارشاد مومنین اور احیائے شرعِ مبین کے متعلق حضرت علیا مکرمہ جناب ریحانہ علیہا السلام کی خدمت سے نافذ ہوتے تھے وہ بعینہٖ قائم آل محمد علیہ السلام کے احکام سمجھے جاتے تھے (دیکھو بحار الانوار)

بہرحال۔ جن لوگوں نے حضرات ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے حالات و واقعات کے مطالعہ کی توفیق پائی ہے وہ جانتے ہیں کہ نظام امامت کے متعلق امامت کی تاریخ میں یہ تیسری مثال ہے۔ اس سے پہلے اس کی ایسی دو مثالیں اور قائم ہوچکی ہیں اور جناب زینب و حضرت حمیدۂ مصفّٰی سلام اللہ علیہما نے ارشاد و ہدایت کی خدمات کو اپنے اپنے ایام میں مخالفین کی یورش اور عام شورش کی وجہ سے اور نیز امامِ عصر اور حجت اللہ زمانہ کے مصالح اور اسرار مخصوصہ کے محفوظ فرمانے اور اس کی مقدس جان کو قتل و ہلاکت سے بچانے کی خاص غرض سے نہایت اطمینان و فراغت سے کامل طور پر انجام دیا ہے۔ دنیا کی کم بین نگاہوں میں اگر مشاہدۂ حقیقت کے لئے کچھ بھی نور اور ان کے اندر دلپسند دماغوں میں عقل و شعور باقی ہو تو اب بھی وہ ان ہی مخدراتِ علیہ اور پردگیانِ عصمت سرا کے حالات و واقعات کو پڑھ کر اُس خانہ کرامت نشانہ کی عظمت و جلال اور فضل و کمال کی حقیقت کا پورے طور پر نہایت آسانی سے اندازہ کرسکتے ہیں اور خود بغیر کسی تحریک کے کہہ سکتے ہیں کہ جس خاندانِ اعلیٰ اور دودمانِ والا کی مخدرات کی استعداد و جامعیت اور کمال و قابلیت کا یہ حال ہے تو اُس خانوادۂ مقدس کے مردوں کے جوہر ذاتی اور محامد صفاتی کی کیا حالت ہوگی جو بحکم محکم

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ان مخدرات سے فضل وکمال میں بدرجۂ اولیٰ سمجھے جاتے ہیں۔

بہرحال اتنا تحریر کرکے ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ والدۂ مقدسہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام جن کے مبارک حالات ابھی ابھی اوپر لکھے گئے ہیں آپ کے ابتدائی ایام غیبت میں برابر تعلیم وارشاد کی خدمات نہایت قابلیت اور جامعیت کے ساتھ انجام فرماتی تھیں مخالفین کو جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں اس زمانہ میں آپ کی تعلیم وتلقین کی کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ اور اس کی وجہ یہی تھی کہ آپ کی خدمات ستودہ آیات پر اجتہاد یا تعلیم وارشاد کے امور کا مخالفین کو کسی وقت کوئی شبہ یا گمان نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مسلک حقہ اثنا عشریہ میں عورتیں عموماً اجتہاد کے قابل نہیں سمجھی جاتیں۔ اور یہ امر فی نفس الامر ایسا ہی تھا۔ ان ایام مخصوصہ میں بحالت مجبوری ان ذوات مقدسہ اور مخدرات مطہرہ سے ان امور کی بابت جو کچھ عمل میں آیا وہ ان کا خاص اجتہاد نہیں تھا۔ بلکہ وہی احکام تھے جو انہوں نے ائمۂ سابق یا لاحق علیہم السلام سے مسموع فرمائے تھے اسلئے ان کے جو احکام پائے جائیں گے وہ ان ہی حضرات ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرف منسوب کئے جائیں گے۔

بہرحال جناب ریحانہ مادر گرامی قدر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اس وقت تک برابر تعلیم وہدایت مومنین کی خدمات انجام دیتی رہیں جس وقت تک کہ جناب قائم آل عبا علیہ التحیہ والثنا نے موفق باللہ کے زمانۂ سلطنت میں مصر سامرۂ شریفہ کی طرف مراجعت فرمائی اور آپ کے معاودت فرمانے کے تھوڑے ہی دن کے بعد یہ خاتون مکرمہ رہگرائے عالم بقا ہوگئیں۔ سلام اللہ علیہا۔ اتنے دنوں کی ہجرت کے زمانہ میں جناب قائم آل محمد علیہ السلام کا قیام شہر حلہ کے اطراف وجوانب میں خاص طور پر بتلایا جاتا ہے۔ چنانچہ شہر کے بیرون ایک خاص مقام اب تک آپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور وہاں آپ کے قیام کی مبارک یادگار میں ایک خوش نما عمارت تیار کی گئی ہے جو اس وقت تک قائم اور برقرار ہے اور ہر سال مومنین مخلصین کی کثیر التعداد جماعت اس مقام مطہر کی زیارت سے برابر شرف اندوز ہوتی ہے۔ مگر چونکہ آپ کا یہ سفر بھی بالکل اسرار مشیت کے متعلق تھا اس لئے اس کی نسبت بھی کوئی اخبار وآثار تفصیل کے ساتھ کسی کتاب میں پائے نہیں جاتے۔ اور حقیقت میں ان امور کے متعلق انسان کا زیادہ تفحص وتلاش۔ کدوکاوش اور فکر محنت نظم قدرت اور احکام مشیت میں صاف صاف تصرف اور کھلی کھلی مداخلت تصور کی جائے گی۔

ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو یہاں تک پہنچا کر آئندہ واقعات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارے اوپر کے بیان سے کماحقہٗ ثابت ہوگیا کہ جناب امام زمان علیہ السلام کو اپنی امامت کے آغاز ایام میں معتمد کی مخالفت کی وجہ سے کیسی کیسی دشواریاں پیش آئیں۔ ہدایت وارشاد کے تمام ابواب مسدود ہوگئے اور احیائے شریعت واجرائے ہدایت کے طریقے مفقود۔ عامۃ المومنین کی تعلیم وتلقین کے لئے کوئی ذریعہ باقی نہ رہا۔ عقائد حقہ کا اعلان ہلاکت جان کا باعث ہوگیا۔ ہزاروں بے گناہ بندگان خدا کا خون بہا دیا گیا۔ اُن کے اموال۔ ان کی جائداد تباہ وبرباد کردی گئی۔ اس پر بھی بس نہیں کی گئی۔ مخصوص جناب صاحب الامر علیہ السلام کی گرفتاری کے لئے جاسوسوں کی کثیر التعداد جماعت سلطنت کی طرف سے مقرر کی گئی جو شہر بشہر۔ قریہ بقریہ کوچہ بکوچہ۔ گلی درگلی۔ رات دن آپ کی تلاش آپ کا سراغ اور آپ کا پتہ لگاتی رہتی تھی۔ آبادی کو چھوڑ کر غیر آباد مقاموں میں۔ میدانوں میں اور پہاڑوں میں آپ کو برابر ڈھونڈھتی رہتی تھیں۔

کیا کوئی شخص معتمد کے ان سراغ رسانی کے انتظامات کو بڑھکر کسی دوسرے شخص کے ایسے تجسس وتلاش کی مثال پیش کرسکتا ہے۔ نہیں کوئی نہیں۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ عرب کی تاریخ میں واقعۂ ہجرت کے بعد یہ دوسری مثال

ثابت ہوتی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مشرکین مکہ نے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گرفتاری کی فکریں کی تھیں اور پھر آپ کے ہجرت فرمانے کے بعد جس طرح آپ کے تجسس و تلاش میں تمام میدانوں اور ریگستانوں کی خاک چھانکی تھی۔ اسی طرح دو سو ساٹھ برس کے بعد معتمد نے بھی جناب قائم آل محمد کی گرفتاری اور سراغ یابی کی لاانتہا کوششوں میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ مگر اس حافظِ حقیقی نے جس طرح اس وقت اپنی ودیعت کو اپنی حفاظت و امانت میں رکھا اسی طرح اس وقت بھی اس حکیم برحق اور واجب متعلق نے اپنی موعود حجت زمان اور دارثِ شریعت و ناصرِ ایمان کو دشمنانِ دین اور عام منافقین کے پنجۂ عفوبت سے محفوظ و مصئون رکھا ع

دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است

اگر خیرہ چشمانِ زمانہ کے دیدۂ بصیرت وا ہوں تو وہ انہی دونوں واقعات کی مشابہت و مماثلت سے آپ کے اُس اتحاد فی الخلقت والذات کو پورے طور سے سمجھ سکتے ہیں جو جناب صاحب الامر علیہ السلام کو حضرت ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کے ساتھ ظاہری و باطنی دونوں طریقوں سے حاصل تھا۔

بہرحال اِن امور کے ساتھ ہی ان حالات اور واقعات میں نظامِ مشیت کی اُن خاموش تدبیرات اور نرم مصالح کے عمدہ نتائج بھی کماحقہ ظاہر ہو گئے جو مخالفین کے پُرزور اور قوی حملات کے مقابلہ میں اختیار فرمائے گئے تھے۔ اور ہر شخص نے اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھ لیا کہ معتمد کے ایسے ظالم و جابر خلیفہ کی سخت اور شدید کارروائیوں کے مقابلہ میں ہجرت اور ترک سکونت کی نرم اور خاموش تدابیر اختیار کی گئیں۔ پھر تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان تمام امور میں دقت اور پریشانی کی جگہ کسی قدر سہولت اور آسانی پیدا ہو گئی۔ یہ سب کیا تھے؟ قدرت کے تصرفات اور مشیت کے خاص معاملات جن کے فہم سے عقل انسان بالکل مجبور اور قطعی معذور ہے۔

المعتضد باللہ کی سلطنت

یہاں تک تو اوپر بیان ہو چکا ہے کہ معتمد نے اپنے بیٹے کو ولیعہدی سے معزول کر کے اپنے بھتیجے احمد بن موفق کو اپنا قائم مقام بنایا تھا۔ اس لئے معتمد کے مرتے ہی احمد اسکی جگہ پر بغداد کا خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔ احمد بن موفق نے تخت خلافت پر بیٹھکر المعتضد کا لقب لینے کیلئے تجویز کیا۔ اور دفتر و دیوان کے تمام صیغوں میں حکم و احکام اسی لقب اور نام سے نافذ ہونے لگے۔

معتضد نے اپنے آغازِ حکومت میں سیاست حکمرانی اور جہانبانی کے متعلق اپنی ایسی اچھی لیاقت اور مہارت دکھلائی کہ ہر شخص کو سلطنتِ بغداد کی گزشتہ عظمت و جلال اور شوکت و اقبال کے پھر بہت جلد لوٹ آنیکا کسی قدر یقین ہو چلا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اسلامی تاریخیں شہادت دے رہی ہیں کہ معتضد کے تختِ سلطنت پر بیٹھتے ہی وہ عام فتنہ و فساد جو ملک کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے بالکلیہ فرو ہو گئے۔ اور عام پریشانی اور بدامنی جو رعایا کے ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں میں عالمگیر ہو رہی تھی۔ تسکین اور عام تشفی سے مبدل ہو گئی۔ خراج سلطانی اور دیگر ابواب ملکی و مالی جو بدامنی کی وجہ سے اکثر علاقوں میں بند تھے وہ سب کھل گئے اور بدستور قدیم جاری ہو گئے۔ غرضکہ وہ تمام و کمال قرائن جو ایک فرمانروا کے تسلط اور ملک کے اطمینان اور عام امن و امان کے لئے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ وہ سب معتضد باللہ کے ایام سلطنت میں ظاہر ہونے لگے۔ اور انہی آثار و احوال کو مشاہدہ کر کے ہر شخص آسانی سے یقین کرنے لگا کہ معتضد کی سلطنت اگر ایک میعاد خاص تک قائم اور دیرپا رہ گئی اور اس کے اصول جہانداری اگر اسی صورت سے جاری رہے تو اس میں پھر کوئی شبہ نہیں کہ خلافت عباسیہ کی گذشتہ سطوت و عظمت اور دولت و ثروت جو منصور، ہارون اور مامون کے ایام میں حاصل تھی پھر اپنی قدیم حالت پر آجائیگی۔ مگر افسوس! ع خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

تھوڑے سے ہی دن آگے چلکر ایسا خیال کرنیوالوں کو معلوم ہوگیا کہ حقیقت میں اُن کے یہ گمان خواب وخیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے اور جو کچھ کہ اس کے ظاہری اور ابتدائی عنوان سے امید کی جاتی تھی وہ محض نقش برآب تھی۔ بہرحال جیسا ہوا اور جو کچھ ہو۔ اس کی سلطنت کے پہلے دس برس نہایت خوبی سے گزرے مگر اتنی مدت کے سکون وآرام کے بعد اُسکو اپنے معاملات میں پہلے پہل جس مشکل سے سامنا ہوا وہ قرامطہ کا عروج تھا اور خروج۔ قبل اس کے کہ ہم اُن کے حالات کو اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں قلمبند کریں ہم تمہید کے طور پر اُن کے مختصر حالات معترفی کی ضرورت سے ہدیۂ ناظرین کردینا نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔

قرامطہ کے حالات اور اُن کے عروج کی کیفیت

قرامطہ ظاہری طور پر بالکل عابد اور تارک الدنیا معلوم ہوتے تھے مگر حقیقت میں وہ سب کے سب بڑے جفاکش محنتی اور جری تھے۔ سخت سے سخت معرکوں میں قائم رہنا اور بڑی بڑی مصیبتوں میں اپنی جانوں پر کھیل جانا اُن کے لئے بالکل سہل اور آسان تھا۔ وہ کسی امر میں اپنی ہمت نہیں ہارتے تھے اور مشکل سے مشکل وقتوں میں کبھی بیدل اور برداشتہ خاطر نہیں ہوتے تھے۔ اسلام میں اُن کے عقائد تصوف اور علم الاشراق کے اصول پر مبنی معلوم ہوتے ہیں مگر تاہم ان لوگوں کو ہم کامل صوفی بھی نہیں کہہ سکتے۔ ہمکو چونکہ موجودہ مقام پر انکے عقائد سے خاص طور پر بحث کرنا مقصود نہیں ہے اسلئے ہم انکے عقائد کی تفصیل کو تمام کی تاریخ وسیر کی کتابوں کے مطالعہ پر حوالہ کرتے ہیں۔ جس کو ضرورت ہو وہ ان کتابوں میں اُن کے طریقے اصول عقائد کو مفصل طور پر دیکھ سکتا ہے۔ مگر ہاں آخر میں ہم اتنا ضرور لکھدینگے کہ انکے اصول اور عقائد پر غور کرنے سے اشراقیین اور کاملین علم تصوف سالک اور عقائد کی جھلک ضرور معلوم ہوتی ہے۔ خصوصیات اعمال وترکیب ریاضت کے احکام وتدارک وغیرہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے دکھلائی دیتے ہیں۔ جن لوگوں نے ان ایام کے حالات کو غور سے دیکھا ہے اور تفصیل سے پڑھا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اُس وقت علم تصوف اور اشراق کی عام گرم بازاری اور شہرت تھی اور مختلف اصول وعقائد کی بناپر نئے نئے فرقے۔ نئے نئے طریقے اپنے اپنے جداگانہ عقائد کے ساتھ اسلام میں پیدا ہوتے چلے جاتے تھے ان تمام فرقوں کا مرکز شہر بغداد تھا۔ جہاں سے یہ تمام طریقے ابتدا پاکر اپنی اپنی نشوونما پاتے تھے۔

بہرحال فرقہ قرامطہ کے لوگ بھی اگر حقیقی طور پر ان لوگوں میں داخل نہیں تھے تو اُن عقائد اور اصول کے زیر اثر تو ضرور تھے۔ اِن کے موجودہ رئیس طائفہ اور سردار قوم کا نام ابوسعید جبائی قرمطی تھا۔ اس شخص نے اپنی موجودہ جماعت کے ساتھ بصرہ کے اطراف وجوانب میں خروج کیا اور وہاں کے لوگوں کو اپنے اصول اور عقائد کی طرف دعوت کی تھوڑے ہی دنوں میں اِن کی مشن کو پوری کامیابی ہوئی اور بصرہ سے لیکر دارالجزائر کے تمام باشندے ان کے عقائد میں شریک ہوگئے۔ اور اس اطراف میں انکا پورا تسلط ہوگیا۔ اس میں شک نہیں کہ ابتدائی حالتوں میں قرامطہ کے اغراض ومطالب بہت بھاری معلوم ہوتے تھے۔ اُن کی دعوت امن پسندی کے نرم اور خاموش طریقہ سے کیجاتی تھی۔ مگر جیسے جیسے انکا تسلط ہوتا گیا اور ملک وقوم پر اثر پڑتا گیا۔ ان کے اقتدار میں وزن اور ان کے اختیار میں قوت آتی گئی اور رفتہ رفتہ وہ سادگی اور خاموشی عام یورش اور پرجوشی سے مبدل ہوئی اور وہ امن کی جگہ ملک میں بدامنی اور اطمینان کی جگہ غیراطمینانی اور بےچینی پھیلانے لگے۔ اور زہد واتقا کے ظاہری لباس کو ترک کرکے حکمرانی اور جہانبانی کی پوری شان دکھلانے لگے۔ اس صورت وحالت میں اُن کے موجودہ افعال اشراقیین اور صوفیان گوشہ نشین کے اعمال سے بالکل خلاف اور منافی ثابت ہونے لگے۔

بہرحال جب اُن کی عام شورش اور فتنہ وفساد کی خبر ملک میں عام اور طشت ازبام ہوئی اور معتضد کو بھی اسکی طرف سے خاص تعلق پیدا ہوگیا تو اس نے عمر ابن عباس غنوی کو اِن کی سرکوبی کیلئے دارالخلافت بغداد سے روانہ کیا۔ اہل قرامطہ اس وقت بصرہ سے بڑھتے ہوئے قطیف تک پہنچ گئے تھے۔ اور بصرہ کا عامل جو سلطنت کی طرف سے اِن اطراف کا حکمران تھا اِن کے بڑھتے

ہوئے پاؤں کو پیچھے نہ ہٹا سکا۔ معتضد کا فرستادہ لشکر یلغاروں پر یلغاریں کرتا ہوا معرکۂ کارزار میں پہنچا اور قطیف کی مشرقی جانب سے قرامطہ پر حملہ آور ہوا۔ مگر قرامطہ نے لشکرِ سلطانی کی ہیبت و سطوت کا کوئی خیال نہیں کیا بلکہ بخلاف اس کے بڑی پاداری اور ہمت و دلیری سے دشمن کا مقابلہ کیا اور اپنی شجاعت۔ قوت اور استقلال کے ایسے جوہر دکھائے کہ بغداد کی شاہی فوج ان کے مقابلہ کی تاب نہ لائی اور شکست فاش اٹھا کر اِدھر اُدھر تمام منتشر ہوگئی۔ سپہ سالارِ سلطانی عمر ابن عباس غنوی اپنے سات سو ہمراہیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا اور ابوسعید جبائی رئیس قرامطہ کے سامنے لایا گیا۔ ابوسعید نے سوائے عمر ابن عباس کے بقیہ تمام فوج سلطانی کے اسیروں کو اسی وقت قتل کرا دیا۔ اس واقعہ سے قرامطہ کی ہیبت اور سطوت مشرقی عرب اور ساحل کے تمام علاقجات پر پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی اور اُن کے تسلط کے سامنے معتضد خلیفۂ عباسی کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ اُن کے تمام امور میں روز بروز استحکام اور استقلال آ گیا۔ جب اس شکست کی خبر معتضد کو معلوم ہوئی تو وہ یکایک قرامطہ کی اس نمایاں فتحیابی سے کچھ ایسا متاثر اور مخوف ہوا کہ پھر عرصہ تک اس سے کسی قسم کی تحریک یا مقابلہ کی جرأت نہ کر سکا۔ قرامطہ نے پھر جو چاہا تمام مُلک میں کر لیا اور حکومتِ بغداد کی طرف سے ان کی ممانعت اور مدافعت کا کوئی سامان نہ ہو سکا۔ اتنا بیان کر کے اب ہم عمر ابن عباس الغنوی کے بقیہ حالات کو جسے ہم قرامطہ کی قید میں چھوڑ آئے ہیں قلمبند کرتے ہیں۔

عمر ابن عباس عرصہ تک قرامطہ کی حراست میں مقید رہا۔ عبدالواحد ہاشمی خود عمر ابن عباس غنوی کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ جب مجھکو ایک مدت قرامطہ کی قید میں گذر چکی اور اپنی نجات و مخلصی کی کوئی امید باقی نہیں رہی تو میں نے اپنی موت اور جان دینے کا پورا قصد کر لیا۔ اسی اثنا میں ایک دن ابوسعید جبائی رئیس قرامطہ کا ایک غلام میرے پاس آیا اور میرے ہاتھ پاؤں کی زنجیر آہنی نکالکر مجھے حمام میں لے گیا۔ نہلا دھلا کر میرے کپڑے بدلوائے اور بعد ازاں مجھے اپنے رئیس کے سامنے لایا۔

ابوسعید جبائی رئیس قرامطہ کی عمر بن عباس کی رہائی دینے کے وقت تقریر

عمر ابن عباس غنوی کا بیان

ہے کہ جب میں اس ہیئت سے ابوسعید کے پاس لایا گیا تو اس نے مجھے سر سے پاؤں تک نہایت غور و تامل سے دیکھا پھر مجھ سے کہا کہ میں نے ہر چند تمہارے قتل کے بارے میں غور کیا مگر مجھکو تمہاری ہلاکت میں کوئی نفع نہیں معلوم ہوا۔ اُس کی جگہ میرا یہ ارادہ ہوا ہے کہ میں تمہاری معرفت معتضد خلیفۂ بغداد کے پاس اپنا ایک پیام بھیجوں۔ کیونکہ میں اس رسالت کے لئے تمہارے سوا اور کسی دوسرے کو موزوں نہیں سمجھتا۔ اگر میرے پیام کو بلا تغیر الفاظ بجنسہٖ بلفظہٖ ویسا ہی جیسا کہ میں تم سے کہتا ہوں معتضد تک پہنچا دینے کا وعدہ اور اقرار کر لو تو البتہ میں تمہیں اسی وقت رہا کر دوں۔ اور اگر تم سے ایسا ہونا ممکن نہ ہو سکے تو مجھے صاف صاف جواب دیدو۔

عمر کہتے ہیں کہ ابوسعید کی یہ تقریر سنکر میں تو اپنی مخلصی کی خوشی میں شادی مرگ ہو جانیکے قریب پہنچ گیا۔ مگر میں نے نہایت استقلال اور متانت سے اپنے اس قلبی اور دلی جوش کو روکا اور ضبط کیا اور کسی طرح اسکا اظہار نہ ہونے دیا۔ اور نہایت آہستگی سے ابوسعید کے سوال کا جواب دیا کہ میں بسر و چشم آپ کے پیام کو انکی خدمت میں بحرفہٖ و بلفظہٖ اسی طرح جس طرح آپ فرمائینگے پہنچا دونگا۔ یہ سنکر اس نے مجھ سے اس بیان پر حلفِ شرعی لیا اور پھر دیر تک سکوت کے عالم میں سوچتا رہا۔ اس کے بعد مجھ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ تم معتضد کے پاس جا کر میری طرف سے کہدینا کہ تم اپنی موجودہ حیثیت اور دولت کی تباہی و بربادی کی خود اپنی طرف سے کیوں کوشش کر رہے ہو۔ اور اپنی آبروریزی کے ساتھ خلافتِ اسلامی کی ہتکِ حرمت کر رہے ہو اور اپنے دشمنوں کو اپنے اوپر غالب کر رہے ہو یقین کر لو کہ میں مردِ صحرائی ہوں۔ ایسا کہ جس کے لئے نہ کوئی شغل ہے نہ کاروبار جسکا کوئی تابع ہے اور نہ روزگار۔ خود اپنی جان کے خوف سے میں نے ایسی تلخ اور ناگوار زندگی اختیار کی ہے۔ نہ میں نے تمہارا کوئی شہر لیا تھا اور نہ تمہاری حکومت میں کوئی نقص پیدا کیا۔ خدا کی قسم اگر تم اپنا تمام ملک میرے مقابلہ کے لئے لاؤ گے تاہم مجھ پر غلبہ نہ پاؤ گے کیونکہ میرے لشکر کی اور میری عادت سخت سے سخت

مصائب برداشت کرنیکی ہوگئی ہے۔ تمہارا آرام طلب اور عیش پسند لشکر جس نے زیادہ تر باغستانِ بغداد میں پرورش پائی ہے۔ اب تمہارے حکم سے مجبور ہوکر جنگل اور پہاڑوں کی صعوبت اُٹھا کر اگر مجھ تک زندہ وسلامت پہنچا بھی۔ اور شرماشرمی کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لئے مجھ سے مقابل ہوا بھی تو اس بیموقع جرأت سے سوائے اِس کے اور کیا نتیجہ نکلنے والا ہے کہ میرے مقابلہ میں اپنی ہزیمت اور گریز کو ہزار غنیمت سمجھیں گے اور اُن میں سے ہزاروں ہمارے ہاتھ سے مارے جائیں گے یہ حالت تو اُس وقت ہوگی جب تھوڑا سا لشکر میرے مقابلہ میں بھیجا جائے گا اور اگر کوئی لشکر عظیم روانہ کروگے تو ایسی حالت میں میں پہلے تو ان سے بھاگ جاؤنگا اور پھر پندرہ بیس فرسخ تک دور نکل جاؤں گا لیکن جب موقع اور فرصت پاؤں گا ان کی غفلت آرام اور راحت کے عین وقتوں میں ایکبار ان پر شبخون مارونگا۔ اور ایک بار اُن سے اپنے تمام نقصانات کا انتقام لے لونگا۔ اور اگر مجھے ان پر شبخون مارنے اور ان سے اپنا بدلہ اور انتقام لینے کا موقع نہ ملیگا تاہم تمہاری مرسلہ فوج کو ہم پر کوئی دسترس اور قابو نہیں ملیگا اور وہ کبھی میرے قریب نہیں پھٹکنے پائیں گے۔ غرضکہ اِن تمام امور میں سوائے ذلت وحقارت کے اور کچھ تم کو نصیب ہونے والا نہیں ہے۔ اب آئندہ امور کا فیصلہ میں تمہاری ہی تجویز پر چھوڑتا ہوں۔ اگر تم اپنی بھلائی اور مصلحت لشکرکشی ہی میں دیکھو تو ویسا کرو اور اگر نہیں تو میرے تفحص احوال اور تلاشِ معاملات سے آئندہ دست بردار ہوجاؤ اور میرے متعلق کوئی تعرض اور مداخلت نہ کرو۔

عمر ابن عباس غنوی کا بیان ہے کہ میں جس وقت ابوسعید کا پیغام لیکر معتضد کے پاس پہنچا تو اُس کو میرے زندہ بچ آنے پر سخت تعجب ہوا۔ میں نے اپنی روئداد اُس سے کہدی۔ پھر اس سے ابوسعید کا پیام حرفاً حرفاً کہدیا۔ مجھ سے وہ تمام وکمال سنکر ایسا سخت طیش میں آیا کہ میں نے اسکی حالت سے قیاس کیا کہ وہ اپنا ایک جرار لشکر قرامطہ کے استیصال کے لئے فوراً روانہ کریگا۔ مگر میرا یہ خیال بالکل غلط تھا بلکہ بخلاف اسکے معتضد کے دل میں ابوسعید کی ایسی ہیبت سمائی کہ وہ اپنے ہوش وحواس میں مطلق نہ رہا اور پھر ابوسعید کی ہدایت کے مطابق قرامطہ کے معاملات میں کوئی مداخلت نہ کرسکا۔ اس فرقہ کے لوگوں نے اسلامی ممالک میں کیا کچھ نہ کرڈالا اور ملکی رعایا نے کیسے کیسے استغاثے اس کے دربار میں قرامطہ کی بیجا دستبرد اور تصرفات کے متعلق نہ پیش کئے مگر معتضد نے لب تک نہ ہلایا۔ اور یا تو وہاں شوراشوری پایا ہیں بے نمکی کچھ ایسی چُپ سادھ لی کہ پھر دم تک نہ مارا۔ معتضد کے ایسے جابر شخص کے ایسی ایکبارگی خاموش ہوجانے کی وجہ سوائے دشمن کی ہیبت اور سطوت کے کچھ اور معلوم نہیں ہوتی۔

تھوڑے دنوں کے بعد معتضد کی باسی کڑھی میں پھر اُبال آیا۔ اور اُس نے قرامطہ کے مقابلہ کا پھر قصد کیا۔ اسکی کیفیت یہ ہے کہ اہل قرامطہ نے اپنی رفتار میں ترقی کرتے کرتے کوفہ تک اپنی رسائی اور اپنا تسلط پیدا کرلیا۔ یہ خبر پاکر معتضد کو پھر اپنی مردمی کی غیرت آئی اور وہ اپنے آپے میں نہ رہا۔ اس نے فوراً اپنے ایک جرار سالارِ فوج کو ایک فوجِ گراں کے ساتھ قرامطہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ حقیقتِ حال اتنی ہے کہ قرامطہ کے تھوڑے سے لوگ سوادکوفہ میں اِدھر اُدھر اپنی دعوت کے اعلان کی غرض سے نکل گئے تھے۔ وہ کوئی اُنکی فوج کے باقاعدہ لوگ نہیں تھے اور نہ اُن کے خاص لشکر کے آدمی۔ بغداد کے فرستادہ لشکر نے آتے ہی ان لوگوں کو اپنی تلواروں کے نیچے رکھ لیا۔ یہ تو ظاہر تھا کہ یہ درویش منش اور فقیر روش جماعت فوج سلطانی سے کیا مقابلہ کرتی۔ مگر تاہم ان لوگوں نے اپنی فطرتی جرأت وہمت سے حریف کو اپنی دلیرانہ مدافعت کے خوب خوب جوہر دکھلائے۔ مگر اُنکی قلیل جماعت اس کثیر التعداد گروہ کے متواتر حملات کی کہانتک تاب لاتی۔ آخرکار اُن کے پائے استقامت میں لغزش آگئی۔ اور وہ اِدھر اُدھر منتشر ہوگئے۔ ان کے بہت سے آدمی مارے گئے باقی سب اِدھر اُدھر بھاگ گئے ان میں سے ایک آدمی گرفتار کرکے معتضد کے پاس لایا گیا۔ معتضد نے اُس شخص سے قرامطہ کے اعتقاد کی بابت دریافت کیا تو اس نے نہایت آزادی سے جواب میں کہا کہ تم کو اِن امور سے کیا غرض تم اُن باتوں کو مجھسے پوچھو جو تم سے تعلق رکھتی ہوں معتضد نے کہا کہ وہ کونسی باتیں ہیں جو مجھسے تعلق رکھتی ہیں۔ قرامطی نے جواب دیا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ تو حضرت عباس ابنِ عبدالمطلب بقید حیات تھے۔ مگر انھوں نے کبھی خلافت کا دعوےٰ نہیں کیا۔ بلکہ عموماً لوگوں نے ابوبکر سے بیعت کی

اور بعد ابوبکر کے عمر سے حضرت عمر نے اپنے مرتے وقت امرِ خلافت کو چھ آدمیوں کے شورے پر چھوڑ دیا۔ اور ان آدمیوں کی جماعت میں بھی حضرت عباس کو داخل نہیں کیا ان وجوہ سے ہمارے طریق والوں کا عام اعتقاد یہ ہے کہ امرِ خلافت میں خاص کر بنی عباس کو کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اس کا یہ دندان شکن جواب سُنکر معتضد واقعی اپنے آپے میں نہ رہا۔ اس نے حکم دیا کہ اس کے سب دانت اس کے مُنہ کے اندر توڑ دیئے جائیں۔ اسی وقت حکم سلطانی کی تعمیل کی گئی اور مجرم کے تمام دانت توڑ ڈالے گئے۔ مگر اُس نے اف بھی نہ کی۔ پھر اُس کا ایک ہاتھ رسّی سے جکڑ کر دھوپ میں اُلٹا لٹکا دیا گیا۔ بعد ازآں قتل کر ڈالا گیا۔ اسلامی مؤرخین نے اس کے قتل کئے جانے کے وقت اس کے بہت سے اعجاز و کرامات بھی لکھ مارے ہیں جن کو بقول صاحب روضۃ الصفا کبھی کسی آدمی کی عقل قبول نہیں کر سکتی۔

جن لوگوں نے اِن ایام میں اسلامی عقائد کے حالات ان کے مختلف طریقے۔ متفرق مسالک اور متعدد عقائد بالاستیعاب دیکھے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام میں اس وقت بیشمار عقائد کے نئے نئے فرقے روز پیدا ہوا کرتے تھے۔ اگرچہ یہ اپنے پیچ در پیچ مخصوصہ عقائد کے پوشیدہ ارکان سے لپٹے ہوئے تھے مگر تاہم ان کو اسلام ہی کے مصدر سے ماخوذ بتلاتے تھے اور حقیقت میں یہ امر ایسا ہی پایا جاتا ہے کہ اُن کے تمام اصول اسلام کے ارکانِ خمسہ سے اخذ کئے گئے تھے۔ مگر اُن کی اصلی صورتوں میں قیاس اور ضرورت کی رنگ آمیزیاں ضرور کی گئی تھیں۔ اُن کے عملیات پر غور کیا جائے تو وہ بھی فروع ستّہ سے لئے گئے ہیں۔ مگر ان میں بھی تجویز اور قیاس کی مختلف ترکیب ضرور داخل کر دی گئی تھی۔

اُس زمانہ میں اِن تمام فرقوں کے لوگ سلطنت کے کاروبارِ مُلکی میں انواع و اقسام کے خلل پیدا کر رہے تھے۔ اور روزانہ مشاہدات سے ملک کی بدامنی اور عام بیچینی کے باعث سمجھے جاتے تھے مگر کرنا کیا تھا۔ آنچہ از ماست بر ماست کا مضمون تھا اور حقیقت تو یوں ہے کہ زمانۂ موجودہ میں جو درویش پرستی نے اسلام میں پوری مداخلت اور تصرف پایا تھا وہ بالکلیہ انہی سلاطین عباسیہ کے ہاتھوں کی کرتوت تھی۔ کیونکہ اُس وقت اِن لوگوں کی استمداد و استعانت سے سلطنت کو جو غرض نکالنی تھی وہ اسی کی مقتضی تھی کہ حتی الامکان اس فرقہ کو قوت پہنچائی جائے اور اِن کے زہد و ورع۔ تقویٰ و تقدس اور جملہ محاسنِ اوصاف کو شہرت دیجائے اب وہ کونسی ضرورت اور احتیاج تھی جس نے سلطنت عباسیہ کو ان امور کی تعمیل پر خاصکر مجبور کر دیا تھا واقعاتِ تاریخی بتلا رہے ہیں کہ وہ مخالفتِ اہلبیت علیہم السلام کے سوا دوسری ضرورت اور احتیاج نہیں تھی۔ اِسکی ابتدا ہارون کے وقت سے ہوئی۔ اور ہارون ہی پہلا شخص تھا جس نے اپنے ہمعصر بنی فاطمہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے فضل و کمال اور عظمت و جلال کے مقابل اور مساوی پیدا کرنے کی غلط تجویزوں میں پہلے پہلے سفیان ثوری وغیرہ کے امور کو فروغ دیا۔ اور اُن کو طرح طرح کے گرانمایہ القابِ خاص سے معزز و ملقب فرمایا۔ ان تمام عقیدوں۔ طریقوں اور مسالک کی ابتدا اُسی وقت سے شروع ہوئی۔ اور پھر لگاتار اسی طرح ہر ایک فرمانروا نے اپنے زمانۂ حکومت میں اپنی اُسی ضرورت اور مجبوری کے خیال سے اس امر کو اپنے فرائض منصبی میں داخل کر لیا۔ اور برابر اس فرقہ کے کسی نہ کسی معاصر بزرگ کو خاص طور پر تمام فضل و کمال سے سرفراز و ممتاز فرمایا۔ خود بھی بہت بڑی تعظیم و تکریم کی اور رعایا نے بھی النّاس علیٰ دینِ ملوکھم کے غلط اصول پر اِن لوگوں کی اطاعت اور اخلاص و عقیدت کو اپنی سعادت کا باعث سمجھا۔ انہی حضرات سے علمِ تصوّف اور علمِ اشراق کی ایجاد ہوئی۔ جبکو ان لوگوں نے اہل اسلام کے آگے زہد و تقویٰ کے اصول پر مبنی بتلا کر طریقت کو شریعت سے ایک علیحدہ مسلک قرار دیدیا۔ اور پھر اس سے مختلف عملیات اور ترکیبات ریاضت کو اخذ کر کے تقرب خدا اور نجاتِ عقبیٰ کا اصلی باعث اور محکم ذریعہ بتلایا۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ اِس فرقہ کے لوگ جو عموماً درویش۔ فقراء۔ صوفی اور ابرار وغیرہ مختلف القاب و خطاب سے مشہور ہیں ابتدا میں امن پسند اور بالکل خاموش لوگ خیال کئے جاتے تھے۔ اِن کے ظاہری طریقوں سے دنیا کے امور میں

بالکل بے سروکاری اور ترک تعلق معلوم ہوتا تھا۔ زہد وعبادت کے شبانہ روز مشاغل کے سوا ان کی معرفت کیلئے کوئی دوسرا معیار نہیں تھا۔ عبادت میں ریاضت ہائے شاقہ اور زہد و اتقا میں غایت درجہ کی نفس کشی۔ صبر۔ قناعت اور توکل میں اُن کی ضبط نفسی اور ثابت قدمی نے بہت جلد تمام اہل اسلام کو ان کے خلوص وعقیدت کی طرف راغب اور مائل کرلیا تھا۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ سلطنت کی جنبہ داری اور تمام اہل اسلام کی عقیدت شعاری نے سلاطین عباسیہ کی ان تجویزوں میں کامیابی کی صورت پیدا کردی جس کی وجہ سے سلطنت نے ان لوگوں کی نصرت و اعانت کو ضروری سمجھ لیا تھا۔ سلطنت کی کوششوں سے اتنا ہوا کہ قریب قریب اسلام کے تمام فرقوں نے احکام شریعت کے اختلافی اعتبارات جو اُس وقت چار حصوں (حنفی۔ مالکی۔ حنبلی۔ شافعی) میں ہوگئے تھے اور حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام کی اطاعت و تقلید کو چھوڑ کر اُن کی عقیدت ومتابعت میں درآئے تھے اور پھر اس استقلال واستحکام سے کہ ان کے مقابلہ میں سادات عظام اور اہلبیت کرام علیہم السلام کو کوئی ہستی یا وجود نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اکثر شوخ چشم اور دریدہ دہن تو لاشئی سے ان بزرگواروں کی ذات بابرکات کو تعبیر کرنے لگے تھے اور بعض بے سود اور بیکار سمجھنے لگے تھے اور سلطنت کا اصلی مقصود بھی یہی تھا اور وہ اس طرح لوگوں سے بآسانی اور بسہولت حاصل ہوگیا ان کی نصرت واعانت میں جو مصالح سلطنت نے تجویز کئے تھے وہ یہی تھے کہ سادات کی متواتر کوششوں سے خلافت عباسیہ کے نظام میں مہدی کے زمانہ سے لیکر متوکل کے شروع ایام تک جو جو دقتیں پیدا کررکھی تھیں وہ عموماً سب کو معلوم ہیں۔ ان کے فرو کرنے میں سلطنت کو جو جو ترکیب وتدبیر عمل میں لانی ہوئی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان کی قوت توڑنے اور ان کے متاصل کرنے میں سلطنت نے اپنی اور اانکی جان ایک کرڈالی۔ سادات کے بھرے پُرے خاندان کے خاندان تباہ وبرباد کرڈالے۔ ہزاروں اور لاکھوں سادات کو قتل کراکے بغداد کی شاہراہوں گلیوں اور کوچوں میں ان کے خون کے پرنالے بہا دیئے۔ حبس دوام کی سزائیں دلوائیں۔ قلعوں میں۔ مکانوں میں۔ دیواروں اور دیواروں کی بنیادوں میں زندہ چنوا دیا۔ سولی پر سولی دیئے گئے درختوں میں لٹکائے گئے۔ جلتی آگ میں جلوائے گئے۔ غرضکہ فرعون نے بنی اسرائیل کے ساتھ ایسے ظالمانہ سلوک نہیں کئے تھے جیسے کہ عباسیوں نے اپنے مظالم بنی فاطمہ علیہم السلام کے ساتھ جاری اور قائم رکھے۔ مگر باوجود ان ظالمانہ اور مخالفانہ کوششوں کے ان میں ایک نہ ایک بندۂ خدا ایسا پیدا ہو ہی جاتا تھا جو ان کے مقابلہ پر آمادہ وتیار ہو جاتا تھا جس کے سر کرنے میں ان لوگوں کو ازسرنو محنت کرنی پڑتی تھی۔ مدبّرانِ سلطنت جب چاروں طرف سے ان کی مدافعت کی تدبیروں میں مایوس ہوگئے اور بحکم محکم اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ان کا سلسلہ کسی طرح تمام ہوتا نظر نہ آیا تو آخر ان لوگوں نے بہت بڑے غور وفکر کے بعد یہ سوچا کہ اِن کے تمام فروغ۔ قوت اور اقتدار کا باعث عام اہل اسلام کا خلوص اور عقیدت ہے جو خاندان نبوی اور دودمان مصطفوی میں داخل ہونیکی وجہ سے ہر مسلمان کو حاصل کرنا واجب ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں تاوقتیکہ اس عام عقیدت اور اخلاص کے خیالات دور نہیں کئے جائیں گے سادات کے جوش میں کمی نہیں آنیوالی۔ انہی امور پر خیال اور غور کرکے سلطنت کی طرف سے فرقہائے درویش کی حمایت اور ازدیاد عظمت اور اشاعت وشہرت میں بلیغ اہتمام کئے گئے۔ مگر بمصداق آیہ وافی ہدایہ وَعَسَىٰ اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ؕ آگے چلکر یہی نظر کردہ لوگ اور ان ہی لوگوں کے مسالکِ طرق۔ امور ملکی کی سخت مضرت اور نقصان کے سخت باعث ثابت ہوئے اور فرقۂ سادات کرام سے زیادہ اس طائفہ کے لوگ ممالک محروسہ میں بدامنی اور عام فتنہ وفساد پھیلانے لگے۔

بات یہ ہے کہ دنیا اور اہل دنیا کے روزانہ مشاہدات اور زمانہ کے تغیر پذیر انقلاب سے ثابت ہوچکا ہے کہ کسی قوم یا فرقہ کو یکبارگی ترقی یا فروغ نہیں ہوا کرتا اور اس کے نشوونما کے روز ہی سے اُس کے نظام میں ترتیب اور درستی نہیں چلا کرتی ہے بلکہ رفتہ رفتہ اور آہستہ آہستہ اُنکے تمام آثار میں قوت آتی جاتی ہے۔ اسی معمول کو مدنظر رکھکر ہمکو درویشوں

حالات بھی سمجھ لینے چاہئیں۔ اِن میں بھی ایکبارگی تو قوت آنہیں گئی۔ اور یہ لوگ بھی کچھ ایک ہی بار تو سلطنت سے مقابلہ پر تیار ہو ہی نہیں گئے۔ بلکہ اُسی اصول اور دستور کے مطابق ان میں بھی جیسے جیسے قوت آتی گئی اور زور ملتا گیا یہ تمام بلادِ اسلامیہ میں اپنی شہرت اور عظمت کے آثار پھیلاتے گئے۔ ان تمام فرقوں کی اُسوقت یہی حالت ہوئی پہلے تو اپنے فرمانروائے عصر کے منظورِ نظر ٹھہرے پھر اپنے ظاہری تقدس اور اتقا کے باعث عام اہل اسلام کی عقیدت اور اخلاص کے سزاوار ٹھہرے۔ پھر رفتہ رفتہ دنیا میں اِن کا یہ اوج موج ہوا کہ بادشاہِ وقت کی وقعت بھی اِن کے سامنے گرد ہوگئی۔ پھر جب ترقی اور عروج کے اِن درجوں تک پہنچ گئے تو شان و شوکت۔ دولت و ثروت۔ غرض تمام چیزوں کی ضرورت ہوئی۔ جب یہ نعمتیں بھی معتقدین اور تبعین کی خوش اعتقادی اور حسن اخلاص کے ذریعے سے اکٹھی ہوگئیں تو اب حکمرانی اور جہانبانی کی سلسلہ جنبانی بھی شروع ہوگئی۔ سب مصالح تو موجود ہی تھے ایک لشکر نہیں تھا۔ وہ مقلدین اور معتقدین کی بقاعدہ جماعت سے پورا کر لیا گیا۔ اور اُن کی خوش عقیدگی اور اخلاص نے اپنی عزیز جانوں کو اپنے مرشد پر بھینٹ چڑھا دیئے جانے کیلئے راضی کر لیا۔ پھر کیا تھا۔ ہزاروں جانیں فدا کر دی گئیں اور لاکھوں سر چڑھا دیئے گئے اور فنافی الشیخ کے اعزاز حاصل کر کے فنافی اللہ کے مدارج حاصل کئے گئے۔

بہرحال۔ قرامطہ یا اِن سے پہلے یا اِن کے بعد جن جن فرقوں نے سلطنت سے خلاف ورزی اختیار کی۔ اُن سب کی حالت یہی تھی۔ اور اُن کے تمام عروج و اقتدار کے یہی سامان تھے جو اوپر بیان کئے گئے۔ غرض اِن کے حالات کو ذیل کے مصرعہ کا خلاصہ تسلیم کرنا چاہیے۔ ؏ کہ رہائے تو مار کرد گستاخ۔ فی الحال اِن کے رنگ بیرنگ اور طور بیطور دیکھکر سلطنت نے بھی اِن کی طرف سے کان کھڑے کئے۔ اور اِن کی حرکات کو نظامِ ملکی کے انہدام کا باعث سمجھکر اِن کے پورے استیصال کی فکر کی وہ عظمت و جلال اور شوکت و اقبال جو سلطنت کی قدردانی اور مہربانی کی وجہ سے اِن لوگوں کو حاصل تھا تھوڑے ہی عرصہ میں ذلت و حقارت سے متغیر اور مبدل کر دیا گیا۔ جب سلطنت کی نظر پھر گئی تو قاعدہ کی بات ہے عام مرجوعہ میں بھی کمی آگئی۔ مگر اس کی کا زیادہ تر باعث اِن کی شریعت سے خلاف ورزی تھی۔ انہوں نے سلطنت اور حکومت سے تو سرتابی اختیار کی ہی تھی۔ اُس کے ساتھ ہی ساتھ یہ قیامت بھی کر دی کہ شریعت سے روگردانی اختیار کر کے اپنے وہم و قیاس سے اپنے عقائد میں نئی نئی قسم کے اصول پیدا کر دیئے اور اسلام کے سچے اصول میں اپنی قیاسی اور بیجا تاویلوں کو داخل کر کے طرح طرح کے مخترعات قائم کئے۔ اور اِن کے اثبات میں نصوصِ الٰہی اور احکامِ حضرتِ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ کے مفہوم کو غلط کر کے پیش کیا جسے وہ خود اپنے خود غرضانہ فہم و شعور کے مطابق صحیح اور درست سمجھتے تھے۔ قرامطہ سے اہل اسلام کی عام ناراضی کا یہی باعث ہوا۔ اور اِسی وجہ سے اِن کے عام میلان اور رجحان میں بہت بڑا فرق اور بہت بڑی کمی واقع ہوگئی جو روز بروز اُن کے جملہ امور میں ضعف و اضمحلال پیدا کرتی گئی۔

دوسرے درویشوں کے حالات

بہرحال۔ اُس زمانہ میں جس کے حالات اس وقت لکھے جا رہے ہیں قرامطہ کے ایسے اور دیگر فرقے بھی اپنے اپنے مقام پر اپنی اپنی کوششوں میں اپنی اپنی پوری سرگرمی سے کام لے رہے تھے۔ اور جنیدیہ۔ رفاعیہ۔ جیبیہ۔ اویسیہ اور علاجیہ فرقہ کے مختلف لوگ متعدد بلادِ اسلامیہ میں اپنے اپنے آثار پھیلا رہے تھے۔ اور تمام دنیا کو اپنے طریقہ کے مختلف اصول بتلا رہے تھے اور محدود فہم و شعور والے لوگوں کو جن کی تعداد عموماً کثرت سے موجود تھی علم اشراق کے عجائب و غرائب دکھلا دکھلا کر اپنے کشف و کرامات کا قائل اور گرویدہ بنا رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اِن لوگوں نے اپنی امیدوں سے کہیں زیادہ اپنے امور میں فروغ پایا اور اِن کے معتقدین اور تبعین نے اُن کے محامد و اوصاف اور فضائل و مناقب کو صفات الوہیت کے غایت درجہ تک بڑھایا۔ کارنامے کے کارنامے۔ دفتر کے دفتر اِن کے حالات میں سیاہ کر ڈالے ہزاروں لاکھوں تالیفات و تصنیفات ان کے معجزات اور کشف و کرامات میں لکھکر بلادِ اسلامیہ کے گوشہ گوشہ میں شائع کر دیں جو اس وقت تک بھی موجود ہیں۔ ہمکو اِن

فرقوں کے حالات اسوقت لکھنے منظور نہیں ہیں اور نہ ہمارا موجودہ مدعائے تالیفی ہم کو اس کیلئے مجبور کرتا ہے۔ مگر چونکہ ان فرقوں کا نام آگیا ہے اور جستہ جستہ حالات بیان ہو چکے ہیں اسلئے مشتے نمونہ .... اگر کچھ اور تفصیل کردی جائیگی تو چنداں بیجا اور غیر ضروری نہیں کہلائے گی۔ ان میں سب سے پہلے قرامطہ کے رئیس طائفہ ابوسعید جبائی۔ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کسی اسلامی تاریخ یا صوفی تذکرے سے نہیں بلکہ مسٹر جان پی براؤن صاحب سفیر مملکت امریکہ مقیم دارالسلطنت قسطنطنیہ کی کتاب درویشز (اسلامی فقراء) سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ قابل مؤلف نے یہ کتاب ۱۸۶۸ء عیسوی میں اور تہائے درویش کے حالات میں قسطنطنیہ میں شروع ۱۸۶۹ء میں تالیف فرمائی تھی۔ اور مطبع اودھ اخبار کے ذی لیاقت پر دہرا ایڈیٹر نے ۱۸۸۱ء میں بزبان اردو ترجمہ کرکے اسکو کشاف اسرارالمشائخ کے نام سے شائع کیا ہے۔ کتاب مذکورہ میں بذیل تذکرہ ابوسعید جبائی یہ عبارت مرقوم ہے۔

ابوسعید جبائی

ایک مرتبہ ابوسعید جبائی جب گردونواح دمشق میں لکڑیاں چن رہا تھا۔ اس نے تین بڑے بڑے سانپ دیکھے اور ان پر کچھ اسم پڑھ کر پھونکے جس سے بلا تامل ان تینوں سانپوں کو زندہ پکڑ لیا۔ اور ان کی رسی بناکر اپنی لکڑیوں کے گٹھے باندھ لئے۔ اور چلتا ہوا اس ... معتقدین کا یہ دعوی ہے کہ اس واردات کے وقوع کے باعث اس فرقہ کے تمام شیخوں اور درویشوں میں یہ صفت پیدا ہوگئی ہے کہ وہ سانپوں کو تلاش کرتے ہیں اور بعض وقت ان کو کھا بھی جاتے ہیں اور ان تمام عملیات سے ان کو کوئی نقصان نہیں ہوتا (کشاف صفحہ ۱۶۵)

فرقہ رفاعیہ

انہی کے ایسے فرقہ رفاعیہ کے مرشد و موبد کی نسبت بھی کہا جاتا ہے کہ ایک دن احمد رفاعی نے جو اس فرقہ کے مرشد بتائے جاتے ہیں اور شیخ عبدالقادر گیلانی کے بھانجے ہوتے ہیں۔ اپنی حالت دیوانگی (جذب) میں اپنی دونوں ٹانگیں جلتے برتن کے کوئلوں میں ڈالدیں جب اس واقعہ کی خبر شیخ عبدالقادر گیلانی کو معلوم ہوئی تو انھوں نے ان کے اس مقام سوختہ پر کچھ دم کردیا اور لعاب دہن لگا دیا۔ اس عمل کے کرتے ہی ان کی تمام تکلیف دور ہوگئی اور جلنے کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ اس گروہ کے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ اس فرقہ کے بانی کو یہ عمل اور کرتب خدا کی طرف سے حاصل ہوا تھا اور اس نے اپنی وفات کے بعد اسکو اپنے جانشینوں کو بتلا دیا۔ اسی وجہ سے وہ ان تیز اور نوکدار آلات اور گرم اور سرخ دہکتے ہوئے لوہے اور ان کے مثل اور دیگر اشیاء کو اپنے جذب کی حالتوں میں بلامضرت اٹھالیتے ہیں (کشاف صفحہ ۲۶۹)

بہرحال۔ ان دونوں واقعات سے قرامطہ اور رفاعیہ کے مرشدوں کے کشف و کرامات اور معجزات کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ ان ہی کے ایسے سینکڑوں فرقے ہیں جن کی بہت بہت سی بیرون از قیاس اور خلاف عقل باتیں مشہور کی جاتی ہیں اور ان سب سے بڑھکر فرقہ قادریہ کے مرشد شیخ عبدالقادر جیلانی کی معجزنمائی اور مشکلکشائی اور فرقہ اویسیہ کے مرشد احمد ابن حمیر اویسی کے اعجاز اور فرقہ جنیدیہ کے مرشد شیخ جنید بغدادی کے مکاشفات اور فرقہ حبیبیہ کے مرشد حبیب عجمی کے مشاہدات اور فرقہ نظامیہ کے مرشد ابا یزید بسطامی کی کرامات۔ اور فرقہ حلاجیہ کے مرشد حسین ابن منصور حلاج کے معجزات ایک سے لاکھوں تک بتلائے جاتے ہیں۔ جن کا ذکر ہمارے موجودہ مدعائے تالیف سے بالکل زائد معلوم ہوتا ہے۔ اس مقام پر ان لوگوں کے نام لکھدینے سے جو ہمارا مقصود تھا وہ یہی ثابت کرنا تھا کہ اس زمانہ میں درویشوں کے کثیر التعداد فرقے ممالک اسلامیہ عراق۔ حجاز۔ یمن۔ مصر۔ شام اور ایران میں چاروں طرف ہندوستان اور چین کے باشندوں کی طرح درویش پرستی کے نئے نئے اصول اور اوہام پرستی کے انواع و اقسام کے قوانین پھیلا رہے تھے۔ اور اس کے ساتھ جیسی جیسی قوت پاتے جاتے تھے حکومت اور سلطنت کے خلاف میں اپنے تصرف اور دست برد کے ہاتھ بھی بڑھاتے جاتے تھے۔

ان تمام بیانات سے ہمارا اصلی مقصود صرف اس امر کا دکھلانا تھا کہ عام طور سے شخصی مخالفت اور مخاصمت کے غلط اصول پر تمام دنیا کے غلط فہموں نے سمجھ لیا تھا کہ خلافتِ بغداد کے تنہا مخالف ان کے لئے دشمن سادات ہی ہیں اور کوئی دوسرا نہیں۔ یہ خیال ایسا معمولی نہیں تھا کہ صرف عام لوگوں کے دائرہ تک محدود رہتا۔ مگر نہیں۔ جہانتک اس غلط فہمی اور کوتہ اندیشی کی بابت تحقیق کی جاتی ہے یہ بات پورے طور سے ثابت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی جاہل اور ناواقف قوموں پر موقوف نہیں ہے بلکہ اس زمانہ سے لیکر اس وقت تک کے بڑے بڑے ذی استعداد اور صاحب قابلیت سمجھے ہوئے ہیں کہ خلافت عباسیہ کو جو دقتیں اٹھانی ہوئیں وہ انہی سادات کے ہاتھوں۔ اور ان کے نظام حکومت اور احکام سیاست میں جو کچھ بدنظمی اور اضمحلال اور طبقۂ رعایا میں بدامنی اور اختلال پیدا ہوا ہے وہ انہی حضراتِ سادات کی بدولت۔ اب وہی حضرات اِن مختلف فرقوں کی مخالفانہ حرکات و معاملات کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمالیں اور بتلادیں کہ قرامطہ اور حلاجیہ فرقہ کے لوگوں نے یا ان کے ایسے دوسرے فرقہ والوں نے ان سے پہلے یا ان سے بعد سلطنت سے خلاف ورزی اور حکومت سے سرتابی سے متعلق کیا اٹھا رکھا ہے۔ جیسا کہ ابھی ابھی اکیلے ایک معتمد کے ایام سلطنت میں صاحب الزنج۔ قرامطہ اور صفاریوں۔ ان تینوں فرقوں کی بغاوت کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ان فرقہ والوں کو سادات سے کونسی خصوصیت اور تعلق ثابت کیا جائیگا۔ ایڈیٹر کرزن گزٹ نے مالِ ناصبیت کے اٹھا میں جہاں اور بہت سے ناصبانہ اور مخالفانہ دعوے کئے ہیں وہاں اپنی عالم فریبی کی خاص نیت سے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کو غلط ثابت کرنے کے بعد اور باقیماندہ نو حضرات آئمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کو سلطنت کا باغی ثابت کریں گے۔

خدا ان کو ہدایت نصیب کرے۔ میں نے اپنے موجودہ سلسلۂ تالیف سیرۃِ اہلبیت کرام علیہم السلام کے اکثر مقامات پر ان بزرگواروں کی امن پسندی۔ سلامت روی اور نیک نفسی کے معاملات کو پورے ثبوت کے ساتھ دکھلا کر مرزا حیرت کے دعوائے زبانی اور صریح غلط بیانی کی پوری رد اور تنقید کر دی ہے۔ اب اس مقام خاص میں ہم اُن سے پھر پوچھتے ہیں کہ وہ اپنی تاریخ دانی کے اعتماد پر مہربانی کر کے ہمکو بتلادیں کہ آیا خلافتِ بغداد کے مخالف اس وقت کس قوم اور قبیلہ کے لوگ تھے کیا فرقۂ قرامطہ۔ رفاعیہ۔ حلاجیہ۔ صاحب الزنج اور صفاریہ وغیرہ امثالہم سادات تھے اور بنی فاطمہ (سلام اللہ علیہا) یا آئمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مطیع و منقاد۔ یا اُن کے طریقہ پر چلنے والے۔ اُن کی پوری معرفت اور خالص عقیدت رکھنے والے تھے۔ کیا ان لوگوں کی موجودہ حرکات۔ سرتابی۔ سرکشی اور بغاوت سے تعبیر نہیں کی جائیں گی۔ اور کیا ان کی موجودہ روش اور رفتار سلطنت کی مخالف نہیں کہلائے گی۔ پھر اتنے واقعات موجودہ کے مقابلہ میں فرقۂ سادات کو سلطنت اور حکومت کا تنہا مخالف ٹھہرانا انصاف و دیانت کا مقتضا اور شعار نہیں ہو سکتا۔ اور ایسی صریح غلط بیانی اور دریدہ زبانی کے اقدام پر سوائے فرقہائے منافق اور نواصب کے کوئی دوسرا جرأت نہیں کر سکتا۔

حضرات ائمۂ معصومین علیہم السلام کی امن پسندی پر مفصل بحث

جن لوگوں کو تاریخ و سیر کے مطالعہ سے خاص دلچسپی ہے وہ خوب واقف ہیں کہ جس زمانہ میں ان فرقوں نے اپنے لباسِ درویشی میں سلطنت کی طرف اپنے لالچ کے ہاتھ بڑھائے اس وقت تو غریب سادات کی قوتیں ٹوٹ چکی تھیں اور مظالم عباسیہ نے قریب قریب دنیا سے ان کا نام ہی مٹا دیا تھا اور وہ شدائد و مصائب جو پوری تفصیل کے ساتھ اس سے قبل کے نمبروں میں اور اجمال کے طور پر ابھی ابھی اوپر بیان ہو چکے ہیں ان کی غریب جانوں پر اور ان کے ال و متاع پر گزر چکے ہیں۔ اگر پوری تحقیق سے کام لیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ عموماً تمام سادات عام اس سے کہ سادات علوی ہوں یا حسینی۔ زیدی ہوں یا حسنی جو ہوں وہ اپنے تمام جائز حقوق کی واپس لینے کی کوشش میں ہاردن کے

زمانہ سے لیکر متوکّل کے ابتدائی ایام حکومت تک اپنی اور اپنے حریف کی جان ایک کر چکے تھے۔ اور اپنی آنکھوں سے اپنے رئیس خاندان اور حجتِ زمان سلام اللہ علیہم من ربّ المنان کی اُن مفید پیشین گوئی اور موعظت کے نتیجوں کو دیکھ چکے تھے جو اُن کی موجودہ قسمت آزمائیوں کے خلاف اور اُن کے موجودہ طرزِ عمل کے امتناع میں اُن کو ایک مرتبہ نہیں بلکہ متواتر اور بار بار پہنچائی گئی تھیں۔ اور ہر موقعہ پر صحبت میں، خلوت میں اور جلوت میں ان کو بتلا دیا گیا تھا اور سمجھا دیا گیا تھا کہ نہ یہ زمانہ ہمارا زمانہ ہے اور نہ یہ خلافت ہماری خلافت۔

ثبوت کے لئے دیکھو۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور مختار علیہ الرحمہ کو نصائح (صحیفۃ العابدین)

جناب امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت زید شہید رضی اللہ عنہ کی موعظت (مآثر الباقریہ)

عبداللہ محض۔ محمد نفس زکیہ اور ابراہیم سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی گفتگو (آثار جعفریہ)

عبداللہ افطس اور محمد ابن اسمعیل اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے مکالمے (علوم کاظمیہ)

ابراہیم۔ زید اور عباس وغیرہ جناب امام رضا علیہ السلام کی تقریر (تحفۂ رضویہ)

حسن ابن علی اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے معاملات (تحفۃ المتقین)

حسین ابن علی والی طبرستان اور امام علی نقی علیہ السلام کے حالات (سیرۃ النقی)

جب اتنے متعدد واقعات اور متواتر حالات حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی بے سروکاری ثابت کر رہے ہیں تو پھر ان کے مقابلہ میں عام سادات کے معاملات کی بابت ان حضرات عالی درجات کی شرکت کا گمان کیسے گمانِ صحیح کہا جا سکتا ہے یا اُن کو بھی ان کا رفیق کیونکر سمجھا جا سکتا ہے؟

اِس میں شک نہیں کہ تمام سادات عزیز تھے قریب تھے۔ ہم بطن تھے اور ہم صلب۔ اور ہر طور سے صلۂ رحم کے ادا کئے جانے کے مستحق اور سزاوار۔ مگر یہ نکتہ بھی اس مقام پر ضرور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ حضرات سادات باوجود اتنی قرابتِ قریبہ کے حضرات ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین سے خروج بالسیف کے خاص مسئلہ میں برابر دور دور رہتے تھے اور باوجود متواتر ہدایتوں اور بار بار کوششوں کے جو ان کو صلح پسندی اور امن عامہ کے متعلق کی جاتی تھیں۔ ان بزرگواروں کی مطلق پیروی نہیں کرتے تھے۔ تو اگر لو فرضاً اِن سادات نے سلطنت سے سرتابی یا سرکشی کی بھی تو اُن کے طرزِ عمل کے لئے یہ حضرات ملزم اور جوابدہ نہیں ہو سکتے۔ ہم کو اپنے موجودہ سلسلۂ تالیف میں جن حضرات کے حالات اور معاملات سے تعلق ہے وہ حضرات ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ ہم کو ان کی نسبت تمام شکایتوں کے جواب دینے کا استحقاق ہے اور بس مگر الحمد للہ کہ ہم اپنے ان فرائض کو نہایت استقلال اور پوری توضیح اور کامل تشریح کے ساتھ اپنے تمام نمبروں میں انجام دے چکے ہیں۔ یہاں اُن کے بارِ دیگر اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اس لئے اگر سادات اِن امور میں عام طور سے مجرم ہی ثابت ہوں تاہم اُن کے امور کے لئے عموماً جوابدہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہمکو تو صرف ان حضرات کی عصمت سے بحث ہے جو از مہد تا لحد معصوم ثابت ہو چکے ہیں۔ اور ان کی طہارت اور عصمت پر نصوص الٰہی و اخبار حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ شاہد موجود ہیں نہ کہ ان لوگوں سے جو کسی طرح معصوم اور محفوظ عن الخطا نہیں کہے جاتے۔ چونکہ بمقابلہ حضرات ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے عموماً تمام سادات کی عصمت ثابت نہیں ہوتی۔ اس لئے اگر سادات نے اپنے استحصال حقوق کی کوشش میں اِن حضرات کے مفید نصائح کو نہ مانا اور سلطنت سے خلاف ورزی اختیار کی تو اس سے ہمارے دعوے اور ہمارے مدعا میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ اگر معترض کے زعمِ باطل میں سادات من جمیع الوجوہ برسرِ خطا تھے اور اُن سے ان امور میں ضرور خطا واقع ہوئی تو کیا ہم ان کو معصوم جانتے ہیں یا محفوظ عن الخطا سمجھتے ہیں جو ایسی ایسی لغزشوں کا اُن سے ظہور میں آنا امرِ محال سمجھا جائے۔

ہم اوپر تسلیم کر آئے ہیں کہ سادات نے ایک مدت تک خلافت کے خلاف کوشش کی اور اپنے جائز حقوق کے واپس لینے میں جس کی تمنا اور جس کی خواہش قدرتی طور پر انسان کے دل میں ودیعت ہوتی ہے ایک عرصہ تک قسمت آزمائی کرتے رہے۔ تاہم وہ اپنے اِن امور کے لئے کوئی سبب اور کوئی علّت ضرور رکھتے تھے۔ وہی سبب اور وہی علّت ان کا استحقاق فی الامارۃ تھا جو اگر تحقیق اور انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو کسی طرح بیجا اور بے اصل نہیں کہا جا سکتا۔ اگر اُن کے دعوے جھوٹے اور اُن کی دعوت بے اصل ہوتی تو کبھی امامِ اعظم ابو حنیفہ کے ایسا قابل حضرت زید رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیتا۔ اور ہشام بن عبدالملک کے عوض ان سے بیعت نہ کرتا۔ اور اسی طرح حجاز، یمن اور حضر موت کے اہلِ اسلام منصور دوانقی کے ہوتے نفس زکیہ کی رفاقت اور عراق الجزائر اور ساحلِ عرب کی مسلمان تو ہین نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم کی اطاعت نہ اختیار کرتیں۔ یہ اُن کے وہی جائز استحقاق تھے جنھوں نے خلافت کی سطوت اور سیاست کے تمام خوف و دہشت کو اُن کے دلوں سے یکبارگی نکال کر ان تمام لوگوں کو سادات کی فرمانبرداری اور جاں نثاری پر آمادہ اور تیار بنا دیا تھا۔

سادات کے معاملات میں تو یہ تلافی مافات پیش بھی کی جاسکتی ہے۔ مگر بخلاف ان کے ہمیں کسی طرح یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اِن فرقہائے درویش کی سرتابی اور بغاوت کیلئے کیا عذر پیش کیے جائیں گے اور ان کے کونسے اصلی اور حقیقی باعث بتلائے جائیں گے۔ واقعاتِ تاریخی تو اِن معاملات میں اس فرقہ کی سلطنت کے ساتھ صریح کفرانِ نعمت اور محسن کشی ثابت کرتے ہیں۔ کیونکہ جب ہم اِن کے اور سادات کے معاملات کا موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اِن دونوں فرقوں کے لوگوں میں اگر اختلافِ سلطنت کی وجہ سے مساوات بھی قائم کی جائے اور سرتابی اور عام بغاوت کے جرم میں دونوں یکساں خیال کیے جائیں تاہم سادات کی مخالفت سے درویشوں کی مخالفت کا پلہ کہیں بھاری رہتا ہے۔ کیونکہ سادات کے سروں پر سلطنت کا کوئی احسان قائم نہیں تھا بلکہ یہ فرقہ تو وہ تھا جس کو سلطنت نے ہمیشہ تنفر کی خاص نگاہوں سے دیکھا اور ہمیشہ ذلیل و خوار رکھا اُن کی رعایت ہمدردی اور اعانت کو بہت بڑا جرم قرار دیا گیا۔ اگر بمقابلہ اِن امور کے سادات سے جوابًا مخالفت کے امور ظاہر ہوئے تو کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوئی بلکہ روزانہ مشاہدات سے یہ امور تو ایک دوسرے کی مخالفت اور مخاصمت کے عام اور فطرتی نتائج ثابت کرتے ہیں مگر بخلاف سادات کے درویشوں کا تو وہ فرقہ تھا جس نے دنیا کے وسیع آرامگاہ میں اپنے وجود کے روز سے مراحم خسروانی کے زیر سایہ رہ کر اس دم تک ہمیشہ پرورش اور برابر آسائش پائی تھی اور آج تک آغوشِ سلطنت میں ہزاروں الوانِ نعمت اور انواع واقسام کے اسبابِ راحت اور سامان عیش وعشرت کے ساتھ نشو ونما پاکر عروج کی راتیں اور ترقی کے دن دیکھے تھے یہ وہی فرقہ تھا اور وہی طائفہ جسکو سلطنت نے حضرات ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کا مدِّمقابل بنایا تھا اور تمام روحانی برکات اور جسمانی اور اخلاقی اوصاف میں ان لوگوں کو اُن حضرات کا مساوی اور ہمسر ٹھہرایا تھا۔ اور اپنی خود غرضی کی خاص بنا پر ان کو تمام دنیا میں عظمت وجلالت کے اس انتہائی درجہ پر پہونچایا تھا۔ جس سے زیادہ رفعت اور قدر ومنزلت کا گمان نہیں کیا جا سکتا تھا۔

بہرحال فرقۂ درویش اور خرقۂ تصوف کے تمام حضرات اپنی ابتدا سے لیکر انتہا تک سلطنت کے زیر بارِ احسان تھے اور ان کی ابتدائی خاموشی اور ظاہری سادگی سے کبھی ایسے خلافِ امور کا سرزد ہونا کسی کے بھی خیال اور قیاس میں نہیں آسکتا تھا۔ لیکن ع خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ انھوں نے بھی اپنی نفسانیت اور طمع دولت کے پنجہ میں گرفتار ہو کر اس وقت سلطنت سے مخالفت اختیار کی اور پھر ایسی کہ اُن کے نظامِ حکومت کو بالکلیّہ درہم وبرہم کر ڈالا۔ اور مُلک

درعایا میں وہ بدامنی اور بے چینی پھیلائی کہ سلطنت کو اُن کے استیصال کے بغیر کوئی دوسری تدبیر و ترکیب ان شکایتوں کے دفع کرنے کے لئے نہیں معلوم ہوئی۔ جیسا کہ واقعات تاریخی سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو ایسی حالت میں دونوں فریق کے فرق و مابہ الامتیاز کو معلوم کرکے ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ سادات کی مخالفت جو سلطنت کے خلاف ظہور میں آئی وہ کسی طرح خلافِ عادت اور بے وجہ نہیں ثابت ہوئی۔ بخلاف ان کے درویشوں کی مخاصمت جو سلطنت کے ساتھ ظہور میں آئی وہ بالکل خلاف مروت سراپا ظلم و شقاوت۔ محسن کشی۔ کفران نعمت اور خارج از انسانیت ثابت ہوئی ہے۔ اور سیاسی جرم ثابت ہونے کے علاوہ خاص طور پر یہ امور نا قابل اصلاح اخلاقی اور روحانی معائب معلوم ہوتے ہیں۔ جن کی تلافی اور معافی کے لئے کوئی عذر پیش نہیں کیا جا سکتا۔

بہر حال سادات کے حقوق کی خواستگاری تو بغاوت سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اب ان فرقوں کی سرکشی سرتابی اور مخالفت کو کیا کہا جائے گا۔ اتنا لکھ کر ہم اپنے موجودہ مضمون کو تمام کرتے ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ ہمارے اس بیان میں معمول سے زیادہ طول ہو گیا ہے مگر چونکہ قیاسات اور خود غرضی کی وجہ سے سادات اور فرقۂ درویشاں میں باہم مساوات کا ایک غلط خیال پیدا کیا جاتا ہے اور دونوں کو ہم وزن اور بالمقابل بتلایا جاتا ہے اسلئے اسکی تنقید ورد بھی ہمارے لئے نہایت ضروری اور لازم تھی۔ اور یہی ہماری موجودہ طوالت کا باعث ہوئی۔ مگر ابھی ان تمام امور کے بعد بھی ہمیں ان کے متعلق ایک امر کی تصریح و تنقیح کر دینا باقی ہے جو ذیل کے مضامین میں بیان کی جاتی ہے۔ و ہو ہذا۔

حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام سے فرقہائے درویشاں کی ارادت

واقعات و حالات تاریخی سے جہانتک دیکھے جاتے ہیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ باوجود اتنی مخالفت اور مخاصمت کے بھی ان فرقوں نے دنیا کے رجوع کرنے اور اپنی طرف بلا لینے کی ضرورت سے آخر کار اپنے آپ کو انہی حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے فیضانِ تعلیم اور چشمۂ ہدایت سے فیضیاب و سیراب بتلایا ہے اور اپنے تمام امور میں انہی حضرات کو اپنا مقتدا و پیشوا تسلیم کیا ہے۔ اور اپنے جملہ مکاشفات و خرقِ عادات میں ان کی ذات بابرکات کو اپنی نجات کا ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا ہے چنانچہ ہم اس کے متعلق ان تمام فرقوں کے اصول کو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی ذاتِ بابرکات سے مروی اور ماخوذ انہی لوگوں کے اقوال اور کلام سے کتاب سراج المبین حصہ اول میں ثابت کر چکے ہیں۔ اسلئے اُن تمام باتوں کے اعادہ کی پھر کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اپنے ناظرین کے مزید اطمینان کیلئے اور نیز اپنے اوپر کے دعوے کی تصدیق کی ضرورت سے اس مقام پر ہم صرف ان درویشوں کے دو فرقوں کے عقائد اور ان کے عملیات کا نہایت مختصر خلاصہ ذیل میں ایسی یوروپین مولف کی تحقیقات سے درج کرتے ہیں۔

مولف مذکور۔ روم کے مشہور و معروف فرقۂ درویشی بک تاشی کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ اس فرقہ کے لوگ اپنے شیخ کی خدمت میں اپنی خطا اور گناہ بخشوانیکے وقت جن الفاظ میں اپنے قصور اور گناہ کی معافی مانگتے ہیں وہ الفاظ یہ ہیں " اے شیخ مجھ سے بیشک خطا ضرور ہوئی جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے واسطے میری خطا معاف کیجئے۔ اور حضرت شہید کربلا علیہ التحیۃ والثنا کے لئے میرے گناہ بخشدیے " کلاہ درویشی عنایت ہونیکے وقت ایک مرید کو یہ الفاظ کہنے ہوتے ہیں " میں اس کو جو علامت اور نشانی ہے قنبرؓ غلام علی عالی علیہ السلام کی اور خادمانِ خاندان امام رضا علیہ السلام کی لیتا ہوں۔ اور آپ مجھے اس کلاہ مقدس کے پہننے کی اجازت عنایت فرمائیں " جس وقت ایک مرید کان میں اپنے شیخ کی اطاعت کا حلقہ (حلقہ) پہنتا ہے تو یہ الفاظ کہتا ہے " یہ حلقہ حقیقت میں اوج ذرتی کا نشان ہے اور بہشتی لوگوں کی خاص علامت ہے۔ یہ حلقہ ہے سرکار سید الشہداء جناب امام حسین علیہ السلام کا۔ خدا کی لعنت ہو یزید پر " جس وقت مرید خانقاہ میں چراغ (چراغ) روشن کرتا ہے تو اس عبارت کو دعا کے

طور پر پڑھتا ہے۔ ہم نے اس چراغ کو جلایا ہے۔ اور یہ چراغ تمام درویشوں کے عشق الہٰی کے متعلق فخر ہے۔ مالکان دارین کا محبوب ہے۔ اور سب پیغمبران علیہم السلام کا عطیہ ہے اور وہ تمام لوگ اُس بزرگ کے محبوب ہیں جو حوض کوثر سے پانی دیگا۔ علی علیہ السلام برگزیدہ اور مقبول خدا ہیں۔ اور حضرت خدیجہ جو تمام عورتوں سے بہتر ہیں۔ میرے پیر کے پارۂ دل ہیں اور سرداران اولیا فرزندان علیؑ حسن اور حسین علیہم السلام ہیں۔ الہٰی بحرمت چہاردہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین۔ اور قسم اور واسطہ انہی کا مجھکو حُسن پیغمبرؐ کا اور کمالات علی علیہما السلام کے عنایت فرما:

ان عبارتوں سے ہمارے اوپر کے دعوے کی پورے طور پر تصدیق و توثیق ہوجاتی ہے۔ اور جو تعلق اور خصوصیت۔ خلوص و عقیدت۔ اگرچہ وہ کیسی ہی زبانی اور ظاہری اور مصنوعی ہی کیوں نہ ہو۔ ان کو حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ حاصل تھا وہ پورے طور سے ظاہر ہوتا ہے اب اس کے بعد ہم کو یہ امر بھی دکھلانا نہایت ضروری ہے کہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے خاص وجود کے متعلق ان کے عقائد کیا ہیں۔ کیونکہ ہماری موجودہ کتاب کا اصلی مدعا یہی ہے۔ چنانچہ یوروپین مؤلف اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۵ میں تحریر کرتا ہے:

جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کی نسبت درویشوں کے عقائد

اس فرقہ کے لوگ بالتخصیص اس بات کے قائل ہیں کہ "حضرت امام مہدی علیہ السلام فوائد مومنین کے لئے پھر روئے زمین پر آئیں گے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام عجیب طور سے ایک غار کوہ میں غائب اور ناپید ہوگئے۔ اور وہ مع حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے اس لئے پھر وجود میں آئیں گے کہ دشمنان دین مسیحی کو نیست و نابود کرکے مذہب عیسائی اور اسلام کو متفق اور ایک کردیں"۔

پھر اُسی کتاب کے صفحہ ۱۹۱ میں قلمبند ہے "حضرت امام مہدی علیہ السلام امام دوازدہم[۱] ۱۵ شعبان ۲۶۶ ہجری کو عجیب طور سے بمقام سامرہ (سرمن رائے) غائب ہوئے۔ اس مقام پر ایک غار ہے جہاں سے کہا جاتا ہے کہ وہ پھر ظاہر ہونگے۔ تمام درویشوں اور تمام مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ ضرور پیدا ہونگے اور بردۂ زمین پر بطور بادشاہ سلطنت و حکومت فرمائینگے۔ دوازدہ[۲] امام علیہم السلام از اول تا دوازدہم۔ تمام جناب امام حسین علیہ السلام کے فرزند تھے[۵]۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کے بھی کئی لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔ حضرات حسنین علیہما السلام کی ذریات سے جو قتل سے محفوظ رہی انہی کی اولاد سے سید نکلے"۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۳ میں مندرج ہے کہ "فرقۂ بکتاشی مقیم قسطنطنیہ کے درویش حضرت قائم آل محمد علیہ السلام کو حضرت کبریٰ کے خاص لقب سے یاد کرتے ہیں اور آپ کا نام لینے میں خاص طور پر آداب و عقیدت کا لحاظ رکھتے ہیں۔

لائق مؤلف نے اپنی کتاب کے اخیر حصہ میں صفحہ ۴۲۷ سے لیکر ۴۷۳ تک ایک جداگانہ باب جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے حالات اور فضائل و مناقب میں خاص طور پر لکھا ہے۔ اس میں آپ کے حالات روز ولادت سے لیکر یوم وفات تک تفصیل و تشریح کی ایک خاص حد تک لکھے ہیں۔ لائق محقق نے یہ حالات خود قلمبند نہیں کئے ہیں بلکہ شیخ الاسلام قسطنطنیہ مولانا شمس الدین سویزی کی جامع مانع کتاب اصحاب اربعہ کے باب رابع سے ترجمہ فرمائے ہیں چونکہ ان حالات کو ہمارے موجودہ مدعائے تالیفی سے کوئی خاص تعلق نہیں تھا۔ اس لئے ہم نے ان کا قلمبند کرنا طوالت اور نیز ناظرین کی برخاستگی طبیعت کا باعث سمجھا اور ان کو قطعی طور پر مرفوع القلم کردیا۔

بہرحال۔ اتنا لکھ کر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ درویشوں کے حالات اور ان کے عقائد وغیرہ کے بیان کرنے سے جو کچھ ہمارا مدعا تھا وہ یہی کہ باوجودیکہ حضرات آئمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے تمام آثار و اقتدار مٹا دینے میں اور ان کے فضائل و مناقب اور مدارج و مراتب گھٹا دینے میں سلطنت کی طرف سے فرقۂ درویش کے پیدا کرنے اور اُنکا

[۱] یوروپین تحقیقات کا نتیجہ ہے ۱۲

مقابل و مماثل بنانے میں کیسی کوشش کی گئی اور اس خاص ضرورت کے اعتبار سے برابر اور ہمیشہ ان کی پوری رعایت حمایت اور اعانت عمل میں لائی گئی۔ جیساکہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مگر بایں ہمہ ان حضرات کو آخر میں انہی ذوات عالیہ اور انفاس مطہرہ کا دامن تھامنا پڑا اور انہی کو اپنے دین و دنیا کے تمام مقاصد و مطالب کا ذریعہ اور وسیلہ بنانا اور انہی کو درگاہ الٰہی میں اپنی مغفرت و نجات کا باعث ٹھہرانا پڑا جیساکہ ان کے عقائد کی تفصیل میں ابھی ابھی پورے طور سے اوپر قلمبند ہو چکا ہے۔

معتضد باللہ اور جناب قائم آل محمدؑ کے ساتھ مخالفانہ برتاؤ

اب ہم فقرار کے حالات کو تمام و کمال خاتمہ تک پہنچا کر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں اور معتضد باللہ کے ایام سلطنت میں حضرت قائم آل محمد علیہ السلام کی گرفتاری و قتل و ہلاکت کی مخالفانہ کوششوں کے متعلق جو کچھ عمل میں لایا گیا وہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

بہر حال۔ باوجود اس کے کہ معتضد نے اپنے ایام سلطنت کے آغاز میں اپنے آپ کو حقوق اہلبیت کرام علیہم السلام کا ہمدرد و مؤید اور جناب امیر المومنین علیہ السلام کا معتقد اور عموماً تمام سادات عظام کے بہی خواہ ہونے کا دعوے کیا تھا۔ اور جیساکہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ تھوڑے دنوں تک وہ اپنے ان ظاہری اور زبانی جمع خرچ پر عمل بھی کرتا رہا۔ اس لئے معتمد کے شدائد اور مظالم کے بعد چھ برس تک شیعہ گروہ کے امور میں تھوڑی بہت اطمینانی حالت ضرور پیدا ہو گئی تھی۔ اور اسی باعث سے جناب قائم آل محمد علیہ السلام نے اپنے اول سفر کے بعد پھر سر من رائے مقدس کی طرف توجہ فرمائی۔

معتضد نے جناب امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ اپنے حسن عقیدت اور آپ کے ارشاد و ہدایت کو خصوصیت کے ساتھ دو مختلف طریقوں میں بیان کیا تھا۔ ان میں سے پہلی نقل یہ ہے کہ وہ بیان کرتا ہے کہ خلافت ملنے اور خلیفہ ہونے سے پہلے میں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ دریائے دجلہ کے کنارے ایک مقدس بزرگ بیٹھے ہیں جب وہ اپنا دست مبارک دریا کی طرف بڑھاتے ہیں تو دریا کا تمام پانی آپ کی مٹھی میں آجاتا ہے۔ اور ایک لحظہ کے بعد جب مٹھی کھولتے ہیں تو دریا کا پانی پھر اپنی سابق حالت پر پہنچ جاتا ہے۔ مجھے یہ دیکھکر سخت تعجب ہوا۔ آخر کار میں نے اس مرد مقدس سے پوچھا کہ آپ کون بزرگ ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ کیا تم مجھے نہیں پہچانتے ہو؟ میں نے کہا کہ نہیں میں آپ کو نہیں جانتا ہوں۔ انھوں نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے معتضد! میں علی ابن ابیطالب (علیہما السلام) ہوں جب امر خلافت تمہارے سپرد ہو تو تم میری ذریت و اولاد کے ساتھ بھلائی کرنا۔ اور ان کے ساتھ خلق و مروت سے پیش آنا۔

اس خواب کا معتضد کے دل پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ اس کو خلافت ملتے ہی اس نے اس خواب پر اپنا طرز عمل پورا شروع کیا۔ اور سادات کے ساتھ رفق و مدارات قائم کی۔ ان کی گرفتاری اور دل آزاری کے تمام احکام اٹھوا دیئے اور ان کو سابق سے زیادہ اپنے جملہ امور میں آزاد کر دیا۔ چنانچہ رعایت سادات کے متعلق معتضد کا یہ طرز سلوک ہمارے بیان کا کافی ثبوت دیتا ہے۔ وھو ہذا۔

حکام طبرستان میں ایک صاحب نے جن کا نام محمد ابن زید العلوی تھا اپنی یہ عادت قائم کرلی تھی کہ وہ ہر سال تیس ہزار دینار بغداد کے ایک مشہور و معتبر تاجر کے پاس اس غرض سے بھیجا کرتے تھے کہ وہ اس تمام و کمال رقم کو ان کیطرف سے گرد و نواح کے غریب سادات پر تقسیم کر دے۔ ایک بار بغداد کے کوتوال کو اسکی اس رقم مرسلہ کی خبر لگی تو اس نے معتمد کے قدیم فرمان اور حکم عام کے مطابق اس رقم کو عین راستہ ہی سے ضبط کرکے معتضد کے پاس داخل کر دیا۔ اور

حقیقت حال بے کم و کاست اُس سے عرض کر دی۔ معتضد نے اسکی امید و مدعا کے خلاف اس رقم ضبط کردہ کی واپسی کا فوراً حکم دیا اور اس کے بعد وہ تمام مال و متاع سادات پر تقسیم کر دیا۔ اراکین دولت اور کوتوالِ دار الخلافت نے خصوصاً جب اس تغیر احکام کی وجہ دریافت کی تو معتضد نے اُن کے جواب میں اپنا دوسرا خواب اس طرح بیان کیا کہ مجھے ایک شب عالم رؤیا میں یہ معلوم ہوا کہ جیسے میں کہیں جا رہا ہوں۔ ناگاہ میں ایک پل پر گیا تو دیکھا کہ ایک آدمی اس پل پر راہ روکے ہوئے نماز پڑھ رہا ہے میرے دل میں یہ خیال ہوا کہ اس شخص کی نیت اس طرح نماز پڑھنے سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس پل سے آنے جانیوالوں کی راہ بند کر دی جائے۔ میں اپنے دل میں یہ سوچتا تھا کہ اس شخص نے اپنی نماز تمام کی۔ میں فوراً اس کا سبب دریافت کرنے کیلئے اس کے قریب پہنچا اور اُس کو سلام کیا۔ اُس نے ایک بیلچہ مجھے عنایت فرمایا اور حکم دیا کہ اس سے زمین پر تین ضربیں مارو۔ میں نے اُس کے ارشاد کے مطابق اس جگہ تین ضربیں لگائیں۔ اسی اثنا میں اُس بزرگ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میں علی ابن ابیطالب (علیہ السلام) ہوں۔ میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ تم جتنی ضربیں اس بیلچہ سے زمین پر مارو گے تمہاری نسل میں سے اتنے ہی خلیفہ اور فرمانروا اس سلطنت میں گزرینگے۔ میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ تم اپنے عہد حکومت میں میری اولاد کے ساتھ ظلم اور بدسلوکی نہ کرنا۔ اور اپنے بعد اپنی اولاد و ذریات کو بھی ان امور کے امتناع کے لئے خاص طور پر وصیت اور تاکید کرتے جانا۔ اتنا بیان فرما کر آپ نے مجھے اُس پل پر سے گزر جانے کی اجازت دیدی اور راہ خالی فرما دی۔ روضۃ الصفا جلد سوم

اِس واقعہ سے پورے طور پر معلوم ہو گیا کہ معتضد اسوقت سادات کی ہمدردی اور اشفاق کے معاملات میں کیسا مستعد اور آمادہ تھا۔ مگر آگے چلکر ثابت ہو گیا کہ اس کے یہ تمام وعدے وعید اور قول و قرار کوئی بھی اعتبار کے قابل نہیں تھے بلکہ بخلاف ان باتوں کے وہ بھی سادات کے ستانے اور امام زمانہ کے مٹانے اور شمع ہدایت کے گل کر دینے میں ویسا ہی کوشاں اور ساعی تھا۔ جیسے اُس کے قبل اُسکے اسلاف۔ معتضد نے اہلبیت کرام علیہم السلام کی ظاہری عقیدت تو ضرور کی۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ تمام اسلامی تاریخوں میں درج ہے جو ہمارے بیان پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ ۲۸۴ھ ہجری میں معتضد نے دار الخلافت کے تمام خطیبوں اور نقیبوں کو حکم عام دیدیا کہ وہ تمام مسجدوں اور منبروں پر معاویہ ابن ابوسفیان پر لعنت کیا کریں۔ وزیر نے اُس کے اس حکم کے نفاذ سے اُسکو منع کیا اور یہ دلیل پیش کی کہ اس حکم کے اعلان و نفاذ سے تمام ممالک محروسہ میں بدامنی اور انواع و اقسام کے فتنہ و فساد کے پھیل جانے کا قوی احتمال ہے۔ لیکن معتضد نے اُس کی اس عرض پر توجہ نہیں کی اور حکم دیا کہ وہ کتاب جو مامون کے حکم سے اُس کے زمانۂ حکومت میں معاویہ ابن سفیان کے معائب میں خاص طور پر تالیف کی گئی تھی نکالی جائے اور اسکا خلاصہ کیا جائے اور وہی خلاصہ تمام ممالک محروسہ میں عام اشاعت کی غرض سے شائع کیا جائے۔ چنانچہ معتضد نے تھوڑے عرصہ میں اُس کتاب کا ایک معقول خلاصہ تیار کرایا۔ چونکہ اس امر کا انتظام معتضد نے خاص طور پر اپنے ہی ہاتھ میں لیا تھا اسلئے اس لئے اُسکے موجودہ وزیر کو اسکی تجویز و تدبیر میں مداخلت کی جرأت نہ ہو سکی۔ مگر چونکہ وہ ذاتی طور پر ناصبیت اور عداوت اہلبیت طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین میں سخت متعصب تھا اس لئے اُس سے اس امر میں خاموش بھی نہ رہا گیا۔ آپ تو خلیفہ کی خدمت میں کچھ نہ کہہ سکا مگر ہاں اس نے دار الخلافت کے قاضی یوسف ابن یعقوب کو اپنا ہمکلام اور ہمزبان بنایا۔

قاضی یوسف اور معتضد کو فہمائش

وزیر کی تحریک و تاکید سے قاضی یوسف ایک دن معتضد کی خلوت میں حاضر ہوئے اور اس سے کہنے لگے کہ اُس خلاصہ کے مشتہر کئے جانے سے بلاد اسلامیہ کی تمام رعایا میں ایک سخت اشتعال اور جوش کپیدا ہو جانے کا پورا اندیشہ ہے کیونکہ معاویہ کے خلاف سلطنت کے عقائد معلوم کر کے رعایا کے ہر طبقہ میں سخت انقلاب واقع ہو گا جو نظام ملکی کے لئے بہت نقصان دہ ثابت ہو گا۔
معتضد نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا کہ جو شخص اس امر میں مجھ سے خلاف ہو گا میں اسکی مخالفت کو نوک شمشیر سے

تائل کر دونگا۔ قاضی نے کہا کہ اچھا آپ کی نوکِ شمشیر یا حسن تدبر بنی امیہ اور بہی خواہانِ بنی امیہ کی اصلاح سیاست کے آئین سے کریگی۔ لیکن آل ابی طالب علیہ السلام اور ان کے ہواخواہوں کی طرف سے اطمینان وتشفی کیلئے کیا انتظام سوچا گیا ہے جو ہر وقت وہمہ دم خلافت کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔ جہاں تک میں نے اس معاملہ میں غور کیا ہے۔ مجھے اس بات کے مان لینے میں کوئی تائل نہیں ہے کہ اُس کتاب کے مضامین میں جس کا خلاصہ تمام ممالک میں مشتہر کرایا جاتا ہے اس میں اگر بنی امیہ کے معائب بھرے پڑے ہیں تو آل ابی طالب علیہ السلام کے فضائل ومناقب بھی موجود ہیں۔ اور یہ بھی مشاہدات سے ثابت ہے کہ یہ قوم کی قوم ہمیشہ سلطنت کی مخالف بنی رہی اس لئے سلطنت بھی برابر ان کے آثار واقتدار مٹاتی رہی۔ اب وہی سلطنت ان کے ایسے مخالف قوم کے فضائل ومراتب کا تمام ممالکِ محروسہ میں اشتہار دے گی تو یہ اُلٹا دریا کس کو بہا لیجائے گا اور اس کا برعکس نتیجہ کیا قیامت دکھلائے گا۔ ایک تو دنیا کو ان کے ساتھ جو عقیدت وخلوص ہے وہ ظاہر ہی ہے۔ اِسپر سلطنت کا یہ اعلان اور بھی ان کے معاملات میں پورا اشتعال اور کامل استقلال پیدا کر دیگا۔ اور پھر ان کے معتقدین اور متبعین کی مخالفانہ حرکات سے سلطنت کو جو صدمات اٹھانے ہوں گے ان کا اندازہ کرنا اِس وقت سخت دشوار ہے خیریت ہے کہ متوکل اور معتمد کی متواتر کوششوں کے بعد ان مفسدوں میں کچھ دنوں سے سکون اور کمی آگئی ہے اور کچھ عرصہ سے اِن کی بغاوت کم ہوئی مگر سلطنت کے موجودہ تجویزی اعلان سے ان تمام بلاؤں کے عود کر آنے کا قوی اندیشہ ہے۔ الغرض قاضی صاحب نے معتضد کو اپنے طور پر خوب سمجھا دیا۔ اُن کی اس مدبّرانہ فہمائش نے معتضد کی تمام ظاہرداریوں کی کایا پلٹ کر دی اور معتضد بھی سلطنت کی حفاظت اور استحکام میں خلل پڑنے کے خوف سے جس کا پورا اور قوی احتمال قاضی صاحب نے اپنی تقریر میں ظاہر فرمایا تھا اپنے حواس میں نہ رہا اور آخر کار وہ بالکلیہ اپنے ظاہری خلوص وعقیدت کے اظہار سے دست بردار ہو کر اپنے اسلاف کے اُن قدیم طریقوں پر آگیا جس اصول پر وہ سلطنت کے کام چلاتے تھے۔ وہ کیا تھے؟ استیصالِ ساداتِ عظام اور مخالفتِ اہلبیت کرام علیہم السلام اور کچھ بھی نہیں۔ حقیقت امر یہ ہے کہ موجودہ معاملات میں معتضد نے قاضی صاحب سے اپنی وزارت کا پورا کام لیا۔ اور قاضی صاحب نے بھی مخالفتِ اہلبیت علیہم السلام کے متعلق اپنے تعصب کے خوب خوب جوہر دکھلائے۔ معتضد کی طبیعت چونکہ اِن اجزاء سے فطرتی طور پر مترتب ہوئی تھی اس میں جو کچھ تغیر اتفاقی طور پر واقع ہو گیا تھا۔ وہ صرف اُس کے اُن دونوں خوابوں کا اثر تھا۔ اور کچھ بھی نہیں ورنہ حقیقۃً ان امور میں معتضد بھی ویسا ہی تھا جیسا کہ متوکل اور معتمد۔ یا یوں سمجھ لینا چاہیے کہ مادہ ہر طرح سے تیار تھا صرف ذراسی اشتعالک درکار تھی۔ وہ قاضی صاحب کی تقریر نے ضرورت سے زیادہ پیدا ہی کر دی تھی۔ اُس کے سُنتے ہی معتضد کی مخالفانہ حرکتوں میں ہیجانی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اور آخر کار معتضد بھی اپنے اسلاف کے ایسا ساداتِ عظام کا دشمن نکلا جیسا کہ بہت جلد ہمارے سلسلۂ بیان سے ظاہر ہو جائے گا۔

معتضد سے ان امور کے ظاہر ہونے پر ہمکو کوئی حیرت اور استعجاب نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان کے نہ ہونے سے البتہ متعجب ہونا چاہیے کیونکہ دنیا کے عام اصول کے مطابق کسی امر کا خلاف فطرت واقع ہونا مشکل سے قبول کیا جاتا ہے۔ اِس لئے معتضد قاضی کی تقریر سے ڈر کر سادات کے مخالفت پر پھر آمادہ اور سرگرم ہو گیا۔ اور حفظان سلطنت کے قدیم اصول کے مطابق اُس نے اِن امور میں ساداتِ عظام کے ساتھ مخالفت اور شیعہ پبلک کے ساتھ شقاوت برتنے کو اپنا فرض منصبی سمجھ لیا۔ اور اسی کے مطابق کام کرنے لگا۔ قرامطہ کے واقعات سے ابھی ابھی اس کی طبیعت کا جُبن ثابت ہو چکا ہے۔ کہاں تو وہ قرامطہ کے پیچھے پڑا تھا اور کہاں ابوسعید کی ذراسی دھمکی پر اس کی طرف سے بالکل

سنا تا کھنچ گیا۔ پھر ایسی بودی طبیعت والے آدمی ہیں۔ اتنی جرأت کہاں کہ وہ قاضی صاحب کے اِن زبانی دعووں کی اصلیت کی کوئی تحقیق کرتا۔ یا غور سے کام لیتا۔ اُس کو تو جو سمجھا دیا گیا وہ سمجھ گیا۔ اور کورانہ تقلید کے اصول پر عمل کرنے لگا۔ اُس کی ذات سے بیدار مغزی اور آزادانہ کام کرنے کی جیسی کچھ امید کی جا سکتی تھی وہ اوپر کے واقعات بخوبی بتلا رہے ہیں اور اسی کے ساتھ اس کی تلوّن مزاجی عدم استقلال اور خام طبعی کما حقہٗ ثابت ہو رہی ہے۔

قاضی صاحب کی تقریر نے معتضد کے قلب پہ پوری تاثیر کی اور اس نے قاضی کی ہدایت کے بموجب اپنے اُن احکام کو فوراً واپس لے لیا جو اُس نے اُس کتاب کی اشاعت کے متعلق نافذ کئے تھے۔ مگر با ایں ہمہ کیا وہ مضامین صفحۂ روزگار سے مٹ گئے؟ ارباب بصیرت پر روشن ہے کہ قاضی صاحب یا معتضد کی موجودہ کوششوں کے خلاف وہ کتاب یا اُس کا خلاصہ دفترِ عالم اور تاریخ دنیا میں تا ایندم محفوظ و موجود ہے اُن میں حقانیت تھی۔ وہ سچے تھے۔ اِس لئے وہ مٹنے والے نہیں تھے اور نہ مٹے۔ بلکہ اِس وقت تک قائم اور موجود ہیں اور انشاء اللہ المستعان تا قیام قیامت قائم اور برقرار رہیں گے چنانچہ اسلام کی تمام بڑی بڑی تاریخوں میں معتضد کے زمانہ کا وہ خلاصہ جو اس کے حکم سے تیار کیا گیا تھا اور جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے بجنسہٖ مندرج ہے۔ ابوالفدا اور روضۃ الصفا نے صرف اس حکم کو لکھتے ہوئے اس کتاب ماموئی کے خلاصہ کا ذکر کیا ہے۔ مگر تاریخ مسعودی اور ابن اثیر نے اپنی اپنی تاریخوں میں اس کی عبارت نقل کی ہے اور عالی جناب شیخ احمد حسین صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس پرہانواں نے اپنی کتاب فصل المبین میں اس خلاصہ کو ابن اثیر سے نقل کر کے اردو میں ترجمہ بھی کر دیا ہے جو اس وقت ہندوستان کے نو کروڑ مسلمانوں میں تمام ذائع و شائع ہے۔ ہم اس کی نقل کو اپنے مدعائے تالیفی سے بالکل زائد اور غیر ضروری سمجھکر قلم انداز کرتے ہیں۔ ناظرین معاف فرمائیں گے۔

جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے ساتھ معتضد کی مخالفت

معتضد نے حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کے ساتھ جو مخالفانہ کارروائیاں شروع کیں اور جس میں اُس نے اپنی بقیہ عمر ہی تمام کر دی اور سوائے مخالفت و عداوت کے پھر کبھی اخلاص و عقیدت اور ہمدردی و مروت کا کوئی اظہار نہیں کیا۔ وہ آپ کی سراغ رسانی اور قتل و گرفتاری تھی۔ مگر اس میں بھی اُسکو سوائے پریشانی اور ذلت و پشیمانی کے اور کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ اس سے قبل معتمد کے حالات میں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ قوی دلائل اور معتبر مشاہد کی رو سے پورے طور پر آپ کے وجود ذیجود کے مسئلہ کا قائل ہو چکا تھا۔ اور جعفر کے جواب میں جو اس نے کہا تھا اس سے آپکی معرفت ثابت ہوتی ہے۔ مگر وہی استحکام سلطنت اور استحفاظِ مملکت کے غلط خیال اور قیاس و وہم و گمان کے باعث وہ ان کو ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ علمائے اہلسنت والجماعت تو ابھی کنارے ہیں، علمائے امامیہ رضوان اللہ علیہم نے وجودِ حضرت قائم آل عبا علیہ التحیۃ والثنا کے متعلق اس کے اعتراف کو قبول کیا ہے۔ چنانچہ جناب شیخ صدوق علیہ الرحمۃ والغفران جعفر کی داستان لکھکر اپنی رائے یوں قائم کرتے ہیں کہ اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ معتمد جناب صاحب الامر علیہ السلام کے وجود ذیجود کا قائل ہو چکا تھا۔ اور آپ کے مراتب و مدارج سے بھی خوب واقف تھا۔ اور آپ کے نظامِ امامت کو بھی جانتا تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ مال و متاع کو جو شیعہ خدمتِ امام علیہ السلام میں نذر کے لئے بھیجتے تھے نہ خود ضبط کر سکا اور نہ جعفر کو ان کی استدعا کے مطابق دلوا سکا۔ بلکہ بجنسہٖ اسی طرح ان لوگوں کو واپس دیا۔ اِن امور سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آپ کے امور کے پوشیدہ اور مخفی رہنے کو از خود پسند کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ شیعہ گروہ جعفر کی فریب دہی سے محفوظ رہے۔ اور امام علیہ السلام کے امور بھی دنیا میں طشت از بام نہ ہونے پائیں۔ اور عام طور سے ہر شخص آپ کے مقامِ قیام سے واقف نہ ہو سکے اور آپ تک پہنچنے پر کسی طرح قادر نہ ہو سکے جس کے باعث سے آپ کے موجودہ نظام میں خلل واقع ہو (بحار الانوار جلد ۱۳۔ ص ۱۹۳)

اس کے بعد علامہ موصوف نوراللہ ضریحہ نے اُسی کتاب میں جعفر سے معتمد کی وہ تقریر بھی قلمبند فرمائی ہے جس کو اُس نے فہمایش اور ہدایت کے طور پر جعفر سے کہا تھا اور وہ یہ تھی کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے جعفر نے بیس ہزار دینار رشوت دیکر معتمد کی معرفت منصب امامت حاصل کرنا چاہا تو اُس نے جعفر سے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ یہ سمجھ لو کہ منصب امامت ہمارا اختیاری امر نہیں ہے بلکہ خدائے کارساز کی طرف سے ہے۔ ہم لوگوں نے ہر چند ان کے فضائل ومناقب اور مدارج ومراتب کے گھٹانے اور مٹانے کی لاکھ لاکھ فکر کی مگر ان میں سے کوئی مفید کار نہ ہوئی اور شروع سے آخر تک بے کار اور فضول ثابت ہوئی اور ہماری تمام کوششوں کے خلاف اُن کی جلالت اور عظمت میں روز افزوں ترقی ہوتی رہی۔ اور یہی امر اُن کے محاسن اخلاق۔ تقدس۔ زہد اور ورع کو تمام دنیا میں پھیلا کر اُن کے ازدیادِ شہرت۔ توسیع عظمت کے قوی اور کامل باعث ثابت ہوئے۔ (صفحہ ۱۹۴)

معتمد کی اس تقریر سے اُس کا اعتراف ثابت ہوگیا دنیا کے دیدۂ بصیرت اگر وا ہوں تو وہ دیکھ لے کہ معتمد کے ایسا مخالف اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے فضائل ومناقب کے ایسے صاف اور واضح اعتراف۔ خدا کی شان اور حقانیت ایمان نہیں تو کیا ہے۔ بہر حال ع با آلِ نبی ہر کہ در انداخت برانداخت۔

معتمد کے ایسا معتضد کا بھی حال ہوا۔ اس نے بھی جیسا کہ ابتدا میں لکھا گیا ہے آپ کی سُراغ رسانی اور گرفتاری کا حکم دیا۔ حالانکہ معتمد کی کوششوں کے نتیجے اُس کے مشاہدات میں آچکے تھے اور اُس سے کسی قدر متاثر بھی ہوچکا تھا۔ مگر طمع سلطنت۔ استحکام ثروت۔ اور استحفاظ دولت کی تمناؤں نے بہت جلد اُن تمام تاثیروں کو اُس وقت اُس کے دل سے زائل کردیا۔ اور اُس کو بھی اِن امور میں سخت اور شدید بنا دیا۔ معتضد چونکہ معتمد کے زمانہ ہی سے آپ کے وجود ذیجود کا قائل ہوچکا تھا اِس لئے اُسکو آپ کی ولادت وغیرہ کے خاص تحقیق حالات کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوئی۔ اُس نے ایام مخالفت میں آپ کی گرفتاری اور ہلاکت کی تدبیر وتجویز کو اپنے آگے رکھ لیا اور انہی امور کی تعمیل کی فکریں کرنے لگا +

اِس زمانہ میں جناب صاحب الامر علیہ السلام کے قیام کی حالت

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ آخر وقت میں

معتمد کی اِن شدید کارروائیوں اور جعفر کی نافہمیوں کے باعث آپ نے سرمن رائے کے قیام کو ترک کردیا تھا اور اپنی جدہ ماجدہ سلام اللہ علیہا کو عصمت سرا میں تنہا چھوڑ کر اور اپنی والدۂ مطہرہ جناب نرجس خاتون علیہا السلام کو اپنے ہمراہ لیکر بلادِ مغرب کا سفر اختیار فرمایا۔ مگر پھر معتمد کے مرجانے کے بعد معتضد نے تختِ خلافت پر متمکن ہوکر جب کسی قدر آپ کے امور میں ظاہری نرمی اور ملایمت دکھلائی اور حقیقت میں قرامطہ وغیرہ کی شورش کی وجہ سے فرصت ہی نہیں پائی۔ تو آپ نے بھی اِن امور پر ظاہرا اعتبار فرما کر پھر سرمن رائے کی طرف مراجعت فرمائی۔ مگر یہ مراجعت بھی نہایت احتیاط سے مخفی رکھی گئی۔ اور اس کی اطلاع سفرا اور نائبین کو بھی نہیں کی گئی۔ جب آپ تشریف فرمائے عصمت سرا ہوچکے تو اُس وقت سفرا اور مخصوصین کو مطلع فرمایا گیا اور نظامِ امامت اور احکامِ شریعت کے نفاذ واجرا ویسی ہی سازداری اور احتیاط سے عمل میں لائے جانے لگے۔ کیونکہ اگرچہ سلطنت کی طرف سے ایک سکونی حالت ضرور تھی مگر وہ یقین کے قابل نہیں تھی۔

بہر حال ابھی زمانہ اور زمانہ کا رنگ ایسا ہی تھا کہ معتضد کی تلوّن مزاجی نے پھر رنگ بدلا اور اس کے موافقت اور ہمدردی کے خیالوں میں مخالفت اور دشمنی کے اثر پیدا ہوئے اور جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے حفظانِ سلطنت کی غلط پالیسی کی قدیم تجویزوں پر قائم ہوکر اُس نے (معتضد نے) آپ کی سُراغ رسانی کا انتظام کیا۔ شاہی ہرکارے۔ جاسوس اور بہت سے خفیہ لوگ معتمد کے

وقت کے ایسا اُس وقت بھی۔آپ کا سُراغ لگانے لگے۔آپ کو بھی معتضد کی ان مخالفانہ کارروائیوں کی خبر لگ گئی تو آپ نے بھی اپنی حسن تدبیر سے اپنی حفاظت کے وہی اصول قائم فرمائے جو پہلے بھی اختیار فرمائے گئے تھے۔

یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی شخص کسی وقت آپ کو علانیہ دیکھ سکے عموماً کوئی حالت ہو آپ کی رویت منجانب اللہ قطعی ممنوع ہو چکی تھی۔اس لئے مقام قیام تک سے بھی کوئی متنفس مطلع نہیں تھا۔یہ شاہی جاسوس اور معتضد کے سُراغ رساں جہاں جہاں اپنے وہم وگمان سے آپ کے قیام فرمانے کا خیال دقیاس کرتے تھے۔ان تمام مقامات کو چھان ڈالتے تھے۔اور ان لوگوں نے ان تمام مقاموں کی ایک بار نہیں کئی بار خاک لے ڈالی مگر سوائے زحمت وپریشانی اور ذلت وپشیمانی کے کچھ ہاتھ نہ آنے والا تھا۔نہ آیا۔اور وہ گوہر نایاب دستیاب نہ ہوا۔عتبات عالیہ اور اماکنہ مشرفہ مثلاً نجف اشرف۔کربلائے معلّٰے۔کاظمین شریفین ودیگر معابد مقدسہ مثل مسجد جامع کوفہ مسجد سہلہ وغیرہم خاص طور پہ ڈھونڈھے گئے اور تلاش کئے گئے۔کیونکہ یہ مقامات مخصوصہ از روئے اخبار شیعہ آپ کی عبادت کے لئے مخصوص بتلائے اور پائے جاتے تھے۔اِن مقامات میں آپ کی حاضری کی نسبت شیعہ کے عقائد میں ذرا بھی تامل نہیں کیا جا سکتا مگر اس کیلئے کیا کیا جاوے گا کہ کوئی حالت ہو نظام مشیت تو تبدیل ہو نہیں سکتا۔اور بغیر اذن ربانی کوئی اس نور یزدانی کو چاہے وہ کسی مقام اور کسی حالت میں ہو نہیں دیکھ سکتا۔تو پھر اُس نظام مسلمہ اور اصول کلیہ کے مقابلہ میں ایک بار نہیں ہزار بار۔ہزار بار نہیں لاکھ بار یہ مقامات دیکھے جائیں۔ڈھونڈھے جائیں اور چھانے جائیں تو اس سے کیا یہ ممکن نہیں کہ بغیر حکم الٰہی اُس حضر زمانہ تک نہ پہنچ سکے۔

بہرحال۔معتضد کی یہ مہم کسی طرح کامیاب نہ ہوئی تو اُس نے شہر سامرہ کے خاص خاص مقامات کی تلاشی کا حکم دیا۔جہاں آپ کے تشریف رکھنے کا خیال تھا اُسکی خلاصہ کیفیت یہ ہے کہ معتضد کے رفیق خاص رشیق نامی کا بیان ہے۔

رشیق معتضد کا رفیق اور جناب صاحب الامر علیہ السلام کی گرفتاری

معتضد نے مجھ (رشیق) کو ایک دن اپنی خلوت میں بُلایا اور اپنے دو معتمد رفیقوں کو میرے ہمراہ کیا۔اور ہم تینوں آدمیوں کو شاہی اصطبل سے تین بیش قیمت اور تیز رفتار گھوڑے منگوا کر حوالے کئے اور کہا کہ اسی وقت بغداد سے شہر سامرہ کی طرف چلے جاؤ۔راہ میں کہیں نہ ٹھہرنا۔اور یکسر باگیں اٹھائے چلے جانا اور وہاں پہنچکر تھوڑی دیر تک کاروانسرائے میں ٹھہر جانا اور ایک مکان خاص کا پورا نشان بتلا کر کہا کہ اُس میں چلے جانا۔اُس کے دروازے پر تم کو ایک غلام ملے گا تم لوگ اُس کی ممانعت وغیرہ کا کوئی خیال نہ کرنا۔بلکہ ایک بار ہجوم وحملہ کرکے اُس مکان کے اندر بلا خوف ہو کر گھس پڑنا اور جس شخص کو اندر پانا بلا عذر اُس کا سر قلم کرکے میرے پاس لے آنا۔

رشیق کا بیان ہے کہ ہم تینوں آدمی حکم سلطانی پاکر نماز مغرب کے بعد بغداد سے روانہ ہوئے اور آدھی رات سے پہلے شہر سامرہ میں داخل ہو گئے اور معتضد کی ہدایت کے مطابق وہ تمام نشانات وعلامات جو اُس مکان مقدس کے متعلق اس نے بتلائے تھے پائے گئے۔یہانتک کہ اُس مکان کے دروازے پر پہنچے۔اُس غلام کو سوتی ازار بند بُنتے ہوئے دیکھا۔میں نے اُس سے پوچھا کہ اس مکان میں کون ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ مالک مکان۔رشیق کا بیان ہے کہ اُس غلام نے ایسی ہی آزادی اور بے پروائی سے اُسکا جواب دیا کہ مجھ کو اس کی بے خوفی اور جرأت پر سخت تعجب ہوا۔مجھ کو یقین تھا کہ سرہنگان سلطانی ہونے کے باعث وہ ہم لوگوں سے ڈریگا اور خوف کریگا مگر اس نے ان باتوں میں سے کسی بات کا اظہار نہیں کیا اور اپنے کمال استقلال سے جس کام میں مشغول تھا برابر مصروف رہا۔اور جواب دینے کے بعد پھر ہماری طرف مطلق متوجہ نہیں ہوا۔اسلئے ہمکو یقین

ہوگیا کہ ہم لوگوں کو اُسکی مزاحمت سے کوئی گزند نہیں پہنچیگا۔ بہرحال اُس نے ہم سے کوئی مزاحمت نہیں کی اور ہم لوگ بلا روک ٹوک اس عمارت کے اندر چلے گئے۔ وہاں پہنچکر دیکھا کہ اُس مکان کی آرائش اور زیب و زیبائش بالکل امیرانہ طور پر ہے۔ دروازے کے آگے جہاں سے آمدورفت ہوتی ہے ایک ایسا خوشنما اور خوش قطع سائبان پڑا ہے کہ جس کے ایسا دوسرا ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام دنیا کے معمار اور صناع اس کے ایسی عمارت بنانے سے بالکل مجبور ہیں۔

بہرحال جب ہم اُس صحن کے سائبان سے گزرکر صحن خانہ میں پہنچے تو کسی شخص کو صحن میں موجود نہیں پایا۔ اس صحن کے آگے پھر اور ایک محل دکھلائی دیا اور اُس کے آگے دریا بہتا ہوا نظر پڑا۔ وہ پھر اُسی محل میں ایک بزرگ باحسن وجمال اور باشوکت وجلال کو مشغول نماز دیکھا کہ آج تک ایسی نورانی صورت دیکھنے میں کیا کبھی میرے خواب وخیال میں بھی نہیں آئی تھی۔ اُس خاصۂ الٰہی کے رجوع۔ خضوع خشوع اور استغراق فی العبادت کی یہ کیفیت تھی کہ ایک حصیر پر تو مشغول نماز تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس عمارت میں دریا کا پانی تمام رواں ہے اور وہ ایک حصیر جس پر وہ تشریف فرما تھے اُس آب رواں پر قائم ہے۔ پہلے ہم تینوں آدمی نظامِ قدرت کے اس شاندار منظر کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرکے اپنے استعجاب وحیرت کے خاص عالم میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ مگر اس اثنار میں وہ مطلق ہماری طرف متوجہ نہیں ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُسکو ہمارے مکان میں آنیکی اب تک خبر بھی نہیں ہوئی تھی۔ بہرحال اسی عالم میں ہماری موجودہ جماعت میں سے احمد بن عبداللہ نے جرأت اور سبقت اختیار کی۔ اس قصد سے کہ اُس محل میں جاکر آپکے ساتھ کوئی مزاحمانہ کارروائی عمل میں لائے۔ وہ آگے بڑھا اور بڑھتے ہی پانی میں جا رہا۔ اور پانی میں جاتے ہی غرق ہونے لگا۔ اور اپنی اس اضطرابی کیفیت میں پانی کی اُس سطح پر ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ قریب تھا کہ وہ بالکل تہ آب ہوجائے۔ یہ حالت دیکھکر فوراً میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور پھر کسی نہ کسی طرح اُسکو کھینچکر باہر لایا۔ جسوقت وہ باہر لایا گیا بالکل بیہوش تھا۔ ایک ساعت تک عالم بیہوشی میں پڑا رہا۔ اب سنئے کہ اس کے بعد دوسرے صاحب نے بھی باوجود اس مشاہدے کے ویسی ہی احمقانہ جرأت کی اور آخر میں اُس نے بھی اپنی حرکات کے وہی نتیجے اٹھائے اور اُس کو بھی ہم اُسی طرح ہاتھ کھینچکر باہر نکال لائے۔

رشیق کا بیان ہے کہ اب اتنے مشاہدات دیکھکر میں اپنے آپے میں نہ رہا اور کمال خوف ودہشت میرے قلب پر مستولی ہوا۔ میں نے اُسی اضطرار وانتشار میں اُس خاصۂ ربانی اور ولی یزدانی کی طرف بکمال عقیدت مخاطب ہوکر جو اُس وقت تک عبادتِ الٰہی میں اُسی محویت اور کیفیت کے ساتھ مستغرق تھا عرض کی کہ میں آپ کی خدمت اور نیز درگاہِ رب العزت سے اپنی ان حرکات کی معافی چاہتا ہوں اور قسم شرعی کھاکر عرض کرتا ہوں کہ حقیقتہً میں آپ کے امور کی اصلیت سے ذرا بھی واقف نہیں تھا۔ اور اسوقت تک مطلق نہیں جانتا تھا کہ میں یہاں کس امر کی تعمیل کیلئے مامور ہوکر آیا ہوں اور میں کس بزرگ کے قتل وہلاک کرنے کیلئے بھیجا گیا ہوں۔ غرض میں اپنے تمام جرائم سے خواہ وہ دانستہ ہوں یا نادانستہ درگاہِ خدا میں توبہ وانابت کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ اپنے اخلاق ومراحم سے معاف فرمائینگے۔ رشیق کا بیان ہے کہ میں ہرچند آپ کی خدمت میں اپنی آرزو ومنت کرتا رہا مگر آپ میری طرف مطلق متوجہ نہ ہوئے اور جس طرح سے کہ ابتدائے عبادت الٰہی میں مصروف تھے اُسی طرح اُس وقت تک عبادت میں مشغول رہے۔ اور آخر کار ہم آپ کو اُسی حالتِ نماز میں مشغول چھوڑ کر فوراً اُس محلسرا سے باہر نکل آئے اُس وقت ہمارے خوف ودہشت کا یہ عالم ہو رہا تھا کہ سارا جسم بید کی طرح لرزاں تھا۔ اسی عالم میں ہم نے شہر سامرہ سے بغداد کی طرف کوچ کیا اور اپنے تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہوکر باگیں اٹھائیں اور پھر بغداد کے قصر دارالامارۃ ہی میں پہنچکر دم لیا۔

معتضد اُسوقت تک ہمارے انتظار میں باہر ہی بیٹھا تھا اور ابھی تک محل کے اندر نہیں گیا تھا۔ اتنے میں ہم لوگ اسکے پاس پہنچکر سامنے کھڑے ہوگئے۔ اور میں نے آگے بڑھکر تمام وکمال روئداد کو جو ہم پر گذری تھی اور جو کچھ کہ ہم نے اسوقت تک اپنی آنکھوں سے وہاں مشاہدہ کیا تھا اُس سے بیان کردیا معتضد خوب غور سے سنتا رہا جب ہم اپنی داستان اُس کو سنا چکے تو وہ دیر تک خاموش رہا

دیر کے بعد اُس نے ہم سے پوچھا بھی تو یہ کہ تم میرے قصرِ شاہی میں اسوقت آتے ہوئے سوائے میرے اور کسی سے راستہ میں ملے تو نہیں ہو؟ اور تم نے میرے سوا ابتک کسی اور سے اِن واقعات کو بیان تو نہیں کیا ہے؟ ہم نے کہا نہیں ہم نے اسوقت تک نہ کسی سے ملاقات کی ہے اور نہ کسی سے اسکو دہرایا ہے۔ یہ سنکر اُس نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہا کہ مجھکو اپنے حصول مقصد سے محروم رہنے کا پورا یقین ہے اِس کے بعد اُس نے ہم لوگوں کو نہایت شدید اور غلیظ قسمیں دلائیں اور ہم تینوں آدمیوں سے اقرار واثق لیلیا کہ ہم اِن واقعات کو کسی دوسرے سے نہیں دہرائینگے۔ اگر کسی سے بیان کریں تو ہر طرح واجب القتل اور مستوجبِ عقوبت سمجھے جائیں گے۔ رشیق کا بیان ہے کہ معتضد کے زمانہ حیات تک ہم نے ان واقعات کو کسی سے بھی نہیں کہا۔

یہ تھیں معتضد کی مخالفانہ کارروائیوں کی تدابیر جو اُس نے جنابِ قائم آل محمد علیہ السلام کی گرفتاری اور ہلاکت کی خاص غرض سے اختیار کی تھیں۔ اس واقعہ سے اُس کی اِن امور میں سرگرمی مستعدی اور آمادگی پورے طور پر ظاہر ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ اُس کو اِن امور کی انجام دہی کی کیسی فکر دل سے لگی رہتی تھی۔ اور وہ اسکو کیسا ضروری اور لازم سمجھکر اپنے فرائضِ واجبہ سے جانتا تھا۔ اور اسکی تعمیل میں کتنی ہوشیاری اور رازداری سے کام لیتا تھا معتضد کی آخر تقریر سے جس میں اُس نے اِس واقعہ کے چھپانے کی تاکید کی تھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اِن تمام واقعات کا بذاتِ خاص ضرور معترف ہو چکا تھا۔ مگر کسی خاص وجہ سے اس کی عام شہرت اور اطلاع کو اپنے مفید مطلب نہیں سمجھتا تھا۔ اور وہ وجہ سوائے حفظِ سلطنت اور استحکام امارت کی غلط تجویز کے کوئی دوسری چیز نہیں تھی جو بنی امیہ کے وقت سے سلاطینِ اسلامیہ کے اصول جہانبانی اور معیارِ سلطانی قرار پا چکی تھی۔ اپنے اِس بیان میں معتضد نے اِس امر کا بھی اقرار کر دیا تھا کہ اُسکو اپنے حصولِ مقاصد میں کامیاب ہونیکی امید نہیں ہے مگر وہ اپنے اِس وقتی اقرار پر مطلق قائم نہ رہا۔ اور اِس وقت کی خاص کیفیت زائل ہو جانے پر جیسا تھا ویسے کا ویسا ہو گیا +

معتضد کی بارِ دیگر مخالفانہ کوشش

بہر حال۔ یہ معتضد کی خاص کیفیت تھی۔ اب پھر ہم جنابِ امام آخر الزماں علیہ السلام کے حالات کی طرف رجوع کرتے ہیں معتضد کی یہ حرکات اور اُسکی سُراغ رسانی اور ریشہ دوانیوں کے یہ واقعات مشاہدہ فرما کر نظامِ قدرت نے آپ کے امر کو اِس سے اور بھی زیادہ مخفی رکھنا مفید اور ضروری سمجھا۔ اور محلسرائے خاص کے قطعات کی سکونت ترک کر کے سرداب کے اندر تشریف رکھنے کے لئے حضرت صاحب الامر علیہ السلام کو ماذون فرمایا۔ یہ سرداب مبارک محلسرائے مقدس کی آخر عمارت میں واقع تھا۔ اور ایسے مقامِ پوشیدہ اور غیر متعارف میں تعمیر کیا گیا تھا جس میں کسی کے بود و باش رکھنے کا احتمال نہیں ہو سکتا تھا اور سوائے مخصوصین حضرات کے اور عموماً لوگ اِس اسرار سے واقف نہیں ہو سکتے تھے۔ علاوہ اِن امور کے یہ مقام ایسا تاریک تھا۔ اِسلئے کوئی اُس میں جلدی جانے کیلئے جراَت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اصل میں اُس سردابِ مقدس کی عمارت اسی زمانہ کے طرزِ تعمیر کے مطابق تھی مگر سوائے وقتی ضرورتوں کے عام طور سے کوئی اس میں رہتا نہیں تھا اور نہ اپنی آمد و رفت رکھتا تھا۔

بہر حال۔ اگر تحقیق اور انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو صاف طور پر معلوم ہو جائیگا کہ جیسے جیسے دنیا اور اہلِ دنیا کے ارتداد اور فتنہ و فساد ترقی کرتے گئے ویسے ویسے جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السلام کے مصائب اور شدائد برابر بڑھتے گئے۔ اور آپ کے صدمات اور تکالیف میں برابر اضافہ ہوتا گیا۔ جن لوگوں نے آپ کے حالات کو تاریخ و سیر کے واقعات سے مقابلہ کر کے مطالعہ کیا ہے اُن پر یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ متوکل کے زمانہ ہی سے آپ کے امور میں مخالفانہ تحریک عمل میں لائی جانی شروع ہو گئی۔ اور امتناعِ ولادت سے لیکر قتل و ہلاکت تک کی مختلف اور انواع و اقسام کی تجاویز اور تراکیب میں کوئی دقیقہ ایسا فروگذاشت نہیں کیا گیا جسمیں سلطنت کی پوری قوت و اختیار سے کام نہ لیا گیا ہو۔ مگر جوں جوں خلافت کی طرف سے اِن امور میں تاکید ہوتی گئی مشیّت اور قدرت کی طرف سے ووں ووں جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السلام کی

تائید ہوتی رہی۔ اگرچہ آپ کے نظامِ امامت اصول احتیاط اور حالتِ اختفا پر خاص کر مبنی کئے گئے تھے۔ مگر تاہم دشمنوں نے اُنکے تمام ظاہری اور بیرونی احکام کے عام نفاذ میں حد درجہ کی مداخلت اور خلل پیدا کیا۔ اور ان کے درہم وبرہم کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اور انہی وجہوں سے یہ کہنا صحیح اور فی الواقع ہو سکتا ہے کہ آپ نے اپنے نظامِ امامت کے امور میں جتنی تکلیفیں اور مصیبتیں دشمنوں کے ہاتھوں اٹھائیں اتنی جناب امام علی نقی علیہ السلام اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے اپنے وقت میں اپنے ہمعصر مخالفین سلاطین کے ہاتھوں سے نہیں اٹھائی تھیں اس میں کوئی کلام نہیں کہ مخالفین کو اُن حضراتِ عالی درجات کے ایسا آپ کو گرفتار و مقید کرنیکا موقعہ نہیں ملا۔ اور اس وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ آپ سے زیادہ اُن حضرات نے قید و حبس کی تکلیفیں اٹھائی ہونگی مگر بایں ہمہ ہم جب اس دلیل کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اُنہی مخالفین کے ہاتھوں شروع زمانہ سے اپنی حفاظتِ جانی اور اسرارِ پنہانی کے قائم رکھنے میں غربت اور سفر کی تمام مصیبتوں کو اٹھانا پڑا جو باعتبار مصائب اور شدائد کے اُن بزرگواروں (علیہم السلام) کی مصیبتوں سے کہیں بڑھی ہوئی تھیں کیونکہ اِن حضرات کو قید و حبس کے مصائب جو کچھ اٹھانے پڑے وہ ایک ہی قسم کے مصائب اور ایک ہی مقام پر گزرے اور بخلاف اُن کے یہاں تو غربت۔ سفر۔ ترکِ وطن وغیرہ وغیرہ کے موجودہ مصائب کے علاوہ اپنے اور اپنے تمامی امور کو خلائق کی نظروں سے ہردم و ہر لحظہ پوشیدہ رکھنا۔ اور کسی طرفیہ اور کسی عنوان سے ان کو دشمن تو دشمن اپنے بڑے سے بڑے قلبی دوست سے بھی ظاہر نہ کرنا۔ یہ سب ایسی قیامت خیز مصیبتیں تھیں جن کا اندازہ کرنا انسان کی خیالی قوتوں سے بالکل محال ہے۔

جن لوگوں نے آپ کے تمام حالات و واقعات پر غور کیا ہے اُنہوں نے ان تمام دشواریوں کو آپ کی پیدائش کے روز سے لیکر غیبتِ صغریٰ کے وقت تک اور پھر غیبتِ صغریٰ سے لیکر غیبتِ کبریٰ کی ابتدا تک آپ کے امور میں برابر لگاتار موجود پایا ہے اور اُنہی کے ساتھ آپ کے حزم و احتیاط۔ رازداری اور ہوشیاری کے اصول کو ہمیشہ بڑھتا ہوا اور ترقی کرتا ہوا پایا ہے۔ ان تمام واقعات کی مثال ایسی ہی ہے جیسی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصائب ہجرت کے ایام میں۔ تاوقتیکہ آپ مدینہ منورہ نہ پہنچ لئے بڑھتے چلے گئے۔ اسی طرح جناب صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موجودہ معاملات کی تمام دقتوں کا بھی اندازہ کر لینا چاہئے۔ بہر حال اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں یہانتک اوپر بیان ہو چکا ہے کہ معتضد کے خاص معتمدین کی مشن بھی آپ کی گرفتاری اور ہلاکت کی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکی۔ تھوڑے دنوں تک تو معتضد خاموش رہا۔ جس سے یہ خیال ہوتا تھا کہ اب وہ ان امور میں آئندہ مداخلت نہیں کریگا مگر یہ خیال غلط نکلا اور یہ گمان محض بے وجود ثابت ہوا۔ معتضد ہی پر موقوف نہیں معتضد کے تمام آباؤ اجداد حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مقابلہ میں برابر ایسے ہی مشاہدات اور اعجاز و کرامات دیکھتے چلے آئے تھے۔ مگر تاہم اُن میں سے کسی ایک نے بھی کبھی اُن پر کوئی خیال اور لحاظ نہیں کیا۔ مہدی سے لیکر متوکل تک اُس کے اسلاف میں ہر فردواحد نے ان تصرفات روحانی کا مشاہدہ کر لیا تھا مگر ایک بھی اِس سے کامل طور پر متاثر نہیں ہوا بلکہ اپنی مخالفت اور قتل و ہلاکت کی کوششوں میں سرگرم اور مستعد رہا۔

خلاصہ یہ کہ معتضد کا بھی اس وقت یہی حال ہوا۔ اُس نے بھی باوجود ان مشاہدات کے جن کی چشم دید حقیقت حال رشیق کی زبانی اسکو معلوم ہو چکی تھی اُسکی طرف کوئی توجہ اور لحاظ نہیں کیا اور تھوڑے ہی دنوں کے سکون کے بعد اُس نے ایک دوسری مخالفانہ ترکیب یوں نکالی کہ اپنے خاصے کے سرہنگان سلطانی کی ایک دلیر اور قوی دل جماعت کو اس خاص غرض کیلئے فوراً شہر سامرہ میں چلے جانیکا حکم دیا کہ وہ جناب امام علی نقی علیہ السلام کی محلسرا میں داخل ہو کر جس فرد واحد کو وہاں پاسے بلا تامل گرفتار کرکے حاضر لائے۔ بہر حال سرہنگانِ شاہی کی یہ قوی اور دلیر جماعت جو تعداد میں بعض روایت سے تین سو اور بعض روایت

پوری پانچسو معلوم ہوتی ہے شہر سامرہ میں پہنچی اور معتضد کی ہدایت کے مطابق اس محلسرا میں پہنچی پہنچتے ہی چاروں طرف اُس مکان کا محاصرہ کر لیا۔ نصف سے زائد لوگ تو محاصرہ کی خدمات پر اسلئے تعینات ہوئے کہ بیرونی اور اندرونی آمد و رفت کو بالکل منقطع کر دیں۔ اور جس شخص کو ایسا کرتا ہوا پائیں اُسے بلا تامل گرفتار کر لیں۔ اس انتظام کے بعد باقی ایک ثلث اِس جماعت کے لوگ اُس محلسرا میں داخل ہوئے اور وہاں پہنچکر معتضد کی ہدایت کے موافق اُس سرداب مقدس کے نزدیک پہنچے تو اُن لوگوں نے اُسکے اندر سے ایسی خوش الحانی اور شیریں زبانی کے ساتھ قرأتِ قرآنی اور تلاوتِ کلامِ ربانی کی آواز سُنی کہ ہر شخص اُس نغمۂ داؤدی کو سُنکر سراپا محو ہو گیا۔ اور اِس محویت اور خاص کیفیت کے عالم میں وہ جماعت کی جماعت اس سرداب مقدس کے نزدیک کھڑے کھڑے دیر تک حُسنِ قرأت اور خوبیِ تلاوت کے مزے لیتی رہی۔ اس آواز کے سنتے ہی اس جماعت کے افسر نے کہا کہ اب ہم کو محاصرۂ مکان کی کوئی ضرورت باقی نہیں ہے کیونکہ جس شخص کی ہم کو ضرورت ہے وہ تو اس سردابِ مقدس میں اِس وقت تک موجود ہے اور ہم اُس سے اتنے قریب کھڑے ہیں۔ پھر کیا ضرور ہے کہ ہم بیرونی انسداد میں اپنی جماعت کے لوگوں کو باہر کی طرف بیکار پھنسائے رہیں۔ بلکہ اس سے بہتر ہے کہ ہم ان کو بھی باہر سے اندر بلا لیں اور سب ملکر اپنی قوتِ متفقہ سے اس شخص کی گرفتاری کو عمل میں لائیں۔

ابھی یہ چرچے اور مشورے ہوتے تھے کہ اسی اثنا میں وہ بزرگوار فرشتہ صورت سلام اللہ علیہ یکبارگی اُس سردابِ مقدس سے برآمد ہوا اور اُس جماعت کے آگے سے نکل گیا۔ جب وہ (سلام اللہ علیہ) اُنکی نگاہوں سے غائب ہو گیا تو افسر فوج نے کہا کہ اب تم لوگ اس سرداب کے اندر جاؤ اور جسکو پاؤ پکڑ لاؤ یہ سُنکر اس کے ہمراہیوں نے جواب دیا کہ کیا وہ شخص وہی مقدس نہیں تھا جو ابھی ہمارے اور آپکے سامنے سے نکلکر سرداب سے باہر چلا گیا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں نے تو کسی کو جاتے نہیں دیکھا ہے لیکن تم لوگوں نے دیکھا تو کیوں گرفتار کر نہ لیا۔ اور ان کو کیوں چھوڑ دیا؟ سپاہیوں نے جواب دیا کہ اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ ہم سمجھے کہ آپ دیکھ رہے ہیں اور اُسکی گرفتاری کے لئے کچھ منھ سے حکم نہیں دیتے تو ہم انہیں کیسے پکڑتے۔ اسی باعث سے ہم لوگ سب خموش کھڑے رہے اور کچھ بھی نہ کر سکے۔

بہرحال معتضد کی مخالفانہ چالیں اور اس کی مخاصمانہ تدبیریں۔ یہ دونوں واقعات جو ابھی ابھی ہم نے اپنے سلسلۂ بیان میں اوپر لکھے ہیں۔ تدبیرِ انسانی اور تقدیرِ یزدانی کے باہمی فرق و ما بہ الامتیاز کو بخوبی ثابت کرتے ہیں۔ معتضد نے جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے جناب صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قید و ہلاکت کی تدبیروں میں کیسی کیسی مکارانہ اور جابرانہ ترکیبوں سے کام لیا مگر بمصداق آیۂ وافی ہدایہ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ اُسکی تمام عیارانہ چالیں محض بیکار ثابت ہوتی ہیں۔ اور اُسکی ان ظالمانہ اور مخالفانہ کارروائیوں سے آپکو کوئی آزار یا کوئی آسیب و گزند نہ پہنچ سکا۔ حافظِ حقیقی کے نظامِ تدبیر نے ہر موقعہ پر اس کے زور و تزویر کی تدبیروں کو بالکل بے اثر ثابت کر دیا۔ اور ان تمام کارروائیوں سے جو اُس کا دلی مقصود تھا وہ کسی طرح حاصل نہ ہوا۔ اور آخر اُسکو بھی وہی ذلت و پشیمانی اٹھانی پڑی جو اُس سے پہلے اُس کے اسلاف کی بدنامی اور رسوائی کا باعث ہو چکی تھی۔

ہم اِن معاملات پر جہانتک غور کرتے ہیں یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے اِن امور کی مشابہت جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملات کے ساتھ بالکل ملتی ہوئی معلوم ہوتی ہے چنانچہ اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں ہم نے کئی ایک مقام پر اِس مماثلت اور مشابہت واقعات کو ثابت بھی کر دیا ہے اور دکھلا دیا ہے کہ آپ کے اور جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملات میں ایک قدرتی مشابہت قائم ہے اور اُس کی بہت بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ موجودہ مشابہت کے قائم رکھنے سے نظامِ ربانی کی بہت بڑی مصلحت یہ تھی کہ جن جن مشاہدات و اعجاز کے ساتھ اسلام نے دنیا میں ابتدا کی تھی اُنہی کرامات کے ساتھ وہ اپنی آخر دلائل اور حجتوں کو دکھلا کر ایک وقت محدود تک اپنے نظام اور نظام کنندہ

کو عام خلائق کی نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی رکھے جس کے بہت سے مصالح ایسے ہیں جنہیں ہم خود سمجھنے کی پوری لیاقت رکھتے ہیں۔ اور اُن میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں ہم نہیں سمجھ سکتے۔ جن لوگوں نے سلام کے ابتدائی حالات پڑھے ہیں وہ واقعۂ ہجرت میں جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشرکین اور کفارِ قریش کی اُس صف اور جماعت سے نکل آنے کو بخوبی جانتے ہیں جو شام سے آپ کی دولتسرا کا محاصرہ کئے کھڑی تھی۔ آپ نکل بھی آئے اور چلے بھی گئے اور وہ کور باطن بدمست اپنی تدبیر و ترکیب کی دھن میں اندھے کے اندھے بنے کے بنے کھڑے ہی رہ گئے۔ اُس حافظِ حقیقی نے اپنی حجت اور ودیعت کو اُن کے درمیان سے صحیح وسلامت نکال ہی لیا۔ اور وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ کے انوار وآثار ان تیرہ قلبوں کو دکھلا دیئے اور سمجھا دیئے۔

اس واقعۂ ہجرت کو جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے معاملات سے اگر ملایا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں مشاہدوں میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح اُس وقت مخالفین کی جماعت محاصرہ کئے ہوئے تھے بالکل اُسی طرح اِس وقت معاندین بھی گھر گھیرے ہوئے تھے بلکہ شبِ ہجرت کے مخالفین اندر جانے کی جرأت نہ کر کے باہر ہی سے محاصرہ کئے رہے۔ اور اِس وقت کے مخالفین بے خوف وہراس اندر گھس پڑے اور عین مقامِ قیام تک پہنچ گئے۔ مقدس صاحبِ خانہ اور مالکِ مکان کی گرفتاری جیسا اُن کا مقصود دلی تھا ویسے ہی اِن سب لوگوں کا مطلب اور انہی امور کے ساتھ جس طرح اُس وقت مشیتِ یزدانی اُس ودیعتِ الٰہی کے بچانے میں مؤید نکلی اُسی طرح اِس وقت بھی مصلحتِ خداوندی اِس خاتم حجت اور قائم ذریتِ رسالت کے محفوظ رکھنے میں سرگرم اور مستعد ثابت ہوئی۔ غرض ہر طرح سے دونوں کی ضرورت ایک۔ دشمن ایک۔ موقعہ ایک۔ تو پھر حکم اور عمل ایک کیوں نہ ہوتا۔

بہر حال۔ ہماری کتاب کے ناظرین کو اِس مختصر تشریح سے جو اوپر بیان کی گئی ہے ان دونوں واقعات عالیات کے معاملات کی باہمی مساوات پورے طور سے ثابت ہو گئی اور کیوں نہ ہوتی نصوصِ الٰہی میں اَنْفُسَنَا کی تاکید اور حدیث جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُّوْرٍ وَّاحِدٍ کی تائید موجود ہے تو ہم کو پھر اِس مسئلہ میں کسی خاص توضیح و تصریح کی مطلق ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بہر حال۔ مساواتِ باہمی کے مسئلہ سے قطع نظر کر کے اب ہم اُن واقعات کی تفصیل کے خاص اِس پہلو کی طرف رجوع کرتے ہیں جو فی الحال ہماری تالیف کا اصلی مدعا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اِن واقعات سے معتضد کو جو کچھ مقصود تھا اور جو کچھ اُس نے اپنی امیدوں کے خلاف۔ اپنی تمناؤں کے برعکس اُن کا نتیجہ اٹھایا دونوں پوری تفصیل کے ساتھ معلوم ہو گئے۔ حقیقۃً نہ ہم کو معتضد کی مخالفت سے کوئی گلہ ہے اور نہ معتمد کی مخاصمت سے کوئی شکایت۔ ہم کو اس کے متعلق اتنا ہی سمجھ کر خموش ہو جانا چاہیے کہ یہ لوگ اپنی فطرتی حرکات سے مجبور تھے۔ اِن لوگوں نے اس وقت تک جو کچھ کیا تھا وہ سب اِن کی فطرت کے تقاضے تھے۔ مگر آخر میں ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ معتمد کے مظالم نے اجرائے شریعت اور احیائے سنت کے امور میں اتنے نقصان نہیں پہنچائے جتنے معتضد کی موجودہ کارروائیوں نے اسلامی دنیا میں اِن امور کو درہم برہم اور خراب وخستہ کر ڈالا۔ اس وجہ سے ہم کیا۔ ہر شخص جو منصف مزاج اور عدالت پسند ہو گا۔ اس بات کے کہنے پر ضرور مجبور ہو گا کہ معتضد کی ان مخالفانہ حرکات نے اپنے وقت اور زمانہ کی حجت اور امینِ امت اور محیِ سنت سلام اللہ علیہ کو ہلاک کرنے اور اُس انوارِ ہدایت کے گل کر دینے میں پوری کوشش صرف کر دی اور پھر آخر میں اُس کا نتیجہ بھی سوائے ذلت وپشیمانی کے اور کچھ نہ دیکھا۔ اس نے دیکھ لیا کہ مدبرانِ قدرت اور منتظمانِ مشیت الٰہی خاصانِ خدا و برگزیدگانِ ربّ العُلٰے کو سلاطینِ جبار اور معاندینِ دل آزار کے پنجۂ عقوبت اور مخالفین کے شکنجۂ مصیبت سے اُن کی آنکھوں کے سامنے اس طرح نکال لیتے ہیں کہ وہ اِن امور کو آنکھوں سے دیکھتے رہتے

ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔ سب کچھ رُو در رُو ہوتا رہتا ہے مگر اُن کا کوئی بس نہیں چلتا۔ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص ذاتِ مبارک پر منحصر نہیں جن لوگوں نے انبیائے سابقین سلام اللہ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہم السلام کے حالات کو بخوبی پڑھا ہے وہ کامل طور سے جانتے ہیں کہ حافظِ حقیقی نے انبیا و مرسلین کے مقدس دائرے میں اکثر بزرگواروں کو دشمنوں کے سخت سے سخت محاصرے اور دشوار سے دشوار معرکوں کے وقت میں اُسی طرح بچایا اور محفوظ رکھا ہے۔ بہرحال زمانہ کے بعض ناسمجھ حضرات یہ حالات پڑھکر اپنی غلط فہمی سے یہ گمان پیدا کریں گے کہ باوجود اتنے حزم و احتیاط کے کہ اپنے مؤمنین خالصین تک کو بھی زیارت سے مشرف کرنے کی اجازت نہیں تھی تو پھر اپنے مخالفین اور معاندین کو اتنے قریب سے زیارت کا کیوں کر اذن دیا گیا؟ اس کے جواب میں اُنکو سمجھ لینا چاہیے کہ مخالفین ومعاندین کی ضلالت وشقاوت اپنے انتہائی نقطہ تک پہنچ چکی تھی۔ اس لئے نظامِ مشیت نے اپنی تمام حجت اور اظہارِ قدرت کے جملہ مراتب بھی طے کر دیئے اِس وقت ضروری سمجھے۔ اِسی وجہ سے اُس شمع امامت اور انوارِ ہدایت کا جلوہ بالمشافہ اُن کو دکھلا دیا۔ اور انھوں نے بھی اپنی آنکھوں سے اِس مشاہدۂ قدرت کو دیکھ کر پورے طور پر یقین کر لیا کہ انسانی تدارک سے مشیت ربّانی کا کوئی فعل رُک نہیں سکتا۔ اس میں جتنی فکر کی جائیگی وہ سب محض بے سود اور بیکار ثابت ہوگی جیساکہ پوری تفصیل کے ساتھ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

نظامِ امامت میں مزید احتیاط

بہرحال۔ اِن واقعات کے بعد سے سرداب مقدس کی مقررہ مجلسیں برخاست ہو گئیں اور معدودے چند حضرات جو گاہے گاہے شرفِ زیارت سے مشرف ہوا کرتے تھے حاضری سے ممنوع فرما دئے گئے اور اب اُن چند کے عوض میں صرف ایک بزرگ کو۔ وہ بھی جب ایسا ہی سخت اور ناگزیر وقت آجائے تو کمال احتیاط اور رازداری سے اُس مقدس غار میں جو شہرِ سامرہ کی آبادی سے مغرب کی طرف پہاڑ میں واقع ہے حاضر ہوکر مشرف ہونے کی اجازت دی جاتی تھی۔ جہاں تک اُن کی زیارت اور حضوری کے حالات دریافت کئے جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے حصول اور وقوع پذیر ہونے میں پہلے سے کہیں زیادہ دشواری تھی جو مصلحتِ خداوندی کے مطابق حزم واحتیاط کے اصول پر قائم تھی۔ جو وقت تک کہ نظامِ امامت میں اتنی دشواریاں اور موانع مخالفین کی طرف سے حائل نہیں کئے گئے تھے اُس وقت تک نائبین سفرا یا وکلا کو بھی ضرورت کے وقت زیارت اور حضوری کا شرف عطا فرمایا جاتا تھا اور یہ طریقے اور یہ اصول انعقادِ مجالس کے جو سرداب مبارک میں اجرائے احکامِ ہدایت اور احیائے نظامِ شریعت کی ضرورتوں سے منعقد ہوا کرتی تھیں قائم رہے۔ پھر اِس کے بعد مخالفین کی طرف سے جیسے جیسے اِن امور کی ممانعت میں سختی اور شدت ہوتی گئی اُسی طرح نظامِ امامت کے امور میں بھی حزم و احتیاط کے حدود وقیود سخت اور شدید ہوتے گئے۔ اور مسئلۂ رویت میں سفرا و وکلا کی تعمیم موقوف ہوکر ایک خاص بزرگ کی تخصیص مشروط کر دی گئی۔ اور یہی انتظام اُس وقت سے لیکر غیبتِ کبریٰ کے وقت تک برابر قائم رہا اور پھر حضرت محمد بن علی سمری رضی اللہ عنہ (جو ان مخصوص بزرگوں میں سب سے آخر تھے) کی وفات کے بعد یہ انتظام بھی جاتا رہا۔ اُن کی وفات ۳۲۹ سنہ ہجری میں واقع ہوئی۔ توقیع مبارک کے ذریعہ سے سلسلۂ نوابین کے منقطع ہوجانے اور غیبت کبریٰ کے آغاز ہونے کا حکم عام اور اعلان تمام مومنین کی جماعت میں فرما دیا گیا +

اس حساب سے کامل انسٹھ برس تک یہ انتظام قائم رہا۔ اور اِس عرصہ میں آپ کے چار نوابین اس مبارک خدمت کو پوری امانت و دیانت کے ساتھ انجام دیتے رہے جن کے پورے احوال ہم ایک جداگانہ باب میں انشاء اللہ المستعان عنقریب بیان کریں گے۔ اِن حضرات کی حضوری بھی دشواری سے خالی نہیں تھی۔ ایسا ممکن نہیں تھا کہ جس وقت یہ حضرات

چاہیں خدمت مبارک میں حاضر ہو کر عام طور سے اپنی عرض پیش کریں یا نہیں تو روزانہ یا ہفتہ وار یا مہینے پیچھے مومنین کے عرض و مطالب بسمع مبارک تک پہنچایا کریں۔ اور یہ بھی نہیں تو ایک وقت خاص پر جسکو ان کی کامل خبر اور پورا علم پہلے سے حاصل ہو بیٹھے اور مومنین قرب و جوار کے مطالب و مسائل عرض کیا کریں۔ بلکہ ان تمام امور کے خلاف انکی حاضری اور رسائی خدمت کے لیے کوئی وقت یا کوئی مخصوص موقعہ نہیں تھا اور نہ اُن کو اس کے متعلق کوئی خبر یا اطلاع تھی۔ بلکہ یہ جملہ امور امام وقت اور حضرت نائب علیہ السلام سے پورا تعلق رکھتے تھے۔ اور وہ اپنے حزم و احتیاط کے موجودہ اصول کی رُو سے جس وقت اور جس موقعہ پر انکی حاضری ضروری اور قرین مصلحت سمجھتے تھے اُن کو اپنے پاس بلا لیتے تھے اور اُن کے امور متعلقہ کا جواب دے دیتے تھے۔ ان حضرات کے مخصوص انتظام یہ تھے کہ مومنین خود یا اپنے وکلاء اور سفراء کے ذریعہ سے اپنے معروضات ان حضرات کی خدمات میں پہنچا جاتے تھے اور یہ لوگ اُن کو ایکجا جمع کرتے جاتے تھے یہانتک کہ اِن تمام معروضات مومنین کا کامل ذخیرہ جمع ہو جاتا تھا۔ موجودہ نظامِ امامت کی رُو سے اس ذخیرہ کو تاوقتیکہ ناحیہ مقدسہ سے اُنکی طلبی اور حاضری کا فرمان نہ صادر ہوئے اپنے پاس امانت رکھے رہتے تھے۔ جب کبھی طلبی اور حاضری کا شرف دیا جاتا تھا۔ یہ حضرات ان معروضات کو خدمتِ مبارک میں پیش کر کے حکم و احکام حاصل کرتے تھے۔ اور وہاں سے واپس آکر سائلین کو اُس سے مطلع کر دیا کرتے تھے۔ بعض موقعوں پر جواب تحریری دیئے جاتے تھے اور بعض کے جواب زبانی ہی ارشاد فرمائے جاتے تھے جن کو نائبین اور سفراء و وکلاء اپنے دست و قلم سے حرفاً حرفاً اور لفظاً لفظاً لکھا کرتے تھے اور کبھی کبھی عندالضرورت خاص دستِ مبارک سے بھی جواب تحریر فرمادیا جاتا تھا۔

اِن جوابات کے تقسیم کرنے میں بھی نہایت سخت احتیاط برتی جاتی تھی۔ جب کبھی اندیشہ یا خطرہ کا شبہ ہوتا تھا تو اُن مقامات میں توقیعاتِ مبارکہ کے ارسال میں احتیاط کیجاتی تھی بلکہ کسی نہ کسی طرح سائل کو بلا لیا جاتا تھا۔ اور جو کچھ اُن کی استدعا اور معروضات کے جوابات ہوتے تھے اُن کو سُنا دیئے جاتے تھے۔ یا اُس کی نقل کرادی جاتی تھی اور اصل توقیعِ مبارک اُن کو نہیں دی جاتی تھی۔ کیونکہ آگے چلکر انہی توقیعات کے برآمد ہونے پر مومنین کی گرفتاری سلطنت کی طرف سے عمل میں لائی جانے لگی جس کے پاس سے اِس کے اجزاء برآمد ہوئے وہ گرفتار کر لیا گیا اور سختی سے سخت مصائب و شدائد میں مبتلا کیا گیا۔ ہم اِن حالات کو غیبتِ کبریٰ کے قریب ایام میں انشاءاللہ المستعان پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے +

معتضد کی وفات اور مکتفی باللہ کی حکومت

معتضد باللہ اپنی حکومت اور امارت کا پورا سال تمام کر کے اُنچاس برس کے سن میں ۲۰ ربیع الثانی ۲۸۹ ہجری کو مر گیا۔ مروج الذہب مسعودی میں تحریر ہے کہ وہ دلیر و شجاع تو تھا مگر اس کے ساتھ ہی بخیل اور ممسک بھی ضرور تھا اُسی قدر بیجا خونریزی اور بیگناہ قتل و ہلاکت میں دست کشادہ اور ہمیشہ مستعد او آمادہ پایا جاتا تھا۔ قلتِ رحم، بیدردی و شقاوت اُس کی فطرت کے خاص جوہر تھے۔ بدسلوکی، فحش زبانی اور تعزیر انسانی اُس کے اوصافِ مخصوصہ میں داخل تھے۔ اُس کے وحشیانہ اور ظالمانہ مسالک کی ادنیٰ مثال یہ تھی اور اس کے خاصہ کے خدام اور ملازمین میں سے جب کوئی بدقسمت ادنیٰ سے ادنیٰ اور معمولی سے معمولی خطا یا فروگذاشت کا ملزم ہو جاتا تو وہ اُس کی پاداش میں اُس کو عام اِس سے کہ وہ کتنا ہی قدیم الخدمت اور خیر خواہِ مال و دولت کیوں نہ ثابت ہوا ہو فوراً نصف قامت تک، ایک گڑھا کھدوا کر اُس میں سر کے بل اوندھا گڑوا دیتا تھا۔ اور پھر اُس گڑھے کو مٹی سے بھروا دیتا تھا۔ اور اس ترکیب سے غریب مجرم کو زندہ درگور ہونے کے معنوں تک پہنچا دیتا تھا۔ اور وہ اس طرح تڑپ تڑپ کر اور پھڑک پھڑک کر اپنی جان دیدیتا تھا۔ کسی میں اتنی مجال اور قوت نہیں ہوتی تھی جو اُس کے حیوانی غصّہ کو روک سکے۔ یا اُس کے اِس وحشیانہ طریقہ اور عمل میں کسی مداخلت یا ممانعت پر

جرأت کرسکے۔ مجرمین کی سزا کی ترکیب بھی ایک طرح اور ایک صورت پر خیال ہوتی تھی بلکہ ان سزا و عقوبت کی عجیب و غریب اور انواع و اقسام کی تدبیریں اور ترکیبیں ہوا کرتی تھیں۔ جن کے محض سننے سے انسان کا دل بے چین ہو جاتا ہے۔

معتضد کو عمارت اور عورتوں سے بھی مفرط درجہ کا شوق و محبت تھی اس لئے وہ اپنے بخل اور امساک کے ذریعے سے جو کچھ بچاتا تھا وہ ان اخراجات میں اُسکی کشادہ دلی اور فراخ دستی کی صورت بنکر نکل جایا کرتا تھا۔ اور سال بھر میں دونوں طرف کا جمع و خرچ برابر ہو جایا کرتا تھا۔ عمارت کے متعلق تو اُس نے اپنے دہ سالہ ایام حکومت میں ایک قصر عالیشان تعمیر کیا تھا۔ جسکا نام ثریا رکھا گیا تھا۔ اس کے تعمیری اخراجات میں چار لاکھ اشرفیاں صرف کی گئی تھیں۔

یہ تو عمارات کا خرچ تھا۔ عورت کے مصارف کا اندازہ صرف اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ اُس نے صرف اپنی منکوحہ کا دَینِ مہر ایک کروڑ روپیہ دیا تھا اور اُس پر مختلف بلادِ ہندوستان مصر۔ عراق۔ فارس اور شام وغیرہ وغیرہ کے لاکھوں اور کروڑوں روپیہ کے قیمتی اور عدیم المثال تحفے المضاعف تھے۔ صاحب روضۃ الصفا نے انہی معاملات کی بنیاد پر اُس کے بخل و امساک سے قطعی طور پر انکار کیا ہے اور اُسکو بخیل اور ممسک ہونیکی جگہ اوّل درجہ کا مُسرف بتلایا ہے اور اس کے مرقومہ بالا اخراجات کو اُس کے امتناع بخل اور اختیارِ اسراف کے ثبوت میں داخل کیا ہے اور ہم کو بھی اس قابل مورخ کی رائے سے اتفاق کرنے میں کوئی عذر اور کلام نہیں ہے۔ یہ تھے معتضد باللہ کے ذاتی اوصاف اور محامد۔ جو قابل مورخ نے مروج الذہب مسعودی کی اسناد سے اپنی تاریخ کے تیسرے دفتر میں قلمبند کئے ہیں۔ ان واقعات کو پڑھکر معتضد کی تمام اخلاقی کمزوریاں آئینہ ہو جاتی ہیں۔ اُس کی طرف عیش پسندی۔ آرام طلبی اور نفس پرستی پورے طور سے تحقیق کے پایہ کمال تک پہنچتی ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ شقاوت بیدردی۔ بیرحمی اور ظلم و تعدی میں اپنی آپ مثال تھا۔ خونریزی قتل و ہلاکت۔ سخت سے سخت عقوبت اور شدید سے شدید مصیبت پہنچانا اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا اپنے نفس اور اُس کی لذت کا بندہ تھا۔ آرام عیش اور نشاط کا مطیع اور فرمانبردار رہتا تھا۔ اپنی خواہشوں کا غلام تھا اور اُن کے ضبط و تحمل پر ذرا بھی اختیار نہیں رکھتا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہانتک معتضد کے ذاتی حالات کی بابت تحریر ہوا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ باعتبار ترکیب کے اسکی طبیعت کے اعمال و خواص بھی ویسے ہی تھے جو اس کے خاندان کے وسیع دائرے میں عام تھے۔ اُس کی طبیعت کے انداز۔ اُس کے مزاج کے طور۔ اُسکی حرکات۔ اُس کے افعال و اعمال ویسے ہی تھے جیسے اُس کے اسلاف کے۔ جن لوگوں نے اگر اور متفرق کتابوں میں نہیں۔ صرف ہمارے سلسلہ کے مختلف نمبروں میں عبّاسیوں کے حالات اور ان کے اطوار و عادات کو بالاستیعاب دیکھا ہے وہ بتلا سکتے ہیں کہ عموماً یہ تمام باتیں عام طور سے سلسلۂ عباسیہ کے تمام سلاطین میں پائی جاتی ہیں۔ اور اُن میں کا ہر شخص اپنے اپنے مذاق کے موافق اپنی خواہش اور نفسانیت کا غلام اور بندۂ بیدام ضرور تھا۔ معتضد کے پہلے مہدی۔ ہادی۔ ہارون وغیرہ وغیرہ سب نفس پرستی اور بدمستی میں مادام الحیات مستغرق تھے۔ شرابخواری۔ دلآزاری۔ سفاکی اور شقاوت تو منصور سے اس وقت تک اس سلسلہ کے ایک ایک فرمانروا اور تاجدار کا اصلی معیار قرار پا چکی تھی۔ پھر اس وقت معتضد کی اخلاقی کمزوریوں سے خاصکر کسی تفصیل کے ساتھ بحث کرنا فضول اور بیکار ہے جسکو ہم قلم انداز کرتے ہیں۔ مگر اتنا ضرور لکھے دیتے ہیں کہ روزانہ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جو شخص ابتدا سے اتنی بداخلاقیوں کا عادی اور خوگر رہتا ہے وہ آخر میں اکثر دیوانہ اور مجنوں ہو جاتا ہے۔ انسانی ترکیبِ جسمانی کے خواص میں داخل ہے کہ جب کسی کے ایک عضو میں کوئی نقص اور عیب پیدا ہو تو وہ آخر کار بتدریج ترقی کرتا ہوا دوسرے عضو کو بھی بالکل بیکار کر دیتا ہے۔ اس اصول کے اعتبار سے معتضد کی دماغی کمزوریاں بدمستی اور شہوت پرستی کی وجہ سے اتنی بڑھتی چلی گئیں کہ آخر میں اُنھوں نے معتضد کے دماغ کو بالکل خراب اور بیکار کر دیا۔ اور آخر کار وہ اسی عارضہ میں مرگیا۔ چنانچہ اُسکے

مرض الموت کی تفصیل میں لکھا گیا ہے۔ شروع ۲۸۹ھ ہجری میں اس کو خللِ دماغ شروع ہوا۔ اور وہ اس طرح شروع ہوا کہ اسکو قصرِ شاہی میں جہاں وہ رہا کرتا تھا طرح طرح کی عجیب و غریب صورتیں نظر آنے لگیں۔ کبھی کسی پیرِ کہن سالی کی صورت میں۔ کبھی راہبوں کے لباس کے ساتھ دکھلائی دیتی تھیں۔ اور کبھی جوانِ رعنا کی تصویر اُس کی آنکھوں کے سامنے جلوہ جگر ہو جاتی تھی۔ اور کبھی وہ شکل تجار اور عام روزگار پیشہ والوں کی صورت میں دکھلائی دیتی تھی اور کبھی وہ تصویر سپاہیانہ وضع میں ہتھیار لگائے تلوار برہنہ کئے نمودار ہوتی تھی۔ یہ سب مشاہدات اُس کو خاصکر اُس وقت میں معلوم ہوا کرتے تھے جو وقت تمام قصرِ خلافت کے دروازے بند کرکے ملازمین سلطانی اپنے اپنے بسترِ راحت پر آرام کرنے کیلئے چلے جاتے اور معتضد خود بھی اپنے فرشِ استراحت پر جا چکتا تھا۔ اور اُس کو مختلف اوضاع و قماش کی عجیب و غریب شکلیں قصرِ شاہی کے گوشہ گوشہ میں دکھلائی دیتی تھیں۔ اُس نے اُن کی حقیقت حال دریافت کرنے کیلئے تجربۃً کئی مقام تبدیل کئے اور اپنے ایک ایوان سے دوسرے ایوان میں اور دوسرے ایوان سے تیسرے ایوان میں بود و باش اختیار کی۔ مگر شکل و صورت کے مشاہدِ مختلفہ نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ جہاں گیا یہ طلسمی تصویریں ہر جگہ اُس کی آنکھوں کے سامنے پھرتی رہیں۔ یہانتک کہ تھوڑے عرصہ میں یہ اخبار و آثار تمام شہر و دیار میں کامل طور سے اشتہار پا گئے۔ اور زبان زد خاص و عام ہو گئے۔ ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس واقعہ پر اپنی رائے اور اپنا حکم لگانے لگے۔ اور اپنے اپنے مقام پر اس کے تدارک کی فکر کرنے لگے۔ بعض کی رائے میں یہ حرکاتِ شیطانی نکلیں۔ جو معتضد کی ایذا رسانی کے لئے مختلف صورتوں میں ظاہر ہوا کرتی تھیں۔ اکثر کے نزدیک جنات کے تصرفات ثابت ہوئے۔ اسلئے کہ معتضد اِن مشاہدات عجیبہ کو دیکھکر اپنی بدکرداری اور ناستودہ اطواری سے توبہ و انابت اختیار کرے۔ اور چند لوگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ اُس غلام کے کرشمے ہیں جو معتضد کی کنیزوں میں سے ایک کے ساتھ آلودہ ہوا ہے۔ اور اس نے حکماء و عاملین کے ذریعہ سے ایسے ایسے نیرنگ اور طلسم پیدا کئے ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنی اصلی ہیئت و صورت کو بدلکر مختلف شکلوں میں ظاہر ہوا کرتا ہے۔ یہ باتیں اور مختلف رائیں معتضد کے آئے گئے حواس اور بھی کھوئے دیتی تھیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ایسی بے اصل و بے بنیاد باتیں سوائے بازاری اور ادنےٰ درجہ والوں کے اعلیٰ طبقہ والوں میں تو ہوتی ہی نہیں تھیں۔ اسلئے اِن سب باتوں کا ذکر عموماً اُس کے خادموں کی جماعت میں ہوا کرتا تھا۔ معتضد جب اُن لوگوں کے اِس ذکر و چرچے کو سنتے سنتے عاجز آگیا تو اُس نے آخرکار اپنے اکثر ملازمین کو اس جرم میں قتل کروا دیا اور اُن کی لاشوں کو دفن کئے جانے کی بھی اجازت نہیں دی ویسے ہی اُن کے مردوں کو دجلہ میں ڈلوا دیا۔ اِن واقعات کے تھوڑے دنوں بعد معتضد خود بھی مرگیا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ تاریخ مسعودی میں معتضد کے اس عارضہ کی حقیقتِ حال یوں لکھی ہے وَقَدْ اَتَیْنَا عَلَی الْخَبَرِ فِی ذٰلِکَ وَالسُّبُلِ الْمُوْجِبِ لَہٗ وَالْحِیْلَۃِ فِیْہِ وَمَا قَالَ الْفَلَاسِفَۃُ وَمَا حُکِیَ عَنْ اَفْلَاطُوْنَ فِیْ ھٰذِہِ الْمَعْنیٰ۔ یعنی اِن امور کے اسباب اور اُن کے اعمال و خواص کی تحقیق میں فلاسفہ کے اقوال و احکام ہمارے پیش نظر ہیں اور افلاطون کی رائے بھی موجود ہے جسکو اُس نے خاصکر انہی امور کے متعلق لکھا ہے +

مکتفی باللہ کی حکومت

معتضد کے مرنے کے وقت اُس کا بڑا بیٹا اور ولیعہد علی ابن معتضد موجود نہیں تھا۔ وہ ان دنوں شہر رقہ میں مقیم تھا۔ وزیر السلطنت قاسم ابن عبید اللہ نے اُس کو باپ کے واقعہ سے مطلع کیا۔ اور وہ اِس واقعۂ جاں گزا و نیز اِس مژدۂ جاں فزا کو سن کر بسرعت تمام رقہ سے دار السلام بغداد میں واخل ہوا۔ نائب السلطنت قاسم ابن عبید اللہ نے اُس کی تختِ نشینی کے تمام انتظام پہلے ہی سے ٹھیک کر رکھے تھے ارکینِ سلطنت اور رعایائے مملکت نے اُس کے آتے ہی بلا عذر و مزاحمت

اُس کی حکومت کو تسلیم کرلیا۔
مکتفی نے تختِ حکومت پر بیٹھتے ہی پہلا حکم جو صادر کیا وہ اُس عمارت شاہی کی مسماری اور بربادی سے متعلق تھا۔ جو خاص طور سے خلائق کی ایذا رسانی۔ تعذیب و تعذیر اور قتل و ہلاکت کی ضرورتیں پوری کرنے کیلئے معتضد کے حکم سے تعمیر کی گئی تھی۔ یہ وہی مقام تھا جہاں جو شخص بد قسمتی سے قید کیا گیا وہ انواع و اقسام کے مختلف مصائب و شدائد اٹھا کر آخر کار قتل و ہلاکت کے اخیر نتیجوں تک ضرور پہنچایا گیا غرض اِس عمارت میں آنا موت کے منہ میں جانا تھا۔ بہرحال مکتفی کے حکم سے یہ عمارت فوراً مسمار کردی گئی۔ مکتفی نے رعایا کی دلجوئی اور خاطرداری کی ضرورت سے داد و دہش اور عطا و بخشش کے دروازے کھولدئے جس کی وجہ سے پریشان رعایا کی افسردگی اور پژمردگی میں قدرے تازگی اور قوت آگئی۔

ملکِ حجاز پر قرامطہ کی تاخت

مکتفی ابھی اندرونی معاملات کی درستی اور ترتیب میں مصروف تھا کہ یکبارگی بیرونی آفتیں اس پر ٹوٹ پڑیں اور جیساکہ ایک تازہ فرمانروا کی جدید تخت نشینی کبھی عام فتنۂ و فساد سے خالی نہیں جاتی اُسی طرح مکتفی کے ابتدائی ایام سلطنت بھی فتنۂ و فساد سے بھر گئے۔ مکتفی کو چاروں طرف سے بیرونی معاملات نے گھیر لیا۔ اُس کی تفصیل یہ ہے کہ فرقۂ قرامطہ کے لوگوں نے ممالک حجاز میں بسرکردگیِ یحییٰ بن ذکرویہ عام فتنۂ و فساد کا عام طور سے بازار گرم کیا اور خلافتِ بغداد کے نظام ملکی میں انواع و اقسام کے خلل پیدا کئے۔ عرب کی متعینہ فوج شاہی نے ان کی مدافعت میں معرکوں پر معرکے پیش کئے۔ کسی میں فوج سلطانی غالب رہی اور کسی میں قرامطہ کی جماعت۔ یہانتک کہ اُنہی معرکوں میں یحییٰ موجودہ رئیس قرامطہ بھی مارا گیا۔ مگر تاہم قرامطہ کی شورش اور کوشش کم نہ ہوئی اور نہ فریقین میں سے کوئی صاف طور پر کامیاب ہوسکا۔ اِدہر قرامطہ نے یحییٰ کے مارے جانے کے بعد اُس کے بھائی حسین کی امارت قبول کرلی۔ حسین بڑی پالیسی کا آدمی نکلا۔ اُس نے قرامطہ کی تنہا امارت کو اپنے استحقاق فی الامارت کے مستحکم اور مضبوط بنانے کے لئے کافی نہیں سمجھا اور صرف اُس سرداری کو اپنے حصولِ ثروت و عزت کا ذریعہ نہیں بنایا۔ بلکہ بہت بڑی دوراندیشی اور عاقبت بینی کے خیال سے اُس نے تمام اہلِ اسلام کو اپنی طرف بلامزاحمت اور بے عذر رجوع کرنے کے لئے یہ ترکیب نکالی کہ اُس نے اپنے اقرار امامت کے ساتھ دعوے امامت بھی کیا۔ غرضکہ اِس بناپر اُس نے اپنے آپ کو عبداللہ بن اسمٰعیل ابنِ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی اولاد سے بتایا۔ حسین کے چہرے پر ایک بہت بڑا مسّا بھی تھا جس کو اُس نے اپنی امارت کی علامت قرار دے رکھا تھا اور اُسکو اپنی خلافت و امارت کا معیار بتلاتا تھا اپنے چچا زاد بھائی عیسیٰ نامی کو المدثر کے لقب سے پکارتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ قرآن میں المدثر کا مخاطب یہی عیسےٰ ہے۔ بہرحال حسین کی ان مغویانہ تعلیمات نے دیارِ حجاز میں ایک قیامت کی تاثیر پیدا کردی۔ عرب کے بہت سے جاہل قبائل اس کی ان لغویات اور حشویات پر فریفتہ ہوگئے۔ اور اموالِ غنیمت و حصول دولت کے پنجہ میں گرفتار ہوکر جو قدیم الایام سے اہل عرب کی فطرت ثانی ہورہی تھی اپنے دین و ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ جب ملک حجاز پر حسین کا کسی قدر تسلط ہوگیا اور اُس کے نظامِ امارت بھی تھوڑے بہت درست ہوچکے تو حسین نے تسخیرِ ممالک کے متعلق اپنی رفتار اور تیزکی اور اپنے غلام مطوق نامی کو ممالک شام کی طرف بھیجا۔ اور اُس کو شام کے تمام مسلمانوں کے قتل و اسیر کرنے کا حکم عام دیدیا۔ مطوق اپنی جمعیت کے ساتھ شام میں پہنچا۔ بہت سے علاقے فتح کئے۔ قبائل لوٹے۔ خاندان تباہ و برباد اور اسیر کئے۔ اور اپنے اِن تمام جدید مقامات مفتوحہ پر حسین ابن ذکرویہ کی حکومت قائم کردی۔ اور مساجد و منابر پر اُسی کے نام کا خطبہ بھی پڑھوادیا۔ اور مکتفی موجودہ خلیفۂ عباسی کا نام نکلواکر حسین ابن ذکرویہ کا نام داخل کردیا۔ اور اس کو امیرالمومنین کے لقب سے مشہور کردیا۔ اسلامی

تاریخوں میں صاحب الشامہ کے نام سے جو شخص مراد لیا جاتا ہے وہ یہی حسین ابن ذکرویہ ہے۔ اس لقب کی خصوصیت سوائے اس کے اور نہیں ہو سکتی کہ جس طرح قبل اس کے معتمد کے وقت میں صاحب الزنج کے نام سے ایک شخص بغاوت کے لئے مشہور ہو چکا ہے اُسی طرح اس وقت یہ صاحب الشامہ کے خاص نام سے مشہور و موسوم کیا گیا۔ مگر جہاں تک ابوسعید جبائی اول رئیس قرامطہ اور حسین ابن ذکرویہ موجودہ امیر قرامطہ کے باہمی حالات کا اندازہ کیا جاتا ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حسین کی کارروائیاں ابوسعید کی خدمات سے کہیں بڑھی ہوئی تھیں۔ اور جس طرح حسین کو اپنے مدعاؤں میں کامیابی ہوئی ویسی ابوسعید کو نہیں۔ اس کا ظاہر ثبوت یہ ہے کہ ابوسعید باوجود متواتر فتحیابیوں کے معتضد کے مقابلہ میں اپنے آپ کو امیر المؤمنین کے لقب سے مشہور کرنے کی جرأت نہ کرسکا۔ مگر حسین نے اپنا یہ ارمان پورا کر لیا۔ اور ممالکِ اسلامیہ میں اس قدر مقبوضات حاصل کئے اور ان مفتوحہ مقامات میں اپنی حکومت وسیاست کا ایسا کامل اور گہرا رنگ جمایا کہ معتضد کی موجودگی میں نہیں تو مکتفی کے وقت میں حجاز، یمن اور شام کے تمام مسلمان اِسکو امیر المؤمنین کے لقب سے یاد کرنے لگے۔

اتنے تسلط پیدا کرنے کے بعد بھی حسین اپنی کوششوں سے نہ تھکا بلکہ اپنی فتوحات کی رفتار کو روز بروز تیز کرتا گیا۔ اُس نے اپنے ایک دوسرے غلام کو جس کو اُس نے صاحب الخال کا خطاب دے رکھا تھا شہر بعلبک کی تسخیر پر تعینات کیا جو ممالکِ شام کے بہت بڑے زرخیز اور مشہور شہروں میں ہے اور یہاں بھی تمام مسلمانوں کے قتل وغارت کا ویسا ہی حکم صادر کیا۔ اُس شخص نے بھی موقع پر پہنچکر اپنے رئیس کی ہدایت کی تعمیل کی۔ اور عباسیوں کی متعینہ فوج کو کامل ہزیمت پہنچا کر بلا مزاحمت شہر میں گُھس پڑا۔ اور تمام شہر والوں کو اپنی تلوار کے نیچے رکھ لیا۔ اور بالخصوص مسلمانوں کو اپنے امیر کی ہدایت اور خواہش سے زیادہ قتل کیا۔ اور اُن کے تمام مال ومتاع کو لوٹ لیا۔ خاندان کے خاندان بے نام ونشان اور گھر کے گھر بے چراغ کر ڈالے۔ ان شہروں کی بربادی کے بعد پھر اُس نے اُس کے انتظام کی طرف بھی توجہ کی۔ اہل شہر نے صاحب الخال سے اپنی جان ومال کی امان مانگی جس کو اُس نے منظور تو کیا مگر افسوس! شریعتِ اسلامی کے بالکل برخلاف اور سنت نبوی کے سراپا برعکس۔ اُس نے رعایا کے ساتھ صلح کرنے کے بعد سخت دغا کی۔ اور ابو ہاشم رئیس بعلبک کو جو رعایا کی طرف سے مصالحت اور استدعائے امان وعافیت میں پیش پیش تھا۔ دغابازی سے اپنے گھر بلا کر قتل کر ڈالا۔ صاحب الخال کا یہ ظلم اور خونِ ناحق دیکھکر سارا شہر کانپ اٹھا۔ اور کسی کو بھی حواس نہ رہا۔ اور اس بُری ظالمانہ ترکیب سے اُس نے تمام علاقہ کی رعایا پر اپنا ایسا رعب جمایا اور وہ اثر پیدا کیا کہ اُس کے قبل کسی دوسرے حکمران اور فرمانروا کو آجتک نصیب نہیں ہوا تھا۔

بہرحال صاحب الخال جب اِس طرف کے معاملات صاف کر چکا تو اس کو طبرستان کی طرف بڑھنے کا حکم دیا گیا اور وہ حکم پاتے ہی بلا تامل اپنی ہمراہی جمعیت کے ساتھ طبرستان میں جا پہنچا۔ اور یہاں بھی اس نے اپنے مظالم بے رحمی اور شقاوت کے ویسے ہی معاملات پیش کئے جیسے وہ اس سے پہلے شہر بعلبک اور ممالکِ شام کے قریب قریب تمام علاقوں میں برپا کر چکا تھا۔ عموماً تمام مردوں کو مار ڈالا۔ عورتوں۔ بچوں کو پکڑ کر بازار میں کھڑے داموں بیچ ڈالا اور اپنے دام سیدھے کر لئے۔ اس صورت میں جنگ وپیکار بھی ہوئی اور گھر بیٹھے کا بیوپار بھی ع

چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار

قرامطہ کے اِن تمام فسادات کی خبر مکتفی کو پہنچی تو اُس نے شام اور طبرستان کے تمام امراء ورؤسائے ممالک محروسہ کو اُن صوبجات کی متعینہ فوجِ سلطانی کی مدد کرنے کے لئے لکھا اور تاکید کی۔ اِس میں شک نہیں کہ اِن امراء ورؤسائے

ممالکِ محروسہ نے شقّہ سلطانی پاکر فوراً حکم شاہی کی تعمیل کی۔ اور اپنی جاں نثاری اور سرفروشی کے اظہار میں بڑی ہمت اور دلیری سے مقابلہ کیا۔ مگر اتفاق وقت سے اتنی متواتر کوششوں کے بعد بھی اُن کو شاہد مدعا سے کبھی ہمکنار ہونے کی نوبت نہ آئی بلکہ برعکس اُس کے اُن کی جمعیت کے بڑے بڑے نمودار اور ذی عزّ و وقار بزرگوار قتل و گرفتار ہوئے اور ان کی مدافعانہ کوششوں کا کوئی نتیجہ آخر میں نہ نکلا۔

اب مکتفی میں تحمل کی ذرا بھی قوت نہ رہی اور اس خبر وحشت اثر کے پاتے ہی ایک لاکھ فوج جرار صاحب الشام اور صاحب الخال کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئی۔ جس کی کمان مکتفی نے خود اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ اور رقہ پہنچکر اُس نے اپنے سپہ سالارِ فوج محمد ابن سلیمان کو مقدمۃ لشکر بناکر مخالف سے مقابلہ کرنے کو بھیجدیا۔ صاحب الشام رقہ سے تھوڑے فاصلہ پر اپنی فوج کے پڑاو ڈالے پڑا تھا۔ محمد نے موقع پر پہنچتے ہی غنیم سے مقابلہ شروع کر دیا۔ جانبین سے دیر تک بازار حرب وضرب گرم رہا۔ اور لوہے سے لوہا بجتا رہا۔ آخر میں مکتفی کو فتح ہوئی۔ قرامطہ کی فوج میدانِ جنگ میں ہزیمت اٹھاکر منتشر ہوگئی۔ صاحب الشام ابن ذکرویہ مع اپنے معتمدین علیے الملقب بہ المدثر اور مطوق ملقب بہ صاحب الخال کے تین سو ساٹھ رُفقار و انصار کے ساتھ گرفتار ہوا۔ اور مکتفی کے پاس حاضر کیا گیا۔ مکتفی ان اسیروں کو ہمراہ لے کر پوری کامیابی کے ساتھ اپنے دارالخلافت بغداد میں داخل ہوا۔ اور بغداد میں داخل ہوتے ہی اُس نے تمام اسیروں کے ہاتھ پاؤں کٹوا ڈالے پھر تھوڑی دیر کے بعد اُن کی گردنیں بھی قلم کروا ڈالیں ؎

ذکرویہ رئیس قرامطہ اور غارتِ خانۂ کعبہ

یہ تھی صاحب الشام حسین ابن ذکرویہ اور اس کے تمام عروج و ادبار کی کامل تفصیل جو عموماً تمام اسلامی تاریخوں میں مندرج ہے۔ مگر چاہیے کہ اتنی عقوبت اور اتنی سزا و سیاست کے بعد بھی قرامطہ نے اپنی کوششوں سے مُنہ پھیرا ہو۔ نہیں وہ اپنی موجودہ ہزیمت یافتگی کی حالتوں میں بھی اپنی سلسلہ جنبانی اور عامۃ الخلائق کی ایذا رسانی سے باز نہ آئے حسین ابن ذکرویہ کے تمام حالات اس کی حیات تک تمام اور منقطع ہوگئے۔ مگر اُن کی تمنا اور آرزو ابھی تک تمام نہ ہوئی حسین کے بعد اُنھوں نے اُس کے باپ ذکرویہ کو اپنا سردار بنایا۔

گروہ قرامطہ میں حقیقۃً جوش۔ استقلال اور ہمت ویسی ہی تھی جیسی کہ ابو سعید جبائی نے عمر ابن عباس کی زبانی معتمد کے پاس کہلا بھیجا تھا۔ اور وہ صرف اسی سے ظاہر ہے کہ باوجود اتنے مصائب و شدائد کے جو کہ ذکرویہ کو اپنی پیرانہ سالی اور شکستہ حالی کی موجودہ حالتوں میں اٹھانے پڑے۔ ایسے جوان اور رہیب الشان بیٹے کا داغ۔ خیرخواہ وفادار اور دلیر روزگار اعوان و انصار کا قتل۔ فوج ہمراہی کی شکست اور تباہی یہ سب ایسی آفتیں تھیں اور مصیبتیں جو ایک بارہجوم کرکے اُس کے سر پر گر پڑی تھیں۔ مگر تاہم اُس نے اپنے استقلال اور پاداری کو ہاتھ سے نہ دیا۔ بلکہ بخلاف اُس کے نہایت مستعدی اور آمادگی سے اپنے فرقہ کی بگڑی ہوئی حالتوں کو درست کرنے۔ اُنکی نموداری اور عزت قائم رکھنے اور اُن کی حالتوں کے سنبھالنے میں اپنی پوری کوشش صرف کردی۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح حسین نے اپنی امارت کے زمانہ میں ممالکِ شام و ترکستان کی تسخیر میں اپنی جان قربان کردی اُسی طرح ملکِ حجاز کے سر کرنے اور وہاں کی رعایا پر اپنا تسلط قائم رکھنے کی کوششوں میں ذکرویہ نے بھی اپنی حیات کا خاتمہ کر دیا۔ اپنی امارت کے روز اول سے وہ حجاز اور حجازیوں کے پیچھے پڑ گیا۔ اور ابتدا میں اُس نے معمولی رہزنی اور قزاقی کی صورت میں حجاج اور اُن کے قافلوں کا ستھراؤ کرنا شروع کیا۔ گروہ کے گروہ جو مختلف مقامات سے مراسم حج ادا کرنیکی نیت سے شہر مکہ معظمہ میں جاتے تھے۔ لوٹ لئے اور نہایت بے پروائی سے

بلا تامل اور مزاحمت اُن سب کو قتل کیا اور اُن کے تمام سازو سامان اور مال ومتاع کو غارت کر کے تباہ وبرباد کیا۔
جب ان کارروائیوں میں اُسکو برابر کامیابی ہوتی گئی اور اُس کو اپنے موجودہ مقاصد ومطالب میں پوری قوت ملتی گئی تو اُس نے اپنی موجودہ جمعیت کے ساتھ خانۂ کعبہ اور حرمِ محترم پر ایک بارگی چڑھائی کر دی۔ مکہ معظمہ زاد اللہ شرفاً کا تسخیر کر لینا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ بلکہ سخت سے سخت اور مشکل سے مشکل امر تھا۔ شہر مکہ مسلمانوں کی عبادت اور تمام روحانی عظمت کا مرکزی مقام ہے جس کو اسلام کا بچہ بچہ قدرتی طور پر بہت بڑی قدر و منزلت سے دیکھتا تھا۔ اور اُس کی حفاظت کی خدمات کو فخر ومباہات سمجھتا تھا۔ ان وجوہ سے ذکرویہ کو سلطنت کی مخالفت کے ساتھ ہی تمام اہلِ اسلام کی عام ناراضی اور مزاحمت کا بھی پورا خیال لگا ہوا تھا۔ ان امور کو ابتدا ہی سے ذکرویہ نے اپنے پیشِ نظر رکھا اور ان کی ضروریات کو اچھی طرح سمجھ بوجھ کر اپنے ارادہ اور کوشش میں حد سے زیادہ سرگرمی اور مستعدی دکھلائی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے موجودہ مطالب ومقاصد کے پورا کرنے میں رات دن ایسا مصروف ومشغول رہتا تھا کہ دو مہینے تک مطلق نہ سویا۔ رات دن میں کسی وقت آرام کرنے کے لئے اپنا سر اپنے تکیہ پر نہ رکھا۔ دو روٹیاں اور ایک کٹورے پانی کے علاوہ وہ بھی چوبیس گھنٹوں میں ایک بار اور کوئی دوسری غذا نہیں کی۔ رات دن وہ تھا اور تسخیر خانۂ مقدس اور حرم محترم کی فکریں۔ وہ تھا اور حجاز اور حجازیوں کی سرکوبی کی تدبیریں۔
الغرض ذکرویہ انہی کوششوں میں سراپا محو اور ہمہ تن مستغرق رہ کر اپنی رفتار کو تیز کرتا چلا گیا اور اپنے مقام مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً تک تمام منازل اور علاقجات پر اپنے تسلط اور تصرف بٹھلاتا گیا۔ کسی قوم وقبیلہ کی یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ اُسکو روکے یا اُس کی تیز رفتاری کے عالم میں اُن کو آگے بڑھ کر راستہ میں ٹوکے۔ ذکرویہ اپنی کمال آزادی اور خود مختاری کے جوش میں بڑھتا ہوا آگے چلا گیا اور اپنی پوری مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ اُس شہر مقدس میں داخل ہوا اور اپنی دلیری اور وسعت کے ثبوت میں شہر کے وسط میں اپنے لشکر کے پڑاؤ ڈال دیئے اور اُسکی اس جرأت وہمت نے تمام شہر والوں میں عموماً ہلچل ڈال دی اور ہر طبقہ اور ہر درجہ والوں کے دل دہلا دیئے حجاج کے قافلوں کی سرگذشت اور اُن کے مصائب وشدائد کی تمام وکمال کیفیت اِن لوگوں کو پہلے ہی معلوم ہو چکی تھی اس لئے اِن لوگوں کے دل پر اُس کی ہیبت اور سطوت کا دونا اثر پیدا ہوا۔ اور وہ اُس کی مدافعت اور مزاحمت میں پہلے ہی سے بالکل بے دل اور مضمحل ہو گئے۔ اور کچھ بھی نہ کر سکے۔ ذکرویہ نے اپنی سطوت اور صولت کے سکے شہر کی رعایا پر پورے طور سے جما کر شہر کی غارت اور حرم محترم کی عمارت کو خراب ومسمار کرنے کا حکم عام دیدیا۔ حکم کی دیر تھی۔ قرامطہ کی پرجوش جماعت شہر میں گھس پڑی اور اپنی غارت وتباہی کے خوب خوب ہاتھ صاف کئے۔ تجارت پیشہ اور معمولی لوگوں کو کوڑی کوڑی لوٹ لیا۔ شہر کی متعینہ فوجِ شاہی نے اگرچہ اُن کا مقابلہ کیا۔ اُن کی مدافعت میں پوری کوشش کی مگر کچھ مفید کارثابت نہ ہوئی۔ اور قرامطہ کے دستِ تصرفات بڑھتے ہی چلے گئے۔ اُن کی دست درازیوں کی آخر کار یہاں تک نوبت پہنچی کہ حجاج ابن یوسف ثقفی کے مظالم بھی فراموش ہو گئے۔ تمام شہر میں غدر مچ گیا بندگانِ خدا کا بلا امتیاز وبغیر استثناء خون مباح کیا گیا۔ جو جہاں پایا گیا تلوار کے گھاٹ اُتارا گیا۔ حرم محترم اور مسجد الحرام کی عمارت بھی مسمار وخراب کر دی گئی۔ خاص کر وہ دیوار جس میں حجر الاسود نصب تھا۔ الغرض ایک قیامت تھی جو چاروں طرف قائم تھی۔ ایک بلائے بے درمان تھی جو چاروں طرف سے محیط تھی۔
بہر حال۔ اِس قیامت اور اِس تہلکۂ عظیم کی خبر جس وقت دار الخلافت بغداد میں پہنچی تو مکتفی اُس کے سُنتے ہی پہلے سے بھی زیادہ تیاریوں کے ساتھ اُنکی سرکوبی کو روانہ ہوا اور عین موقعہ پر پہنچتے ہی اُن کی مدافعت کی کوششوں

میں مصروف ہوا۔ تمام شہر میں ناکہ بندی اور محاصرہ کا حکم دیدیا۔ سلطانی فوج جو اُس کے ہمراہ تھی شہر مقدس کے چاروں طرف پھیل گئی۔ اور آمدورفت کے تمام راستوں پر اپنے پہرے بٹھلا دیئے۔ طلایہ کے انتظام نہایت استحکام سے درست کرلئے۔ غرضکہ مکتفی کے اِس انتظام نے قرامطہ کو شہر کے اندر ہی گھیر لیا۔ اور کسی طرف سے باہر نہ نکلنے دیا۔ قرامطہ مجبور ہو کر اپنی جان پر کھیل گئے اور دشمن کے مقابلہ میں انہوں نے اپنی کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ مگر وہ بالکل مجبور تھے اور اپنی حفاظت اور جان بچا کر بھاگ جانے کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتے تھے۔ مکتفی نے اسی حالت میں ان کو کامل شکست پہنچائی اور دور دور تک تعاقب کر کے جہاں تک اُس سے ہو سکا اُس نے قرامطہ کو قتل و گرفتار کرایا۔ اسی ہنگامہ میں ذکرویہ بھی مارا گیا اور اس کے تمام ہمراہی قتل و غارت کئے گئے۔ شاہی فوج نے تھوڑے روز میں شہر مکہ معظمہ زاد اللہ شرفاً پھر اپنا تسلط اور قبضہ مستحکم کر لیا۔ گرد و نواح سے قرامطہ کو نکال دیا اور اُن کے تمام انتظامات کو اٹھا کر اپنے سابق بندوبست کر لئے۔ اور وہ بدامنی بے چینی اور پریشانی جو عموماً ہر طبقہ اور ہر درجہ کی رعایا میں واقع ہو گئی تھی بالکل رفع ہو گئی +

مرمت حرم محترم و نصب حجر الاسود

جب مکتفی کو ان تمام امور کی ترتیب سے فراغت ہو گئی تو اُس نے حرم محترم کی مرمت کا کام شروع کیا۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ ذکرویہ کے موجودہ مظالم و شدائد سے عمارت بیت اللہ کو اتنا ہی نقصان و گزند پہنچا تھا جتنا حجاج ابن یوسف کے سابق مفاسد سے۔ سقفِ مبارک سے لیکر دیواروں تک کو صدمہ پہنچا تھا۔ اور وہ جا بجا سے شق ہو کر گر پڑی تھیں۔ خصوصاً وہ دیوار پشت کی طرف سے بالکل زمین پر آ رہی تھی جس میں حجر الاسود المقدس نصب تھا۔ دیوار کے گرنے سے وہ سنگِ مقدس بھی اندر کی طرف زمین پر گر پڑا تھا۔

چونکہ آئندہ ایامِ حج تک بیت اللہ مقدس کی مرمت نہایت ضروری تھی اس لئے اُسکی مرمت فوراً شروع کر دی گئی۔ اور تھوڑے عرصہ میں اُس کی مرمت کی تمام ضرورتیں پوری کر دی گئیں۔ چھت۔ دیواریں۔ ستون وغیرہ وغیرہ سابق بدستور درست اور مستحکم کر دیئے گئے۔ اِن کے علاوہ صحنِ مقدس۔ زمزم اور حصارِ مطہرہ وغیرہ کے نقصان شدہ مقامات بھی از سرِ نو مرمت کر دیئے گئے۔ الغرض جب اِن تمام امور سے فراغت ہو گئی تو اب حجر الاسود کے نصب کئے جانے کا وقت آیا +

جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السلام اور نصب حجر الاسود

جن حضرات نے اہل عرب کے اخبار و آثار کا مطالعہ فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ حجر الاسود کے نصب کرنے کی رسم قدیم الایّام سے عرب میں نہایت مہتم بالشان خیال کی جاتی تھی۔ اور جو شخص کہ اِس مقدس پتھر کو اُس کے مقامِ خاص پر نصب کرتا تھا وہ اُن لوگوں میں باعتبار شرافت و نجابت اور فضل و کمال کے افضل اور بہتر ہوتا تھا۔ جب کبھی اس تقریب اور اس رسم کے ادا کرنے کا موقع آ جاتا تھا تو تمام اہلِ عرب عموماً اور مکہ معظمہ زاد اللہ شرفاً کے خواص و عوام خصوصاً جمع ہو کر اپنی تجویز سے اپنے لوگوں میں سے ایک ایسے شخص کو منتخب کرتے تھے جو اُن کے تمام اوصاف و محامد میں افضل ہوتا تھا۔ جس دن اِس کے نصب کی رسم ادا کی جاتی تھی اُس دن تمام اہلِ عرب میں بڑی عید منائی جاتی تھی اور ہر قوم و قبیلہ کے لوگوں میں عام سرور اور مسرت کے مراسم پورے طور سے ادا کئے جاتے تھے۔

یہ لوقوع اسلام سے قبل کے امور تھے جو حجر الاسود کے نصب کئے جانے کے متعلق تھے۔ اور جو عرب کے اخبار و آثار میں آج تک محفوظ پائے جاتے ہیں۔ ظہورِ اسلام کے وقت بھی اسکی یہی حالت قائم رہی اور شریعتِ اسلامی نے

اِس روز کسی عید مخصوصہ کا دن تو قرار نہیں دیا اور اسکی نسبت خوشی کرنے ۔شادی منانے یا کسی خاص مراسم اور اعمال بجا لانے کیلئے کوئی تاکیدی یا غیر تاکیدی حکم تو دیا ہی نہیں مگر ہاں اسکے نصب کرنیکی خدمت کو بہت بڑی عظمت اور قدر و منزلت کا منصب تسلیم کیا۔ اور یہ منصب بھی انسانی اختیار و اقتدار سے نکلکر مشیتِ ایزدی اور احکامِ خداوندی سے تعلق رکھنے والا بتلایا گیا۔ اور ایسا ہی مشاہدات متواترہ سے ثابت ہوا۔ اور زمانۂ اسلام میں اس خاصۂ خدا اور برگزیدۂ ربُّ العُلا کے سپرد ہوا جو منجانب اللہ اُس زمانہ کی حجت اور بندگانِ خدا میں خدا کی امانت اور ودیعت قرار پایا ہو اور یہ بزرگوارِ مقدس یا تو نبیِ برحق ہوگا یا اُس کا وصی مطلق۔ سوائے اِن دونوں بزرگواروں کے دنیا میں کوئی تیسرا شخص اس مقدس خدمت کی بجا آوری کی صلاحیت نہیں رکھ سکتا اسلئے یہ منصب بھی نبوت اور امامت کی خدماتِ مخصوصہ میں داخل تھا۔ اور اس کی شرائطِ منصوصہ میں شامل۔ چونکہ فی الحال اکثر شرائطِ اسلامی سے غفلت اور بے پروائی تمام دنیا میں برتی جاتی تھی اور طمعِ دولت حصولِ ثروت اور زورِ حکومت کے جوش میں احکام شریعت کا کوئی خیال ہی نہیں کیا جاتا تھا اور نظامِ سیاست کی طرح اِن احکام کی ترمیم۔ تبدیل اور تنقیص بھی بالکلیہ آسان اور معمولی امر سمجھی جاتی تھی۔ اسلئے یہ مسئلہ بھی اس وقت بہت سے اہل اسلام کے نزدیک اعتبار کے لائق اور اعتماد و استقاد کے قابل نہیں تھا۔ بہر حال اس غلط قیاس کی بنا پر اور اسی بیجا تجویز کی رُو سے جب اس خاص منصب کے ادا کئے جانے کا وقت آیا تو مکتفی کی شاہی کونسل میں اس کا مسئلہ پیش ہوا۔ مشرقی مذاہب کی طرح اُمرا پرستی تو اسوقت میں اسلام کا ایک جزو قرار پا چکی تھی اسلئے تمام اہلِ اسلام نے فوراً خوشامدانہ مکتفی کو اس منصب کے لئے تجویز کیا۔ اس مقام پر یہ نکتہ بھی یاد رکھنے اور غور کرنے کے لایق ہے کہ اگرچہ یہ مسئلہ اہلِ اسلام میں اعتقاد و اعتماد کے قابلِ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ تاہم اِس کی ضرورت پیش ہونے کے وقت فضیلت اور ترجیح کو ضرور مدنظر رکھا جاتا تھا۔ اور کم سے کم اُسی شخص کو منتخب کرتے تھے جو عام بادی النظر میں ان سب سے بہتر اور افضل ثابت ہوتا تھا۔ جیسا کہ مکتفی کے موجودہ انتخاب میں اُس کے بادشاہِ وقت اور حکمرانِ زماں ہونے کی خاص وجہوں سے ترجیح اور فضیلت کی دلیل اس پر قائم کی گئی تھی ہمارے سمجھ لینے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ جس امر کا ایک وقت انکار کیا گیا تھا اسی کا دوسرے وقت میں۔ اگرچہ اصلی معنوں میں نہ سہی تاہم دوسرے معنوں میں اقرار کیا گیا۔ کیونکہ نبوت ہو یا امامت۔ اِن دونوں منصبِ جلیلہ سے خاصکر ترجیح علی العموم ہی مراد ہے اور انہیں اس وقت آدمیوں کے انتخاب سے بھی وہی مراد ہے فرق ہے تو یہی کہ وہ خدا کا انتخاب ہوتا ہے اور یہ آدمیوں کی پنچایت۔ اس میں خطا و نسیان کی گنجائش نہیں اور اس میں تمام معائب اور نقائص کا قوی احتمال موجود ہے۔ بہر حال چونکہ مکتفی فرمانروائے عصر تھا اور بادشاہِ وقت امرا پرستی کے اصول سے قریب قریب تمام اہلِ اسلام کے نزدیک وصیِ رسولؐ بھی تھا اور بندۂ مقبول بھی۔ اِس وجہ سے وہی اس خدمت کے لئے تجویز کیا گیا اور یہ قرار پایا کہ وہ ایک مبارک دن اور مبارک ساعت میں اپنی شاہی شان و شوکت کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے اس مقدس خدمت کو تمام اہلِ اسلام کے مجمع میں انجام دے چنانچہ یہ تجویز قرار پا کر اسلام کے بڑے بڑے علماء و فضلا نے ایک تاریخ سعید اس کے لئے مقرر کی۔ جب وہ دن آیا اور وہ ساعت قریب پہنچی تو مکتفی اُسدن جو اُس کی تمام زندگی میں اس کی مفاخرت اور مسرت کا سب سے بڑا اور پہلا دن تھا اپنے پورے تزک و احتشام اور انتظام و اہتمام سے اپنی قیامگاہ سے اِس مبارک خدمت کی انجام دہی کے لئے روانہ ہوا۔ یہانتک تو اُس کے ارادے اور اختیار کی بات تھی۔ مگر چاہیے کہ اس کے موجودہ ارادے اور فعل سے نظامِ مشیت کے بنائے اور مقرر کئے ہوئے اصول میں جو خاصکر انہی مواقع کے لئے وضع کئے گئے تھے کوئی فرق ہو جاتا۔

کوئی کمی یا کوئی تغیر واقع ہوتا۔ نہیں کبھی نہیں۔ یہ کسی انسان کے امکان اور اختیار سے ممکن ہی نہیں تھا۔ کوئی حالت ہو کیسا ہی موقعہ اور ضرورت ہو۔ یہ مبارک خدمت اُسی برگزیدۂ آلہی اور وصی حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس ہاتھوں سے تمام اور انجام ہونیوالی تھی جو منجانب اللہ اس کے لئے مامور و منصوب ہوچکا تھا۔

چنانچہ ذیل کے واقعہ سے جسکو ہم ایک معتبر راوی کے خاص مشاہدے سے بہت جلد نقل کرتے ہیں۔ ثابت ہوتا ہے کہ مکتفی وہاں پہنچا تو ضرور مگر چونکہ اس کا یہ ارادہ مشیت آلہی کے خلاف تھا اسلئے صورت پذیر نہ ہوا۔ اور قبل اس کے کہ وہ اپنے ارادہ کو عملی صورت میں لائے اُس جم غفیر اور مجمع کثیر میں سے ایک خاصہ خدا اور برگزیدۂ درگاہِ رب العلایک بیک نمودار ہوا اور اُسی نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجرالاسود کو اس کے اصلی مقام پر نصب کردیا اور فوراً اس مجمع سے علیحدہ ہوگیا۔ یہ برگزیدۂ خدا حجت العصر اور امام زماں سلامہ اللہ علیہ من رب المنان کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا۔ اور اس عہدۂ رفیعہ اور اس منصب عظیمہ کا انجام دینے والا سوائے جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے کوئی اور غیر شخص یقین نہیں کیا جا سکتا۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝

بہرحال جہاں تک دیکھا جاتا ہے۔ اس میں ایک نکتہ اور قابل لحاظ و غور ہے اور وہ یہ ہے کہ اس امر خاص میں بھی جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی ذات بابرکات کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پوری مماثلت اور مشابہت ثابت ہوتی ہے اور آپ کے موجودہ واقعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سانحہ حجرالاسود کے ساتھ کامل اتحاد اور تشابہ حاصل ہے۔ جن لوگوں نے اسلام کے اخبار و آثار کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے زمانہ حیات میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمسن تھے۔ خانۂ کعبہ اور حرم محترم کی مرمت اور حجرالاسود کے از سر نو نصب کئے جانے کی ضرورت پیش ہوئی کیونکہ ابرہہ کی غارتگری کے وقت سے اُس وقت تک خانۂ مقدس کی عمارت خراب و برباد پڑی ہوئی تھی۔

ہرحال جب عمائد و اکابر قریش جو اس وقت تک قطعی مشرک تھے اپنی باہمی رائے اور تجویز سے اسکی از سر نو تعمیر پر آمادہ اور مستعد ہوگئے تو تعمیر کا کام شروع ہوا۔ عمارت کے کام سے فارغ ہوکر نصب حجرالاسود کا وقت آیا تو پھر اُسی ترجیح اور فضیلت کے قدیم اصول سے ان میں سے ہر شخص اس شرف و اختصاص کو اپنی طرف کھینچنے لگا اور اس منصب کے عطا کئے جانے کیلئے ایک دوسرے سے مستدعی ہونے لگا۔ دیر تک انتخاب کے مسئلہ پر صلاح و مشوری ہوتا رہا مگر کوئی تصفیہ کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ آخر کار صورت تصفیہ یوں قائم ہوئی اور آپس کے مشورے سے یہ طے پایا کہ صبح کو جو شخص سب سے پہلے حرم محترم کے دروازے سے داخل خانہ کعبۂ مقدس ہو وہی اس مبارک خدمت کو انجام دے۔ اسپر تمام قریش راضی ہوگئے سخت انتظار اور بے چینیوں میں تمام لوگوں نے وہ رات جوں توں کرکے کاٹی۔ صبح ہوتے ہی مدبران قدرت اور منتظمان مشیت نے اپنی حجت زمانہ۔ خاصہ یزداں خلاصۂ دوراں حبیب خدا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرکین قریش کی تمناؤں کے خلاف سب سے پہلے اُس خانۂ مقدس کے دروازے پر پہنچا دیا۔ اتنے میں تمام عمائد و اکابر قریش بھی بستر راحت سے آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھے اور موقعہ پر پہنچے تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال مبارک کو دیکھتے ہی اُن کے رنگ فق ہوگئے۔ مگر تھے وہ وعدے کے سچے۔ زبان کے پکے جو کہہ چکے تھے اس کو کر گزرے اور اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے اس مقدس خدمت کو انجام کرایا۔ اور اس ترکیب سے مشیت ایزدی نے اپنے قدرت و جبروت کا پورا اظہار کرادیا۔ اور روز ازل سے جو نفس قدسی برکت اس مقدس

خدمت کیلئے مامور ہوچکا تھا اُسی کے ہاتھ سے ان مراسم کو انجام واتمام کروایا۔ اِنَّ اللہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُہ
ہمارے اِن دونوں واقعات کے مشاہدہ سے دونوں کی باہمی مماثلت اور مشابہت کا مسئلہ پورے طور سے تصدیق و توثیق کی حدود تک پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ ذیل کے واقعہ سے اِس مبارک خدمت کے متعلق اس زمانہ میں موجودہ حجت العصر اور امام زمان سلام اللہ علیہ من رب المنان کی ذاتِ بابرکات سے جو خدمات اِس وقت عمل میں لائی گئیں اُن کی تفصیل یہ ہے۔

نصب حجر الاسود اور ابن ہشام کا چشمدید واقعہ

کتاب خرائج میں ابی قسم جعفر ابن محمد ابن قولویہ کی زبانی منقول ہے۔ ان کا بیان ہے کہ جس سال غارتِ خانۂ کعبہ اور خرابی حجر الاسود کا واقعہ واقع ہوا۔ اور پھر اس کے بعد مرمت کعبہ اور نصب حجر الاسود کی ضرورت پیش آئی تو میرے دل میں خود بخود یہ خیال پیدا ہوا کہ میں اس وقت اور اس موقعہ پر بذاتِ خاص خانۂ کعبہ میں حاضر ہو کر اس تقریبِ مبارک اور اس رسمِ مقدس کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں اور اس ترکیب سے اُس خاصۂ درگاہِ ربانی اور برگزیدۂ بارگاہِ یزدانی کے جمالِ نورانی کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو روشن اور ٹھنڈا کروں۔ جو اپنے مبارک ہاتھوں سے اس مقدس خدمت کو انجام کردے کہ از روئے عقائد وہی امام الزمان ہے۔ اور وہی حجت دوران سلام اللہ علیہ من رب المنان جیسا کہ حجاج ابن یوسف کے وقت میں اِس مبارک خدمت کو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے انجام فرمایا تھا اور ان کی موجودگی میں کوئی دوسرا اس کے لائق نہ ٹھہرا تھا اور نہ کوئی دوسرا شخص اس کی بجا آوری پر جرأت کر سکا تھا راوی حدیث کا بیان ہے کہ اسی خیال سے میں نے مکۂ معظمہ زاد اللہ شرفہا کا قصد مصمم کیا اور اپنے وطن سے چلکر بغداد پہنچا۔ بدقسمتی سے یہاں پہنچکر علیل ہوگیا۔ اور علالت کی طوالت نے یہاں تک نوبت پہنچائی کہ مجھ کو اپنی موت کا یقین ہوگیا۔ آخر کار اسی مایوسی کی حالت میں مجھے خیال آیا کہ اگر مجھکو اس مقصد کے پورا کرنے کی طاقت نہیں ہے تو کسی دوسرے کے ذریعہ سے اپنی اس تمنا کو پورا کرا لینا چاہیے۔ مگر اس خیال کے ساتھ ساتھ مجھے یہ خیال بھی فوراً پیدا ہوا کہ آخر اس شخص غیر کی صدق بیانی کی تصدیق کیسے ہوگی۔ اس کی ترکیب میں نے یوں نکالی کہ اپنے ایک مقصد کو ایک عریضہ میں لکھکر اپنے پاس رکھ لیا۔ اور یہ سوچا کہ اُس شخصِ غیر کو یہ تحریر دیدی جائے اور یہ تاکید کردی جائے کہ اس کو اُس بزرگ کی خدمت میں پیش کرکے جواب تحریری یا زبانی لائے جو حجر الاسود کو اپنے مبارک ہاتھوں سے دیوارِ کعبہ میں نصب فرمائے۔

بہرحال۔ ان تمام امور کو ہر پہلو سے سوچ سمجھکر میں نے ابن ہشام کو اپنی موجودہ رسالت اور نیابت کے لئے نہایت موزوں سمجھا اور اس کو راحلہ اور زادِ راہ وغیرہ۔ غرض تمام ضروری ضروریاتِ سفر مہیا کر کے مکۂ معظمہ زاد اللہ شرفہا کی طرف روانہ کردیا۔ اور رخصت کرتے وقت ایک خط اُس کو دیا۔ اور کہدیا کہ اِس خط کو اُسی بزرگ کے ہاتھ میں دیکر جواب حاصل کرنا جو حجر الاسود کے نصب فرمانے کا منصب ادا فرمائے۔ میں نے اُسی عریضہ میں اپنی بیماری کے نتائج کی نسبت پوچھا تھا اور یہ دریافت کیا تھا کہ مرضِ موجودہ میں میری موت واقع ہوگی یا نہیں؟ ابن ہشام کا بیان ہے کہ وہ مجھ سے رخصت ہوکر بغداد سے روانہ ہوئے اور قافلہ حجاج کے ہمراہ مکۂ معظمہ زاد اللہ شرفہا میں بخیر و عافیت تمام داخل ہوئے۔ حسنِ اتفاق سے اُس ہی کو نصب حجر الاسود کی مقدس رسم ادا کی جانے والی تھی۔ دور دور سے اہلِ اسلام کی بیشمار جماعت جوق جوق مکۂ معظمہ میں آ رہی تھی اور پہلے سے بھی آ چکی تھی۔ ہر شخص اپنے اشتیاق اور تمنائے زیارت کے غیر متحمل جوش میں سب سے پہلے حرمِ محترم میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس جانۂ

مقدس میں مشتاقین اور زائرین کی کثرت اور جمعیت کی وجہ سے تل دہرنے کی جگہ باقی نہیں تھی۔ ایک پر دوسرا گرا پڑتا تھا۔ عام بے چینی اور اضطراب کا سخت عالم تھا۔ بیت الحرام کے مقدس خدام اور فوج سلطانی کے انسدادی حکام حفاظتِ جان کے بہت کچھ انتظام کر رہے تھے اور لوگوں کو اس ہجوم کثیر میں چوٹ کھانے زخمی ہونے اور پس جانے سے بچا رہے تھے۔ آخر کار یہ لوگ بھی اپنے موجودہ انتظاموں سے تھک کر عاجز آگئے۔

ابن ہشام آئندہ بیان کرتے ہیں کہ میں یہ عالم رستخیز دیکھ کر علیحدہ ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ اور خدام کعبہ میں سے ایک صاحب کو اپنے پاس بلاکر اور ایک رقم معتدبہ دیکر اُن سے یہ استدعا کی کہ وہ اس رقم کے معاوضہ میں مجھ کو ایک ایسے مقام پر پہنچا دیں یا کم از کم وہاں کھڑا کردیں جہاں سے میں بخوبی اُس بزرگوار کی زیارت کرسکوں جو حجرالاسود کو اپنے مقام پر نصب فرمائے۔ خادم نے میری درخواست کو بطیبِ خاطر قبول و منظور کرلیا اور فوراً مجھکو حجرالاسود کے قریب لیجاکر کھڑا کردیا۔ مگر مجھے خیال ہوا کہ ممکن ہے کہ اس ہجوم کثیر اور جم غفیر میں میرے ایسے دوسرے مشتاقین اور زائرین پیدا ہوجائیں جو مجھ کو اس مقام سے اپنی قوت اور اپنا زور دکھلاکر ہٹا دیں تو میں ان کا کیا کرسکونگا؟ یہ سوچکر میں نے آس پاس کے تمام خدام اور سرہنگانِ سلطانی کو اپنے پاس بُلاکر جو وہاں پہرے کا انتظام کر رہے تھے ان کو بھی کچھ دیدیا اور راضی کرلیا۔ ان تمام پیش بندیوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ خادم اوّل جہاں مجھے پہلے کھڑا کرگیا تھا۔ اس مقام سے از اوّل تا بہ آخر جب تک کہ تمام مراسم طے نہ ہولئے کوئی شخص مجھکو نہ ہٹا سکا۔ اسلئے میں نے کامل اطمینان اور پوری فراغت کے ساتھ اس مقدس رسم کے تمام مراتب کو انجام دیتے ہوئے دیکھا۔

اسی اثنا میں چاروں طرف سے بڑا شور و غل اٹھا اور اُس کثرت اور ہجوم میں ایک تازہ اضطراب و انتشار کا عالم پیدا ہوا کہ اس کا بیان کرنا اس وقت میرے امکان سے بالکل خارج ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد مکتفی باللہ اپنے جملہ خدم وحشم کے ساتھ اس متبرک مقام میں داخل ہوا۔ اور حجرالاسود کو اُسکے مرکزِ اصلی پر نصب کرنے لگا۔ مگر وہ اپنے مقام پر ذرا نہ ٹھہرا۔ اور فوراً زمین پر آرہا۔ اُس نے پھر کوشش کی مگر کچھ مفید کارنہ ہوئی۔ پھر کوشش کی۔ بیکار گئی یہانتک کہ وہ اپنی کوششوں میں آخر عاجز آگیا تو تھک کر اپنے ارادہ سے باز آیا۔ اس نے پھر اپنی ذات کی مجبوری اور ناقابلیت ثابت کرنے کے بعد اپنے اعزا و اقارب سے اسکے متعلق پوری کوشش کروائی مگر ان لوگوں کا کرنا بھی کچھ مفید کارنہ ہوا اور وہ لوگ بھی اس سعادت سے محروم رہے۔ مکتفی جب ان لوگوں کی طرف سے مایوس ہوا تو اپنے وزرا و ارکین سے اس مبارک خدمت کو انجام کرانا چاہا۔ مگر اُن لوگوں کیلئے بھی ویسا ہی نتیجہ نکلا۔ جب اس جماعت کے لوگ بھی ناکامیاب رہے تو اس نے مکہ معظمہ کے علما و فضلا و عمائد و اکابر کو جو مہاجرین و انصار کی قدیم نسلوں کی یادگار تھے۔ اس امر خاص کی طرف دعوت کی۔ باری باری سے ان طبقات کے لوگوں نے بھی اس مقدس پتھر کو اپنی مرکزِ اصلی پر قائم کرنا چاہا۔ مگر جب وہ زمین سے اٹھا کر اپنے اصلی مقام پر رکھا گیا فوراً زمین پر آرہا۔ اور کسی طرح دیوار کی سطح پر قائم نہ رہ سکا آخر کار اس جماعت کے تمام لوگ بھی کوشش کرتے کرتے تھک گئے اور اس مبارک خدمت کے متعلق کچھ بھی نہ کرسکے تو سخت نادم اور پشیمان ہوکر اپنے اپنے مقام کو واپس گئے۔ اور ان آثار و اسرار ربانی اور قدرت و اختیار یزدانی کو دیکھکر انگشت بدنداں ہوکر رہ گئے۔

ابھی ان تمام لوگوں کی حیرانی اور پشیمانی کی یہی کیفیت تھی اور یہی عالم کہ اس مجمع کثیر اور جم غفیر سے یکبارگی ایک جوانِ خوشرو۔ گندم گوں پیدا ہوا۔ اُس نے آتے ہی اُس مقدس پتھر کو اٹھایا اور فوراً اُس کے مقامِ اصلی پر رکھدیا۔ اُسکے رکھتے ہی وہ پتھر اپنے مقام پر ایسے استحکام اور مضبوطی سے قائم ہوگیا گویا کبھی اُس مقام سے علیحدہ ہوا ہی

نہیں تھا۔ اور اُس نے کبھی اس مقام سے گویا جنبش کی ہی نہیں تھی۔ پھر کیا تھا۔ اِس قدرتی منظر کے دیکھتے ہی اس قیامت کے ہجوم میں تحسین و آفرین کی جیسی سر بفلک صدائیں بلند ہوئیں اور جیسا کچھ شور و غل بلند ہوا وہ ہرگز ایسا نہیں تھا کہ بیان کیا جائے۔ نہ دیکھنے والوں کے ہوش بجا تھے اور نہ سُننے والوں کے حواس درست۔

وہ جوانِ رعنا اِس مبارک خدمت کو انجام دے کر فوراً اُس مقام سے روانہ ہوگیا۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ چونکہ میرا دلی مقصود اُس بزرگ کی زیارت سے تھا اور اس وقت تک جو شدائد اور مصائب میں نے اتنے بڑے دور و دراز سفر کے عرصہ میں اٹھائے وہ سب اِس حصولِ سعادت پر مبنی تھے اسلئے میں فوراً اس کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ اور اُس جمِ غفیر میں گم ہوجانے یا مستور واقع ہونے کے خیال سے میں اُس جوانِ رعنا کو سرِ چہار طرف اپنی آنکھوں میں لیئے رہا اور برابر اس کی طرف دیکھتا رہا اور اس ہجوم کثیر کو ہٹاتا اور چیرتا ہوا اس کے پیچھے کسی نہ کسی طرح بہزار دقت و دشواری اِس عالم میں دروازۂ بیت الحرام تک پہنچا کہ میرے بدن کے تمام کپڑے پرزے پرزے ہوگئے تھے۔ اور میرے جسم کے چند مقامات زخمی بھی ہوگئے تھے۔ مگر میں نے اِن باتوں کی ذرا بھی پروا نہیں کی۔ اور اپنے شاہدِ مقصود کی طرف نگراں رہا۔ یہاں پہنچکر میں نے اُس کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ وہ دروازہ مسجد الحرام سے کچھ دور نکل گیا ہے۔ یہ دیکھکر میں فوراً اُس کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ اور میں نے ہرچند چاہا کہ اپنی رفتار کو بڑھا کر اس سے مل جاؤں۔ اور اپنے منیب جعفر ابن محمد کا وہ سربمہر رقعہ جو خاصکر اُسی بزرگوار کو لکھا گیا ہے دیدوں مگر میں نے دیکھا کہ باوجود اتنی تیز رفتاری کے میں کسی طرح ان تک نہیں پہنچتا۔ اس مشاہدے سے میرے دل پر ان کی عظمت اور جلالت کا نہایت سخت اور گہرا اثر پیدا ہوا۔

تاہم میں نے آپ کا تعاقب نہ چھوڑا۔ اور سایۂ قدم کی طرح پیچھے پیچھے چلا ہی گیا۔ یہاں تک کہ ہم اور آپ دونوں آبادی مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا سے باہر نکل گئے اور ایسے مقام پر پہنچے جہاں میرے اور آپ کے سوا کوئی دوسرا شخص نہ رہا تو یکایک آپ میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ تم مجھے کیا دینا چاہتے ہو لاؤ لے آؤ۔ یہ سنتے ہی میں نے جعفر ابن محمد کا رقعہ نکال کر ان کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ بغیر اس کے کہ اُسکو کھولیں اور اسکے مضامین کو پڑھیں مجھ سے فرمانے لگے کہ کاتبِ رقعہ ہذا سے کہدینا کہ موجودہ علالت میں تمہارے لئے خوف ہلاکت نہیں ابھی تمہاری زندگی میں تیس[۳۰] برس اور باقی ہیں۔ ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ اتنا سننا تھا کہ میں اپنے خلوص و عقیدت کے غیر متحمل جوش میں بے اختیار ہو کر رونے لگا اور کچھ ایسا بیتاب ہوا کہ مجھ میں حس و حرکت مطلق باقی نہیں رہی۔ آپ مجھ کو اُسی حالت میں چھوڑ کر نظروں سے غائب ہوگئے تھوڑی دیر کے بعد میری حالت میں کچھ افاقہ ہوا تو میں نے آپ کو وہاں نہ پایا۔ بہرحال ابنِ ہشام کہتے ہیں کہ میں وہاں سے واپس ہو کر بغداد میں پہنچا اور جعفر ابن محمد سے ملکر سارا واقعہ بیان کر دیا جعفر کے دل پر اِن واقعات کے سننے سے کچھ ایسا اثر پیدا ہوا کہ وہ میرے قلبی جذبات سے ہرگز کم نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ جعفر کو موجودہ مرض میں شفائے کلی حاصل ہوگئی۔ اور آپ کے ارشاد کے مطابق وہ تیس[۳۰] برس تک زندہ رہے۔ جب انتیس[۲۹] برس تمام ہوگئے اور تیسواں سال آغاز ہوا تو اُنھوں نے عاقبت اندیشی اور مآل بینی کے لحاظ سے اپنے تمام مملوکات و مقبوضات کو اپنے ورثا اور عزیز و اقارب پر تقسیم کر دیا جن کو وہ اپنی وراثت کا جائز مستحق سمجھتے تھے۔ اس انتظام کے بعد ان کی طبیعت یکایک پھر ناساز ہوئی اور چونکہ وہ تیسواں سال تھا اور وہی تھا جس میں ان کی وفات کرنے کی خبر دی گئی تھی۔ اسلئے وہ بیمار پڑتے ہی مایوس ہوگئے اور کلماتِ یاس کہنے لگے ان کے اعزا و اقارب اور تمام احباب وغیرہ جوان کی عیادت کی غرض سے اُن کے پاس آتے تھے اُن کے مایوسانہ

کلام کو سُن سُن کر ان کو سمجھاتے تھے اور کہتے تھے کہ تم اس مرض سے ضرور اچھے ہو جاؤ گے۔ کیونکہ ضرور نہیں ہے کہ انسان کو جو مرض لاحق ہو وہ خواہ مخواہ اُسے اپنا مرض الموت ہی یقین کر لے۔ ان لوگوں کے جواب میں وہ یہی کہتے تھے کہ مجھکو کامل طور سے خبر دیگئی ہے کہ اس سال میں ضرور مر جاؤنگا میرے عقیدے میں کبھی اسکے خلاف نہیں ہوگا۔ الغرض وہ اپنے اسی رسوخ فی الایمان اور خلوص فی العقیدت کی کامل حالتوں میں اپنے موجودہ مرض کے ظاہری سبب سے انتقال فرما گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔ (بحارالانوار جلد سیزدہم ص ۱۹۷ مطبوعۂ ایران)

اس واقعہ سے جو ایک معتمد راوی کا معتبر مشاہدہ ہے اور تصرفات یزدانی اور اختیارات ربانی کا کامل ذخیرہ۔ ہمارے ناظرین کتاب کو بخوبی معلوم ہوگیا کہ انسان کی دی ہوئی عزت اور خدائے سبحانہ وتعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی عظمت وجلالت میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ مکتفی نے اس خدمت مخصوصہ کے انجام دینے کیلئے بذات خاص اور نیز اُس کے تمام اعیان وارکان نے کیسی کیسی کوششیں کیں اور کیا کیا انتظام نہ کئے سلطنت کے تمام زور لگائے حکومت کی پوری شان دکھلائی۔ غرض کیا کچھ نہ کر ڈالا۔ مگر ہوا وہی جو ہمیشہ سے اس منصب عظیمہ کے متعلق ہوتا آیا تھا۔ نہ زور زر کام آیا کرتا ہے نہ حکومت کا اثر۔ نہ قوت واختیار سے کچھ پیش چل سکتی ہے اور نہ ثروت واقتدار سے کچھ بن سکتا ہے مکتفی ایک بار نہیں چند بار اس مقدس خدمت کو اپنے ہاتھوں سے انجام دینے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر چونکہ وہ منظور مشیت نہ تھی ہر بار رد ہوگئی اور ایک بار بھی برقرار اور قائم نہ رہ سکی۔ اس کے ساتھ اُس کے تمام اعزا واقارب اور ان کی کوششیں بھی بیکار اور غیر مفید ثابت ہوئیں انسانی کوششوں کے بیکار اور غیر اثر ثابت ہونے کے بعد اس مقدس خدمت اور مبارک عہدے کو اگر پھر سر انجام دیا تو اسی نفس قدسی برکت نے جو منجانب اللہ اس خدمت کے لئے مامور ہو چکا تھا۔ اور آخر کار یہ شرف یہ سعادت اور یہ فضیلت بھی پھر اسی خاندانِ والا کے سرمایۂ ناز اور اسی دودمانِ اعلیٰ کے باعث اعزاز یادگار کی خوش قسمتی کا حصہ ٹھہری جو زمانۂ موجودہ میں نسل ابراہیمی اور سلسلۂ اسمٰعیلی سلام اللہ علی نبینا وآلہ وعلیہما کا چشم وچراغ ہونے کی خاص وجہوں سے بیت اللہ اعظم کا وارث تھا۔ جن لوگوں کے دیدۂ بصیرت وا اور چشم حقیقت کشادہ ہیں وہ اس واقعہ کو غور سے پڑھکر دیکھ لیں کہ اسی قدرتِ کاملہ کے مشاہدہ سے مشیت کا کیا مدعا تھا اور اپنی اس حجتِ زمانہ کو جسے وہ اتنی احتیاط اور اہتمام سے آج تک نگاہ خلائق سے مخفی اور پوشیدہ رکھے تھا۔ اس وقت عالمِ مشاہدہ میں لانے سے اور اس کی تعمیل فرائض کے دکھلانے سے نظامِ مشیت کی کیا مراد تھی۔ ایک ذرا سے غور وتامل کے بعد اُن کو معلوم ہو جائیگا کہ چونکہ ابتدا سے لیکر اس وقت تک آپ کے نظامِ امامت کے تمام امور بالکل باطنی طریقہ پر چلائے جاتے تھے اور اس حزم واحتیاط کے ساتھ کہ کسی کو اس کی مطلق خبر نہیں ہونے پاتی تھی۔ اس لئے آپ کے وجود کا مسئلہ بہت سے لوگوں کے نزدیک ابھی تک مشتبہ تھا۔ ایک تو اس مشاہدہ سے عموماً ان کی ان غلط فہمیوں کی اصلاح ضروری تھی دوسرے اُسی غلط اصولِ مساوات اور قدیم قیاسات کی رد بھی لازم تھی جو سلاطینِ عباسیہ اور اس سلسلۂ عالیہ کے فیمابین ہمیشہ سے متنازع فیہ چلی آتی تھی۔ اور کچھ عباسیوں ہی پر موقوف نہیں۔ اِن غلط قیاسات کا آغاز سلاطینِ امویہ ہی کے وقت سے ظاہر ہوا چونکہ ہم اوپر اکثر مقامات پر اس غلط اصول کی تنقید ورد کر چکے ہیں اس لئے اُس کے بار دیگر اعادے کی کوئی ضرورت نہیں۔

بہر حال۔ اس واقعہ کو پوری تفصیل اور تشریح کے ساتھ لکھکر ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ جہاں تک دیکھا جاتا ہے مکتفی باللہ کے شش سالہ ایام حکومت میں سوائے اس واقعہ کے کوئی دوسرا واقعہ ایسا نہیں معلوم ہوتا ہے جس کو جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی ذات بابرکات سے کسی قسم کا تعلق اور سروکار ثابت ہوتا ہو

اس واقعہ کے بعد مکتفی کے باقی ایامِ حکومت سکوت اور خاموشی کے عالم میں صرف ہوئے اور جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے متعلق اُس نے یقین کر لیا کہ اس کی مخالفانہ تحریک کارگر نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کو تجربہ ہو چکا تھا اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا کہ معتمد کے وقت سے لیکر معتضد کے وقت تک برابر آپ کے تجسس و تلاش اور قتل و ہلاکت کے متعلق کوشش ہوتی رہی۔ طرح طرح کی تدبیریں۔ انواع و اقسام کی ترکیبیں عمل میں لائی گئیں مگر اُن میں سے ایک بھی مفید کارثابت نہ ہوئی۔ اور ان تمام امور سے جو کچھ مقصود تھا اس کے بالکل برخلاف اور برعکس ظہور میں آیا چونکہ یہ تمام معاملات مکتفی کے آنکھوں کے سامنے پیش آچکے تھے تو پھر وہ ایسا کیا تھا کہ پھر اِن امور میں اپنی طرف سے مداخلت کرنے کی جراءت کرتا۔ اس لئے اُس نے ان امور میں سکوت و خاموشی ہی کو مناسب سمجھا اور بالکل چپ ہو رہا۔ بہر حال اس واقعہ کے بعد مکتفی ۱۲ ذیقعد ۲۹۵ھ ہجری میں مرگیا اور تخت خلافت مقتدر کیلئے جو معتضد باللہ کا بیٹا تھا خالی کر گیا۔ تاریخ مسعودی میں مکتفی کی عمر تینتیس ۳۳ برس چھ مہینے کی مسطور ہے اور مدتِ سلطنت چھ برس چھ مہینے اور سولہ روز کی بتلائی جاتی ہے +

مقتدر باللہ کی بارِ اوّل سلطنت

مقتدر تخت سلطنت پر بٹھلایا گیا۔ اس غریب کو صبح سے ابھی شام بھی نہیں ہوئی تھی کہ مسند خلافت سے اترنا پڑا۔ سلطنت کے موجودہ مدبرین اور معظمین نے جو اُس زمانہ کے خلیفہ گر مشہور تھے اور جو اُس کے پیچھے پڑ گئے آخر کار اُس سے رنجیدہ ہو کر بیچارے کو کھلونے کی طرح تخت سے اتار کر جس طاق سے اُٹھا لائے تھے پھر اسی طاق میں بٹھلا دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مقتدر کو تخت خلافت پر بیٹھے کچھ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ سلطنت کے دو زبردست امیروں میں اَن بن ہو گئی۔ حسن ابن حمدان نے حسن ابن عباس کو مار ڈالا جو مقتدر کے مزاج پر پورے طور سے حاوی تھا اس کا یہ رسوخ اس کے ہمچشموں سے دیکھا نہ گیا اور اس کے قتل کا آخر کار باعث ہوا۔

حسن اپنے ہمنام حسن کو مار کر بھی نچلا نہ بیٹھا۔ اس نے سوچا کہ مقتدر اپنے ایسے عزیز امیر اور وزیر کے انتقام میں ہم کو بھی خراب و برباد کر ڈالے گا۔ اِس خیال سے اُس نے تمام امرائے حکومت کو اپنی طرف ملا لیا اور سب نے مل کر مقتدر کے خلعِ خلافت پر اتفاق کر لیا۔ جب آپس میں اس امر پر اتفاق ہو چکا تو مقتدر کے پاس کہلا بھیجا گیا کہ تم قصرِ سلطانی کو چھوڑ کر دوسرے مکان میں اُٹھ جاؤ۔ تم امرِ امارت سے معزول کیے گئے اور تمہاری جگہ عبداللہ ابن معتز خلیفہ تسلیم کیا گیا +

المرتضیٰ باللہ کی چند روزہ حکومت

مقتدر امرائے سلطنت کا یہ حکم پا کر جو اوپر لکھا گیا ہے۔ فوراً مسندِ امارت سے علیحدہ ہو گیا اور اس کی جگہ عبداللہ ابن معتز المرتضیٰ باللہ کا لقب لیکر تخت نشینِ سلطنت ہوا۔ مگر جب مقتدر کے معزول اور المرتضیٰ کے مامور ہونے کا حال مقتدر کے غلام مونس نامی کو معلوم ہوا تو وہ مخالفین سے مزاحم ہوا۔ اور اپنے اعوان و انصار کو اپنے ہمراہ لیکر اپنے مخالف کے ساتھ مقابلہ اور مقاتلہ پر تیار ہو گیا۔ آخر کار فریقین سے مقابلہ کی نوبت آئی۔ المرتضیٰ باللہ اور اسکے طرفداروں نے پوری شکست کھائی اور کامل ہزیمت اٹھائی المرتضیٰ اور اس کے تمام ہی خواہ ابی الجصاص نامی ایک امیر کے گھر میں روپوش ہوئے۔ لیکن مونس نے بہت جلد ان سب کا پتہ لگا لیا۔ تمام شہر بغداد میں عام طور سے لوٹ مچادی۔ ہزارہا گھر لوٹ لئے۔ بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا۔ پھر مرتضیٰ کے ہمراہیوں کو بھی ابی الجصاص کے گھر میں قتل کر دیا۔ المرتضیٰ چلا تھا مگر پھر پکڑا گیا۔ اس کو پکڑ کر مقتدر کے پاس لیگئے اور وہ اس کے سامنے جاتے ہی مرگیا۔

اُس کی یکایک موت کیسے واقع ہوئی ۔ اِن حالات پر بالکل پردہ پڑا ہے۔ صاحب روضۃ الصفا اس کے مرنے کے بعد کا صرف اتنا حال لکھتے ہیں کہ المرتضیٰ کے مرجانے کے بعد اس کی لاش کو ایک چادر میں باندھ کر اُس کے اہل و عیال کے پاس بھیجدیا +

مقتدر کی دوبارہ حکومت

ہمارے موجودہ بیان کو اوپر پڑھ کر ہمارے ناظرین کتاب کو خلافت عباسیہ کے بھی اس وقت وہی رنگ معلوم ہونگے جو وہ عالمگیر کے بعد ہندوستان کی تاریخ میں محمد شاہ رنگیلے کے وقت سے لیکر دہلی کے خاتم السلاطین بہادرشاہ کے وقت تک پاتے ہیں ۔

حقیقت تو یہ ہے کہ بغداد کی خلافت اس وقت دہلی کی سلطنت کا پورا مزہ دے رہی تھی ۔ بہرحال مونس کی کوشش سے غریب مقتدر کے پھر دن پھر گئے اور وہ تختِ خلافت پر پھر متمکن ہوا ۔ ٹھوکر کھا کر امید تھی کہ مقتدر سنبھل جائیگا ۔ اور اتنے مصائب اور شدائد اٹھا کر یقین تھا کہ اُس کی آنکھ خوابِ غفلت سے کھُل جائے گی ۔ مگر یہ خیال ہی خیال تھا ۔ وہ ویسے کا ویسا ہی رہا اُس نے سلطنت کے تمام کاروبار اپنے وزیر ابن ابی الفرات پر چھوڑ دئے ۔ اور خود عیش و عشرت اور معشوقانِ پری صورت کی صحبت میں مشغول ہوگیا ۔ رات دن دادِ عشرت دینے لگا ۔ مہماتِ ملکی سے فارغ البال ہوکر آرام و اطمینان سے اپنی شاہی اور حکمرانی کے مزے لینے لگا ۔

خیریت اتنی تھی کہ ابن ابی الفرات اپنے وقت کا بہت بڑا مدبر اور ہوشیار تھا ۔ وہ اس وقت مقتدر کے بہت کام آیا ۔ اور اس کی مدہوشی اور بے خبری کے عالم میں بھی سلطنت کے تمام کل پرزے اپنے ہاتھوں میں لیئے رہا ۔ اور نظامِ ملکی کے شیرازے کو کسی طرح درہم و برہم نہ ہونے دیا اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے اِن خدمات کے اعتبار سے اپنے زمانہ کا بہت بڑا دانشمند اور تجربہ کار مدبر ثابت ہوتا ہے ۔ اسکی قابلیت ۔ جامعیت اور صلاحیتِ طبعی نے خلافتِ بغداد میں وزارت ہی کا کام نہیں کیا بلکہ امارت کا بھی +

منصور حلاج کے حالات اور اس کا قتل

مقتدر کے وقت میں دو بڑے واقعات پیش آئے ایک تو ملکِ مصر میں اسماعیلیوں کا تسلط ۔ دوسرا حسین ابن منصور حلاج ۔ رئیس اور موجد فرقۂ حلاجیہ کا قتل ۔ ساداتِ اسماعیلیہ کا ممالکِ مصر پر تسلط کرلینے کے متعلق تو اتنا معلوم ہوچکا ہے کہ یہ لوگ متوکل کے وقت سے اپنی عملی کارروائیوں میں مصروف تھے ۔ اور ملک عراق سے دور ہٹ کر فارس علاقہ طبرستان میں سلطنت کے خلاف اپنی قسمت آزمائیاں کررہے تھے ۔ اِس میں شک نہیں کہ حدود فارس میں ان کو ذرا بھی کامیابی نہیں ہوئی اور شاہی لشکر نے اِن کے جمے ہوئے رنگ کو اس علاقہ سے بالکل اکھاڑ پھینکا اگرچہ یہ لوگ بالکل کمزور ہوگئے تھے اور بار دیگر کوششوں کی اِن میں کوئی حلاوت باقی نہیں تھی مگر پھر بھی ہمت مردان مددِ خدا ۔ اِن لوگوں نے اپنی ہمت کو نہ ہارا اور اپنے حوصلوں کو کسی طرح پست نہ ہونے دیا ۔ حدود فارس سے چلکر دیارِ مغرب کی طرف نکلگئے ۔ اور وہاں تھوڑے دنوں تک مقیم رہ کر اپنی حالت کی درستی ۔ ترتیب اور ترمیم کے سامان درست کرتے رہے جب کسی قدر ان لوگوں کی حالتوں میں درستی اور قوت آگئی تو اِن لوگوں نے دیارِ مغرب سے اُٹھ کر سیدھا ملکِ مصر کا راستہ لیا ۔

جن لوگوں نے مختلف ممالک کی تاریخوں کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ کسی فرمانروا کی غفلت ۔ عیش پسندی اور آرام طلبی کچھ اُسی کی ذات تک محدود نہیں رہتی ہے بلکہ اس کا اثر رفتہ رفتہ تمام ملک پر پڑتا ہے اور اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ کے مطابق اُس کے زیرِ اختیار اور ماتحت رعایا بھی اسی کے رنگ میں رنگ جاتی ہے ۔ اور ع تا کس نگوید

بجدازیں من دیگرم تو دیگری - کا پورا مصداق ہوجاتی ہے۔ مصر کا عباسی گورنر بھی اسی بلا میں مبتلا تھا اور حد درجہ کا غافل اور عیش پسند۔ وہ سادات کی بڑھتی ہوئی رفتار کو کسی طرح روک نہ سکا۔ سادات نے بھی ایک بار اور ایک مقام پر اس سے مقابلہ اور مقاتلہ نہیں کیا۔ بلکہ اُن میں جیسی جیسی قوت آتی گئی اور جہاں جہاں وہ مقابلہ کا مقام مناسب پاتے گئے حریف سے مقابلہ کرتے گئے۔ جب ان کی جمعیت بھی درست ہوگئی اور ان میں قوت بھی آگئی توان لوگوں نے معاملات ملکی میں بھی اپنی طرف سے مداخلت شروع کردی۔ بات بننے والی تھی بن گئی اور ایک عرصہ کے بعد پھر اُن کے دن پھرنے والے تھے پھر گئے۔ اِن کے جملہ امور میں درستی اور ترتیب آگئی۔ اور ان کی تمام تدبیریں نظام تقدیر کے مطابق واقع ہوتی گئیں۔ اور یہ لوگ پہلے اسی طرح چھوٹے چھوٹے مقامات پر قبضہ کرتے کرتے ملکِ مصر کے بڑے بڑے مقامات پر بھی قابض ہوگئے۔ اور پھر رفتہ رفتہ ایک دن پورے مصر اور اس کے توابع اور مضافات کے حکمراں اور فرمانروا ہوگئے۔ مقتدر نام کا مقتدر بنا بیٹھا رہا۔ وہ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتا رہا مگر کچھ نہ کرسکا۔

بہرحال یہ فرقۂ اسمٰعیلیہ کے حالات تھے۔ اب فرقۂ حلاجیہ اور اس کے رئیس حسین ابن منصور حلاج کی سرگذشت یہ ہے کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اس زمانہ میں علمِ اشراق اور تصوف کو جیسا کچھ عروج حاصل ہوا تھا وہ سب کو معلوم ہے فی الحال اس فرقہ نے بھی ملکِ عراق میں بہت کچھ قوت پکڑی تھی اور رفتہ رفتہ ان کے معتقدین نے بھی اپنی معتدبہ جماعت تیار کرلی تھی۔ اس فرقہ کا موجد یا شیخ الطائفہ حسین ابن منصور حلاج تھا۔ حسین نے ایک مدت تک سہل ابن عبداللہ تستری۔ ابوالقاسم جنید بغدادی اور ابوالحسین ثوری جو فرقۂ اشراقیین اور تصوف کے اُس وقت مقتدا اور پیشوا تسلیم کئے جاتے تھے اِن سب کی خدمات میں حاضرہ کر کسبِ علوم اور تحصیلِ فیوض کیا تھا۔ اور ان لوگوں کی صحبت سے مستفیض ہوکر اپنے فضل و کمال اور کشف و کرامات کے بڑے بڑے دعوے کیا کرتا تھا۔ غرضکہ حلاج کی شہرت اور عظمت کا ابھی یہی حال تھا کہ مقتدر نے کسی امر میں ناراض ہوکر اپنے وزیر ابن ابی الفرات کو وزارت سے معزول کرکے اس کی جگہ حامد ابن عباس کو وزیر مقرر کیا۔ یہ شخص شریعت کا بڑا حامی تھا اور تدبیر و سیاست کے اوصاف سے موصوف ہونے کے ساتھ ہی جنگجوئی اور درشت خوئی کیلئے بدنام بھی تھا۔ فرقۂ حلاجیہ کی حقیقت جب اس کے گوش گذار کی گئی تو وہ آگ ہوگیا۔ منصور حلاج کی نسبت جب اُس سے کہا گیا کہ وہ امامت وولایت کا دعویٰ کرتا ہے اقوام جنات اُسکے مطیع بتلائی جاتی ہیں۔ اور عالمِ روحانیت میں اُس کے پورے تصرف تسلیم کئے جاتے ہیں تو وہ اور بھی برہم ہوا اور اپنے آپے میں نہ رہا اور اُسی وقت سے وہ حلاجیوں کے پیچھے پڑگیا اور ان کی گرفتاری اور ہلاکت کی فکر کرنے لگا حلاجیوں کو اسکی خبر لگ گئی اور وہ روپوش ہوکر اپنے امور میں حد درجہ کی احتیاط کرنے لگے بڑی تلاش اور بڑے تجسس کے بعد ان میں سے چند لوگ پکڑے گئے جب ان لوگوں سے حقیقت حال پوچھی گئی اور سخت تشدد کیا گیا توان لوگوں نے معتابہانہ کرنا کے اصول پر صاف لفظوں میں کہدیا کہ ہم لوگ حسین ابن منصور حلاج کے معتقدین سے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ خدا ہے۔ مُردوں کو زندہ کرتا ہے (نعوذ باللہ) اور ہم لوگ اسکی طرف سے مخفی طور پر اُس کے طریقہ کی دعوت کرنے پر مامور ہیں۔

یہ سُنکر حامد نے حلاج کی گرفتاری کا حکم دیا۔ وہ پکڑا آیا۔ اُس سے اُس کے متبعین اور مقلدین کے عقائد دریافت کئے گئے تو اس نے کہا کہ خدا کی پناہ! میں ہرگز اپنی الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتا۔ میں تو ایک ایسا آدمی ہوں جو ہمیشہ روزہ رکھا کرتا ہے اور راتوں کو نمازیں پڑھتا رہتا ہے اور سوائے اعمال نیک کے بری چیزوں کی طرف کبھی نگاہ نہیں کرتا۔

حامد نے بیان لیکر اس کو نظر بند رکھا اور اُس کی نسبت علمار سے فتوٰی طلب کیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ تا وقتیکہ اس سے وہ امور سرزدنہ ہوں جن سے شریعت میں قتل واجب ہو جاتا ہے۔ ہم لوگ اس کے قتل کا فتوٰی نہیں دے سکتے۔ جب اِن امور کی خبر حامد کے ذریعہ مقتدر تک پہنچی تو اس نے علی ابن عیسٰی کو جو اس وقت کے مشہور ترین علمار میں تھا۔ حلّاج کے ساتھ مناظرہ کرنے کا حکم دیا۔ حسب الحکم سلطان علی ابن عیسٰی نے حلّاج کو نصر نامی حاجب سلطانی کے گھر سے جہاں وہ نظر بند رکھا گیا تھا اپنی صحبت میں بلایا۔ جب وہ آیا تو اس کو بہت کلماتِ سخت سنائے۔ منصور حلّاج نے کہا کہ اگر تم ایک حرف بھی زیادہ اس سے میرے حق میں کہو گے تو میں ابھی زمین کو حکم دونگا اور وہ تمہیں کھا جائیگی۔ اتنا سننا تھا کہ علی ابن عیسٰی کی روح فنا ہو گئی اور وہ فوراً اس کے مناظرے کے خیال سے دست بردار ہو گیا۔ اور خود حلّاج سے اُلٹا معافی مانگنے لگا۔

اس واقعہ نے منصور حلّاج کے امور کو بہت بڑی قوت پہنچائی حامد نے حلّاج کو مقتدر کی خدمت خاص میں نظر بند رکھے جانے کا حکم دیا۔ اور خلیفۂ عصر نے اس کو خاص طور پر زیر حراست رکھا۔ اسی اثنار میں ایک عورت پکڑی آئی اور بیان کیا گیا کہ ایک مدت تک یہ عورت حلّاج کی خدمت میں رہ چکی ہے اور اس کے تمام طور واطوار اور افعال وکردار سے بخوبی واقف ہے۔ یہ عورت بہت بڑی خوش لہجہ اور خوش بیان مشہور تھی۔ حامد نے اُس سے حلّاج کے متعلق پوچھا تو اُس نے نہایت خوش تقریری سے جواب دیا کہ حسین ابن منصور حلّاج نے اپنی غایت توجہ اور عنایت سے مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنے بڑے بیٹے سلیمان ابنِ حسین کا جو میرے تمام بیٹوں میں لائق تر ہے اور مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔ عقد تیرے ساتھ کردونگا اور امید ہے کہ تیرے اور اس کے درمیان جیسا معاملات زن وشوہر کا اصلی مقتضٰی ہونا چاہیئے۔ کبھی کوئی اختلاف اور نزاع واقع نہ ہوگا اور اگر کوئی اختلاف کسی اتفاقی باعث سے واقع بھی ہو جائے تو تم دن بھر روزہ رکھکر جب رات آئے تو کوٹھے پر چلی جانا زمین پر بیٹھنا۔ نمک سے روزہ کھولنا۔ اور جو کچھ کہ سلیمان کی طرف سے تم پر گزرا ہو اُسکو اپنے دل میں خیال کرنا۔ میں اِن تمام امور کا دانا وبینا ہوں سب چیزوں کا حاضر وناظر۔

اسی کے ایسا اس عورت نے ایک دوسرا واقعہ یوں بیان کیا کہ ایک دن منصورِ حلّاج کی لڑکی نے مجھ سے کہا کہ تو میرے باپ کو سجدہ کر۔ میں نے جواب دیا کہ سجدہ تو سوائے خدائے وحدہٗ لاشریک کے کسی اور کے لئے جائز نہیں اتفاق سے حلّاج ہماری اِن باتوں کو سن رہا تھا فوراً میرے پاس چلا آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ ہے تو ایسا ہی جیسا تو بیان کرتی ہے مگر بات یہ ہے کہ ایک خدا آسمان پر ہے اور ایک خدا زمین پر ع۵

پھر اس کے بعد اُسی عورت نے ایک تیسرا واقعہ یوں بیان کیا کہ ایک دن منصور حلّاج نے مجھے بلایا۔ وہ اسوقت ایک چٹائی بچھائے زمین پر بیٹھا تھا جب میں اُس کے قریب پہنچی تو وہ مجھ سے کہنے لگا کہ تمکو جتنے روپیہ کی ضرورت ہوا کرے۔ میرے اِس بورے کے نیچے سے نکال لیا کرو چنانچہ میں نے اس کا بوریا اٹھایا تو اس کے نیچے روپیوں کا اتنا ڈھیر دیکھا جتنا میں نے آجتک کبھی نہ دیکھا تھا۔ الغرض اُس عورت نے اسکے ایسے بہت سے واقعات حلّاج کی نسبت بیان کئے مگر ان امور پر بھی کسی نے اس کے قتل کا فتوٰی نہ دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد چونکہ اُسکا قتل حامد کے دل سے لگا تھا حلّاج کے خاص ہاتھ کی لکھی ہوئی چند سطریں ایک کاغذ پر علمار کی خدمت میں پیش کی گئیں جن میں یہ مضامین درج تھے کہ اگر کسی شخص کو حج کرنے کی ضرورت ہو اور وہ بیت اللہ معظم تک جانے کا مستطیع نہ ہو

ع۵ یہ آیہ وافی ہو لیہ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ کی غلط تاویل ہے بجنسہٖ ایسا ہی ایک منافق نے تعریضاً اس آیہ کے معنی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسکے معنے یہ ہیں کہ جو خدا آسمان پر ہے وہی زمین پر۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔

تو وہ اپنے مکان میں ایک مربع مقام علیحدہ تیار کرے اور اس کو تمام نجاسات وغیرہ سے پاک وصاف رکھے اور اس میں کسی کو آنے جانے کی اجازت نہ دے جب حج کے ایام آئیں تو اس مقام مربع کا طواف کرے اور جس طرح حرم محترم کی زیارت کے آداب اور دیگر مناسکات وغیرہ بجالاتا ہے اسی طرح اُس مقام پر بھی وہ تمام امور بجالائے اس کے بعد یتیم بچوں کو رات کے وقت اُس مکان کے اندر لیجائے اور سب سے اچھی اور خوشگوار جو غذا ہو اُن کو کھلائے اور ان کے ہاتھوں کو چومے اور پھر اُن میں سے ہر ایک یتیم کو اچھی اور نفیس پوشاک پہنائے اور سات سات یا تین تین درہم اُن میں سے ہر ایک کو دے تو اس عملی ترکیب سے وہ واجبات حج سے فارغ البال اور سبکدوش ہو جائے گا۔

علمار کی جس صحبت میں یہ تحریر پیش ہوئی اُس میں ابو عمرو بھی تھے جو دارالخلافہ کے قاضی القضاۃ اور تمام بلادِ اسلامیہ کے مفتی تھے۔ قاضی صاحب نے یہ احکام دیکھکر حلاج سے پوچھا کہ تم نے کہاں سے لکھا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ حسن بصری کی کتاب اخلاص سے اور بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حلاج نے حسن بصری کی کتاب اخلاص کی جگہ ابو عمرو اور عثمان مکی کی تالیفات کا حوالہ دیا۔ یہ سُنکر قاضی صاحب نے کہا کہ اے کشتنی! ہم لوگوں نے خود ان کتابوں کو پڑھا ہے اور دیکھا ہے ان میں تو یہ مضامین کہیں مندرج نہیں ہیں جیسا کہ تو نے لکھا ہے یہ سنتے ہی حامد نے سبقت کر کے قاضی ابو بکر کو مخاطب کیا اور کہا کہ جب آپ اپنی زبان سے اِسکو کشتنی کا خطاب دے رہے ہیں تو پھر کیا آپ کی طرف سے اس کے کشتنی اور واجب القتل ہونے کا اقرار ہو گیا اب اس کے قتل کا فتوےٰ جاری کر دیا جائے۔ قاضی صاحب نے ہر چند اس امر میں پس و پیش کی اور مختلف قسم کی تاویلات سے اپنے حکم کو ناقابلِ تعمیل ثابت کرنا چاہا۔ مگر حامد نے ایک نہ سُنی۔ قاضی صاحب بھی تھے جہاندیدہ اور سارے زمانے کے سرد و گرم چشیدہ۔ سمجھے کہ وزیرِ سلطنت اور دستورِ معظم سے بگاڑ اچھا نہیں۔ آخر کار فتویٰ دینے پر مجبور ہو گئے۔ حامد تو تیار ہی تھا۔ اُس نے فوراً منصور حلاج کے قتل کا فتویٰ ان کے مہر و دستخط سے مرتب اور مکمل کرا لیا۔ ان کی تقلید میں دیگر علما و فضلائے صحبت نے بھی اپنے اپنے مہر و دستخط کر دیئے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ جنید بغدادی نے بھی اِس کے محضر نامہ قتل پر دستخط کئے تھے۔ مگر یہ خلافِ واقعہ ہے اس لئے کہ محمد پارسا اور دیگر علما وغیرہم نے پوری تحقیق کے ساتھ لکھا ہے کہ اس واقعہ سے انیس برس پہلے شیخ ابو القاسم جنید بغدادی کی رحلت ہو چکی تھی۔

بہر حال جب یہ فتویٰ علمار اور فضلائے شہر کی مہر و دستخط سے مرتب ہو گیا تو اس کو مقتدر کے پاس پیش کیا۔ اُس نے حکم دیا کہ شریعت مقدس کے مطابق حسین ابن منصور حلاج کو قتل کریں۔ یہ حکم سُنکر حامد ابن عباس نے کوتوالِ شہر کو بلا کر کہا کہ حلاج کو جسر بغداد پر لیجا کر پہلے ایک ہزار تازیانے لگاؤ اگر وہ اُن کی ضرب سے نہ مرے تو اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالو۔ پھر اُس کا سر کاٹ کر عبرت عامہ کے لئے جسر بغداد پر لٹکا دو۔ اور اس کے جسم کو جلا کر اس کی راکھ کو دریائے دجلہ میں ڈالدو اور اس درمیان میں وہ جو کچھ کلام کرے اُس پر کوئی اعتبار نہ کرے، اور ہزار تازیانہ مارے جانے کی سزا میں ایک تازیانہ کی تخفیف میں بھی رعایت نہ کی جائے۔ اگرچہ وہ دریائے دجلہ میں پانی کی جگہ سونا اور چاندی بہا دینے کا بھی یقین دلائے مگر اس کی کسی بات پر اعتماد نہ کیا جائے۔

کوتوال شہر وزیر السلطنت کی ہدایتوں کو سُن کر دوسرے دن منصور حلاج کو مقامِ جسر پر سیاست کیلئے لیگیا۔ خلائق کا وہ ہجوم ہوا کہ تِل دھرنے کی کہیں جگہ نہیں ملتی تھی۔ جب کوتوالِ شہر ہزار تازیانوں میں سے چھ سو تازیانے لگا چکا تو منصور حلاج نے اس کو مخاطب کر کے کہا کہ میں تیرے امیر کو ایک نصیحت کرتا ہوں اگر تو اُسے اپنے امیر کی خدمت میں

پہنچا دیگا تو وہ اُس کیلئے فتح قسطنطنیہ سے بھی زیادہ عزیز ثابت ہوگی۔ کوتوال نے اُس کی ان باتوں پر کوئی اعتنا نہیں کی۔ حلاج بھی چُپ ہو رہا۔ تا آنکہ وہ ہزار تازیانے ایک ایک کرکے پورے کئے گئے۔ مگر اس درمیان میں حلاج نے اپنے منہ سے آہ بھی نہیں کی۔ پھر اس کے بعد جلاد آیا اور اس نے وزیر کے حکم کے مطابق پہلے اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹے پھر سر کاٹا۔ اُس کے مردے کو جلایا۔ اور جلاکر اس کی راکھ کو دریائے دجلہ میں ڈالدیا۔ اتفاق سے اُسی سال دجلہ میں بڑی طغیانی آئی۔ مُریدانِ حلاج پانی کی فراوانی کو حلاج کا معجزہ اور کراماتِ روحانی بتلانے لگے۔ صاحب روضۃ الصفا منصور حلاج کے واقعات کو تمام کرکے لکھتے ہیں کہ بڑے بڑے مشائخ کبار نے منصور حلاج کی نسبت ردّ و قبول کے تصفیہ میں بہت سے اقوال لکھے ہیں اور ان کی ایک جماعتِ کثیر اس کی عظمت و جلالت کی قائل ہوئی ہے اور ان لوگوں نے اُن اقوال کو جو اُس کے ارشاد و کلام میں خلاف اور نقیضِ شریعت ثابت ہوتے ہیں بہت سی تاویلات کے ساتھ صحیح اور جائز بتلایا ہے جنکا اس مقام پر تفصیل کے ساتھ قلمبند کرنا تاریخ نویسی کے سیاق اور مذاق سے بالکل علیحدہ ہے ؁

منصور حلاج اور شیعہ پبلک کو اغوا

ہم نے جہانتک فریقین کے اخبار و اسفار میں منصور حلاج کے حالات کی تلاش کی ہے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ہمیشہ نئے انداز اور نئے رنگ میں رنگے رہتے تھے اور اپنی ذاتی ضرورتوں سے مجبور ہو کر اہلِ اسلام کو اپنے متعلق نئے نئے اعتقاد کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اپنی خود غرضیوں کے موجودہ عالم میں انھوں نے بیچارے شیعوں کو بھی نہ چھوڑا۔ اور ان غریبوں کو بھی اپنے دامِ فریب میں لانے۔ ورغلانے اور صریح لوٹنے سے باقی نہ رکھا۔ چنانچہ ذیل کے واقعات ہمارے موجودہ بیان پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ ملّائے مجلسی علیہ الرحمۃ بحار الانوار جلد سیزدہم میں ابی نصر ہبۃ اللہ علیہ الرحمۃ کی زبانی مرقوم فرماتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ابی نصر فرماتے ہیں کہ جب مشیتِ ایزدی کا یہ منشا ہوا کہ حسین ابن منصور حلاج کے اعمال و افعال سارے زمانہ میں طشت از بام ہو کر اُسکی ذلت و رسوائی کو آئینہ کردیں۔ تو حسین ابن منصور حلاج کے دل میں خود بخود یہ بات پیدا ہوئی کہ قدیم طریقہ صوفیہ اور اصول اشراقیہ کو چھوڑکر جو اسوقت حکومت کے مخالف ثابت ہونیکے باعث بیوقعت ہو چلے ہیں۔ اپنی کامیابی کی کوئی دوسری سبیل نکالے۔ چونکہ اُس زمانہ میں شیعہ مذہب اُس وقت تک ان خیالوں سے پاک و صاف تھا۔ اور آلِ ابویہ کی ثروت و اقتدار اور انکی آئندہ استعداد و استمداد نے اس کی ترقی اور اطمینان کا بہت کچھ یقین دلا رکھا تھا۔ اسلئے منصور حلاج نے اور فرقہائے اسلامی سے قطع نظر کرکے اپنی ابلہ فریبی کی تدبیروں کو اسی فرقہ کی طرف منعطف کیا اور پھیرا۔ تھے تو بڑے زمانہ شناس اور اپنی چالوں کے بڑے پکے۔ سمجھے کہ محض ادعائے شیعیت سے خاطر خواہ کام نہیں نکلنے والا۔ اور اپنی مشین کا پہیا نہیں چلنے والا معمولی شیعہ بن کر رہے تو کیا۔ نہ نام کے نہ نمود کے اس سے نہ حصولِ عزت کی کوئی امید کی جاسکتی ہے اور نہ وصولِ دولت کی کوئی توقع۔ انہی وساوس نفسانی نے منصور حلاج کو آخر کار ادّعائے شیعیت کے ساتھ دعوے نیابت امام علیہ السلام پر بھی تیار کردیا۔ اور جہاں اور لوگ حضرت صاحب الامر علیہ السلام کی نیابت کے جھوٹے دعوے کر رہے تھے۔ اُنہی ہا نچویں سواروں میں یہ بھی داخل ہوگیا۔ خیریت ہوئی کہ نیابت ہی کا دعوٰے کیا۔ ورنہ امامت کی نسبت بھی دعوٰی کر بیٹھنا ان کی ایسی طبیعت والے آدمی سے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ اِن کے ایسے اور لوگ بھی تھے جو اپنے آپ کو نائبِ امام علیہ السلام مشہور کرکے شیعہ پبلک کو تباہ و برباد کر رہے تھے۔ جن کے حالات پوری تفصیل کے ساتھ ہم عنقریب بیان کرنیوالے ہیں۔ انشاءاللہ المستعان۔

بہر حال اِن گمراہ کنندوں کے زُمرے میں داخل ہوکر منصور حلاج بھی اپنے مغویانہ خیالات کی تمام دنیا کو دعوت دینے لگا۔ مگر چونکہ اور لوگ بھی انہی کے لیے جوڑ پھڑ کا رہے تھے۔ مگر بخلاف اُن کے یہ تھے آدمی چالاک اور شاطر۔ انہوں نے سوچا کہ عوام النّاس میں ہماری دعوت کی مشن اس تیز رفتاری سے کامیابی کی راہوں پر نہیں چلیگی جتنی جلدی امراء و دولتمندان شیعہ میں۔ انہی وجہوں سے انھوں نے اپنی دعوت کا رنگ بالکل علیحدہ نکالا۔ اور عوام النّاس کو چھوڑکر سب سے پہلے امراءَ و اراکین سلطنت کے اعلیٰ اور مقتدر طبقہ میں اپنی دعوت کی سلسلہ جنبانی شروع کردی اور سب سے پہلے جس شیعہ بزرگ کی طرف انھوں نے اپنی چشم عنایت کے ڈورے ڈالے وہ اسمٰعیل ابن علی نوبختی تھے۔ یہ بزرگوار اس زمانہ میں حکومت بغداد کے بہت بڑے اراکین میں سے شمار کیے جاتے تھے۔ اور برائے نام خلیفہ بغداد کے بہت بڑے معتمد علیہ۔ مگر افسوس امنصور حلاج نے ان کو محض معمولی اور محدود استعداد کا آدمی خیال کرلیا تھا۔ حالانکہ اُن کے علم و استعداد کا پایہ اُس زمانہ میں درجۂ اجتہاد کے قریب پہنچا ہوا تھا۔ انھوں نے اپنے اُسی غلط قیاس پر قائم رہ کر پہلے اسمٰعیل کی خدمت میں اپنی آمد و رفت شروع کی۔ اور اپنے ذاتی تقدس۔ تقویٰ اور طہارت کے اظہار میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ جب فیمابین معرفت کلی ہوگئی اور رسم و راہ بھی بڑھ گئی تو ایک دن منصور حلاج نے اُن کے پاس اپنی دعوت کا پیغام بھیجا۔ اسمٰعیل نے اسوقت تو اُسے اور وقت پر ٹال دیا۔ پھر چند روز ہی کے بعد منصور حلاج کی طرف سے پھر یاد دہانی کی گئی۔ پھر اسمٰعیل سے ہاں نہیں کا صاف جواب نہیں دیا۔ غرض ایک عرصہ تک اس مسئلہ میں جانبین سے تحریک ہوتی رہی۔ منصور کی طرف سے ان تمام طوماروں میں جناب صاحب الامر علیہ السلام کی نیابت کے دعوٰں پر دعوت کا استحقاق دکھلایا جاتا تھا۔ جب ان تحریروں میں کوئی اثر پیدا ہوتا ہوا نہیں دیکھا تو اب منصور حلاج نے اپنے معروضات کو طرح طرح کی رنگ آمیزیوں سے رنگنا شروع کیا اور وہ یہ کہ انہوں نے اپنے ایک خط میں اسمٰعیل کو لکھا کہ منصب امامت کے اعتبار پر مجھ کو جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام نے حکم فرمایا ہے کہ ہم آپ کو اپنی دعوت قبول کرنیکی اطلاع دیں۔ اور آپ کو اپنے دائرہ اطاعت میں داخل اور زمرۂ اہلِ عقیدت میں شامل کرلیں۔ اور اپنی وقتی ضرورتوں میں ہمیشہ آپ سے امداد و اعانت کی امید قوی رکھیں۔ مطلب سعدی ہمیں بود۔

جب اِن مراسلات کے مضامین کو پڑھتے پڑھتے اور سمجھتے سمجھتے بیچارے اسمٰعیل تنگ آگئے تو آخر ایک دن اُنھوں نے کھُل کر حسین ابن حلاج کو اس مضمون کا جواب لکھ بھیجا کہ اِن اقسام کے معاملات میں جب تک معجزات و کرامات کے ثبوت نہ پائے جائیں ان کی تصدیق اور معرفت کیلئے زبانی ادّعا کافی نہیں ہوسکتا۔ اِس بنا پر تاوقتیکہ ہم تم میں اِن امور کو بالمشاہدہ نہ پالیں گے تمہاری دعوت قبول نہیں کرسکتے۔ اسلئے ہم نے ارادہ کرلیا ہے کہ ہم اس کی تحقیق میں تم سے اپنا ایک ایسا مطلب بیان کریں جسمیں ہمیں سخت تردد لاحق حال ہے۔ اگر تم نائبِ امام ہو تو اپنی قوتِ اعجاز سے میری خاطر خواہ جواب دیدوگے۔ تو البتہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری عقیدت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لوں گا۔ اُس وقت مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔ اب جو میری حاجت ہے وہ یہ ہے کہ ایک عرصہ سے مجھے محض ہوسناکی کا مرض لاحق ہے اور آج تک میری زندگی کا بہت بڑا حصہ عیش و عشرت اور شاہدان قبول صورت کی صحبت میں بسر ہوا ہے۔ میرے پاس بہت سی خوبصورت کنیزیں ہمیشہ موجود رہی ہیں۔ اب میں بوڑھا ہونے آیا۔ میری ڈاڑھی کے بال سفید ہوگئے۔ اور اب مجھکو با ایں ریشِ سفید اُن شاہدانِ نوخیز کے سامنے جانا نہایت نازیبا اور بے موقع معلوم ہونے لگا تو میں نے خضاب لگانے اور اِس دھوکے کی ٹٹی میں اپنے آپ کو جوان بنانے کی تدبیر سوچی۔ اگرچہ یہ ظاہری پردہ کسی قدر میری عیب پوشی کرتا ہے مگر یہ عیب شاید ایک ہفتہ سے زائد پوشیدہ نہیں رہتا اور آٹھ دن کے

بعد پھر مُنہ میں سیاہی لگانی ہوتی ہے۔ اِس کے علاوہ خضاب لگانے کی زحمتیں اور اُس کی ترکیب و ترتیب کے تمام اہتمام اِن سب پر المضاعف ہوتے ہیں ع ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر۔ اب آپ سے التجا ہے کہ آپ دعا فرما کر میری اس سفیدی کو سیاہی سے مبدّل فرما دیجئے تو میں آپ کی معجز نمائی کا قائل ہو کر ہمیشہ آپ کی عقیدت اور اطاعت میں سرگرم اور مستعد رہوں گا۔ اسمٰعیل کے ایسے بزرگ سے ایسے ارمان و تمنا کی بابت سوال کرنا سخت حیرت کا باعث ہوتا ہے۔ مگر نہیں کلّموا النّاس علےٰ قدر عقولھم۔ انسان سے اُسکی عقل کے موافق باتیں کرو۔

حسین ابن منصور حلّاج کی جتنی بساط تھی۔ اور اُن کی عقل و دانائی اور فہم و شعور کی جیسی رسائی تھی ویسا ہی اُن سے سوال بھی کیا گیا۔ چنانچہ حلّاج بھی اسمٰعیل کی تہ کو پہنچ گئے اور اُن سے اپنی دعوت کو بالکل فضول اور بے سود سمجھکر اپنے دل میں آپ ہی آپ ایسے نادم اور پشیمان ہوئے کہ پھر نہ ان کی خدمت میں اپنی دعوت کے لئے کوئی خط بھیجا اور نہ پیام۔ اور اُس دن سے ان امور میں ایسا سکوت اور خموشی اختیار کر لی کہ پھر جھوٹوں کبھی اِس کا کسی سے ذکر بھی نہیں کیا۔ ہاں اسمٰعیل نے البتہ اپنی خلوت و جلوت کی صحبتوں میں اس نقل کو اپنے احباب کے مذاق کیلئے ایک مضحکہ اور پر لطف مطائبہ بنا لیا اور بہت دنوں تک منصور حلّاج اسمٰعیل کی محفلِ احباب میں نقلِ پروانہ بنے رہے +

منصور حلّاج اور شیعیانِ قم

مگر اتنی ذلّت اور رسوائی کے بعد بھی منصور حلّاج کو غیرت نہ آئی۔ جب انھوں نے اسمٰعیل سے اپنا کام نکلتے نہیں دیکھا تو جیسا ابو عبد اللہ حسین ابن علی قمی کا بیان ہے۔ منصور حلّاج نے اپنی عالم فریبی کی ایک دوسری تدبیر نکالی۔ اور یہ سوچ کر کہ بغداد اور اُس کے قرب و جوار کے شیعوں میں اُن کی مغویانہ مشن کامیاب نہ ہو سکیگی تو انہوں نے بیرونجات کے عوام الناس میں جو شہر کے لوگوں سے مذہبی واقفیت میں کم حصہ رکھتے تھے اپنی کامیابی کی امید نکالی۔ اور اسی وجہ سے انھوں نے بغداد کو خیرباد کہکر سفر اختیار کیا۔ اور وہاں سے اُٹھ کر یکسر شہر قم میں جا پہنچے جو اُسوقت شیعوں کی قابلیت اور جامعیت کا مرکزی مقام تھا۔ یہاں بھی پہنچکر انھوں نے شیعوں میں اسمٰعیل کی طرح سب سے بڑا گھر تاکا۔ اور سب سے پہلے جس شخص سے انھوں نے اپنی دعوت اور ہدایت کی تحریک پیش کی وہ ابوالحسن تھے جو اپنے ذاتی عزّ و وجاہت کے باعث تمام شیعوں کے رئیس شمار کئے جاتے تھے۔ اُن کے پاس یہ پیغامِ زبانی بھی گیا۔ اور احکامِ تحریری بھی جس کے ذریعہ سے کچھ انہی کی نہیں بلکہ اُن کے تمام اعزا و اقارب غرض تمام قبیلہ کی دعوت کے واسطے لکھا گیا۔ اور صاف صاف لفظوں میں یہ لکھا گیا کہ حضرت صاحب الامر علیہ السلام نے اُن کو ابوالحسن اور اُنکے تمام قبیلہ او رعشیرے کی ہدایت اور دعوت کیلئے بھیجا ہے۔

راوی حدیث ابو عبد اللہ حسین ابن علی جو ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے تھے بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حلّاج کا یہ رقعہ آیا اُسوقت میں ہی تنہا باہر دروازے پر تھا۔ اس لئے میں ہی اُس رقعہ کو لیکر ان کی خدمت میں اندر گیا اور اس رقعہ لانیوالے کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔ انھوں نے وہ رقعہ مجھ سے لیکر اور پڑھ کر فوراً پارہ پارہ کر ڈالا۔ اور اُس لانیوالے سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ تم کیسے نادان اور جاہل تھے جو ایسی مہمل اور گمراہانہ دعوت کی رسالت پر راضی ہو گئے۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ شخص اپنی تحریر میں آپ کی دعوت کرتا ہے اور آپ اُس کی تحریک کو پارہ پارہ کئے دیتے ہیں۔ اس شخص کا جواب سن کر تمام گھر کے لوگ بے ساختہ ہنس پڑے۔ ع

وزیرے چنیں شہریارے چناں

چونکہ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کی تجارت اُسوقت نہایت عروج پر تھی اور اُن کا کاروبار پورے اوج پر تھا۔ اسلئے وہ اتنی تقریر کے بعد اپنی دُکان پر چلے گئے۔ یہاں آئے تو اپنی دکان پر ایک مجمع کثیر دیکھا جن میں تمام لوگ تو ان کے جانے اور

پہچانے تھے مگر ایک شخص اُس میں محض ناآشنا پایا گیا غرضکہ اُن کو دیکھتے ہی وہ مجمع کا مجمع تعظیم کیلئے کھڑا ہوگیا سوائے اُس شخص اجنبی کے۔ وہ اپنی جگہ پر بیٹھے کا بیٹھا ہی رہ گیا۔ اور اپنے مقام سے ذرا بھی نہ ہلا ابوالحسن نے اپنی خوش اخلاقی سے ان کی اس کج ادائی کی طرف کوئی اعتنا نہیں کی اور اپنے مقام پر جاکر اپنے کاروبار کا حساب وکتاب کرنے لگے۔ ابھی انھوں نے اپنا کام شروع نہیں کیا تھا کہ اُن کو اس مردِ اجنبی کی حقیقت معلوم کرنے کا خود خیال آیا۔ انھوں نے حاضرین میں سے ایک صاحب سے مخاطب ہوکر پوچھا کہ یہ حضرت جو بیٹھے ہیں کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ اُنھوں نے آپ کا حال کہدیا۔ اور رقعہ والا واقعہ دُہرا دیا۔ اِس سوال وجواب کو سُن کر اب منصور حلاج اپنے آپے میں نہ رہے۔ ایک مرتبہ ابوالحسن علیہ الرحمۃ سے مخاطب ہوکر کہنے لگے کہ سبحان اللہ! میں خود تمہارے پاس موجود ہوں اور اس پر بھی تم میرا حال میرے سامنے دوسرے لوگوں سے پوچھتے ہو۔ ابوالحسن نے جواب دیا کہ میں نے آپ کی آداب شناسی اور پاس ولحاظ کی وجہ سے آپ کو اپنا حال بیان فرمانے کی زحمت دینا خلافِ مروّت سمجھا۔ بلکہ آپ کی تعریف دوسرے لوگوں کی زبانی سُن لی تو اس میں کونسا مضائقہ ہوا۔ بلکہ یہ تو آپ کی مزید خوشنودی کا باعث ہونا چاہیے میں نے تو صرف آپ کے پاس ادب سے آپ سے خود نہ پوچھا۔ حلاج نے ترشرو ہوکر جواب دیا۔ سُبحان اللہ! آپ میرے رقعہ کو پھاڑ ڈالتے ہیں۔ خدا کی شان میں بیٹھا بیٹھا تماشا دیکھ رہا ہوں اب تو ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اِن کے تیور میلے دیکھکر اپنے حُسنِ اخلاق کے آئندہ اظہار کو مناسب نہ سمجھا اور پوچھا اخاہ! آپ ہی اُس رقعہ کے لکھنے والے ہیں۔ اتنا کہکر اُنھوں نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ گردن میں ہاتھ دیکر اُن کو دکان سے نیچے اُتار دو۔ غلام نے فوراً اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی جب یہ ع پا بدستِ دِگراں دست بدستِ دگراں۔ کی ذلت ورسوائی اُٹھا چکے تو ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے اِن کو مخاطب کرکے کہا کہ استغفر اللہ! یہ مردِ جاہل معجزات وکرامات کا دعوےٰ کرتا ہے۔ خدا اس پر لعنت کرے۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد کسی نے حلاج کی صورت شہر قم میں نہ دیکھی۔

بہرحال۔ یہ تھے منصور حلاج کے واقعات جو فریقین کے مشاہدِ تاریخی سے تفصیلاً لکھے گئے۔ موجودہ تفصیل و تشریح سے مؤلف کی اول غرض تو اُن واقعات کا التزام اور سلسلۂ تالیف کا نظام تھا جو مقتدر باللہ کے عہدِ حکومت میں علی التسلسل گزرے۔ اس کے علاوہ دوسری بہت بڑی ضرورت جس نے مؤلف کو اس کی موجودہ تفصیل وتشریح پر بالکل مجبور کردیا وہ دنیا کو صرف یہ دکھلا دینا ہے کہ علمِ اشراق اور تصوف کی مشق کرنیوالوں نے اپنی آزادی اور مطلق العنانی اور سلطنت کی مرتبہ افزائی اور قدردانی سے اپنی شہرت اور عزت حاصل کرنے کی خاص اغراض سے۔ اس میں اسقدر ترقی کی کہ ان کے موجودہ عقائد میں ارتداد کی بُو آنے لگی جو علمائے شریعت کی ناگواری طبع کا سخت باعث ثابت ہوئی۔ اور اعجاز وکرامات ودیگر خرقِ عادات کے درجہ سے بڑھا کر ان کو الوہیت کے مدارج تک بڑھا لے گئی معاذ اللہ یہ کیا تھا۔ جہاں تک میرا خاص خیال ہے یہ افراط وتفریط کا باعث تھا اور کچھ نہیں۔ جو بے احتیاطی اور شریعت کے کس مپرسی کردیئے جانے کی وجہ سے لاحق ہوئی تھی۔ مگر ان حضرات کے مقابلہ میں اُن بزرگواروں (ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین) کے اقوال وگفتار اور اطوار ورفتار کو بھی دیکھنا چاہیئے اور ان کی علمی استعداد اور شرعی پابندی کو ان کے عملیات سے ملائیں تو اَلْاَصْلُ لِلْاَصْلِ وَالنَّقْلُ لِلنَّقْلِ کا کامل جلوہ آنکھوں کے سامنے پھر جائیگا۔ اور حق و باطل کا خاص مشاہدہ نظر آجائیگا۔ کیا کوئی شخص اِن ذواتِ مقدسہ کے اقوال وارشاد میں بھی ان لغویات اور حشویات کا پتا پائیگا اور اُن کی کسی تدبیر اور تجویز سے اُن کی ذاتِ خاص کی طرف ایسے جھوٹے دعوے جن سے کفر و ارتداد کے شبہے ہوتے ہوں دیکھے جائینگے۔ اگر جانبین کے صرف اقوال ہی کا باہم موازنہ اور مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوجائیگا

کہ اُن خاصانِ خدا کے حقیقی اوصاف ومحامد اور فضل وکمال کو ان لوگوں کی ظاہری ملمع کاریوں سے کوئی واسطہ اور سروکار ذرہ بھر نہ تھا۔ اُن کے محامد حقیقت کے آئینے ہیں اور ان کے طریقے اغوائے عالم کے حیلے۔ اور دنیا فریبی کے مستحکم اور قوی آلے۔ اُن کے اقوال وارشاد ہدایت کے چشمے اور خیر وبرکت کے دریا ہیں۔ ان کے کلام اور احکام شریعت کے مخالف اور ایجاد واختراع کے مطابق تمام اخلاقی کمزوریوں کے مصدر ہیں۔ ان مثالوں کیلئے دور کیوں جائیں۔ حسین ابن منصور حلاج کے وہ اقوال جو ابھی ابھی روضۃ الصفا کی اسناد سے اوپر لکھے گئے غور سے دیکھ لئے جائیں اور اُن کے اصلی مطالب ومقاصد پر غور وتامل سے کام لیا جائے تو نہایت آسانی سے فرق وما بہ الامتیاز معلوم ہو سکتا ہے اور ہر شخص حقیقتِ حال کو پا سکتا ہے۔ کہاں ہیں مشائخ موصوفین کو حضراتِ ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین سے عظمت میں۔ تقوٰی وطہارت میں اور فضل وکمال میں مساوی اور مقابل بتلانے والے آئیں اور وہ منصور حلاج کے اُن اقوال کو جو اوپر لکھے گئے ہیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور پڑھکر بتلائیں کہ اُس نے اپنے خدا ہونے کے دعووں میں کونسی بات اٹھا رکھی ہے اور اپنے کفر والحاد کے اظہار میں کونسا تسمہ لگا رہنے دیا ہے جس کی وجہ سے اُس کے ان اقوال کو اُس کی طرف نسبت نہ دی جا سکے۔ یا اُس کے ایسے صاف اور کھلے ہوئے کفر والحاد کی کوئی معقول اور معنی خیز تاویل کی جا سکے۔ حقیقتِ امر یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت ان اقوال کیلئے پیدا نہیں کی جا سکتی اور آخر کار ہر طرف سے مجبور ہو کر امام منصوب من اللہ اور ماموم من الناس کے امتیازی مسئلہ کو ان کی دلائل کے ساتھ ماننا پڑتا ہے اور سوائے تسلیم کے اور کوئی دوسرا چارہ معلوم نہیں ہوتا +

مقتدر کی آخر حکومت میں امرائے سلطنت کا فساد

بہرحال اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ مقتدر کے زمانہ میں بھی دو بڑے واقعے گزرے جو اوپر بیان کئے گئے ان کے بعد مقتدر کے بقیہ ایامِ حکومت میں جو فتنہ وفساد واقع ہوئے اور ان کی وجہ سے جو جو مصیبتیں اُسکو تنہا اپنی جان ومال پر اٹھانی ہوئیں وہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۳۱۷ھ ہجری میں مونس خادم اور ابو الہیجا ابن حمدان اور بہت سے امرا نے بغاوت پر کمر باندھی۔ اسکی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ ان لوگوں نے اپنی کوئی غرض مقتدر سے عرض کی تھی جسکو اُس نے ان کی خاطر خواہ پورا نہ کیا۔ پھر کیا تھا ان کے تیور بدل گئے۔ مقتدر بھی اُن کے طور بطور دیکھکر تاڑ گیا۔ اور ایک دن ان کو اپنی خلوتِ خاص میں بُلا کر اور اپنے حقوق پرورش دکھلا کر کہنے لگا کہ دنیا میں کفرانِ نعمت اور احسان فراموشی کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہونے والا۔ ان لوگوں نے بادشاہ کا وعظ وپند تو سُن لیا مگر اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ دربار سے جب اپنے اپنے گھر واپس آئے تو اپنے ہمخیالوں میں اپنی سرگذشت کو دُہرایا۔ وہ بھی سب کے سب ایک بارگی اٹھے اور ان کی ہمراہی میں دار الامارۃ پر چڑھ دوڑے۔ اُن کی کثیر جماعت دیکھکر مظفر ابن یاقوت جو مقتدر کا حاجب تھا کچھ ایسا ڈرا کہ تمام سلطانی ملازمین کو جو قصرِ سلطانی کی حفاظت پر مامور تھے اپنے ہمراہ لیکر بھاگ گیا۔ مونس خادم اور اُسکے تمام ہمراہی خالی مکان را دیو گیرد کے معنوں میں بلا مزاحمت قصرِ شاہی کے اندر گھس پڑے۔ مقتدر۔ اس کی ماں بہنوں اور تمام بال بچوں کو اپنے گھر بھجوا دیا۔ ایسے وقت میں ان لوگوں سے ایسی انسانیت بہت غنیمت اور قابل قدر سمجھی گئی پھر اسکے بعد مقتدر کو اتار کر جدت پسندوں نے اُسکے چھوٹے بھائی محمد ابن معتضد کو تختِ سلطنت پر بٹھلا دیا۔ اور اُس کو القاہر باللہ کے لقب سے مشہور کیا +

قاہر باللہ کا فوری عزل

قاہر کی تخت نشینی کے انتظام جب قہر وغلبہ کے اجماعی اصول سے درست اور مرتب کر لئے گئے تو جدت پسندوں نے قاضی ابو عمرو کو

مقتدر کے پاس بھیجا اور یہ پیام کہ آپ امرا امانت بطیبِ خاطر واپس کر دیں اور قاہر کی اطاعت اختیار کر لیں جس کو مقتدر نے جان بچنا ہزار نعمت سمجھ کر فوراً قبول کر لیا۔ اور تمام امورِ ملکی سے دست بردار ہو کر جدید نظامِ حکومت کا مطیع و فرمانبردار ہو گیا
اب سنئے جدید منتظمین نے خلافتِ بغداد کے نوشاہ کا حاجب ایک غلام رومی مقرر کیا۔ جس کا نام بازوک تھا بازوک نے اپنے اختیار و اقتدار کے اعتبار پر محافظینِ دار الامارۃ کو قصرِ شاہی کے اندر بود و باش اختیار کرنے سے روکا۔ اور اُن کو ایک بار باہر چلے جانے کا حکم دیا۔ اُن لوگوں کو بازوک کی یہ حرکت نہایت بُری معلوم ہوئی اور وہ سب کے سب ایک بار حملہ کر کے جدید خلیفہ کے قصر پر چڑھ دوڑے اور اپنا یومیہ طلب کرنے لگے۔ یہاں خزانہ شاہی میں خیریت سے پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی جو دی جاتی۔ قاہر اُن کا شور و غل سنتے سنتے عاجز آ گیا تو اُس نے اپنے حاجب بازوک کو بلا کر کہا کہ ان لوگوں کو بملائمت و تالیفِ قلوب سمجھا بجھا دے اور اس فتنہ و فساد کو فرو کر دے۔ بازوک باہر آیا اور ان لوگوں کی جماعت کو مسلح پا کر سخت گھبرایا۔ بازوک اُن کے سامنے سے بھاگنے ہی کو تھا کہ ان لوگوں نے اس کو پکڑ کر فوراً مار ڈالا۔ ان معاملات کی خبر مقتدر کے بہی خواہوں کو ہوئی۔ وہ تو ایسے وقتوں کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ اپنے اپنے مقاموں سے نکلکر تمام شہر بغداد میں فتنہ و فساد مچاتے ہوئے دار الامارۃ میں گھس پڑے اور ابنِ حمدان موجودہ وزیرِ سلطنت کو قتل کرتے ہوئے مونس کے گھر پہنچے۔ اور وہاں سے مقتدر کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے اور زندہ آدمی کو اچھا خاصہ مُردہ بنائے قصرِ خلافت میں لے آئے اور تختِ حکومت پر بٹھلا کر اُس کی اطاعت اور بیعت اختیار کر لی اور اُس کو پھر تمام ممالکِ اسلامیہ کا فرمانروا تسلیم کر لیا +

مقتدر کی تخت نشینی اور اُس کا فوری قتل

مقتدر نے پھر تختِ حکومت پر بیٹھکر اپنے حُسنِ اخلاق اور برادرانہ موانست کی یہ قدرت دکھلائی کہ اپنے چھوٹے بھائی قاہر باللہ کیلئے امان لکھ کر اُسکو اپنی حفاظت میں لیلیا اور اپنی طرف سے اُسکو اچھی طرح مطمئن کر دیا۔ مگر افسوس! یہ برادرانہ الفت و محبت بھی وقتی حیلہ ثابت ہوئی۔ اسکے بعد فوراً ہی مقتدر نے قاہر کو مجلسِ شاہی میں قید کر دیا۔ اور اُسکے مایحتاج کی معمولی طور پر خبر لینے لگا۔ دو برس تک مقتدر پھر سلطنت کے مزے چکھتا رہا اور عیش کرتا رہا اُس نے باوجود ان امور کے اپنے خادم مونس کے اعزاز اور حفظِ مراتب میں کوئی کوتاہی اور کمی نہیں کی۔ اس وجہ سے کہ وہ اُسے خلافت کا اصل الاصول سمجھتا اور حقیقتہً تھا بھی ایسا ہی۔
اب سنئے ۳۲۰ھ ہجری میں دربارِ بغداد کے جوڑ پھر کانے والوں نے مونس سے یہ جا لگایا کہ مقتدر اپنے موجودہ وزیر حسین ابن قاسم کی ترغیب دلانے اور بہکانے سے تمہارے مقید کرنے کی فکر میں ہے۔ یہ خبر سُنکر مونس وزیر اور خلیفہ کی طرف سے ہوشیار ہو گیا۔ ایک تو اُس واقعہ سے وہ مشتبہ ہو ہی چکا تھا۔ اُس کے ایسا ایک دوسرا واقعہ اس کے مشاہدے میں آیا۔ اب مونس کی وحشت اور بھی بڑھی تو اُس نے بغیر خلیفہ کی مشورت اور اجازت کے موصل کا راستہ لیا۔ اور یوں موقع سے ٹل گیا صرف راستہ سے ایک عریضہ مقتدر کی خدمت میں بھیجدیا۔ اور اس میں اپنے حقوقِ خدمت اور خلیفۂ عصر کی بے توجہی اور غیر التفاتی کی بہت کچھ شکایت لکھدی۔
اب سنئے کہ اس عرضی کا کیا نتیجہ نکلا۔ مونس کا ملازم خاص جب اُس کا یہ معروضہ لیکر دربار میں حاضر ہوا تو وزیر نے اُس سے پوچھا کہ مونس کی تحریر کا مضمون کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جو کچھ ہے وہ خلیفۂ عصر کی خدمت میں عرض کیا جائیگا اور کسی دوسرے سے نہیں کہا جا سکتا۔ اُس کا یہ جواب پا کر وزیر جل گیا اور اس نے فوراً سارا قصہ مقتدر سے کہا۔ مقتدر نے اس ملازم کے نام اس مضمون کا ایک رقعہ لکھا کہ تم جو مونس کی طرف سے میرے نام تحریر لائے ہو وہ وزیرِ سلطنت کو دیدو اس رقعۂ شاہی پر بھی اُس وفادار غلام نے کوئی اعتنا نہیں کی۔ اور وزیر کو نہ وہ خط دیا اور نہ اس سے اُس کا پیام

دہرایا۔ وزیر سے جب کچھ بنائے نہ بنا تو اُس نے اُس ملازم کا مکان جو بغداد میں تھا گرا دیے جانے اور مسمار کرا دیئے جانے کا حکم دیا۔ فوراً تعمیل حکم کی گئی۔ اُس غریب کا مکان گرا دیا گیا۔ مگر تاہم اُس شخص نے اُف نہیں کی اور نہ مونس کے خط کو وزیر کے ہاتھ میں دیا۔ اور نہ اُس سے کچھ زبانی کہا۔ آخر کار مونس کے غلام کو مقتدر کے پاس لیگئے۔ اُس نے مونس کا خط نکال کر مقتدر کو دیا۔ مقتدر نے پڑھا۔ مونس اسی خط کے جواب کا انتظار کر رہا تھا اور راستہ میں مقیم تھا۔ مقتدر نے اسی وقت ایک محبت نامہ مونس کے نام لکھا جس میں بہت کچھ اس کی دلجوئی اور خاطرداری کی باتیں لکھیں اور اس کو تمام شبہات کی طرف سے مطمئن اور فارغ البال کر دیا اور اپنے پاس فوراً چلے آنے کی تاکید قلمبند کی۔

حسین ابن قاسم وزیر السلطنت کو جب اس کا پالیٹ ہونے کی خبر ہوئی تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اُس نے اُسی وقت حمدان کے نام جو علاقہ موصل کے گورنر تھے ایک خط لکھا۔ اُس کا مضمون یہ تھا کہ مونس جہاں کہیں پایا جائے اس سے جنگ کی جائے اور اسکی ہمراہی جمعیت کو تباہ و برباد کر کے اس کو مقید کیا جائے۔ اور اگر اس کے قید کرنے کا موقع نہ ملے تو کم سے کم اسکو غیر ملک کی طرف نکال دیا جائے۔ جب وزیر کا یہ حکمنامہ پہنچا تو تمامی آلِ حمدان نے اُس سے اتفاق کر لیا۔ مگر ایک داؤد نے اپنی قدیم رسم و راہ کی وجہ سے پہلے تو کچھ انکار کیا مگر بھائیوں نے اپنی رائے میں اُس کو بھی لے لیا۔ مگر تاہم داؤد کے دل میں ایک خلش باقی ہی رہی۔ یہانتک کہ باہم جانبین سے مقابلہ و مقاتلہ کی نوبت پہنچ ہی گئی۔ شروع جنگ سے داؤد برابر کہتا تھا کہ میرے جملہ امور میں مونس نے میرے ساتھ عام عطا و احسان قائم رکھے ہیں۔ اور میں اس وقت اس کے خلاف میں مقابلہ پر موجود ہوں مجھے یقین ہے کہ مجھ کو اس محسن کشی۔ احسان فراموشی اور کفرانِ نعمت کی سزا ضرور ملنی چاہئے۔ اور اگر کچھ نہیں تو ایک تیر کا پیکان ہی ہی۔ مگر وہ بھی میرے لئے ایسا کارگر اور کافی ثابت ہوگا کہ میں اس کے صدمہ سے کسی طرح جانبر نہ ہوسکونگا۔ حسن اتفاق سے ایسا ہی ہوا۔ کسی کا تیر عقب سے آکر اس کی گردن پر ایسا بیٹھا کہ داؤد زمین پر بیٹھکر پھر نہ اُٹھا۔ یہ عالم دیکھتے ہی باوجود اس کے کہ بنی حمدان کی جمعیت اُس وقت تیس ہزار مسلح جوان اور مونس کے ساتھ کل آٹھ سو آدمی تھے مگر ذرا بھی میدان جنگ میں نہ ٹھہر سکے۔ فوراً بھاگ کھڑے ہوئے۔ مونس اطمینان و فراغت سے حریف کو پسپا کر کے شہر موصل پر قابض ہو گیا۔ اور کامل سات مہینے وہاں کے تمام انتظامات درست کر کے ایک معتدبہ جمعیت کے ساتھ شہر بغداد پر حملہ آور ہوا۔ مقتدر یہ خبر پاکر اس کے مقابلہ سے دست بردار ہوا مگر امراؤ خوانین سلطانی نے اس امر کو شان خلافت کے خلاف سمجھا۔ اور کسی نہ کسی طرح مقتدر کو مونس کے مقابلہ پر نکالا۔ مونس کی فوج بھی غنیم کے مقابلہ پر آگئی اور قبل اس کے کہ مونس خلیفۂ عصر کی جان کے تحفظ اور امان کیلئے کوئی بندوبست کر سکے اس کی جمعیت نے فوج سلطانی کے اس حصہ کو مار بھگایا۔ جس میں مقتدر خود شریک تھا۔ اسی بھاگڑ میں مقتدر پھنس گیا اور گرفتار کیا گیا۔ مونس کے آدمیوں کو ہر چند یہ اپنا نام و نشان بتلاتا رہا کہ میرا نام مقتدر ہے۔ میں خلیفہ ہوں اور تمہارا فرمانروا۔ مگر کسی نے ایک بھی نہ سُنی۔ اور اس کا سر اُسی وقت تلوار سے جدا کر ڈالا۔

یہ تھے سلطنتِ مقتدر کے خاص اور چیدہ حالات۔ اُس کی چوبیس سالہ مدتِ حکومت میں زمانے نے کیسے کیسے رنگ بدلے اور اپنے تصرفات کے عجیب غریب طلسمات دکھلائے کبھی پورے شاہانہ جاہ و تجمل سے مقتدر تختِ حکومت پر بیٹھا اور کبھی پوری ذلت و حقارت کے ساتھ قید خانہ کی کھُلی اور تنگ زمین پر۔ امراؤ ارکین سلطنت کے وہ تغیر پسند انداز ہو رہے تھے کہ ان کے لئے ایک ساعت کا قیام و استحکام بھی غیر ممکن تھا ان کی ثروت و اقتدار اور قوت و اختیار کے سامنے مقتدر کا کوئی وجود و اس ہستی نقی اُس کا دارومدار انہی امرا کی خوشامد پر منحصر تھا یہ راضی ہیں تو سب کچھ ہے نہیں تو کچھ بھی نہیں متوکل کے وقت ہی سے خلافت بغداد کا یہ حال ہو رہا تھا جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا خلیفہ کی کمزوری اور خلافت کی بدنظمی ترقی کرتی گئی۔

یہانتک نوبت پہنچی کہ خلیفہ کوئی شئے باقی نہیں رہا اور امرا واراکین سب کچھ ہو گئے۔ مقتدر میں کوئی بدی ثابت نہیں ہوتی اور اسیں کوئی کلام نہیں کہ اس کی طبیعت فتنہ و فساد سے بالکل خالی تھی مگر بات صرف یہ تھی کہ تھا وہ طبیعت کا اتنا بودا اور کمزور کہ اپنی سلطنت وحکومت کے اتنے دور ودراز عرصہ میں بھی اپنی سلطنت سنبھالنے اور اپنے آپ کو امرا واراکین کی قید بندیوں سے نکالنے کی کوئی تدبیر اور کوئی سبیل نہ کرسکا۔ اور جس حالت سے کہ روز اوّل تختِ خلافت پر بیٹھا تھا اُس صورت سے آخر روز تک قائم رہا۔ اگرچہ اس زمانہ میں وہ کئی بار تختِ خلافت سے اُتارا اور بٹھلایا گیا۔ اور قید وحبس کی ذلت وحقارت تک پہنچایا گیا۔ اور اس وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ اُن کو ان حضرات کی بیوفائی اور قابو پرستی کا کافی اندازہ ہو چکا تھا۔ مگر تاہم اِن تمام امور میں ان مشاہدات کو اپنی آنکھوں سے دیکھکر بھی ہوشیار نہ ہوا۔ اور ان کے متعلق کچھ بھی نہ کرسکا یہ تمام امور اُس کی ذاتی کمزوری کا باعث تھے۔ اور ان وجوہ سے وہ کبھی حکومت کے شایاں نہیں تھا اس کی طبیعت کی کمزوری کا دوسرا اہم بڑا ثبوت یہ تھا کہ امرا واراکین ملکی کے علاوہ اس کی کنیزوں اور محل کی عورتوں کو بھی نظامِ ملکی میں پوری مداخلت حاصل تھی۔ چنانچہ اُس کی ماں کی ایک محلدار جو زنِ حبشیہ تھی دربارِ شاہی میں آکر اور علما وفضلا کے پہلو دبا کر روز بیٹھا کرتی تھی عرصہ تک تمام وزرا وامرائے حکومت اُسی کی صلاح ومشورت سے امورِ حکومت اور کاروبار سلطنت چلایا کئے۔

قاہر باللہ کی بار دیگر حکومت

مقتدر مارا گیا۔ مونس کو اس کے مارے جانے کا سخت صدمہ ہوا۔ اور اپنی جماعت کے اُن آدمیوں کو بُلوا کر جو مقتدر کے قتل کے درپے ہوئے تھے بہت سخت ڈانٹا اور بڑی لے دے کی مگر اب تو جو ہونے والا تھا وہ ہو چکا تھا۔ اب اس زبانی تلافی سے کیا نتیجہ نکل سکتا تھا۔ اس لئے مونس کا ارادہ تھا کہ مقتدر کے بعد اس کا بیٹا خلیفہ بنایا جائے مگر دیگر امرائے سلطنت نے اُس کی اس تدبیر سے اتفاق نہیں کیا اور کہا کہ خدا خدا کرکے ابھی تو ہم ایک ایسے بادشاہ کے پنجے سے چھوٹے ہیں جس نے ہمارے ساتھ اپنی ماں، خالہ اور کنیزوں تک کو نظامِ حکومت اور انتظام سلطنت میں شریک کردیا۔ تو اس کے بعد پھر اسی کے بیٹے کو اپنا بادشاہ اور فرمانروا تسلیم کرلیں۔ وہ ہمارے ساتھ اپنے باپ کے طریقوں پر ضرور چلے گا۔ خدا کی قسم ہم لوگ کبھی ایسے بچہ کا حکمراں ہونا کسی طرح پسند نہیں کریں گے۔ ہاں اُس شخص کو البتہ اپنا امیر اور پیشوا قبول کریں گے جو عاقل ہو اور فہم وشعور تمام امورِ ضروری میں کامل۔ صاحبِ تدبیر ہو اور اہلِ تجویز۔ اور ہم لوگوں کو اُس کے مزاج میں تصرّف اور مداخلت کا پورا موقع مل سکے۔ ابو یعقوب کی اس تقریر سے جو دفتر وزارت کی طرف سے اُس نے مونس کے خلاف میں کی تھی تمام اہلِ حلب نے اتفاق کیا۔ اور مونس کو بخیالِ قدامت اگرچہ اِس وقت تک مقتدر کے بیٹے ابوالعباس کے سوا کسی دوسرے کا حکمراں ہونا ہرگز منظور نہیں تھا مگر اُس نے اجماع کے خلاف کرنے کو بھی اِس وقت کسی طرح مناسب نہ سمجھا۔

مونس خاموش ہو رہا۔ امرا واراکینِ سلطنت نے قاہر کو خلیفہ بنایا۔ مونس نے خاص طور پر قاہر سے اِن امور کی نسبت اقرارِ حلفی لیا کہ وہ اپنے تمام ایامِ حکومت میں مونس۔ یلیق اور اُسکے بیٹے علی ابن یلیق کی جان ومال سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہیں کریگا۔ یہ اقرار نامہ مُہر ودستخطِ شاہی سے مرتب اور مزین ہو کر تمام وزرا وامرا کے دائرہ میں مشتہر ہو گیا۔

تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی قاہر نے علاقہ فارس سے ابن مقلہ کو بلا کر اپنا وزیر بنایا۔ یہ شخص جملہ علوم وفنون اور تمامی صنائع وبدائع میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اور آج تک اسلام کے اُن چیدہ لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے جو بہ اعتبار فضل وکمال کے ہر طبقہ اور ہر درجہ میں مشہور ومعروف ہیں۔ خصوصاً فنِ کتابت میں یہ فرد واحد یقین کیا جاتا ہے۔ قاہر نے وزارت کا عہدہ ابنِ مقلہ کو عنایت کیا اور حجابتِ شاہی کا منصب یلیق کے بیٹے علی کے سپرد کیا +

قاہر کے مظالم اور مقتدر کی ماں کی گرفتاری

قاہر کے رُخ بے رُخ دیکھکر مقتدر کی تمام اولاد ادھر اُدھر ہوگئی۔ کوئی کہیں چھپا کوئی کہیں۔ قاہر نے سب سے پہلے مقتدر کی ماں کی گرفتاری کا حکم دیا۔ یہ بیچاری عرصہ سے مرضِ استسقا میں گرفتار تھی۔ شاہی سپاہیوں نے اِس پیرزن کو محلِ شاہی سے باہر کھینچکر دھوپ میں الٹا لٹکا دیا۔ جو کچھ ظاہر طور پر اس کے محلِ خاص میں اثاثہ پایا گیا بلا مزاحمت لوٹ لیا گیا۔ اس پر بھی بس نہیں کی گئی۔ اُس کے بعد اس کو اُس مال وجائداد کے بیچ ڈالنے پر مجبور کیا گیا جسکو اُس نے ایک عرصے سے فقرا و غربائے مکہ و مدینہ زاد اللہ شرفہا کیلئے وقف کر دیا تھا۔ اُس غریب نے جبراً و قہراً اِس کو بھی قبول کر لیا مگر کسی اہلِ اسلام نے مالِ موقوفہ کے خیال سے اس کو نہ خریدا۔ اور اسطرح یہ مال اللہ تھوڑے دن اور تصرفات ناجائز سے محفوظ رہا۔ مگر تابہ کے یہاں تو دربار کے شکم پرستوں کے پیٹ پھٹے جاتے تھے۔ آخر کار جب ان لوگوں نے اُسکو اپنے قبضۂ تصرف میں کسی طرح آتے نہیں دیکھا تو آخر کار مقتدر کی ماں کو ہر طرف سے مجبور کرکے اُسکی بیع کو فوج کے اُن سپاہیوں کے نام لکھوا دیا جو عرصہ سے خالی پیٹ رہ کر غنیمت کی موہوم امید پر آسرا لگائے قلعۂ معلّےٰ میں بیٹھے رہتے تھے۔

مقتدر کی غریب ماں کو افلاس و تنگدستی کے آخر نتیجوں تک پہنچا کر قاہر نے مقتدر کی ذریات اولاد کے بارے میں بے رحمی اور بیدردی کے ایسے ایسے ظلم کیئے جن کے ذکر ناگفتہ بہ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ بھی کوڑی کوڑی کو محتاج کر دیئے گئے +

قاہر سے امرائے سلطنت کا بگاڑ۔ اُسکے نتیجے

اِن تمام مظالم کی سزا قاہر کو بہت جلد ملگئی۔ اُس کی تفصیل یہ ہے کہ تھوڑے دنوں کے بعد قاہر اور بڑے بڑے امرائے سلطنت مثل مونس وغیرہ کے فیمابین نقیض پیدا ہوگئی اور ایک دوسرے سے سخت بدگمان اور بدظن ہوگیا۔ قاہر کو حسنِ اتفاق سے موقع ملگیا۔ اور اُس نے فوراً مونس بلیق اور علی ابن بلیق کو جو سلطنت پر ہر طرف سے حاوی ہورہے تھے قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد اُس نے ابنِ مقلہ وزیر سلطنت کو گرفتار کرنا چاہا۔ کیونکہ اس پر بھی سازش کا جرم ثابت ہوگیا تھا مگر وزیر کو اس کا پتہ لگ گیا۔ وہ جان بچا کر دربار سے چلدیا۔ اور شہر میں پوشیدہ ہوگیا۔ قاہر نے بڑی مستعدی سے اُس کی تلاش کا انتظام کیا۔ اور تمام شہر میں پہرے بٹھلا دیئے۔ ابن مقلہ کی مجبوری اور مصیبت کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ کبھی وہ اندھوں کی صورت میں اور کبھی عورتوں کے لباس میں اس گھر سے اُس گھر میں چھپتا پھرتا تھا۔ ابن مقلہ بہت بڑا چالاک اور ہوشیار شخص تھا وہ اِن حالتوں پر بھی قاہر کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ اُس نے اُسی لباسِ عیاری میں سلطنت کے اور باقی اُمراسے قاہر کے خلاف میں سازش پیدا کی اور باہمی مشورت سے بغداد کے ایک بہت بڑے منجم کو جو اس وقت شہر بغداد میں تمام معروف و مشہور تھا دو سو روپے دیکر یہ کہا کہ تم صرف سیما نامی غلام ترکی سے جو اسوقت قاہر کے نزدیک بہت بڑا خیر خواہ۔ وفادار اور جاں نثار غلام خیال کیا جاتا تھا یہ کہدو کہ امسال کے زائچہ تقویم سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے ہی دنوں میں قاہر پر ایک ایسی سخت بلا نازل ہونیوالی ہے جس سے کسی طرح اسکی مخلصی کی کوئی امید نہیں۔ وہ اُسی بلاؤ مصیبت میں مرجائیگا۔ منجم نے اُسے قبول کر لیا۔ اور اُس کی ہدایت کے موافق سیما کے آگے پورا زائچہ کھول کر رکھدیا۔ اُس کے بعد حسین ابن ہارون اور ابنِ مقلہ بھی پوشیدہ طور پر سیما کے پاس پہنچے اور قاہر کے متعلق بہت سی خشونت آمیز اور وحشت انگیز باتیں دہرائیں خلاصہ یہ کہ ان لوگوں نے سیما کو ایسا بھڑکایا کہ وہ کافر نعمت بھی اپنے آقا کی زحمت دہی پر آمادہ ہوگیا۔ سیما نے پھر تمام ترکی غلاموں کو اپنی سازش میں لیلیا۔ اور پھر ان لوگوں نے ایک بار موقع پاکر قاہر کی آنکھوں میں سلائی پھروادی اور اس کو ہمیشہ کیلئے اندھا کر دیا۔ اور مقتدر کے بیٹے ابوالعباس کو جسکے خلیفہ کیئے جانے کی مونس نے پہلے ہی صلاح دی تھی تخت حکومت پر بٹھلا دیا۔ اور اس کو تمام ممالکِ اسلامیہ کا تاجدار

اور حکمراں تسلیم کرلیا۔ اور خطبہ اور سکہ بھی اسی کے نام سے جاری ہوگیا۔

قاہر کے عادات وخصائل

قاہر کے حالات تمام ذاتی معائب سے بھرے پائے جاتے ہیں۔ اسلام کے مورخین اس کے نقائص فطرت ثابت کرتے ہیں۔ ابن اثیر اور ابو الفدا قاہر کو بہت بڑا ظالم اور جابر لکھتے ہیں۔ روضۃ الصفا میں خاوند شاہ ہروی اس کو ظالم۔ سفاک۔ متہور اور بیباک کے مخصوص القابسے یاد کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ اپنے سلسلہ میں متوکل ثانی کہے جانے کا پورا مستحق تھا۔ بیوفائی۔ عہد شکنی اس کی عادت تھی۔ قتل وغارت۔ ظلم وشقاوت اس کی خاص طبیعت واقع ہوئی تھی۔ اس کے ثبوت میں مونس بلیق اور علی ابن بلیق کے ایسے مقتدر اور معزز امرائے مملکت کا قتل باوجود اس امر کے کہ ان کیلئے خود امان نامہ لکھ چکا تھا موجود ہے یہ تو خیر دوسرے لوگ تھے۔ مقتدر کی ضعیف ماں اور اسکی تمام اولاد واعقاب کے ساتھ اس نے جیسے جیسے ظلم کئے وہ ظاہر ہیں صاف صاف بتلاتے ہیں کہ اس کی کینہ پرور اور رفتنہ جو طبیعت میں قرابت داری اور عزیزداری کی رعایت ومروت مطلق نہیں تھی۔ اس کے دل میں خوف خدا کا مطلق احساس باقی نہیں تھا۔ اس کا قلب پتھر تھا اور سنگین۔ خداترسی۔ بندگان خدا کے ساتھ ہمدردی اس کو چھو نہیں گئی تھی۔ اس کی شہادت میں مقتدر کی غریب ماں اور اس کی جائداد موقوفہ کے واقعات موجود ہیں جن کو وہ سبیل اللہ فقرا وغربائے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفہما کے تفقد احوال کی نظر سے وقف کرچکی تھی۔ قاہر باللہ اپنی عارضی سلطنت وحکومت اور اپنی معمولی دولت وثروت پر ایسا ہی پھولا ہوا تھا اور بھولا ہوا کہ اس کو دین ودنیا کی مطلق خبر باقی نہیں تھی۔ اس کے وقت میں خلافت بغداد میں پہلے سے زیادہ کمزوری آگئی تھی۔ اس کے تمام نظام پارہ پارہ ہوگئے تھے۔ اس کی ترتیب۔ درستی اور اصلاح کی کوئی امید باقی نہیں تھی۔ اس کے وقت میں آل بویہ کی قومیں حدود فارس اور ممالک شرقیہ میں روز بروز بڑہتی ہی جاتی تھیں۔ عضد الدولہ نے اصفہان۔ آذربیجان اور کرمان تک کا تمام علاقہ فتح کرکے اپنی حدود ریاست میں ملالیا تھا۔ اور ان تمام ممالک میں وہ خود مختار اور خود سر امیر تسلیم کرلیا گیا تھا۔ ان کی مدافعت اور استیصال کیلئے قاہر کے بنائے کچھ نہ بنی۔ یہ حضرات جیسے روز اول سے آزاد اور مطلق العنان تھے ویسے ہی رہے۔ بلکہ اپنے تسلط اور سطوت کو یوماً فیوماً ترقی دیتے رہے۔ قاہر نے کل ڈیڑھ برس تک خلافت کا کام کیا۔ وہ اندھے کردیئے جانے کے بعد بھی بہت دنوں تک زندہ رہا اور باون برس کی عمر پائی۔ مگر عموماً اس نے اپنی بقیہ زندگی ایسی بری طرح بسر کی کہ شاید ایسے جینے سے تو مرجانا بہتر تھا۔ چنانچہ مسعودی۔ ابن اثیر اور روضۃ الصفا اس کے آخر وقت کے حالات میں لکھتے ہیں کہ قاہر باللہ اپنی آخر عمر میں بغداد کی جامع مسجد کے دروازے پر بھیک مانگ کر اپنی زندگی بسر کرتا تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ خلافت اسلامی کا خلیفہ اور یہ نتیجہ ؎

زرشتۂ نفس پارہ پارہ شد معلوم + کہ دل بہ ثروت ناپائدار نتواں بست

الرّاضی باللہ کی سلطنت

اس کا نام محمد تھا اور کنیت ابو العباس۔ جس زمانہ میں قاہر اندھا کیا گیا تھا اس وقت یہ قید خانہ میں تھا۔ خدا کے کارخانہ میں کسی کو کیا دخل۔ اسی قید خانہ میں راضی کی شاہی کے شادیانے بجے۔ لوگوں نے اس کو قید سے نکال کر تخت حکومت پر بٹھلایا۔ اور مراسم تخت نشینی کی ادائیگی کے بعد راضی نے پہلا حکم جو دیا وہ ابن مقلہ کی منصب وزارت پر بحالی تھی وزیر بھی اپنی چالوں کا پورا تھا۔ اس منصب جلیلکے پاتے ہی اپنے تمام مخالفین کے ساتھ عام طور سے احسان کرنے شروع کردیئے اور عام طور سے ان امور کے استعجاب پر لوگوں سے یہ بیان کیا کہ میں نے اپنے گزشتہ مصائب کے زمانہ میں اپنے خدائے برحق کی جناب میں وعدہ کیاہے کہ اگر وہ مجھے اس ضیق النفسی کے عالم سے نجات دلوادیگا تو میں اپنے تمام اختلاف کرنیوالوں سے اسکے شکریہ

میں احسان کرونگا اور ان کو اپنا دوست اور خیر خواہ بنا لونگا۔ اسلئے میں نے حسب وعدہ اپنی مخالفت کرنے والی پارٹی سے احسان اور محاسنِ سلوک کا اظہار کیا ہے۔ مگر حقیقتہً یہ تمام باتیں ابن مقلہ کی لفاظی اور صرف زبانی جمع خرچ تھے۔ اور کچھ بھی نہیں نہ خدا سے کوئی وعدہ نہ وعید۔ یہ سب وقتی حیلے تھے اور موقع کی ضرورت۔ ابن مقلہ کو اس وقت عام رضامندی اور دلجوئی کے ذریعے سے منصب وزارت کا حاصل کرنا خاص طور پر منظور تھا۔ اس ترکیب سے وہ اُسے حاصل ہوگیا۔ جب اُس کے امور خاطر خواہ مستحکم ہوگئے تو اُس نے اپنی اختیار کردہ روش ترک کردی اور اپنی آزادی اور خود مختاری کے قدیم طریقوں پر چلا آیا۔ مگر اب پھر وزیر السلطنت ہوگیا تھا کسی کو اس کی تجویز و تدبیر میں چون وچرا کی مطلق گنجائش باقی نہیں رہی۔ مگر کسی کی نہ ہمیشہ بنی رہی اور نہ بنی رہیگی۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد ابن مقلہ کا خط پکڑا گیا جس کو اس نے خلیفہ عصر کے خلاف میں امرائے بغداد میں سے ایک کے نام روانہ کیا تھا۔ راضی کے پاس جب یہ خط پیش کیا گیا تو اس نے یکبارگی اس کی کیفیت کو ابن مقلہ سے ظاہر کرنے کو مصلحت نہ سمجھا۔ اُس کو اپنی خلوت میں لیگیا۔ اور اس خط کا مضمون دُہرایا۔ اور پوچھا کہ تم نے کوئی ایسا خط لکھا ہے۔ اُس نے قطعی انکار کیا۔ خلیفہ چپ ہو رہا۔ دربار عام میں بیٹھا تو پھر اُس خط کا معاملہ پیش ہوا۔ ابن مقلہ بلایا گیا اور اُس کے سامنے وہ خط رکھدیا گیا۔ خط تو اُسی کے ہاتھ کا لکھا تھا۔ وہ انکار کرتا تو کیسے۔ غریب سر جھکا کر شرما گیا۔ راضی نے اسی وقت اس کے دونوں ہاتھ کٹوا دیئے۔ یہ حکم سنتے ہی ابن مقلہ نے بہت کچھ دوہائی دی اور چلا چلا کر خلیفہ کی خدمت میں فریاد کی کہ اِن ہاتھوں نے بہت سے قرآن مجید لکھڈالے ہیں۔ اِن کی ایسی سزا نہیں ہونی چاہیئے۔ مگر راضی ان میں سے ایک پر بھی راضی نہ ہوا۔ اور ابن مقلہ کے ہاتھ کٹوا کر اُس کو اُس کے اخیر نتیجوں تک پہنچا دیا۔

یہ عجیب اتفاق ہے۔ ابن مقلہ تین بار وزیر ہوا۔ تین ہی بادشاہوں کی خدمت میں حاضر رہا۔ اُس نے دور و دراز مسافت کے سفر کئے۔ مرنے کے بعد تین بار دفن کیا گیا۔ اُس کے ملازمین میں سے تین شخص بہت بڑے کامل قابل اور مشہور آفاق گزرے۔ یہ تھے ابن مقلہ کی ثروت و اقتدار اور پھر اسکی ذلت و ادبار کے مفصل حالات جو تاریخ کی معتبر اسناد سے قلمبند کئے گئے۔

راضی اور قاہر کے مال و دولت کی ضبطی

قاہر نے مقتدر کی ذریات کے ساتھ جیسا کچھ کیا وہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اب سنئے اُس کو (راضی کو) خبر لگی کہ قاہر نے مونس۔ یلبق اور اُس کے بیٹے علی کو جو حاجب سلطانی تھا مار کر بہت کچھ دولت پائی ہے۔ اور اس کو وہ بالکل پوشیدہ کئے ہوئے ہے۔ راضی یہ سنتے ہی اُس کے پیچھے پڑ گیا۔ قاہر کے مکان کے گوشہ گوشہ کی تلاشی لیگئی۔ مگر ایک خرمہرہ بھی ہاتھ نہ آیا جب اس کو اس امر کی کوئی حقیقت اور اصلیت نہ معلوم ہوئی تو اس نے اپنی ندامت اور خجالت مٹانے کے ذریعہ سے قاہر کو اپنا مصاحب بنایا اور تھوڑے دنوں دربار میں اس کا بڑا اعزاز و اکرام بڑھایا۔ مگر پھر اپنی تلون مزاجی کے ہاتھوں اُس کا بنا بنایا کھیل بگاڑ ڈالا۔ اور پھر جو اس کے ساتھ کیا تھا سب خاک کر ڈالا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ قاہر نے اپنے زمانۂ خلافت میں ایک بہت بڑا پُر تکلف باغ لگایا تھا۔ اور اس کو عمدہ عمدہ پھولوں اور خوشنما درختوں سے سجایا تھا خلاصہ یہ کہ آرائش۔ زیبائش اور فضلے کے اعتبار سے قاہر کے اِس باغ بغداد پر لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ کی مثال صادق آتی تھی۔ راضی اپنے ایام شباب میں کبھی کبھی تفریح کے خیال سے اپنے احباب کے ساتھ یہاں آتا تھا اور اپنے عیش و عشرت کے جلسے جماتا تھا۔ زمانۂ موجودہ میں جب خلیفہ ہوا تو پہلے سے بھی زیادہ اسی باغ میں آنے جانے لگا۔ چونکہ اس زمانہ میں راضی کی قاہر پر خاص توجہ رہتی تھی۔ اس لئے سادہ لوح قاہر نے ایک دن راضی سے بیان کیا کہ میں نے اس باغ میں ایک بہت بڑا خزانہ مدفون کیا ہے مگر بد قسمتی سے وہ مقام مجھے یاد نہیں رہا ہے۔ چونکہ آپ کی نگاہِ توجہ مجھ پر

خاصکر رہتی ہے اس لئے التماس ہے کہ آپ اُس کو اپنے انتظام سے پیدا کریں۔ اور میری طرف سے اُس کو اپنا ہدیہ تصور فرمائیں۔ راضی جس قدر کشادہ دست مشہور تھا۔ اُسی قدر طماع بھی۔ اُس نے یہ نوید غیبی سُنتے ہی قاہر کے اندوختہ کی تلاش شروع کر دی۔ باغ کے وہ تمام مقامات جہاں جہاں اس کو دفینہ کے چھپائے جانے کا گمان ہوا ایک ایک کر کے کھدوا ڈالے۔ کہیں کچھ نہ نکلا۔ اور رفتہ رفتہ وہ تمام باغ کھنڈر ہو گیا۔ اس کی تمام آرائش و زیبائش مٹی میں مل گئی اور زمین سے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ نکلی۔ اب راضی کو سخت ندامت حاصل ہوئی۔ اپنی گرہ سے سینکڑوں روپیوں کا نقصان بھی ہوا اور باغ بھی تباہ و ویران ہو گیا۔ اب راضی کے پچتانے سے ہوتا تھا کیا ہی۔ ع چہ کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی۔ راضی نے پھر تو قاہر کو اپنی اسی جھنجھلاہٹ میں اپنے پاس بلوایا اور اُس سے پوچھا کہ تم کو ایسا سفید جھوٹ بولنے اور ایسے پُرفضا اور سرسبز و شاداب باغ کے تباہ کرا دینے کی کیا وجہ لاحق ہوئی؟ قاہر نے نہایت متانت سے آزادانہ طور پر جواب دیا کہ حقیقت حال تو یہ ہے کہ میرے دل نے اس امر کو کسی طرح گوارا نہ کیا کہ تم اُس کی فضا اور زیب و آرائش سے رات دن محظوظ و مسرور ہوتے رہو اور میں دونوں آنکھوں کا اندھا ہو کر اپنے ریاض سے کوئی لطف اٹھا نہ سکوں۔ ایہا الامیر! میری یہی حسرت اس کی تمام بربادی کا باعث ہوئی۔ اور اس کے سوا کوئی دوسری وجہ نہیں۔ اب تمہیں اختیار ہے جو چاہو میرے ساتھ کر گزرو۔ یہ سُنکر راضی کو ایسا طیش آیا کہ قاہر کو اسی وقت اپنے دربار سے نکلوا دیا۔ اور پھر اسکو ایسا تنگ کیا کہ وہ آخر کار بھیک مانگ مانگ کر مر گیا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اِس کے بعد راضی باللہ بھی ۳۲۹ھ ہجری میں بعارضۂ استسقا مبتلا ہو کر مر گیا +

غیبتِ صغریٰ کا اختتام اور غیبتِ کبریٰ کا آغاز

اسی سال ۳۲۹ھ ہجری میں جناب امام صاحب العصر والزماں علیہ السلام کی غیبت کبریٰ کا آغاز ہوا اور مشیت خداوندی نے اپنے اُس نورِ ہدایت کو حجاب قدرت میں لے لیا۔ اور اُس شمع ہدایت اور گوہر رسالت کو اپنے دامنِ حفاظت میں چھپا کر آپ کے باقی ماندہ آثار و احکام کو بھی جو اِس وقت تک نوابین یا وکلائے خاص کے ذریعہ سے کسی قدر ظاہری طور پر نفاذ پاتے تھے بالکل ممنوع کر دیا۔ اس کی وجہ وہی مخالفین کی قدیم مخالفت اور طبقۂ مسلمین کی ضلالت و جہالت کے سوا کوئی دوسری معلوم نہیں ہوتی۔

ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اِس زمانہ میں جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے احکام ہدایت اور انتظامِ امامت محض ایک بزرگ کے ذریعہ سے انجام پاتے تھے جو آپ کی طرف سے نیابت کے عہدہ جلیلہ پر مامور ہوتا تھا۔ اور وہ بھی سخت رازداری اور ہوشیاری۔ کمال حزم و احتیاط اور بیداری کے ساتھ اس طرح کہ مخالفین کو خبر نہ ہو۔ معاندین اور اعدائے دین نہ سُنیں۔ مگر باایں ہمہ مخالفِ سلطنت نے آپ کے اِن اسرار اور آثار میں بھی اپنی طرف سے مداخلت کرنے کی ضرور کوشش کی۔ اور اپنی تجویز انسانی سے اس تدبیر ربانی کے موجودہ انتظام کو طشت از بام کر کے درہم و برہم کر دینا چاہا۔ یہاں تک کہ خانۂ مقدس کی تلاشی کی اور اُس مقام مقدس تک پہنچ گئے جہاں آپ کے معتمدین اور کامل الیقین مومنین کے ساتھ مجلسِ ارشاد و ہدایت قائم کی جاتی تھی۔ اِن لوگوں کا یہاں تک پہنچنا بھی صرف سُراغرسانی کی ضرورت تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ ان کا پورا قصد تھا جیسا کہ خلیفہ کی طرف سے یہ ہدایت پا چکے تھے کہ آپ کو گرفتار کر کے خلیفۂ عصر کی خدمت میں پہنچا کر آپ کی عزیز جان کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دیا جائے۔ مگر باایں ہمہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے باوجود اتنی رسائی اور سلسلہ پیمائی کے بھی یہ لوگ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوئے۔ اور مصلحتِ ربانی نے اِن کے فتنۂ شیطانی سے اپنی ودیعت اور حجتِ زمانہ کو بالکل محفوظ و مصئون رکھا۔ اور انکی عملی قوت

کو کمزور اور دیدۂ بصیرت کو کور بنا کر بالکل بال بال بچا لیا جس کے باعث سے وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کے بعد جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کو سرداب مبارک میں قیام فرمانے کی مجبوری ہوئی اور قریب قریب ۶۹ برس تک سرداب مبارک سے احکام ہدایت وارشاد نوابین ووکلائے مخصوصین کے ذریعہ اور معرفت نافذ ہوتے رہے سرداب مبارک کے حالات پر بالکل پردہ ہے۔ اس لئے اُس کے متعلق محض قرینہ اور قیاس سے بیان کرنا اسرارِ مشیت اور احکامِ قدرت میں خواہ مخواہ مداخلت کرنا ہے اس لئے ہم ان امور کی کسی تفصیل کرنے سے قطعی مجبور ہیں۔ مگر ہاں اتنا البتہ کہہ سکتے ہیں کہ سرداب مبارک سے توقیعاتِ مقدسہ خادمانِ خاص کے ذریعہ سے برابر برآمد ہوتی تھیں۔ اور سفرا ووکلائے مخصوصین تک پہنچتی تھیں۔ رویت تو خانۂ مقدسہ کی ترکِ سکونت کے وقت سے ممنوع ہو چکی تھی مگر ان توقیعات کی برآمد کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ اور علی ابن محمد سمری رضی اللہ عنہ کو اس زمانہ میں شرفِ نیابت حاصل تھا۔ اور جملہ احکام وارشاد کے نظام آپ ہی کے ذریعہ سے سرانجام ہوتے تھے۔ امسال اُنھوں نے بھی رحلت فرمائی۔ اور اُن کی وفات سے یہ سلسلہ بھی ہمیشہ کیلئے موقوف ہو گیا غیبتِ صغرےٰ کے ایام تمام اور غیبتِ کبرےٰ کا آغاز ہو گیا۔ چنانچہ آخر توقیع مقدسہ جو علی ابن محمد سمری کے نام برآمد ہوئی اُس میں اُن کی وفات غیبت صغریٰ کے اختتام اور غیبت کبریٰ کے آغاز۔ تمام حالات سے اطلاع وہدایت فرمادی گئی ہے اُس کی اصلی عبارت یہ ہے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ يَا عَلِيَّ ابْنَ مُحَمَّدٍ السَّمُرِيُّ اَعْظَمَ اللّٰهُ اَجْرَ اِخْوَانِكَ فِيْكَ فَاِنَّكَ مَيِّتٌ بَيْنَ سِتَّةِ اَيَّامٍ فَاجْمَعْ اَمْرَكَ وَلَا تُوْصِ اِلٰى اَحَدٍ فَيَقُوْمُ مَقَامَكَ بَعْدَ وَفَاتِكَ فَقَدْ وَقَعَتِ الْغَيْبَةُ التَّامَّةُ فَلَا ظُهُوْرَ اِلَّا بَعْدَ اِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى ذِكْرُهٗ وَذٰلِكَ بَعْدَ طُوْلِ الْاَمَدِ وَقَسْوَةِ الْقُلُوْبِ وَامْتِلَاءِ الْاَرْضِ جَوْرًا وَسَيَاْتِيْ مِنْ شِيْعَتِيْ مَنْ يَّدَّعِي الْمُشَاهَدَةَ لِيْ فَمَنِ ادَّعَى الْمُشَاهَدَةَ قَبْلَ خُرُوْجِ السُّفْيَانِيِّ وَالصَّيْحَةِ فَهُوَ كَذَّابٌ مُّفْتَرٍ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ٥ (بحار الانوار صفحہ ۱۵۸)

اے علی ابن محمد رضی اللہ عنہ۔ خداوندِ عالم تمہارے برادرانِ ایمانی کو تمہاری وفات کے مصائب میں اجرِ عظیم عنایت فرمائے کیونکہ تم اسی چھ دن کے اندر قضا کر جانے والے ہو۔ پس تم اپنے کاموں کو درست اور مرتب کر لو۔ خصوصًا میری وکالت کے خاص معاملہ کو۔ اور وہ یہ ہے کہ میری وکالت اور نیابت کے متعلق تم آئندہ کسی دوسرے شخص کو وصی نہ کرنا کہ وہ تمہاری وفات کے بعد تمہارا جانشین اور قائم مقام ہو جائے کیونکہ غیبت کبریٰ کے ایام شروع ہو گئے۔ اور اب میرا ظہور بالکلیہ حکم خداوندی پر موقوف ہو گیا اور وہ ایک طولانی غیبت کے بعد ہونیوالا ہے اُس وقت جبکہ دنیا جور وستم سے بھر جائے گی اور ہمارے دوستوں میں سے بہت جلد ایسے لوگ پیدا ہونے والے ہیں جو غیبت کبریٰ کے زمانہ میں بھی ہم سے ملنے اور ہماری زیارت کرنے کا دعویٰ کریں گے۔ مگر تم سب لوگوں کو آگاہ کردو کہ جو شخص خروج سفیانی اور نزولِ ندائے آسمانی کے قبل مجھ سے ملنے یا میرے دیکھنے کا دعویٰ کرے وہ محض جھوٹا ہے اور افترا کرنے والا۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ؁ چنانچہ علی ابن محمد سمری رضی اللہ عنہ نے اس توقیع مبارک کو زمرۂ مومنین میں مشتہر بھی کر دیا جس کا ثبوت ذیل کے واقعہ سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

ابو محمد حسن ابن بکیت کا بیان ہے کہ جن ایام میں علی ابن محمد رضی اللہ عنہ کی وفات واقع ہوئی میں بغداد میں مقیم تھا اُن کی وفات سے چند روز پیشتر اُن کی عیادت کی غرض سے اُن کی خدمت میں حاضر تھا۔ اسی اثنا میں توقیع مقدسہ جو اوپر لکھی گئی ہے برآمد ہوئی۔ علی ابن محمد سمری رضی اللہ عنہ نے حاضرین مومنین کو وہ تحریر مبارک لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً پڑھ کر سُنادی۔ اُن ہی لوگوں میں ایک میں بھی تھا۔ میں نے اُسی وقت اُس کی ایک نقل لے لی اور اپنے پاس رکھ لی۔

اس واقعہ سے چھ دن کے بعد میں پھر اُن کی عیادت کو گیا دیکھا کہ علی ابن محمد سمری رضی اللہ عنہ حالت احتضار میں مبتلا ہیں۔ اُن کو آخر حالت میں پاکران کے بعض احباب نے اصرار کرکے پوچھا کہ امرِ نیابت میں آپ کے بعد آپ کا کون قائم مقام اور جانشین ہوگا۔ یہ سن کر اُنہوں نے صاف صاف لفظوں میں جواب دیا کہ یہ امورِ خداوندی ہیں جن کا اپنے وقت میں تمام ہوجانا ضروری اور لازم ہے۔ یہ فرماکر انھوں نے انتقال فرمایا۔ یہ آخری کلمہ تھا جو میں نے ان کی زبانِ مبارک سے سُنا (بحار الانوار جلد سیزدہم صفحہ ۱۵۹)

بہرحال اس مقدس بزرگوار کی وفات ۱۴ شعبان ۳۲۹ھ ہجری میں واقع ہوئی اور اسی سال غیبت کبریٰ کے ایام شروع ہوگئے۔ اب اس کے بعد آپ کے حالات اور معاملات پر نظامِ قدرت اور احکامِ مشیت کی طرف سے ایسا محکم اور مستحکم پردہ ڈالا گیا ہے جسکو انسان کی کوتاہ دستی کسی طرح اٹھا نہیں سکتی اور دریافتِ حقیقت کی غرض سے کسی کی کوئی تدبیر اور کوئی تجویز کام آ نہیں سکتی۔ ان وجہوں سے آپ کے ی حالات اور معاملات کی خبر اور اطلاع ادراکِ انسانی سے قطعی طور پر بالکل غیب سے متعلق ہوگئی اور سوائے ذاتِ عالم الغیب کے کسی دوسرے کو ان کے معاملات کی معلومات کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا۔ سوائے اس کے کہ یہ یقینی طور پر ہر شخص کو معلوم ہے کہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام زندہ ہیں اور ایک وقتِ خاص میں نصوصِ الٰہی اور منشور حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ظہور فرمائیں گے۔ اور کچھ نہیں۔ بس اتنا مختصر اور محدود علم رکھ کر کوئی شخص آپ کے حالات یا دوسرے معاملات کو کیسے بتلا سکتا ہے۔ اس مسئلہ کی بھی وہی صورت ہے جیسے جناب جناب ادریسؑ، جناب عیسےٰؑ اور حضرتِ خضر علی نبینا وآلہ وعلیہم السلام کی۔ تمام دنیا کے لوگ ان بزرگواروں کے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ مگر اُن میں سے کوئی شخص اُن کے حالات اور معاملات کو کہ یہ حضرات کہاں رہتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں مطلق بتلا نہیں سکتا۔ اسی طرح جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے حالات اور معاملات کو بھی سمجھنا چاہیے۔ اور جو دلائل کہ اُن بزرگواروں کے وجود ذی جود پر قائم کیے جاتے ہیں وہی آپ کی بقا پر اور آپ کے اتنے دنوں تک زندہ رہنے پر بھی قائم ہوتے ہیں۔ اور جنکو ہم انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد اپنے سلسلۂ بیان میں درج کرینگے +

جناب صاحب العصر علیہ السلام پر اتہام اور غیبتِ کبریٰ کے وقوع کے اسباب

جو امر کہ اس وقت ہمارے لئے سب سے زیادہ تنقیح اور تشریح کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ جو توقیع مبارک کہ ابھی ابھی اوپر لکھی گئی اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت کبرےٰ کے زمانہ میں جو شخص آپ کی رویت اور شرفِ زیارت کا دعویٰ کرے وہ قابلِ اعتبار نہیں۔ حالانکہ فریقین کی کتابوں سے بتواتر ثابت ہوتا ہے کہ غیبتِ کبرےٰ کے موجودہ ایام میں بھی بہت سے ایسے سعادتمند اور خوش قسمت حضرات گزرے ہیں اور اس وقت تک بھی گزرتے جاتے ہیں جو آپ کے شرفِ زیارت سے مشرف ہوچکے ہیں یا ہوتے جاتے ہیں۔ حقیقتِ امر یہ ہے کہ توقیع مبارک میں جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے اُس کا اصلی مقصود اُسی رویت اور زیارت سے ہے جو غیبتِ صغرےٰ کے زمانہ میں ہوا کرتی تھی جسمیں حضرت امام العصر والزماں علیہ السلام اُن لوگوں سے جو آپ کی زیارت کو آتے تھے اپنی پوری معرفت کے ساتھ ملتے تھے اور بالمشافہ اُن کے اغراض و مطالب کو سنتے تھے۔ اور ان کے متعلق حکم و احکام نافذ فرماتے تھے۔ بخلاف ان حالتوں کے غیبت کبریٰ میں یہ بات قائم نہیں رہی بلکہ وہ پہلے امور سب قطعاً ممنوع ہوگئے۔ اب جن سعادتمندوں کو قسمت سے یہ موقع ملا بھی تو بعض صورتوں میں اُن کو مطلق معرفت نہیں کرائی گئی۔ بلکہ صرف

سطحی طور پر اُن کے انجاح مطالب کی مناسب تدبیر بتلا دی گئی۔ یا ضرورت دینی میں احکام شرعیہ وغیرہ سے آگاہ فرما دیا گیا۔ اور بس۔ اور بعض صورتوں میں کسی عالم یا مجتہد کی رؤیائے صادقہ وغیرہ کے ذریعہ سے جو اُس کا شناسا یا قریب تر ہو سائل کو اُس کے امور کے جواب سے مطلع کر دیا گیا۔ اور جب کسی صورت میں اظہار معرفت ایسی ہی ضروری سمجھی گئی تو معرفت بھی کرا دی گئی۔ مگر اُن ہی نفوسِ خالص کو جن کے خلوص۔ رسوخ اور وثوق کے کامل امتحان خداوندِ عالم کے نزدیک پورے ہو کر آپ اپنی رؤیت اور معرفت کے امور میں منجانب اللہ ماذون ہو چکے ہوں۔

جن لوگوں نے غیبتِ صغریٰ اور کبریٰ دونوں ایام کے حالات بالاستیعاب پڑھے ہیں وہ بخوبی سمجھ جائیں گے کہ ان دونوں ایام کے نظام میں کیا امتیاز ہے۔ خلاصہ کے طور پر ہر شخص کو یوں سمجھ لینا چاہیے کہ غیبتِ صغرےٰ کے زمانہ میں مؤمنین مخلصین عموماً اور نوابین اور وکلائے آنحضرت خصوصاً شرفیاب زیارت ہو سکتے تھے۔ غیبت کبرےٰ میں نوابین کا تو منصب ہی باقی نہیں۔ مؤمنین مخلصین یا عامہٴ مسلمین کسی کے لئے صاف زیارت کا شرف ممکن نہیں۔ اس کے متعلق جو واقعات پائے جاتے ہیں یا آئندہ جو پائے جائیں وہ سب اسرارِ مشیت سمجھے جائیں گے اور آپ کے اعجاز و کرامت۔ یہ دلائل بتلا رہے ہیں کہ اس توقیع مبارک کی عبارت سے ان حالات و واقعات میں کوئی نقص یا اعتراض پیدا نہیں ہوتا جو آپ کی رؤیت کے متعلق فریقین کی معتبر اور مستند کتابوں میں مندرج ہے اور جسکو ہم ایک علیحدہ بحث میں بہت جلد بیان کریں گے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ غیبتِ صغرےٰ کے ایام تمام ہو کر غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہو گیا اور اس وقت سے جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السلام کے تمام معاملات کے اطلاعی اظہار قطعی طور پر ممنوع ہو گئے جس کا علم سوائے ذاتِ الٰہی کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ مگر اس مقام پر ہمکو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ آخر دنیا اور دنیا والوں سے وہ کونسا ایسا قصور سرزد ہوا جسکی سزا میں اُس واہب العطایا نے اپنی یہ دولت دنیا والوں سے اٹھا لی اور اپنے فیوض سے تمام عالم کو محروم رکھا۔

اس کی وجہ بتلانے اور اس کے اسباب قائم کرنے سے پہلے ہم کو یہ لکھدینا نہایت ضروری ہے کہ اُس وقت دنیا کے لوگ دو حصوں پر تقسیم تھے سب سے بڑا حصہ تو وہ تھا جو جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کا مخالف اور آپ کے تمام امور کا منکر۔ دوسرا حصہ پہلے حصہ سے تعداد میں بہت کم تھا۔ وہ البتہ آپ کے اخلاص و محبت کا دم بھرتا تھا۔ اور آپ کے ارشاد و اقوال پر عمل کرتا تھا۔ حصہٴ اول کے عقائد میں نفسانیت۔ خود غرضی اور دنیا پرستی کی وجہ سے جو جو مناقص اور معائب پیدا ہو چکے تھے یا پیدا ہوتے چلے جاتے تھے اُن سب کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ خیریت تھی کہ ابھی تک اس دوسرے گروہ میں جو آپ کی عقیدت اور متابعت پر ہمیشہ سے سرگرم اور مستعد تھا۔ ارتداد یا اس قسم کے فتنہ و فساد نہیں پیدا ہوئے تھے۔ مگر افسوس! زمانہ ناہنجار کی رفتار نے آخر ان کو بھی اپنی راہ پر لگا لیا اور دنیائے شعبدہ کردار نے ان کو بھی اپنے ایسا بنا لیا۔ دولتِ دنیاوی کی طمع نے ان کو گھیر لیا۔ امارت و ثروت کے لالچ نے ان کو گرفتار کر لیا۔ خود غرضی اور نفسانیت اِن پر غالب آ گئی۔ حسد۔ نااتفاقی اور جہالت ان پر مسلط ہو گئی۔ اُس تفصیل یوں ہے۔

نیابت امام علیہ السلام اور شریعی کا اتہام

ہم جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے حالات میں کی اوپر لکھ آئے ہیں کہ معتمد کی سخت مخالفت کی وجہ سے آپ نے سفرا اور وکلا کے ذریعہ سے مومنین کی ضرورتیں پوری کئے جانے کا انتظام فرمایا تھا۔ اور سب سے پہلے عثمان ابن سعید عمری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔ یہ بزرگوار حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے اصحاب میں

شامل تھے۔ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر حضرت قائم آل محمد علیہ السلام کے ابتدائی ایام تک تو خیر لوگ خاموش رہے۔ اگرچہ وہ ان ایام میں بھی بالکلیہ خاموش نہیں رہے مسئلہ نیابت میں خلاف تقریریں کرنے لگے مگر خیریت تھی کہ اُن کی یہ تقریریں ان کے گھروں کے حدودِ اربعہ سے باہر نہ نکلنے پائیں۔

مگر عثمان ابن سعید رحمتہ اللہ علیہ کے بعد محمد ابن عثمان سفیر دوم رضی اللہ عنہ کے زمانۂ نیابت میں ان لوگوں کی نفسانیت ظاہر ہونے لگی۔ اور ان لوگوں نے علانیہ مخالفت پر کمر باندھ لی۔ حصولِ دولت و ثروت و امارت کے لالچ میں پڑکر آپ کی ذات مستغنی الصفات پر طرح طرح کے اتہام لگانے لگے۔ ان میں سے پہلے جس شخص نے ارتداد اور اس فتنہ و فساد کا اظہار کیا اس کا نام شریعی تھا۔ کتاب الغیبہ میں اس شخص کے حالات پوری تفصیل کے ساتھ درج ہیں جس کا خلاصہ مع ترجمہ یہ ہے۔ اس شخص کا نام حسن تھا۔ کنیت ابو محمد اور لقب شریعی یہ جناب امام علی نقی علیہ السلام کے اصحاب میں شامل تھا۔ اور اُن کے بعد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں برابر حاضر رہا۔ جناب صاحب الامر والزماں علیہ السلام کے زمانۂ امامت میں پہلے جس شخص نے مسئلہ نیابت کے متعلق فساد برپا کئے وہ یہی تھا۔ اس نے مسئلہ نیابت سے انکار نہیں کیا بلکہ یہ دعویٰ کیا کہ گروہِ شیعہ میں آپ کی نیابت کا حق مجھے حاصل ہے اور میرے ہوتے کوئی دوسرا شخص اس منصب کا مستحق اور شایاں نہیں ہے۔ اپنے ان دعوؤں کی تصدیق و توثیق میں اس نے ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے بہت سی جعلی اور مصنوعی حدیثیں وضع کرلی تھیں۔ انہی حدیثوں سے اُس نے بہت سے جہال اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کو گمراہ کردیا۔ دنیا کے بہت سے شکم پرست اور فاقہ مست اس کے غلام اور بندۂ بے دام بن گئے۔ مگر جُوں جُوں ان کی حالتوں میں ترقی ہوتی گئی ویسے ویسے اِن کی ضلالت اور ارتداد بھی بڑھتا گیا۔ یہانتک کہ اِس فرقہ کے لوگ اپنی اوہام پرستیوں کی بدولت آخر کار فرقۂ حلاجیہ کے اعتقاد میں داخل ہوگئے +

محمد ابن نصیر نمیری اور نیابت کا دعویٰ

شریعی کے ایسے ایک دوسرے صاحب پیدا ہوئے ان کا نام محمد ابن نصیر نمیری تھا۔ یہ صاحب اصحاب حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام میں شمار ہوتے تھے۔ اُنھوں نے بعد وفات حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام حضرت ابی جعفر محمد ابن عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلہ نیابت میں نزاع پیش کی اور یہ بیان کیا کہ نیابت امام علیہ السلام کا حق ہم کو حاصل ہے اور ہم ہی درمیان مومنین اور جناب امام علیہ السلام کے ذریعہ اور واسطہ ہیں۔ لیکن بہت جلد خداوندعالم نے اِن کو اِس جھوٹے دعوے کی سزا دیدی اور یہ اپنے کردار سے ذلیل و خوار ہوکر حضرت ابی جعفر ابن عثمان سفیرِ اول کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر اُن بزرگوار نے اِن کو اپنے گھر میں آنے کی اجازت نہیں دی۔ اور یہ سخت پشیمان ہوکر اپنے گھر واپس گئے۔ اِس ندامت سے ہدایت کیا ہوگی کہ ان کی جہالت اور ضلالت میں اور ترقی ہوتی گئی۔ انھوں نے تمام دنیا میں نئی نئی طرح کے عقائد جاری کئے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام (معاذ اللہ) خدا ہیں اور میں ان کا پیغمبر (نعوذ باللہ) وہ مسئلہ تناسخ کے بھی قائل تھے۔ مواقعہ بالمحارم کو جائز سمجھتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔ غرضکہ اُن کے تمام عقائد ایسے ہی حشویات و لغویات سے پُر اور مملو تھے جن کا بیان ناگفتہ بہ ہے۔

تُرواہ ری دنیا اور واہ رے دنیا والے!! ایسی انسانیت سے گزری ہوئی اور حیوانیت سے ملی ہوئی شریعت پر بھی بھیڑوں کی طرح ایک بار جھک پڑے اور اپنی نفسانیت اور شہوت پرستی کی وجہ سے بہت سے لوگ ان مہمل اور باطل عقائد کے قائل ہوگئے۔ چنانچہ محمد ابن نصیر نمیری کو موسیٰ ابن حسن ابن ابی الفرات سابق وزیر خلافت سے جو

اُسوقت عراق عرب میں بہت بڑا ذی اقتدار اور صاحب اختیار شخص تھا۔ اپنے معاملات میں بہت بڑی مدد پہنچی۔ اپنی شامت اعمال سے موسےٰ اُن کا مقلد ہوگیا۔ اور اس کی دولت۔ ثروت اور ذاتی وجاہت نے تمیری کے امور کو بڑا فروغ دیا۔ جس کی وجہ سے تمیری نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے مقلدین کی ایک معتدبہ جمعیت تیار کر لی۔ جہاں تک اِن کے حالات پر بہ تحقیق نظر ڈالی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام امور ان کی حیات ہی تک باقی رہے اور اِن کے تمام کھیل ان کی زندگی ہی تک بنے رہے۔ ان کا مرنا تھا کہ اِن کا سونے کا بنا بنایا گھر مٹی ہوگیا۔ بات یہ ہوئی کہ مرنے کے وقت اِن سے پوچھا گیا کہ تمہارے بعد تمہارا قائم مقام اور جانشین کون ہے۔ انھوں نے کہا کہ احمد۔ اور مر گئے۔ ان کے مرجانے کے بعد یہ دقت پیش آئی کہ احمد کے نام لینے سے ان کا کیا مقصود تھا۔ کیونکہ ان کے مقلدین میں اکثر کے نام احمد تھے۔ اِس مسئلہ خاص کی وجہ سے ان لوگوں میں اِس وقت تین گروہ قائم ہوگئے اول گروہ کا عقیدہ تھا کہ احمد سے مراد احمد ابن محمد ابن موسیٰ ابن ابی الفرات ہیں۔ دوسرا گروہ کہتا تھا نہیں یہ احمد نہیں بلکہ احمد ابن احمد ہیں۔ تیسرا گروہ کہتا تھا کہ احمد ابن ابی الحسن مراد ہیں۔ غرض جو تھا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بناتا تھا۔ اور تینوں گروہ کسی طرح ایک خاص شخص کی قائم مقامی پر اتفاق نہیں کرتے تھے۔ یہانتک کہ اسی نااتفاقی اور باہمی اختلاف کی وجہ سے اس فرقہ اور عقیدہ والے بھی جلد نیست و نابود اور دنیا سے مفقود ہوگئے محمد ابن نصیر تمیری کے ارتداد و ضلالت کی بابت بھی اسی طرح توقیع مبارک برآمد ہوئی جس طرح کہ شریعی کے لئے اور جملہ مومنین کو اُسی کے مطابق مکروفریب سے بچنے اور ارتداد و ضلالت سے محفوظ رہنے کی خاص طور پر ہدایت فرمائی گئی۔

احمد ابن ہلال اور نیابت کا دعویٰ

محمد ابن نصیر تمیری کے بعد احمد ابن ہلال پیدا ہوئے یہ صاحب حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے اصحاب میں تھے۔ انھوں نے بھی زمانۂ موجودہ کی رفتار کے موافق منصب امامت کا دعوےٰ کیا۔ مومنین نے ان کو اِن عقائدِ باطلہ کے نشو و تبلیغ سے باز رکھنے کی بہت کوشش فرمائی۔ اور یہ دلیل واضح دکھلائی کہ جناب حسن عسکری علیہ السلام نے جو ہمارے امام مفترض الطاعت تھے اپنے امر نیابت میں عثمان ابن سعید اور اُن کے صاحبزادے ابوجعفر کے لئے حکم دیا ہے۔ پھر آپ کو اس مسئلۂ اتفاقیہ میں کیا کلام ہے انھوں نے جواب دیا کہ میں نے اُن حضرات سے اِن دونوں صاحبوں کی نیابت کیلئے کوئی حکم صریح نہیں سُنا ہے مگر ہاں عثمان ابن سعید کی بابت آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔ اسلئے مجھکو اُن کے نائب مان لینے میں کوئی کلام نہیں ہے مگر جب عثمان ابن سعید مر گئے اور زمانۂ موجودہ میں حضرت قائم آل محمد علیہ السلام کی نیابت کا دعویٰ ان کے بیٹے ابوجعفر نے کیا تو البتہ مجھے اس امر کے اظہار کا موقعہ ملا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے کوئی نص نیابت ابوجعفر کے متعلق مجھے پہنچی نہیں ہے۔ پس آپ حضرات کو منع نہیں کرتا اگر حقیقۃً آپ کو ایسی نص پہنچی ہے وہ آپ کیلئے حجت ہے مگر میرے لئے نہیں۔ بہرحال اس تقریر سے گروہ شیعہ نے دیکھ لیا کہ یہ کسی طرح مانتے نہیں تو بفحوائے وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ۔ اُن سے زیادہ الجھنا کسی طرح مناسب نہ سمجھا اور قطعی خاموشی اختیار کی۔ تھوڑے دن کے بعد توقیع مبارک کے ذریعہ سے ان کی ضلالت اور ارتداد کا بھی اشتہار عام دیدیا گیا۔

ابوطاہر محمد ابن علی ابن ہلال اور نیابت کا دعویٰ

ان کے بعد ابوطاہر محمد ابن علی ابن ہلال نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ اور ابوجعفر کی نیابت میں عذردار اور دعویدار ہوئے اور وہ مال جو مومنین کی طرف سے ان کی امانت اور حفاظت میں سپرد تھا۔ کسی طرح ابوجعفر رضی اللہ عنہ کے حوالہ کرنے پر راضی نہ ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ اِن کی خیانت اور ضلالت کی شہرت بھی توقیع

مبارک کے ذریعہ سے کی گئی اُن کے متعلق ایک عجیب و غریب واقعہ کتاب بحارالانوار میں مرقوم ہے۔ اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد ابن محمد ابن یحییٰ معاذی کا بیان ہے کہ مجھ سے اور ابوطاہر سے قدیم رسم و راہ تھی اور میرے ایک دوست ان کے خاص مقلدین میں داخل تھے۔ تھوڑے دنوں کے بعد پھر وہ طریقۂ حقہ پر آ گئے۔ مجھ کو اس کی خبر لگی تو میں نے اپنی ایک خاص صحبت میں اُن سے اُن کے رجوع کا باعث دریافت کیا تو وہ بیان کرنے لگے کہ میں ایک دن ابوطاہر کے پاس بیٹھا تھا اُس وقت اُن کے پاس اُن کے بھائی ابوطیب اور دیگر اشخاص بھی موجود تھے۔ اتنے میں ابوطاہر کا غلام دوڑتا ہوا آیا۔ اور اُس نے کہا کہ ابوجعفر دروازے پر کھڑے ہیں۔ اور اندر آنا چاہتے ہیں۔ یہ سُننا تھا کہ ساری صحبت میں سناٹے کا عالم ہو گیا اور اُس حیرت کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگا۔ اُس وقت اگرچہ اُن کا تشریف لانا ابوطاہر کو ناگوار گزرا۔ لیکن تاہم ابوطاہر نے اپنے آدمی سے کہدیا کہ اچھا اُن کو اندر آنے دو۔ خلاصہ یہ کہ حضرت ابوجعفر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ اُن کے تشریف لاتے ہی ہم سب کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حالانکہ ہم میں سے کسی کا ارادہ ان کی تعظیم و تکریم بجا لانے کا ہرگز نہیں تھا۔ ابوطاہر نے نہایت ادب سے اُن کو صدرِ محفل میں بٹھلایا۔ اور آپ زانوئے ادب تہ کر کے سامنے بیٹھ گیا۔ اور ہم لوگ سب کے سب دستِ ادب باندھے خموش بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد خود ابوجعفر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے آغاز کلام کیا اور ابوطاہر کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں خدائے سبحانہ و تعالیٰ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ تم ہی سچ سچ بتلا دو کہ آیا تمہارے پاس ایسا مال مومنین نہیں ہے جس کے لئے حضرت صاحب الامر علیہ السلام نے یہ حکم تم کو دیا ہے کہ وہ تمام مال میرے سپرد کر دیا جائے؟ یہ سُنکر ابوطاہر نے کہا بیشک ایسا ہی ہے۔ امام علیہ السلام نے مجھ سے ایسا ہی ارشاد فرمایا ہے۔ محمد ابن محمد راوی حدیث کا بیان ہے کہ ابوطاہر کا جواب اقبالی سُنکر ہم سب کے سب متعجب ہوگئے۔ اور اپنے اپنے مقام پر سوچنے لگے کہ یہ اسوقت کیسے چوک گئے کہ جس مال کیلئے یہ سب کچھ ہو گیا وہی انہیں واپس دیئے دیتے ہیں۔ غرضکہ ہم اسی شش و پنج میں تھے کہ ابوطاہر اٹھے اور وہ مال تمام و کمال لاکر ابوجعفر رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیا۔ اور وہ اس کو لیکر روانہ ہوگئے۔ جب وہ تشریف لیگئے تب وہ ایک خاص عالم جو ہم لوگوں پر طاری تھا جاتا رہا تو ابوطیب نے اپنے بھائی ابوطاہر سے دریافت کیا کہ تم نے حضرتِ قائم آلِ محمد علیہ السلام کو دیکھا ہے جو ایسا دعوی کرتے ہو کہ آپ نے تمہیں واپسی کا حکم دیا ہے۔ ابوطاہر نے جواب دیا کہ ہاں۔ اور وہ اس طریقہ سے کہ ایک دن ابوجعفر رضی اللہ عنہ کے مکان پر میں موجود تھا کہ اتنے میں مجھے اپنے مکان کے اُس حصہ کی طرف لیگئے جس کی سقف پر بالاخانہ کی عمارت تیار کیگئی تھی۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ جناب صاحب الامر علیہ السلام بالاخانے سے نیچے اترے آتے ہیں۔ یہانتک کہ آپ نیچے تشریف لائے اور مجھے کھڑا دیکھکر ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس جو مال ہے وہ حضرت ابوجعفر کے حوالہ کر دو۔

ابوطیب نے پوچھا کہ پھر تم نے کیسے جانا کہ یہی امام علیہ السلام ہیں۔ ابوطاہر نے جواب دیا کہ ان کے تشریف لاتے ہی اُن کی عظمت و جلالت کا ایسا اثر میرے دل پر طاری ہوا کہ مجھ میں اُس کے بیان کی اِس وقت طاقت موجود نہیں ہے اور اُسی تاثیرِ روحانی کے ذریعۂ بشارت سے میں نے یقین کامل کر لیا کہ آپ ہی حضرت صاحب الامر علیہ السلام ہیں

محمد ابن محمد ابن یحییٰ معاذی کا بیان ہے کہ اُن کی زبانی یہ نقل سُن کر ابوطاہر کے جھوٹے دعووں کی حقیقت مجھ پر کھل گئی۔ اور بجائے اُن کے حضرت ابوجعفر رضی اللہ عنہ کی صداقت ثابت ہو گئی۔ اور میں اُسی وقت سے ابوطاہر کی اطاعت سے خارج ہو کر عقائد حقہ پر راسخ ہو گیا +

محمد ابن علی شلمغانی اور نیابت کا دعویٰ

ان کے طوفان بے تمیزی کے بعد محمد ابن علی شلمغانی کی شورش پیدا ہوئی۔ ان کا فساد پہلے لوگوں کی فتنہ انگیزیوں سے بڑھ کر ثابت ہوا۔ ان کا نام محمد ابن علی تھا۔ کنیت ابوعزاق اور لقب شلمغانی۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ ابوعزاق اپنے ابتدائی زمانہ میں فقہائے شیعہ میں شمار ہوتے تھے۔ اور مومنین کے دائرہ میں عظمت و عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے ابوجعفر کی خدمت میں باقاعدہ حاضر باش تھے۔ تھوڑے دنوں کے بعد ابوجعفر علیہ الرحمہ نے اُن کے ظاہری تقدس اور زہد پر اعتبار کر کے ان کو فرقۂ بسطام کی ہدایت کیلئے روانہ فرمایا۔ کیونکہ وہ زمانہ تھا کہ فرقۂ بسطامیہ کے لوگ اپنے اصول عقائد سے تائب ہو کر طریقۂ اہلِ بیت کرام علیہم السلام میں داخل ہو گئے تھے چونکہ ارکانِ ضروریہ وغیرہ اور دیگر علمیۂ ضروریہ سے پورے طور پر واقف نہیں تھے۔ اس لئے شیخ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں اُن لوگوں نے ایک شخص عالم کے بھیجدیئے جانے کی خاص طور پر استدعا کی جو اُن کو طریقۂ حقہ کے ارکان و احکام ضروری تعلیم کرے۔ اسی غرض سے ابوعزاق فرقۂ بسطام کی طرف بھیجدئے گئے۔ اب سُنئے یہ وہاں پہنچے۔ اُن بیچاروں نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔ یہ اُن کی اخلاص مندی اور عقیدت کو دیکھکر اپنے جامہ سے باہر ہو گئے۔ رفتہ رفتہ تعلیم دینیات میں انھوں نے اپنے فضائل و مناقب کے خصوصیات بھی تبلانے شروع کر دیئے اور شدہ شدہ اپنے ذاتی اعزاز و مراتب کو ابوجعفر کے مدارج کے مقابل اور مساوی تبلایا۔ اس درمیان میں حضرت ابوجعفر کی وہ تحریریں جو ان لوگوں کے پاس انکی آرام رسانی اور راحت دہی کی تاکیدوں میں آتی تھیں وہ ان کی مغویانہ تحریک کی برابر تائید کرنے لگیں جو ان کے اخلاق کریمانہ کے تقاضے تھے وہ ابوعزاق کی کامیابی کے خاص ذریعے ثابت ہوئے غرض یہ سب مواد کچھ ایسے اتفاقِ وقت سے اکٹھے ہوتے گئے کہ تھوڑے ہی زمانہ میں فرقۂ بسطامیہ کے تمام لوگ ابوعزاق کے پنجے میں پورے طور سے آگئے کہ جب اور جس طرف چاہیں ان کو پھیر دیں اور یہ پھر جائیں۔ ان کے کلام اور احکام میں کسی کو چون و چرا کی مجال نہیں تھی۔

جب اِس گروہ کے نومسلم لوگ اپنی ضعیف الاعتقادی کے ہاتھوں اپنے دین و ایمان کے آخر نتیجوں تک پہنچ گئے تو ابوعزاق نے اپنی شکم پرستی کی کوششوں میں اور وسعت دی اور اپنے معتقدین اور مقلدین کے بل بوتے پر بنی دنیا طلبی کے اور ہاتھ پاؤں نکالے اور اپنے خاص عقائد اور اصول جدید قائم کرنے میں علوم تصوف اور علومِ اشراق کی رعایت سے ایسے ایسے اضلفے ایجاد کئے جو آج تک کبھی کسی کے سننے میں نہیں آئے تھے۔ اُن کی ایجادی لغویات اور حشویات کے انبار اِس وقت ہمارے پیش نظر ہیں۔ جن کو ابوعزاق شلمغانی نے خصوصیت کے ساتھ اپنے طریقہ کے اعتقادات میں داخل کیا ہے ہم اُن میں سے صرف ایک دلیل کے اس غلط مبحث کو اپنی کتاب کے ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو تصوف اور اشراق کی معمولی رعایتوں کے علاوہ معقولات کا بھی پہلو دبائے ہوئے ہے۔ اور اسی سے ہمارے ناظرین کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ تینوں طریقے کے اجزا باہم آمیز کر کے شلمغانی نے وہ نسب دیگ مرکب تیار کی ہے جو کبھی بغداد کے مطبخ شاہی میں بھی آجتک تیار نہ ہوئی ہوگی وہ یہ ہے کہ :۔ ابوعزاق کے سینکڑوں ہزاروں عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ ولیِ خدا کا عدو معیوب اور مقدوح نہیں ہو سکتا بلکہ محبوب اور ممدوح۔ اسلئے کہ وہ تصدیقِ ولی کی ضرورت کے لئے پیدا ہوا ہے اور اس سے خلاف میں جو افعال ظاہر ہوئے وہ اگرچہ ظاہربین نگاہوں میں مخالف دکھلائی دیتے ہیں مگر حقیقت میں اُنہی مخالف امور سے اُس ولیِ خدا کی معرفت کی تصدیق و تکمیل ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر مخالف اصل موافق ثابت ہو چکا تو ہر دو محبوب و مقبول ہو گا نہ معیوب و مردود۔ اور یہ طریقہ امتیاز عن الاتضاد روزِ ازل کی ایجاد ہے۔ اور مشیت الٰہی کے قدیم ارادوں میں شامل ہے اور آدمِ اوّل سے لیکر آدمِ ہفتم تک

برابر جاری اور قائم ہے۔

آدم اول اور ہفتم کی تفصیل یہ ہے کہ ابو عراق کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں سات عالم اور سات آدم۔ اِس وقت تک مخلوق ہوئے ہیں۔ اُن کے سات عالم کی تفصیل تو غیر ضروری ہے مگر ہاں اُن کے سات آدم کی فہرست البتہ موجود ہے اور واقعی قابلِ دید ہے نہ لائقِ شنید۔ اگرچہ بالکل ایجادِ بندہ کا لطف آرہا ہے۔ اوّل آدم علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام۔ دوم حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام۔ سوم فرعون۔ چہارم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ پنجم جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام۔ ششم حضرت ابوبکرؓ خلیفۂ اول۔ ہفتم معاویہ ابن ابی سفیان۔ اب اس کی توضیح یوں کی گئی ہے کہ ہر آدم کے ساتھ اس کا ضد بھی ضرور پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے ہر آدم ظاہری کے ساتھ جو مرتبۂ ولایت پہ پہنچا ہوا تھا ایک آدم باطنی بھی ضرور تھا جو بظاہر اُس کا ضد اور مخالف تھا۔ مگر حقیقت میں وہ اُسکا موافق تھا اور مصدق کیونکہ اُس کی تصدیق معرفت اُس کی مخالفت کے ساتھ وابستہ تھی۔

طرفہ یہ کہ اب ان اربابِ اتضاد کے انعقاد اور خلقت میں بھی بہت سے اُلجھے ہوئے دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ خدا کی طرف سے اصل اپنی ضد کے ساتھ پیدا کیا جاتا ہے اور کبھی کہا جاتا ہے نہیں ولی ظاہر اپنی ضد کو اپنے گروہ میں منتخب کرکے آپ مقرر کرلیتا ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ نہیں ضد اپنے ولی سے قدیم تر ہے کیونکہ شیطان کی خلقت ترکیبِ آدم سے کہیں پیشتر ثابت ہے اسلئے ضرور ہوا کہ ہر آدم کی ضد اُس سے قدیم ثابت ہو۔

غرضکہ ایسی ہی لغویات اور حشویات سے ابو عراق کے گمراہانہ عقائد برابر مملو پائے جاتے ہیں۔ اب سنئے جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے متعلق حضرت نے کیا مضمون تراشا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اُس نے اپنی امانت اور نیابت کے نئے رنگ جمانے کی غرض سے اپنے معتقدین اور متبعین کو یہ بتلایا کہ اہلِ ظاہر جو قائم سے امام یازدہم علیہ السلام کے فرزند کو مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ قیام کرینگے حالانکہ (معاذ اللہ) خاک بدہانش باد۔ قائم سے مراد ابلیس ہے کیونکہ آیہ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ سے ثابت ہوتا ہے کہ سجدۂ آدم علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے وقت تمام ملائکہ سربسجود ہوگئے سوائے ابلیس کے کہ وہ قائم رہا۔ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ میں اُن کو تیری راہ راست بتلا دونگا۔ اس سے شیطان کے ارادے کی خوبی ظاہر ہے۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔ اُسکی ایسی ہی لغویات وحشویات بھری پڑی ہیں جن کی نقل میں سوائے تضیع اوقات کے کوئی فائدہ متصور نہیں ہے اُس کے اِن عقائد کو دیکھکر تمام اہلِ ایمان نے اُسکی خوب دھجیاں اڑائیں۔ اور اُس کے دلائلِ بے اصول کی ردّ وتنقید میں بہت سے اشعارِ آبدار نظم کئے ہیں جو آجتک مختلف کتابوں میں مذکور ومسطور ہیں۔ چنانچہ ملّا مجلسی علیہ الرحمہ نے بھی ایک بہت بڑی نظم بحار الانوار جلد ۱۳ میں قلمبند فرمائی ہے جسکو طوالت کے خوف سے ہم نہیں لکھتے۔

غرضکہ اُن کے اصول وعقائد کی عجیب وغریب صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ اُنکے ہمخیالوں میں اُن کا پایہ سب سے بڑھا چڑھا تھا۔ کیونکہ اُن کے ایسے وہ تمام لوگ جن کا ذکر اس بحث میں خاص طور پر مندرج کیا گیا ہی اپنے مغویانہ اور گمراہانہ خیالوں میں ایسی جرأت وآزادی سے کام نہیں لیتے تھے۔ اُنھوں نے بھی اپنے اصول عقائد میں تغیّر وتبدل ضرور کیا تھا۔ مگر تاہم اسلام کے قدیم عقائد میں کوئی ایجاد اور اضافہ نہیں کیا تھا مگر شلمغانی نے تو شروع سے لیکر اخیر تک تمام عقائد کو درہم وبرہم کرڈالا۔ اور اپنے حساب سے اپنے آپ کو ایک نئے مذہب اور جدید شریعت کا موجد بتلایا چنانچہ علی ابن ہمام کا بیان ہے کہ ہم نے ایک دن شلمغانی کو کہتے ہوئے اپنے کانوں سے سُنا ہے کہ اگرچہ خدا ایک ہے مگر (معاذ اللہ) مختلف لباسوں میں ظہور کرتا ہے۔ اور اُس کا لباس سفید ہوتا ہے تو ایک دل قرمزی۔ پھر تیسری بار کبود۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ خدا ایک تو ہے لیکن مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ علی ابن ہمام کہتے ہیں کہ اُسنے مجھے انہی عقائد

کی تعلیم دینی چاہی تھی اور یہ پہلا کلام تھا جو میں نے اُس سے سُنا تھا۔ مگر یہ باتیں سنتے ہی میں نے قطعی انکار کر دیا اور اُس کے اغوائے شیطانی پر لاحول پڑھ کر کہا کہ یہ عقائد تو بالکل مذہب حلولیہ کے ہیں۔

ہماری کتاب کے ناظرینِ شلمغانی کے ان عقائد سے جو صرف ذاتِ باری تعالیٰ عزاسمہٗ کی نسبت لکھے گئے کامل طور سے سمجھ جائیں گے کہ جب وجودِ الٰہی کے متعلق انکی قیاسی اور مصنوعی دلائل کی یہ حالت ہے تو نبوت اور امامت اور اور دیگر مسائلِ دینیہ کی بابت ان کے کیا خیال ہونگے۔ ہم ضمناً نبوت و امامت کے بھی چند عقائد ذیل میں قلمبند کرتے ہیں تاکہ ہمارے ناظرین کو ان کے عقائد فاسد کی پوری کیفیت معلوم ہوجائے یہانتک تو ہمارے ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ اُس ابلہ فریبی کا جیتا جاگتا جادو قبیلۂ بسطامیہ کے لوگوں پر خوب اچھی طرح چلا ہوا تھا۔ جب ان کے ارتداد اور فتنہ و فساد کی خبر حضرت ابی قسم رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو انھوں نے ان لوگوں کو اُس کے اغوا سے باز رکھنا چاہا۔ مگر وہ گروہ کا گروہ اور قبیلہ کا قبیلہ اسکا کچھ ایسا مطیع اور مرید تھا کہ اُن کی تحریر اور تاکید پر بہت کم متوجہ ہوا۔ اور شلمغانی سے جیسا لپٹا تھا ویسا ہی لپٹا رہا۔ اب سُنئے کہ حضرت ابی قسم رضی اللہ عنہ کی بات نہ ماننے کی کیا وجہ ہوئی۔ وہ یہ ہے کہ جب ایسے مغویانہ حکموں پر حضرت ابی قسم رضی اللہ عنہ کی طرف سے ناراضی اور ناپسندیدگی کے امتناعی حکم جاری ہوئے تو فرقہ بسطامی کے محض سادہ لوح لوگوں نے شلمغانی سے اُس کی وجہ پوچھی تو اُس نے ان کو یہ پٹی پڑھائی کہ حقیقت حال یہ ہے کہ ابی قسم نے مجھسے چند ایسے اسرار کہے تھے جن کو میرے یا اُن کے سوا کوئی تیسرا نہیں جانتا تھا۔ اتفاق سے میں اُنکے اسرار کے مخفی رکھنے پر قادر نہ ہو سکا اور اپنے بعض احباب سے اسکا حال کہدیا۔ بس یہی وجہ اُنکی ناراضی کی ہوئی۔ وہ راز بھی کچھ ایسا ہی عظیم تھا کہ اس کے لئے سوائے ملکِ مقرب یا نبیِ مرسل یا خالص الاعتقاد اور کامل الایمان مردِ مومن جنکی راسخ الایمانی اور فیوضِ روحانی کا امتحان خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ کے روبرو ہوچکا ہو اور وہ اس قدرتی آزمائش میں کامل اُتر چکا ہو اور دوسرا شایان اور سزاوار نہیں تھا۔

شلمغانی کی یہ توجیہ کیا تھی؟ اسکا چلتا فقرہ۔ جیتا جادو اور سفید جھوٹ شلمغانی کی اس سے کیا غرض تھی؟ صرف یہی کہ اس بیان سے اُس کے اوصافِ قربت۔ کمالِ معرفت اور ہم معاذ اللہ اس کے ذاتی مراتب ملکِ مقرب اور نبیِ مرسل کے برابر اور مساوی تسلیم کئے جائیں۔ ورنہ حقیقتہً نہ کوئی راز تھا نہ کوئی اسرار۔ یہ صرف زبانی باتیں تھیں اور لفاظی جمع خرچ۔ وہ فرقہ (بسطامیہ) عقل کے کچے اور جہالت کے پکے۔ شلمغانی کے دعوائے زبانی کو وحیِ آسمانی سمجھے اور آمنا و صدقنا کہہ کر اس کی عقیدت اور خلوص کی رفتار میں پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئے۔ بہر حال ہم نے جہاں تک شلمغانی کے اس فقرے کی بابت تحقیق کی ہے ہمکو یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ صرف اُس کا فقرہ ہی فقرہ نہیں تھا جو ایک وقتِ خاص تک محدود و موقوف بتلایا جاتا۔ بلکہ ہمیشہ اُس کا یہی عقیدہ تھا اور اُس نے اپنے اسی مصنوعی اسرار کی تعلیم ساری دنیا کو دینی چاہی تھی۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ ہمارے بیان پر تصدیق و توثیق کی کافی اور کامل روشنی ڈالتا ہے۔

ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت ابی قسم رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ناقل ہیں کہ میں ایک دن ابو جعفر بسطامی کی ماں کو دیکھنے گئی کیونکہ وہ کچھ علیل ہو گئی تھیں۔ وہ میرے استقبال کو دروازے تک آئیں اور میری تعظیم و تکریم میں حد سے زیادہ کوشش کی۔ یہانتک کہ میرے قدموں پر گر پڑیں میرے پاؤں کو چومنے لگیں اور اپنی آنکھوں سے لگانے لگیں اُن کے یہ خلافِ دستور اور غیر معمول اخلاص دیکھکر میں نے اپنے پاؤں کو کھینچ لیا اور کہا اے خاتون! آج کیا ہے جو آپ اپنی شان سے گزری ہوئی باتوں کا اظہار فرما رہی ہیں۔ یہ امور آپ کے ذاتی مراتب کے خلاف ہیں۔ میں کبھی اتنی تعظیم و تکریم کئے جانے کی مستحق نہیں ہو سکتی۔ یہ سُنکر وہ رونے لگیں اور کہنے لگیں اے خاتون معظمہ! میں کیونکر آپ کی تعظیم نہ کروں۔ کیونکہ آپ تو ہماری سیدہ اور مخدومہ ہیں۔ اور آپ میرے نزدیک جناب سیدہ فاطمہ

زہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔ یہ اُن سے سُننا تھا کہ میرے تمام بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آخر آپ نے میری اس علو مرتبت کی حقیقت کہاں سے معلوم کی۔ انھوں نے جواب دیا کہ حضرت ابی قسم ابوجعفر سمری رضی اللہ عنہ نے ہم لوگوں کو ایک راز سپرد کیا ہے اور ہماری امانت و حفاظت میں دیا ہے میں نے پوچھا کہ وہ کون سا راز ہے ہم بھی تو سُنیں۔ اُس نے کہا کہ اُس کے ہمیشہ مخفی رکھے جانے کا حکم ہے اگر ہم اس سرِ عظیم کو افشا کریں تو ہم عذابِ الیم میں گرفتار ہوں گے۔ امّ کلثوم .... کا بیان ہے کہ ان باتوں کو سُن سُن کر میرے دل کی الجھن اور اضطراب کی وہ کیفیت ہوئی کہ حدِ بیان سے بالکل باہر ہے۔ آخر کار میں نے کسی نہ کسی طرح اپنے دل کو سنبھالا اور اپنے اضطراب و استعجاب کو ٹالا اور اُن خاتون سے بمنّت و سماجت کہا کہ آپ کامل طور سے مطمئن رہیں۔ مجھ کو اس راز سے مطلع کردیں میں کسی سے آپ کے راز کو نہ کہوں گی۔ اور نہ کسی صحبت میں اس کا چرچا یا ذکر کروں گی۔ جب میں نے ان کا پورا اطمینان کردیا تو انھوں نے بیان کیا کہ ابی قاسم رضی اللہ عنہ نے ہم لوگوں کو بتلایا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مطہر نے (معاذ اللہ) شیخ ابی قاسم محمد ابن عثمان سمری رضی اللہ عنہ میں حلول کیا ہے۔ اور حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی روح شیخ ابوجعفر کے جسم میں داخل ہوئی ہے (نعوذ باللہ) اور جناب سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی روح مبارک تم میں (امّ کلثوم راوی حدیث میں) موجود ہے۔ جب تمہارے عز و مراتب اور فضائل و مناقب کی یہ کیفیت ہو تو پھر ہم کیونکر تمہاری تعظیم و تکریم کو اپنی مفاخرت اور سعادتِ ابدی کا باعث نہ سمجھیں اور تمہاری گرد پا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ نہ بنائیں؟

امّ کلثوم کا بیان ہے کہ یہ تفصیل پر تفصیل سُنکر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور میں اپنے تمام جسم سے کانپنے لگی۔ اسی عالم میں میں نے ان کو ڈانٹا اور کہا کہ یہ ساری باتیں جھوٹی اور وضعی ہیں یہ تمام کلام صریح اتہام میں جو ابوجعفر کے سر مفت باندھے جاتے ہیں۔ ان کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ یہ سُنکر اُس پیرزن نے مجھ سے کہا کہ یہ ایک رازِ عظیم ہے کہ آپ کے اطمینان دلانے اور آپ کو امین بانے کی وجہ سے میں نے اس کا افشا آپ سے کردیا تھا اب مجھ کو خوف ہے کہ اس کے افشا کردینے کی وجہ سے مجھ پر عذابِ الیم نازل نہ ہو۔

امّ کلثوم کا بیان ہے کہ میں نے اُن کی ان لغویات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اپنے گھر واپس آکر ساری روئداد حضرتِ ابوجعفر سے بیان کردی۔ انھوں نے جواب دیا کہ یہ تمام کفر و زندقہ کے عقائد ہیں اور اُس خبیث ملعون شلمغانی نے اس سادہ لوح جماعت کے دل میں کفر و الحاد کے ایسے گمراہانہ عقائد بھر دیے ہیں۔ یہ دلائل کم عقلی۔ سوء فہمی اور گمراہی کی وجہ سے اس کے کلام اور اقوال کا اعتبار کرتے ہیں اور اپنی ضلالت کے اعتقاد کو اپنا خاص طریق سمجھتے ہیں۔ اب یہی باقی رہ گیا ہے کہ تھوڑے دنوں اور آگے چلکر یہ ان بیوقوف اور کوتہ اندیشوں کو بتلائیگا کہ معاذ اللہ ہم شلمغانی اور خدا ایک ہے۔

امّ کلثوم کا بیان ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے یہ سُنکر میں ایسی متنبہ ہوئی کہ پھر میں نے اسی وقت سے گروہ بطامیہ کے لوگوں سے رسم و راہ اور بود و باد یعنی غرضکہ جملہ ابواب مقطوع اور مسدود کردیے یہانتک کہ شلمغانی کی شامت کا پورا زمانہ آگیا۔ اور قبیلۂ بحتی کے تمام لوگوں میں ان کی اللہ فریبی کی داستان بچہ بچہ کے زبان زد ہوگئی۔ اور ہر شخص ان کے حشویات و لغویات سے بخوبی واقف ہوگیا۔ یہانتک کہ توقیع مبارک کے ذریعہ سے ان کے مطاعن و معائب کا پورا اعلان فرمادیا گیا۔ اور حضرت ابی قسم کے ذریعہ سے ان کے لعن اور طعن اور تشنیع کا حکم بھی آگیا جب ان کے لعن کا فتوے شہر کے تمام گلی کوچوں میں مشتہر ہونے لگا تو قبیلہ بسطام کے لوگوں میں پھر تشویش پیدا ہوئی۔ وہ سب گھبرائے ہوئے ان کے پاس آئے اور اب اسکی وجہ پوچھنے لگے تو شلمغانی نے ان کو یہ الٹی منطق سُنائی اور اپنی بگڑی بات یوں

بتائی کہ ابی قسم نے مجھ پر لعن کرنے کے بارے میں جو حکم سُنایا ہے پہلے اس کو سمجھ لو۔ وہ تو اُس حکم میں بھی میری مخالفت کا حکم نہیں دیتے بلکہ اس سے تو میری موافقت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ مجھ پر لعنت کئے جانے سے یہ مراد نہیں ہے جو عام طور سے سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ یہ مقصود ہے کہ خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے عذاب کو ہم سے دور رکھے۔ فرقہ بسطامیہ کے لوگ اس وقت کچھ ایسی ہی شامت میں گرفتار تھے کہ اس کی اس پٹی میں بھی آگئے اور شلمغانی نے ان گرما گرم چھینٹوں سے ان کی ساری گرمی کو ٹھنڈا کر دیا۔ اور وہ پھر اُسی کے کلام پر ایمان لاکر اُس کے ویسے ہی مطیع و فرمانبردار بنے کے بنے رہے جیسے اس سے پہلے تھے۔

اب سُنئے یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ اس (شلمغانی) کی مصنوعی عظمت وجلالت اسی سادہ لوح فرقہ تک محدود و موقوف تھی۔ اُس نے جب اپنے اِس گمراہانہ مشن کا اثر تمام شیعہ گروہ میں پھیلتا ہوا نہیں دیکھا اور وہ کسی طرح اپنی ابلہ فریبیوں کی کوششوں میں کامیاب نہ ہوا تو اُس نے اپنے جھوٹے دعووں کی زبانی تصدیق میں شیخ ابی قسم رحمۃ اللہ علیہ سے مباہلہ کرنے پر آمادگی دکھلائی اور اپنے معتقدین کے ایک بڑے جلسہ میں بیان کیا کہ میں شیخ ابی قسم رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑتا ہوں اور وہ میرا۔ اور وہ اپنے استحقاقِ نیابت کے حق ہونے پر حلف لیں اور میں اپنے حقوق پر۔ اس حالت میں اگر آسمان سے بجلی گرے تو میں حق پر ہوں اور وہ ناحق پر۔ اور اگر آسمان سے بجلی نہ گرے تو وہ حق پر ہیں اور میں باطل پر۔

چونکہ اقسام مباہلہ حضرات انبیاء و اوصیاء سلام اللہ علی نبینا و آلہ و علیہم السلام تک محدود و موقوف رکھے گئے ہیں اسلئے شیعہ پبلک نے شلمغانی کے اس چیلنج کو خلاف شریعت سمجھ کر کوئی توجہ اور اعتبار نہیں فرمائی۔

شدہ شدہ اسکی خبر ابن مقلہ کے ذریعہ سے راضی باللہ کو ہوئی کیونکہ شلمغانی نے یہ دعوے زبانی ابن مقلہ کے گھر میں کیئے تھے۔ راضی یہ گمراہانہ تقریر سن کر سخت برہم ہوا۔ اُس نے شلمغانی کو بلوایا۔ یہ آئے تو فوراً ان کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ حکم کی دیر تھی۔ سرہنگانِ سلطانی نے فوراً خلیفہ عصر کے حکم کی تعمیل کر دی۔

یہ تھے شلمغانی کی مغویانہ اور گمراہانہ کوششوں کے مفصل حالات اور آخر نتیجے۔ ہم نے اس کے حالات کو اُس کے دوسرے ہمخیالوں کے واقعات سے زیادہ لکھا ہے اور اس تفصیل سے ہماری اتنی ہی غرض تھی کہ اُس زمانہ میں چاروں طرف ارتداد اور کفر والحاد کے سر بفلک طوفان اُٹھ رہے تھے اور شلمغانی کے ایسے مختلف لوگ اپنی دنیا بنانے اور عوام الناس کو بہکانے کی غرض سے جہالت وضلالت کے دام میں گرفتار کر رہے تھے۔

ابو محمد بن ہارون ابن موسیٰ نے علی ابن محمد ابن ہمام سے شلمغانی کے عقائد کی نسبت پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ شلمغانی کو کوئی رسوخیت اور رسوخ حضرت ابوقسم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاصل نہیں تھا۔ اور نہ شیخ مرحوم علیہ الرحمہ نے اپنی طرف سے اُس کو کسی خاص منصب پر مامور فرمایا تھا۔ بلکہ وہ تو معمولی فقہا میں شمار ہوتا تھا۔ اور جہاں اور لوگ شیخ علیہ الرحمہ کے حلقہ صحبت میں اپنے استفاداتِ علمی اور تعلیم ہدایت کی غرض سے حاضر ہوا کرتے تھے اُنھی میں ایک یہ بھی تھا۔ ایک عرصہ تک اُن کی حاضری اُن کی خدمت میں ہوتی رہی۔ مگر اس حضوری سے کسی خاص عہدے یا منصب کی ماموری نہیں ثابت ہوتی۔ اور نہ ایسی کوئی عظمت وجلالت نمایاں ہوتی ہے۔ یہ ایسے ہی رہے۔ یہاں تک کہ ان پر طمع دنیاوی حاوی ہوگئی۔ حصول دولت کی حرص غالب آگئی۔ فرقہ بسطام سے اُن کا تعلق ہونا تھا کہ ان کے ایمان میں کفر وزندقہ کی لغزش پیدا ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ اتنی بڑھی کہ آخر میں ان کو کافر ثابت کر گئی اور یہ اپنے عقائد باطلہ کے ہاتھوں فرقہ حلولیہ میں داخل اور شامل ہوگئے یہانتک کہ ان کے ملعون ہونے کے متعلق ذیل کی عبارت میں توقیع مبارک صادر ہوئی۔

اعرف۔ اطال اللہ بقائک وعرفک الخیر کلہ وختم بہ عملک من تثق بدینہ وتسکن الی نیتہ من اخواننا ادام اللہ سعادتھم بان محمد ابن علی المعروف بشلمغانی عجل اللہ لہ النقمۃ ولا امھلہ قد ارتد عن الاسلام وفارقہ والحد فی دین اللہ وادعی ما کفر معہ بالخالق جل وتعالی وافتری کذبا وزورا وقال بھتانا واثما عظیما وکذب العادلون باللہ وضلوا ضلالا بعیدا وخسروا خسرانا مبینا وانا برئنا الی اللہ تعالیٰ والی رسولہ والہ صلوات اللہ ورحمتہ وبرکاتہ علیھم منہ ولعنّاہ علیہ لعائن اللہ تتری فی الظاھر منا والباطن فی السر والجھر وفی کل وقت وعلی کل حال وعلی من شایعہ وتابعہ وبلغہ ھذا القول منا فمن اقام علی تولیۃ بعدہ واعلمھم تولاکم اللہ اننا فی التوقی والمحاذرۃ منہ علی ما کنا علیہ ممن تقدمہ من نظرآئہ من الشریعی والنمیری والھلال والبلالی وغیرھم وعادۃ اللہ جل ثناءہ مع ذلک قبلہ وبعدہ عندنا جمیلۃ وبہ نثق وایاہ نستعین وھو حسبنا فی کل امورنا ونعم الوکیل۔

خدائے سبحانہ وتعالیٰ تمہیں طولِ عمر کی نعمت عطا فرمائے اور تم کو تمام خیر و برکات سے مطلع فرمائے کہ تم اپنے دین پر قائم رہو اور اپنے اخوان دینی کے ساتھ اپنی نیت درست رکھو۔ خدائے سبحانہ وتعالیٰ تمہاری سعادت کو ہمیشہ قائم رکھے۔ سمجھ لو کہ محمد ابن علی المعروف بہ شلمغانی خدا اُسپر عذاب نازل فرمائے اور اسکو مہلت نہ دے۔ اسلام سے مرتد ہو گیا۔ دین خدا کا تارک ہو گیا۔ اُس نے دین خدا میں الحاد پیدا کیا۔ اور ان چیزوں کا دعوے کیا جو خدائے سبحانہ وتعالیٰ کیطرف سے کفر قرار دیگئی۔ اور اُس ذاتِ مقدس پر کذب وافترا کیا۔ معصیتِ عظیم کا مرتکب ہوا۔ جو لوگ کہ حق سے پھر گئے ہیں انھوں نے خدا پر افترا کیا ہے۔ اور وہ گمراہ ہوئے ہیں اور سخت نقصان اٹھانے والے ہوئے ہیں میں اُس کے تمام افعال و اقوال سے بری الذمہ ہوتا ہوں۔ اور اپنے اس اقرار و اعتراف پر خدا۔ رسولؐ۔ اور تمام ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کو شاہد کرتا ہوں اُس پر لعنت کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ہر وقت۔ اور ہر حال میں۔ ظاہر میں اور باطن میں اُس پر اور اُس کے تابعین پر خدائے وحدہٗ لاشریک کی لعنت ہو۔ اور ان لوگوں پر بھی جو میری اس وصیت اور ہدایت کے سننے کے بعد بھی اُس کی عقیدت اور اطاعت کا دم بھریں۔ اور اُس کی فرمانبرداری اور متابعت کا اقرار کریں۔ تم میری اس تحریر کو اپنے تمام معتمدین اور مومنین اور موقنین پر اعلان کردو۔ اور ہماری بیزاری کے معاملات اُن کے ساتھ جو اُسی کے ایسے قبل میں گزر چکے ہیں۔ ایسے ہی ہیں جیسے شریعی۔ نمیری۔ ہلالی اور بلالی۔ غیرہم دشمنانِ خدا گزر چکے ہیں۔ ہم حکمِ خدا پر قائم ہیں اور اُسی سے اعانت کے خواہاں ہیں اور اپنے تمام امور کو اُسی کے سپرد کرتے ہیں اور وہی ہمارا مالک ہے۔

بہرحال ہماری اس بحث سے جس کو ضرورتاً ہم نے کسی قدر طوالت کے ساتھ لکھا ہے۔ ہمارے ناظرین کتاب کو پورے طور سے معلوم ہو جائیگا کہ نظامِ مشیت کو اپنی حجت آخر کے پنہاں کر دینے کیلئے ایسے کفر و ضلالت اور ازنداد و جہالت کے طوفان خیز عالم میں کیسی سخت اور ناگزیر ضرورت پیش ہوئی۔ کیونکہ قبولِ حق سے تمام طبائع پھرتے جارہے تھے اور متنفر ہوتے جاتے تھے۔ صراطِ مستقیم سے پھرتے جاتے تھے۔ زمانہ ناہنجار کی روش اختیار کرتے جاتے تھے۔ ارشاد و ہدایت کے ایجاب و تسلیم کے عوض میں الحاد و غوایت کے اصول نہایت رغبت اور میلانِ طبیعت کے ساتھ قبول کرتے تھے۔ انبیائے مرسلین اور اوصیائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ارشاد و ہدایت کو جانے دیجئے۔ الوہیت اور خدا کی وحدانیت کے خاص عقائد میں بھی جن کو اصول اسلام نے مختلف ادیان و مذاہب کے مقابلہ میں بھی کس خوبی اور وضاحت کے ساتھ بدلائلِ صحیحہ ثابت کر دیا تھا۔ اپنی نفسانیت اور جہالت کے باعث اپنی طرف سے کیسے کیسے خاص امتیازات قائم کئے اور اُس کی

ذاتِ یکتا کو مختلف وسائل اور متفرق اسباب و ذرائع کا محتاج ثابت کرنے لگے۔

یہانتک بھی خیریت تھی۔ کیونکہ ایسے عقائد رکھنے والے اور ایسے اصول بتلانیوالے امم سابقہ کے زمانہ میں بھی گذر چکے ہیں قیامت تو یہ ہوئی کہ کچھ اور آگے چلکر اِن دشمنانِ اسلام نے اپنے آپ کو خدا کی خدائی میں شریک اور اُس کی یکتائی میں سہیم بتلایا۔ یہ کچھ ایسا دورُوبہ خدائی کا دعویٰ تھا جو نمرود و فرعون کے دعووں سے بھی بڑھ گیا تھا۔ کیونکہ نمرود و فرعون نے اپنے آپ کو صرف خدا کہلانیکی کوشش کی تھی مگر ان لوگوں نے تو نصاریٰ کے عقائد کے موافق خدا کو بھی خدا بتلایا اور اپنے آپ کو بھی۔ اگر سچ پوچھا جائے تو ایک روشن عقل اور صحیح دماغ شخص ان کو نمرود و فرعون سے بھی بدتر اور ان کے حشویات و مہملات کو اُن کے لغویات سے بھی زیادہ فضول اور بیکار سمجھے گا اسی کے ساتھ یہ امر بھی ضرور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ امم سابقہ کے زمانہ میں الوہیت کا دعویٰ کرنے والا ایک ہی شخص ہوا کرتا تھا۔ اور وہ بھی کون؟ جو اپنی ذاتی قوت و اختیار اور ثروت و اقتدار کے اعتبار سے ظاہری طور پر تمام دنیا کے لوگوں سے عظیم الشان اور جلیل القدر ثابت ہوتا تھا۔ غرضکہ انہی صفاتِ ظاہری کے باعث سے وہ اپنی نسبت ان مہملات کا دعویٰ کرنے لگتا تھا۔ مگر اس زمانہ ناہنجار میں خدائی کے دعوے کرنیوالے ایک نہیں بلکہ مختلف اور متفرق قوم و قبیلہ کے معمولی اور محض ادنیٰ لوگ ہوا کرتے تھے جنکو نہ دنیاوی ثروت و اقتدار میں کوئی حصہ ملا تھا اور نہ قدرت و اختیار میں کوئی سلیقہ حاصل تھا۔ اسلئے واقعات موجودہ کے اعتبار سے یہ ناہنجار زمانہ زمانۂ سابق کے ایام نافرجام سے کہیں زیادہ بدتر تھا جسمیں ظہور حقیقت قطعی دشوار تھا۔

ان تمام مصالح کو پیشِ نظر رکھکر نظامِ مشیت نے احکامِ امامت کے آئندہ نفاذ کو اگرچہ وہ کیسی ہی آزادی سے نہ جاری کیئے جاتے ہوں قائم رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ اسلئے کہ ناعاقبت اندیش۔ کوتہ بین اور ثمول پسند ابناء زمانہ کے موجودہ طبائع جہالت و ضلالت کے آرائشی اور نمائشی اصول و احکام کے مقابلہ میں شریعت کے بتلائے ہوئے قواعد اور نصاب کو اختیار نہیں کریں گے اور اپنی سہل پسندی اور تن آسانی کی موجودہ حالتوں میں احکامِ امامت اور مناسبِ شریعت کو کوئی چیز نہیں سمجھیں گے۔ کیونکہ وہی احکام آج ساٹھ برس سے رات دن اُن کے پیش نظر تھے۔ اور انہی میں اسلام کا ایک فرقہ اُن کو اپنے خلوص و عقیدت کے ساتھ مانتا اور برتتا چلا آتا تھا جن کی رفتار و کردار کو وہ برابر دیکھتے چلے آتے تھے۔ مگر تاہم اِس سے کوئی نتیجہ نہیں نکالتے تھے۔ اور نہ اِس سے کوئی فائدہ اٹھاتے تھے۔ بلکہ بخلاف اس کے ان کی جہالت۔ ان کی ضلالت۔ ان کا ارتداد اور کفر و الحاد روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا نئے نئے اصول اور نئے نئے اعتقاد کی ایجاد ہوتی جاتی تھی۔ اسلام کی تمام خوبی۔ سیرتِ مصطفوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام محاسن فراموش کردئیے گئے۔ یہانتک کہ اِن بگڑے ہوئے مسلمانوں نے اپنے اصول و عقائد کی صورت بگاڑدی کہ خدا کی یکتائی تک میں اپنے حصہ ٹھہرائے۔ اور علانیہ انا الحق کا نعرہ لگایا۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔ یہ وہی اسلام ہے جس نے شرک سے بچنے کیلئے امت کو کسقدر سخت تاکید کی تھی اور اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ کے مدعا کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ یہ وہی اسلام ہے جس نے خدا کی وحدانیت کے اُلجھے ہوئے مسئلہ کو پاک و صاف کرکے اس کو پھر دنیا کی سطح پر قائم کیا تھا۔ یہ وہی اسلام ہے جس کے بانی روحی لہ الفدا نے تمام مسلمانوں کو ایک خدا کی خالص عبادت کرنیکا حکم دیا تھا۔ یہ وہی اسلام ہے جس نے وحدانیت کی تعلیم کی بابت تمام دوسرے مذہب والوں کو چیلنج دیا تھا مگر افسوس اب وہی اسلام جو اور مسائل کو چھوڑ کر وحدانیت کے خاص مسئلہ میں نصرانیوں اور مجوسیوں کے اصول و عقائد کا پابند ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اتنے اور ایسے کفر و الحاد کے موجودہ زمانہ میں نظامِ ظاہری امامت کا قائم رہنا اب شریعت کے خلاف تھا اور چونکہ بفحوائے لا یعلمہ الا اللہ اس کا وقت مقررہ بھی پہنچ ہی گیا تھا اس لئے نظامِ مشیت اور احکامِ قدرت نے

اجرائے شریعت اور احیائے سنّت کی خدمات کو ظاہری طور پر علمائے کہا۔ اور فضلائے روزگار کی قوتِ اجتہاد کے سپرد فرمایا جن کے اوصاف کو انّمَا یَخشَی اللہَ مِن عِبَادِہِ العُلَمٰوٓٔ کی صفات مخصوصہ سے موصوف فرما چکا تھا۔ اور نظامِ امامت کے آئندہ نفاذ کو ایک زمانۂ محدود تک موقوف فرما دیا جس کے شمار اور تعداد کا علم سوائے اُسکے اور کسی کو نہیں دیا گیا ہے۔

یہ تھے غیبتِ کبریٰ کے واقع ہونے کے سرسری اور سطحی اسباب۔ جن کو ہم نے صرف موجودہ واقعات پر نظر کر کے لکھدیا ہے جن پر ہم حقیقت اور اصلیت کا کوئی حکم نہیں لگا سکتے۔ اور نہ ان کو اصلی سبب اور واقعی وجہ غیبت کبریٰ ہونے کی ٹھہرا سکتے ہیں۔ اس کے اصلی وجوہ اور واقعی اسباب سوائے علّام الغیوب کے کوئی دوسرا بیان نہیں سکتا۔ اور ان کی بابت زیادہ غور و خوض کا بھی حکم نہیں ہے کیونکہ اسرارِ الٰہی میں خواہ مخواہ مداخلت بالکل بے موقع اور بے جا جسارت ہے جسکو کوئی صاحبِ عقل و شعور پسند نہیں کرتا۔

اتنا لکھکر ہم کو یقین ہے کہ ہماری کتاب کے ناظرین ہمارے موجودہ مضامین بحث سے اپنی خاطر خواہ تشفی اور کامل اطمینان کر لینگے اب ہم اُن کے مزید اطمینان کی غرض سے جناب قائمِ آلِ محمد علیہ سلام کے خاص ارشاد و اقوال بھی ذیل میں درج کئے دیتے ہیں جن کو آپ نے غیبت کبریٰ کے ابتدائی زمانہ میں ایک خالص الاعتقاد اور کامل الایمان صحابی سے ارشاد فرمایا تھا :-

ابراہیم ابن مہزیار رحمۃ اللہ علیہ سے جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی گفتگو

مُلّائے مجلسی علیہ الرحمۃ بحار الانوار جلد سیزدہم میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابراہیم ابن مہزیار رحمۃ اللہ علیہ بزرگانِ شیعہ میں سے تھے اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے معتمدین اصحاب میں شمار ہوتے تھے۔ غیبت کبریٰ کے وقوع ہوتے ہی اُن کو جناب قائم آلِ محمد علیہ اسلام سے بالمشافہ ملنے اور آپ کی زیارت سے مشرف ہونے کا کچھ ایسا ہی شوق پیدا ہوا کہ ایک عرصہ تک وہ اپنا گھر بار اور تمام کاروبار چھوڑ کر آپ کی تلاش میں شہر شہر اور قریہ بقریہ پھرتے رہے۔ یہانتک کہ وہ اسی تردّد و تجسس میں مدینہ منورہ میں وارد ہوئے۔ اور یہاں بھی اپنے اثنار قیام میں گلی گلی کی خاک چھان ڈالی۔ مگر کہیں سراغ نہ ملا مجبور ہو کر مکہ معظمہ میں تشریف لائے۔

ابراہیم کا خود بیان ہے کہ میں ایک دن طوافِ کعبہ سے فارغ ہو چکا تھا کہ ایک جوان صالح با حُسن صورت میرے سامنے سے گزرا میں اُس کی طرف خود بخود اس غرض سے چلا کہ اپنی عرضِ حاجت اُس سے کرونگا۔ اور اپنے موجودہ امور میں اُس سے کچھ مشورت خاص لوں گا۔ اس غرض سے جب میں ان کے قریب پہنچا تو میں نے سلام کیا۔ اُنھوں نے نہایت کشادہ پیشانی اور حسنِ اخلاق سے میرے سلام کا جواب دیا اور مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا کہ عراق کا رہنے والا ہوں۔ پوچھا کہ عراق کے کس شہر میں رہتے ہو؟ میں نے کہا کہ شہر اہواز کا رہنے والا ہوں۔ یہ سُن کر اُس نے خوش ہو کر کہا مَرحَبًا بِلِقَائِكَ خدا میرے لئے تیری ملاقات کو مبارک فرمائے۔ تم اہواز میں جعفر ابن حمدان خصیبنی کو بھی جانتے ہو؟ میں نے کہا۔ ہاں۔ میں اُنھیں خوب جانتا تھا۔ اُن کا تو انتقال ہو گیا۔ یہ سن کر اُنھوں نے کہا کہ رحمۃ اللہ علیہ۔ وہ شب و روز عبادت گزاری اور پرہیزگاری میں بسر کرتے تھے۔ تا اینکہ اُنہی محاسنِ اعمال کے صلہ میں خداوندِ عالم نے ان کو ثوابِ جمیل اور اجرِ جزیل عطا فرمایا۔ اتنا کہکر اُنھوں نے پھر پوچھا کہ ابراہیم ابن مہزیار کو بھی جانتے ہو؟ میں نے کہا کہ وہ میں ہی ہوں یہ سُن کر انھوں نے مجھسے معانقہ کیا۔ اور کہا کہ مرحبًا بك یا ابا اسحٰق۔ وہ نشان جو خلوص و اعتقاد کے اعتبار سے حضرت امامِ حسن عسکری علیہ السلام نے تمہیں عنایت فرمایا تھا کیا ہوا؟ یہ سُنکر مجھے حد درجہ کی مسرت ہوئی۔ اور میں نے اسی وقت اپنے دل میں سمجھ لیا کہ اب انشاء اللہ تعالیٰ میں بہت جلد اپنے مقصودِ دلی پر فائز ہوں گا۔ کیونکہ جس علامت کی طرف اُس جوانِ صالح نے اشارہ کیا ہے وہ ایک انگشتری ہے جو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھے

عنایت فرمائی ہے اور آپ کے اس عطیہ کو سوائے میرے یا اُن جناب کے کوئی دوسرا شخص نہ جانتا تھا۔ اور نہ آج تک میں نے اس قصہ کو کسی سے بیان ہی کیا تھا۔

بہر حال۔ ابراہیم ابنِ مہزیار کا بیان ہے کہ میں نے اپنی مسرت اور فرحت کے موجودہ عالم میں جواب دیا کہ وہ آپ کی عنایت فرمودہ علامت میرے پاس اِس وقت تک موجود ہے۔ یہ کہکر وہ انگشتری مطہر میں نے اپنی ہمیانی سے نکالی اور اُن کو دکھلائی۔ اُس کو دیکھتے ہی اُس جوان صالح نے نہایت شوق سے اُس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور نہایت عظمت سے اُس کو آنکھوں سے لگایا۔ اور متواتر بوسے لئے۔ پھر جو کچھ اُس خاتم مطہر کے حلقہ میں تحریر تھا پڑھا۔ اس میں اسمائے مقدس یا اللہ۔ یا محمد۔ یا علی۔ منقوش تھا۔ اِن سب امور کے بعد اُنھوں نے کہا کہ میری جان اُن حضرات (جناب امام حسن عسکری علیہ السلام) پر فدا ہو۔ میں نے ہزارہا مسائل آپ کی خدمت میں عرض کئے اور اُن کے جواب خاطر خواہ پائے۔ انواع واقسام کی حدیثوں کو آپ کی زبان معجز بیان سے سنا اور اُن کو اپنے سینہ میں ذخیرہ کیا۔ اور انہی خاص وجوہ سے میں آپ کی خدمت میں بمقابلۂ دیگر حضرات کے زیادہ ممتاز خیال کیا جاتا تھا۔

ابراہیم ابن مہزیار کا بیان ہے کہ وہ جوانِ صالح یہاں تک بیان کر کے پھر مجھ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا اے ابا اسحٰق! اپنے اُس مقصد عظیم سے جس کی تقدیم وتعمیل کا قصد تم بعد فراغت حج اپنے دل میں رکھتے ہو مجھ سے بیان کرو اس کے جواب میں میں نے اُن سے کہا کہ میں اپنا کوئی مطلب آپ سے پوشیدہ نہیں رکھنے کا۔ اُس نے جواب دیا کہ مناسب تو ایسا ہی ہے۔ اب اِس وقت تم کو جو پوچھنا ہو پوچھو انشاء اللہ المستعان تمہارے تمام مطالب ومقاصد کی تفصیل وتشریح تم سے من وعن بیان کر دونگا۔ میں نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا۔ سبحان اللہ آپ کے دو صاحبزادے ہیں محمد (قائم علیہ السلام) اور موسیٰ اور میں اِن دونوں بزرگواروں کی جبین قمر آئین سے انوارِ ہدایت مشاہدہ کرتا ہوں۔ میں اُنہی کا فرستادہ ہوں۔ وہ طائف میں مقیم ہیں تم کو بلایا ہے۔ اگر تم کو ان کی زیارت کا شرف حاصل کرنا ہے تو بے تکلف اور بلا توقف میرے ساتھ چلے چلو۔ اور اپنے رفقاء میں سے کسی کو بھی اس کی مطلق خبر نہ کرو۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی میں اُس جوانِ صالح کی ہمراہ ہولیا۔ اور ریگستان کے لق ودق میدان سے ہوتا ہوا اُس مقام پر پہنچا جہاں صحرا کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں پہنچکر میں نے ایک بہت بڑا عظیم الشان پشمینہ کا خیمہ ایک اونچی زمین پر برپا دیکھا جس کی وجہ سے اس ویران میدان کے چاروں طرف کا حصہ شاداب اور آباد معلوم ہوتا ہے۔ جب یہاں ہم پہنچے تو ہمارا ہمراہی جوانِ صالح ہم سے جدا ہو کر اُس خیمہ کے اندر چلا گیا۔ اور وہاں میری حاضری کی اطلاع کی۔ اِن دونوں بزرگواروں میں سے وہ حضرت جو سن میں بڑے تھے باہر نکل آئے۔ اور میں نے اُن کے سراپائے مبارک پر نظر کی تو دیکھا کہ وہ نہایت پاکیزہ صورت ہیں اور جوان۔ جسم مطہر کا رنگ بالکل صاف ہے۔ چوڑی پیشانی ہے۔ ابروہائے مبارک ایک دوسرے سے باہم ملے ہوئے ہیں۔ رخسار نرم ہیں اور بینیِ مقدس اونچی ہے۔ سیدھے رخسار پر ایک تل تارے کی طرح روشن ہے اور وہ عالم دکھا رہا ہے جیسے آئینہ پر مشک کا ریزہ فرقِ اقدس پر تین گیسو کانوں کی لو تک جھوٹے ہوئے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ خداداد صورت تھی کہ دنیا کی آنکھوں نے کبھی اس حسن وصورت کا انسان نہ دیکھا ہوگا اور میں نے بخدائے لایزال ایسے وقارِ وعظمت واقتدار کا کوئی آدمی آجتک اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ اللھم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ۔

بہر حال ابراہیم بن مہزیار رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ اُن کو اس ہیبت وجلالت سے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر میں اپنے موجودہ اشتیاق وتمنا کی مضطربانہ پر جوشیوں میں دوڑتا ہوا اُن کے قریب پہنچا اور بیساختہ اُن کے قدموں پر گر پڑا۔

اور اُن کے پائے مبارک کو بار بار چومنے لگا۔ آپ نے اپنے خلق عظیم کے تقاضے سے مجھے فوراً اٹھایا۔ گلے سے لگایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ اے ابا اسحٰق! تم نے آج بہت بڑے مکان رفیع و وسیع میں قدم رکھا ہے اسمیں شک نہیں کہ تم مجھ سے ملنے کا ہمیشہ اشتیاق رکھتے تھے۔ مگر یہ بات جانبین کو میسر نہیں ہوتی تھی۔ مگر باوجود ظاہری مفارقت و دوری کے چونکہ ہمارے تمہارے فیمابین خلوص و اتحاد کے ایسے ہی مراسم وابستہ تھے اور کامل کہ تمہارا خیال اور تمہاری یاد میرے دل میں ہمیشہ متمکن تھی اور یہ خیال اور یہ یاد کچھ ایسی ہی مستقل اور پائدار تھی کہ گویا مجھ کو ہمیشہ تم سے مجالست اور مکالمت کا لطف حاصل ہے۔ اُس خدا کا ہزار ہزار شکر ہے جو لائق حمد و ثنا ہے اور اس نے اپنے فضل و کرم سے مجھ کو تمہاری ملاقات میسر فرمائی اور میرے طائرِ دل کو قفسِ مفارقت سے رہائی دلوائی۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ اتنی تقریر کے بعد پھر آپ نے اہواز کے دیگر مومنین کو مجھ سے پوچھا تو میں نے خدمت مبارک میں عرض کی کہ یا مولا جس وقت سے میرے آقا جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے انتقال فرمایا۔ میں نے آپ کی تلاش میں اپنا گھر بار چھوڑ دیا۔ اور اُس وقت سے لیکر اس وقت تک برابر آپ کی جستجو میں حیران و سرگردان پھرتا ہوں۔ اس وجہ سے میں اُن حضرات کی کچھ بھی خبر نہیں رکھتا۔ مگر اب الحمد للہ خدا نے مجھکو میرے مقصود تک پہنچایا۔ اور میرے خضرِ طالع نے مجھ کو راہِ مقدس تک جا لگایا۔ اور حقیقۃً مجھ پر بڑا فضل و کرم فرمایا۔

اس کے بعد آپ مجھے ایک علیحدہ خلوت میں لیگئے۔ اور مجھکو اطمینان سے بٹھلا کر ارشاد فرمانے لگے:۔

اِنَّ اَبِیْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ عَھِدَ اِلَیَّ اَنْ لَّا اُوْطِنَ مِنَ الْاَرْضِ اِلَّا اَخْفَاھَا وَاَقْصَاھَا اِسْرَارًا لِّاَمْرِیْ وَتَحْصِیْنًا لِّمَحَلِّیْ مِنْ مَّکَائِدِ اَھْلِ الضَّلَالِ وَالْمَرَدَۃِ مِنْ اِحْدَاثِ الْاُمَمِ الضَّوَالِ فَنَبَذَنِیْ اِلٰی عَالِیَۃِ الرِّمَالِ وَجُبْتُ صَرَائِمَ الْاَرْضِ تَنْظُرُوْنِی الْغَایَۃَ الَّتِیْ عِنْدَھَا یَحِلُّ الْاَمْرُ وَیَنْجَلِی الْھَلَعُ وَکَانَ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْہِ اَنْبَطَ لِیْ مِنْ خَزَائِنِ الْحِکَمِ وَکَوَامِنِ الْعُلُوْمِ مَا اِنْ اَشَعْتُ اِلَیْکَ مِنْہُ جُزْءَ الْغِنَاءِ عَنِ الْجُمْلَۃِ۔ اِعْلَمْ یَا اَبَا اِسْحٰقَ اِنَّہٗ قَالَ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْہِ یَا بُنَیَّ اِنَّ اللّٰہَ جَلَّ ثَنَاءُہٗ لَمْ یَکُنْ لِیُخْلِیَ اَطْبَاقَ اَرْضِہٖ وَاَھْلِ الْجِدِّ فِیْ طَاعَتِہٖ وَعِبَادَتِہٖ بِلَا حُجَّۃٍ یُسْتَعْلٰی بِھَا وَاِمَامٍ یُؤْتَمُّ بِہٖ وَیُقْتَدٰی بِسُبُلِ سُنَّتِہٖ وَمِنْھَاجِ قَصْدِہٖ وَاَرْجُوْ یَا بُنَیَّ بِلُزُوْمِ حَوَافِی الْاَرْضِ وَتَتَبُّعِ اَقَاصِیْھَا فَاِنَّ لِکُلِّ وَلِیٍّ مِّنْ اَوْلِیَاءِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ عَدُوًّا مُّقَارِعًا وَّضِدًّا مُّنَازِعًا اِفْتِرَاضًا لِّمُجَاھَدَۃِ اَھْلِ نِفَاقِہٖ وَخِلَافِہٖ اُولِی الْاِلْحَادِ وَالْعِنَادِ فَلَا یُوْحِشَنَّکَ ذٰلِکَ وَاعْلَمْ اَنَّ قُلُوْبَ اَھْلِ الطَّاعَۃِ وَالْاِخْلَاصِ نُزَّعٌ اِلَیْکَ مِثْلَ الطَّیْرِ اِذَا اَمَّتْ اَوْکَارَھَا وَھُمْ مَعْشَرٌ یَّطْلَعُوْنَ بِمَخَائِلِ الذِّلَّۃِ وَالْاِسْتِکَانَۃِ وَھُمْ عِنْدَ اللّٰہِ بَرَرَۃٌ اَعِزَّاءُ لَمْ یَبْرُزُوْنَ بِاَنْفُسٍ مُّخْتَلَّۃٍ مُّحْتَاجَۃٍ وَّھُمْ اَھْلُ الْقَنَاعَۃِ وَالْاِعْتِصَامِ وَاسْتَنْبَطُوا الدِّیْنَ فَوَازَرُوْہُ عَلٰی مُجَاھَدَۃِ الْاَضْدَادِ خَصَّھُمُ اللّٰہُ بِاحْتِمَالِ الضَّیْمِ لِیَشْمَلَھُمْ بِاتِّسَاعِ الْعِزِّ فِیْ دَارِ الْقَرَارِ وَجَبَلَہٗ عَلٰی خَلَائِقِ الصَّبْرِ لِتَکُوْنَ لَھُمُ الْعَاقِبَۃُ الْحُسْنٰی وَکَرَامَۃُ حُسْنِ الْعُقْبٰی فَاقْتَبِسْ یَا بُنَیَّ نُوْرَ الصَّبْرِ عَلٰی مَوَارِدِ اُمُوْرِکَ تَفُزْ بِدَرْکِ الصُّنْعِ فِیْ مَصَادِرِھَا وَاسْتَشْعِرِ الْعِزَّ فِیْمَا یَنُوْبُکَ تَحْظَ بِمَا تُحْمَدُ عَلَیْہِ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ فَکَاَنَّکَ یَا بُنَیَّ بِتَاْیِیْدِ نَصْرِ اللّٰہِ قَدْ اٰنَ وَتَیْسِیْرِ الْفَلْجِ وَعُلُوِّ الْکَعْبِ قَدْ حَانَ کَاَنَّکَ بِالرَّایَاتِ الصُّفْرِ وَالْاَعْلَامِ الْبِیْضِ تَخْفُقُ عَلٰی اَثْنَاءِ اَعْطَافِکَ مَا بَیْنَ الْحَطِیْمِ وَزَمْزَمَ وَکَاَنَّکَ بِتَرَادُفِ الْبَیْعَۃِ وَتَصَادُفِ الْوَلَاءِ یَتَنَاظَمُ الدُّرُّ فِیْ مَثَانِی الْعُقُوْدِ وَتَصَادُفِ الْاَکُفِّ عَلٰی جَنَبَاتِ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ تَلُوْذُ بِفِنَائِکَ مِنْ مَّلَاءٍ بَرَاھُمُ اللّٰہُ مِنْ طَھَارَۃِ الْوِلَادَۃِ وَنَفَاسَۃِ التُّرْبَۃِ

مُقَدَّسَةٌ قُلُوْبُهُمْ مِنْ دَنَسِ النِّفَاقِ مُهَذَّبَةٌ اَفْئِدَتُهُمْ مِنْ رِجْسِ الشِّقَاقِ لَيِّنَةٌ عَرَائِكُهُمْ
لِلدِّيْنِ خَشِنَةٌ ضَرَائِبُهُمْ عَنِ الْعُدْوَانِ وَاضِحَةٌ بِالْقُبُوْلِ اَوْجُهُهُمْ نَضِرَةٌ بِالْفَضْلِ عِيْدَانُهُمْ
يَدِيْنُوْنَ الْحَقَّ وَاَهْلَهٗ فَاِذَا اشْتَدَّتْ اَرْكَانُهُمْ وَتَقَوَّمَتْ اَعْمَارُهُمْ قُدَّتْ بِمُكَاتَفَتِهِمْ طَبَقَاتُ
الْاُمَمِ اِذْ تَبِعَتْكَ فِيْ ظِلَالِ شَجَرَةٍ دَوْحَةٍ سَبَقَتْ اَفْنَانُ غُصُوْنِهَا عَلٰى حَفَافَاتِ بُحَيْرَةِ الطَّبَرِيَّةِ
فَعِنْدَهَا يَتَلَأْلَأُ صُبْحُ الْحَقِّ وَيَنْجَلِيْ ظَلَامُ الْبَاطِلِ وَيَقْصِمُ اللّٰهُ بِكَ الطُّغْيَانَ وَيُعِيْدُ مَعَالِمَ الْاِيْمَانِ
يَظْهَرُ بِكَ اَسْقَامُ الْاٰفَاقِ وَالسَّلَامُ الْوِفَاقِ يَوَدُّ الطِّفْلُ فِي الْمَهْدِ لَوِ اسْتَطَاعَ اِلَيْكَ نُهُوْضًا وَ
نَوَاشِطُ الْوَحْشِ لَمْ تَجِدْ نَحْوَكَ مَجَازًا تَهْتَزُّ بِكَ اَغْصَانُ الْعِزِّ نَضِرَةً وَتَسْتَقِرُّ بُوَانِي الْعِزِّ فِيْ قَرَارِهَا
وَتَؤُبُ شَوَارِدُ الدِّيْنِ اِلٰى اَوْكَارِهَا يَتَهَاطَلُ عَلَيْكَ سَحَائِبُ الظَّفَرِ فَتَخْنُقُ كُلَّ عَدُوٍّ وَتَنْصُرُ كُلَّ وَلِيٍّ
فَلَا يَبْقٰى عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ جَبَّارٌ وَلَا جَاحِدٌ غَامِطٌ وَلَا شَانِئٌ مُبْغِضٌ وَلَا مُعَانِدٌ كَاشِحٌ وَمَنْ
يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ

حقیقت حال یہ ہے کہ میرے پدر بزرگوار حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھے وصیت فرمائی ہے۔ اور مجھ سے ان امور کی نسبت عہد و پیمان لیا ہے کہ میں دنیا میں کسی مقام کو اپنا وطن اور اپنا مسکن نہ بناؤں۔ اور بالعوض اس کے دور و دراز اور پوشیدہ سے پوشیدہ مقامات میں سکونت اختیار کروں تاکہ معاندین دین اور گروہ مخالفین کو میرے امور کی کوئی خبر اور اطلاع نہ ہونے پائے۔ یہ بھی مجھکو تاکید کیگئی ہے کہ میں اپنے مدارج و مراتب اور فضائل و مناقب کو کسی شخص پر ظاہر نہ کروں ان وجوہ سے ان دور و دراز۔ ویران اور غیر آباد مقامات کو جہاں انسان کی آبادی کا کسی کو بھی گمان اور احتمال نہیں ہوسکتا اپنے قیام کیلئے تجویز کیا ہے۔ اور میں ان مقامات میں اُس وقت تک قیام کرنے کیلئے ضرور مامور اور مجبور کیا گیا ہوں جب تک کہ خدائے سبحانہ و تعالیٰ میرے لئے ظہور کا حکم نہ دے۔ تاکہ مخلوق درد و مصیبت سے رہا کردی جائے۔ اے ابو اسحٰق! میرے پدر بزرگوار جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اسرار غیب و حکمت کے بیشمار خزانے مجھے عنایت فرمائے ہیں کہ اگر اُن میں سے کوئی جزو یا کوئی حصہ میں تم کو بتلا دوں تو پھر تم کو دنیا میں کسی دوسرے سے کسی شے کے پوچھنے یا سیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

اے ابو اسحٰق! سمجھ لو! جیسا کہ میرے پدر عالی مقدار نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ خدائے حکیم و دانا نے کسی وقت میں کسی زمانہ میں اور کسی حالت میں دنیا کے کسی حصہ کو ایسا نہیں چھوڑا ہے جس میں اپنی حجت نہ باقی چھوڑی ہو۔ جو امور دینی اور دنیاوی میں انکا حامی اور معین ہو۔ اور دنیا و آخرت میں اُنکا ہادی اور پیشوا ثابت ہو۔ اس وجہ سے میں تمہیں بتلائے دیتا ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ میرے بعد اے میرے فرزند! تم بیشک اُنہی مقدس لوگوں میں ضرور ہو جو منجانب اللہ حق کو حق کرنے اور باطل کو باطل کرنے کیلئے دنیا میں آجتک یکے بعد دیگرے بھیجے گئے ہیں یہی مقدس سلسلہ حق کو حق ناحق کو ناحق کرتا ہے اور اساس ناحق شناسی کو قطعی مستاصل بناتا ہے۔ آتش دکفر والحاد کو بجھاتا ہے ان اصول عقائد سے تم کو لازم ہے کہ تم آسیب زمانہ اور خصومت خویش و بیگانہ سے بچنے کے لئے ہمیشہ دور و دراز پوشیدہ سے پوشیدہ مقامات میں اپنی سکونت اختیار کرو۔ کیونکہ ہر زمانہ میں ہر ولی خدا کا ایک دشمن بھی فرد پیدا کیا گیا ہے۔ اور وہ اُس ولی خدا کی مخالفت میں ہمیشہ اُس کے ساتھ نزاع اور مخاصمت پر کمر بستہ رہا کرتا ہے۔ اور اس کی مخالفت کی یہ وجہ ہوتی ہے کہ وہ خامۂ باری معاندین اور مخالفین کے ساتھ جہاد کرنے کو اپنا فرض سمجھا کرتا ہے۔ اس اعتبار سے اے فرزند گرامی قدر! تم کو تمہارے دشمنوں کی کثرت متردد اور خائف نہ کردے۔ تم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ آفرینش عالم کے

وقت سے لیکر اس وقت تک اولیاء اللہ سلام اللہ علیہم کے یہی طریقے ثابت ہوتے آئے ہیں۔ اور یہ بھی یقین کر لو کہ اہل خلوص و عقیدت کے قلوب تمہارے جمال جہاں آرا کے ایسے مشتاق ہیں جیسے طائر گم کردہ آشیاں اپنے آشیانہ کے شایق اور آرزو مند ہوتے ہیں اور خالص الاعتقاد اور کامل الخلوص وہی حضرات ہیں جو دنیا میں ظاہری طور پر نہایت معمولی اور گئی گزری حالتوں میں بسر کرتے ہیں مگر خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ کی درگاہ میں ان کے بڑے بڑے اعتبار و اقتدار ہیں۔ وہ اپنے پیدا کنندہ کی نگاہ میں ضرور عزیز تر ہیں۔ گو وہ خلائق کی آنکھوں میں کیسے ہی ذلیل و حقیر اور پریشان حال و محتاج سمجھے جاتے ہوں۔ وہ اہل طہارت اور قناعت ہیں اور دنیا کی مخلوق ان کی قناعت کو فقر اور ناداری کے معنوں میں سمجھتی ہے۔ اور یہ وہی لوگ ہیں کہ جو دینِ الٰہی کو مستنبط کرتے ہیں اور وہ دشمنانِ دین کے ساتھ مجاہدہ پر آمادہ اور تیار ہیں۔ خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ نے اُن کو ظلم و ستم کے تحمل کے ساتھ خاص طور پر موصوف و مخصوص پیدا کیا ہے اور وہ ہمیشہ دنیا میں انہی صفات کے ساتھ رہیں گے جب تک کہ خدائے واہب العطایا اُن کو دار القرار بہشت کے دائمی قیام پر مشرف اور معزز فرمائے انکی طبیعتوں میں صبر و شکیبائی کی مخصوص صفات اس لئے پیدا کی گئی ہیں کہ وہ ظلم و ایذا کے وقوع کے وقت اپنے صبر و شکیبائی کے جوہر دکھلائیں اور دنیا کے تمام مصائب کو نہایت خاموشی کے ساتھ برداشت کر جائیں۔ تا اینکہ ان تمام مراحل کو طے فرما کر برکات و حسناتِ عقبیٰ پر فائز المرام ہوں۔ اے فرزندِ ارجمند! بلا و مصیبت اور ذلت و حقارت کے تمام تاریک امور کو تم صبر و شکیبائی کے انوار سے منور کرو۔ تا اینکہ خدائے ارحم الراحمین وہ بلا و مصیبت تم سے اُٹھا لے۔ اور یہ بھی یقین کر لو کہ جتنے مصائب اور بلائیں تم پر گزری ہیں وہ سب حقیقت میں تمہاری عزت و وقعت کا باعث ہے اس لئے کہ تم تمام دنیا میں نیکبخت اور سعادتمند مشہور ہو۔ اور اسی وجہ سے تمام مقامات پر تمہاری توصیف و تعریف بیان کیجاتی ہے اے فرزند سعید! گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ زمانہ آگیا ہے کہ تم تائیدِ ربانی سے مؤید کئے گئے ہو۔ اور اُس کی وجہ سے تم اپنے دشمنوں پر فتح و ظفر، عزت و غلبہ پاگئے ہو۔ اور گویا زرد اور سفید علم حطیم اور زمزم کے درمیان تمہارے چاروں طرف دیکھ رہا ہوں۔ خداوندِ عالم نے جن کے قلوب کو خالص محبت اور مبارک طینت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور انکو خباثت اور نفاق کی تمام غلیظ اور آلودہ اشیاء سے پاک و صاف پیدا کیا ہے وہ طریقۂ دینِ الٰہی اور اُس کے اوامر و نواہی کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں اور ان کے قلوب فتنہ و فساد اور ظلم و تعدی وغیرہ سے دور رہتے ہیں اور بوجہ قبولیتِ درگاہِ الٰہی کے اُن کے چہرے ہمیشہ منور اور روشن رہتے ہیں۔ ان کے جسم فضل و یُمن کے باعث سے ہمیشہ مضبوط اور تر و تازہ رہتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو دینِ حق پر ایمان لائے ہیں۔ اور یہی لوگ غایتِ اشتیاق سے ایک دوسرے پر گر پڑ کر تمہاری بیعت اختیار کرینگے اور تمہاری الفت و محبت میں نہایت صفائی اور رسوخ سے کام لیتے ہیں اور تمہارے پاس مثل موتیوں کے جمع ہوتے ہیں اور انہی پناہ و حفاظت کیلئے تمہارے گھر کی طرف وہ اپنی آنکھیں اس طرح اٹھاتے ہیں جیسے حجر الاسود کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہیں خداوند تعالیٰ نے اُن کے جسموں کو قوی اور ان کی عمروں کو طویل بنایا ہے اور وہ ایک درخت سایہ دار کے نیچے جسکی شاخیں بہت لمبی ہوتی ہیں۔ اُس مقامِ خاص میں جو بحیرۂ طبریہ کے اطراف میں واقع ہے تم سے بیعت کرتے ہیں اور ان بزرگوں کے اجماع کی وجہ سے اہلِ بدعت و ضلالت کے قوم و قبیلہ کے لوگ متفرق اور پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ اسی زمانہ میں حقیقت کی صبح روشن ہوتی ہے اور شامِ جہالت و ضلالت کی تاریکی زائل ہوتی ہے اور ان سامانوں سے خداوندِ عالم فتنہ و فساد اور طغیان کو دنیا سے اٹھا لیگا اور دین و ایمان کے طریقوں کو محو ہو جانے کے بعد پھر حالتِ اول پر لے آئیگا۔ اور یہ تمام امور ایک تمہارے باعث سے ہوں گے۔ کیونکہ انسان اس زمانہ میں امراضِ روحانی میں مبتلا ہوں گے مگر تمہارے رفقاء اور اعوان و انصار کو ان امراض سے کوئی اثر نہیں پہنچیگا۔ وہ بالکل صحیح و سالم رہیں گے اور تمہاری عام قبولیت کا اسوقت یہ

عالم ہوگا کہ ایک بچہ تک جو اپنے گہوارے میں ہوگا وہ بھی تم سے بیعت کرنے کیلئے گہوارے سے حاضر ہونے کی آرزو کریگا۔ لیکن وہ جو صراطِ مستقیم سے علیحدہ اور بہائم کی طرح عالمِ وحشت میں گرفتار ہوگا۔ وہ البتہ تمہاری طرف مائل نہ ہوگا باقی تمام دنیا تمہاری خدمت سے تحصیل سعادت کرکے اپنی زندگی چین سے بسر کریگی۔ تمہاری وجہ سے عزت و ثروت کی شاخیں تروتازہ ہونگی اور اپنے جوش مسرت میں غیر علامحبت سے جھومنے لگیں گی اور عزت و وقعت کی عمارت اپنے مقام پر قیام و قرار کریگی اور احکام شرعیہ اور نصاب دینیہ کے مرغانِ گم کردہ آشیاں تمہاری عنایت و اعانت کی وجہ سے پھر اپنے اپنے سابق مقام پر پہنچ جائیں گے۔ سحاب فتح و ظفر تمہارے لئے برسنے لگیں گے۔ اُسوقت تم اپنے دشمنوں کے گلے گھونٹ ڈالو گے اور اپنے رفقا و اصحاب کی امداد و اعانت فرماؤ گے۔ پس اُسی زمانہ میں تمام روئے زمین پر کوئی ایسا ستمگار نہیں رہیگا جو امر حق سے عدول کرنیوالا ثابت ہوتا ہو۔ اور نہ کوئی ایسا منکر معلوم ہوگا جو احکام حقہ کو ذلیل و تحقیر جانتا ہو۔ نہ تمہارا کوئی دشمن رہیگا اور نہ عیب لگانے والا۔ اور نہ تمہارا کوئی ایسا مخالف موجود پایا جائیگا جو تمہارے امور سے اعراض و اغماض کرے پس جو بندہ کہ تفضلات الٰہی پر توکل اختیار کرتا ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ قادر و توانا جس شے کا ارادہ کرتا ہے وہ اس کی قدرت سے پورا اور مکمل ہو جاتا ہے۔

یہ تقریر بیان کرکے راوی حدیث۔ ابراہیم ابن مہزیار کا بیان ہے کہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام نے نہایت تاکید کے ساتھ مجھے ہدایت فرمائی کہ میں اس صحبت کو ہمیشہ مخفی اور پنہاں رکھوں مگر وہ حضرات جو اہلِ دیانت و صداقت ہیں اور اخوت و یکجہتی دینی میں داخل ہیں اُنسے بیان کرنے میں البتہ کوئی مضائقہ نہیں (بحار الانوار مطبوعہ تبریز صفحہ ۱۸۸) اس طول و طویل اور پر تفصیل حدیث سے آپ کی غیبت کے تمام وجوہ و مصالح جو ظاہری طور پر اسکے باعث معلوم ہوتے ہیں سمجھ میں آگئے مگر باطنی طریقہ سے اس کے وجوہ اور یقینی اسباب دریافت کرنیکے لئے ہمارے پاس کوئی ذریعہ یا قرینہ نہیں ہے جس سے ہم ان اسباب و وجوہ کی علت اور غایت معلوم کرسکیں۔

بہرحال ہمارا دعوےٰ جو اسبابِ غیبت کے متعلق کیا گیا تھا۔ اس حدیث سے کافی طور سے معلوم ہوگیا۔ اِن اسباب کی بحث کو ختم کرکے اب پھر ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہانتک اوپر بیان ہو چکا ہے کہ روئیت اور نفاذ احکام شریعت جو خاص خاص معتمدین کو وقتاً فوقتاً حاصل ہوا کرتے تھے اب بالکل ممنوع اور مقطوع ہوگئے انکے مصالح اور وجوہ وہی تھے جو اوپر لکھے گئے۔ اور جو آپکی زبانِ صداقت ترجمان سے کماحقہ مترشح ہوچکے ہیں۔ کوتاہ فہم انسان کے سمجھنے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ اسرارِ الٰہی کے متعلق جو تھوڑا بہت ظاہری طور سے اُسکو معتبر اور مستند ذرائع سے معلوم ہوگیا ہے وہی غنیمت ہے ورنہ نہ اُسکے محدود فہم میں اتنی سمائی ہے جو اُسکے تمام رموز کی اصلیت سمجھے اور نہ اُسکے مقید ادراک و شعور میں اتنی رسائی کہ اسکے تمام غوامض کی حقیقت تک پہنچے۔ بندہ کی شان یہی ہے کہ وہ اُتنے ہی تفویضِ ایزدی کا ہزاروں لاکھوں شکر ادا کرے اور اسی سے اپنے قلب کا اطمینان اور دل کی تسکین کرلے۔ اس سے زیادہ کی ہوس اُس مشتِ خاک کی بساط سے کہیں باہر ہے اور وہ ہرگز اس کے شایاں نہیں۔ بہرحال غیبتِ صغریٰ کے تمام حالات۔ واقعات اور اسباب جہانتک اخبار و آثار کے معتبر ذریعوں سے معلوم ہوئے ہیں بتلادیئے گئے۔ اب غیبتِ کبریٰ کے متعلق جو کچھ لکھنا ہے وہ یہ ہے۔

غیبتِ کبریٰ میں امام علیہ السلام کی روئیت

یہ امر ظاہر ہو چکا ہے کہ غیبت کبریٰ میں یہ فیوض و مراحم ربانی بھی جاتے رہے جو غیبت صغریٰ کے ایام میں آپ کی ذاتِ مجمع الحسنات سے حاصل ہوا کرتے تھے۔ دنیا تاریک ہوگئی۔ وسعتِ عالم میں اندھیر اچھا گیا۔ کفر و الحاد اور ضلالت و ارتداد کے سربفلک طوفان اُٹھنے لگے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مشیت ایزدی نے انہی مصالح پر نظر کرکے غیبت کبریٰ کا حکم نافذ فرمادیا۔ اور اپنی اُس حجت آخر کو جس سے نظام مشیت نے نظام اُمت کو متعلق کیا تھا ایک ایسے مقام میں اپنے حجاب قدرت کے اندر چھپالیا جسکا علم سوائے اُسکے کسی اور کو نہیں ہے۔ اور روئیت وغیرہ کے تمام ابواب مسدود فرمادیئے مگر ان تمام قیود پر بھی اس ارحم الراحمین نے اپنے بندوں کیلئے جن کا ہدایت پانا اور ایمان لانا آپ کی روئیت پر موقوف اور منحصر تھا۔ یا ایسے راسخ الایمان اور خالص الاعتقاد

حضرات کے واسطے جو آپ کے اشتیاق لقا میں بالکل تارک دنیا ہو بیٹھے تھے۔ اور اپنے خلوص وعقیدت اور رنج ومصیبت کی تمام آزمائشوں میں کامل اتر چکے تھے رویت کا اذن دیدیا جانا منظور کر لیا تھا۔ کیونکہ رویت ایسے ناگزیر وقتوں میں نہایت ضروری اور لازم ہوجاتی تھی۔ معرفت اور احیائے شریعت کے تمام امور اُس پر موقوف ہوجاتے تھے۔ اسلئے ایسے ایسے اوقات مخصوصہ میں نظر بمصالح ایسے خوش قسمت حضرات کو زیارت و رویت کے شرفِ مخصوصہ سے مشرف اور ممتاز فرمادیا جاتا تھا۔ یا مور ایسے نہیں ہیں جنکی مثال صرف حضرت قائم آل محمد علیہ السلام ہی کے حالات میں پائی جاتی ہو۔ بلکہ یہ ایسے واقعات ہیں جو حضرات انبیا و اولیاء صلوات اللہ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہم السلام کے مبارک حالات میں بھی اکثر پائے جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے آثار قدیمہ اور اخبار ماضیہ کو پڑھا ہے وہ اِن امور کو بخوبی جانتے ہیں۔ قرآن مجید میں جناب خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کی زیارت اور باہمی مجالست ومکالمت کی پوری کیفیت مذکور ہے۔ اور کتاب الاسفار توریت مقدس میں جناب داؤد علیہ السلام اور حضرت ارمیا علیہ التحیۃ والثنا کی ملاقات کا حال مسطور۔ بہرحال اِنہی قدیم اصول کے مطابق نظامِ مشیت نے آپ کی غیبت کے زمانہ میں بھی ایسے موقع اور ضرورت کے وقتوں میں ایسے خلوص وعقیدت اور خوش قسمت حضرات کو رویت امام علیہ السلام کے لئے ماذون کردیا چنانچہ اس وقت ہمارے موجودہ دعوے کی تصدیق میں کثیر التعداد واقعات پیش نظر ہیں۔ جن سے بلا تامل معلوم ہوجاتا ہے کہ غیبتِ کبریٰ کے موجودہ زمانہ میں بھی بہت سے کامل اولیا اور صاحبان صدق وصفانے آپ کے جمال جہاں آرا کی زیارت کا شرف حاصل کرکے اپنا مقصود قلبی اور مطلبِ دلی حاصل کیا ہے ہم اِن تمام واقعات کی پوری تفصیل سے قطع نظر کرکے ذیل میں چند واقعات جن کو امام قندوزی نے اپنی مستند کتاب ینابیع المودۃ میں درج فرمایا ہے قلمبند کرتے ہیں۔

غیبتِ کبریٰ میں رویت کے واقعات

شیخ الاسلام قسطنطنیہ امام سلیمان قندوزی نے اپنی کتاب ینابیع المودۃ فی القربیٰ میں ایک علیحدہ باب اِس عنوان کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ فی بیان من رای صاحب الزمان المہدی علیہ السلام بعد غیبۃ الکبریٰ ہم مندرجۂ عنوان سے ذیل کے واقعات منتخب کرتے ہیں۔ عن غانم الهندی قال اتیت بغداد فی طلب المہدی علیہ السلام وقد مشیت علی الجسر مفکرا این اجدہ اذ آتانی آتٍ فقال لی اجب مولاک فلم یزل یمشی معہ حتی ادخلنی دارا وبستانا فاذا مولای قاعدا فلما نظر الیّ قال یا غانم اهلا وسهلا فکلمنی بالهندیۃ وسلم علیّ وقال انت تریدالحج فی هذه السنۃ مع اهل قم فلا تحج فی هذه السنۃ وانصرف الی خراسان وحج من عام قابل والقی الیّ صرۃ وقال اجعل هذه نفقتک ولا تخبر بشیٔ مما رایت (ینابیع ص ۳۸۴ بمبئی) غانم ہندی کا بیان ہے کہ ہم بھی جناب امام صاحب الزمان علیہ السلام کے اشتیاق میں ایک مدت سے حیران وسرگردان پھرتے تھے یہانتک کہ شہر بغداد میں پہنچے۔ ایک دن بغداد کے پُل پر ہم اسی فکر وتردد میں ٹہل رہے تھے کہ وہ کونسی ترکیب کیجائے کہ امام علیہ السلام کی زیارت حاصل ہو اتنے میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ چلو تم کو تمہارے مولا بلاتے ہیں۔ یہ سُنکر ہم شاداں وفرحاں اُس کے ساتھ چلے یہانتک کہ ہم ایک باغ اور مکان میں پہنچے۔ ہم نے وہاں ایک جوانِ رعنا کو استادہ پایا جس وقت اُس نے ہمیں دیکھا فرمایا اہلاً وسہلاً۔ پھر اتنا فرمایا آپ نے ہمارے سلام کا جواب دیتے ہوئے ارشاد کیا کہ تم امسال مؤمنین قم کے ساتھ حج بیت اللہ کا قصد رکھتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں۔ ارشاد فرمایا کہ تم امسال حج نہ کرو۔ بلکہ امسال زیارت مشہد مقدس پر اکتفا کرو۔ سال آئندہ حج سے مشرف ہولینا۔ اتنا فرماکر ایک روپیوں کی تھیلی ہم کو دی اور ارشاد فرمایا کہ اسے اپنی ضرورتوں میں صرف کرنا۔ اور جو کچھ تم نے یہاں دیکھا ہے اسکا کسی سے ذکر نہ کرنا۔

(۲) عن محمد ابن شاذان الکابلی قال کنت لم ازل اطلب المہدی علیہ السلام واقمت فی المدینۃ ولا ذکرتہ لاحد الا استہزانی فلقیت شیخا من بنی هاشم وهو یحیی بن محمد العریضی فقال لی ان الذی بصریا ودخلت فی

الدکان فزجرنی غلام اسود وقال قم من هذا المکان فقلت لا اخرج فدخل الدار ثم خرج وقال لی ادخل فدخلت فاذا مولای قاعدا بوسط الدار وسمانی باسم لم یعرفه احد الا اھلی بکابل واخبرنی باشیاء انصرفت عنه ثم اتیت السنة الثانیة فلم اجد له ط محمد ابن شاذان کابلی بیان کرتے ہیں کہ میں بھی جناب امام صاحب العصر والزمان علیہ السلام کے اشتیاق میں دیار و امصار مختلفہ سے پھرتا پھراتا مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مقیم ہوا۔ یہاں جس شخص نے میرے مدعائے دلی کو سُنا وہ مجھ پر ہنسا اور مجھ سے مزاح کرنے لگا۔ یہانتک کہ میں سادات بنی ہاشم میں سے ایک سن رسیدہ بزرگ سے ملا جن کا نام یحییٰ بن محمد العریضی تھا اُن کے ساتھ میں دکان پر گیا۔ وہاں ایک غلام حبشی نے مجھے اندر جانے سے منع کیا مگر یحییٰ نے اُسے ڈانٹا اور مجھے اندر لیگئے۔ میں نے اندر جاکر دیکھا تو (جناب امام صاحب الزمان علیہ السلام) میرے مولا وہاں وسطِ مکان میں تشریف فرما ہیں مجھ کو آتا ہوا پاکر آپ نے مجھکو اُس نام سے پکارا جس کو سوائے میرے کنبہ کے جو اُس وقت کابل میں تھے اور کوئی دوسرا شخص نہیں جانتا تھا۔ اور پھر مجھ کو آپ نے بہت سی ایسی چیزوں کی بھی خبر دی جو مجھے اس وقت تک معلوم نہیں تھیں۔ اسکے بعد ہم آپ کی خدمت سے رخصت ہوکر چلے آئے۔ دوسرے سال ہم پھر مدینۂ منورہ میں گئے تو آپ کو اس مقام پر نہ پایا۔

(۴۳) عن الحسن ابن وجناء النصیبی قال کنت ساجدا تحت المیزاب فی رابع اربعة خمسین حجة منی وانا اطلب صاحب الزمان بالتضرع والدعاء اذ حرکتنی جاریة فقالت قم یا حسن فمشت معی حتی اتت بی دار خدیجة رضی اللہ عنھا فوقفت بالباب، فقال لی صاحب الزمان علیہ السلام یا حسن واللہ ما من حج حججت الا وانا معك فی حجك فالزم دار جعفر بن محمد بن الباقر علیھم السلام ولا یھمنك طعامك و ستر عورتك وعلمنی دعاء وقال ادع وصل علی ولا تعلمنا الا محق اولیائی فلزمت ذلك الدار ولم ازل اجد فیھا وقت افطاری ماء و رغیفا وادا ما واجد کسوة الشتاء فی الشتاء وکسوة الصیف فی الصیف (ینابیع ص ۳۸۶)

حسن ابن وجناء النصیبیؒ کا بیان ہے کہ میں بیت اللہ شریف میں میزاب مقدس کے نیچے سربسجدہ تھا۔ اُسوقت تک میں چوّن حج کرچکا تھا۔ اور میں اُن دنوں جناب امام صاحب العصر علیہ السلام کی زیارت کا از حد طالب تھا۔ اور خدا سے اس حصولِ سعادت کیلئے دعائیں مانگ رہا تھا کہ اتنے میں ایک لونڈی آئی اور اس نے مجھے حرکت دے کر کہا کہ اے حسن اٹھو اور میرے ہمراہ چلو۔ یہ سُنکر میں شاد و مسرور ہوکر اس کے ساتھ ہولیا۔ وہ مجھ کو جناب صدیقہ کبرےٰ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں لے آئی۔ اور مجھ کو دروازہ پر کھڑا کردیا۔ وہ اندر چلی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد باہر آکر کہنے لگی کہ چلو اندر بلایا ہے۔ میں نے اندر جاکر حضرت صاحب الزماں علیہ السلام کو صحن مکان میں استادہ پایا۔ آپ نے مجھے دیکھکر ارشاد فرمایا کہ اے حسن! تمہارے حجوں میں سے کوئی حج ایسا نہیں گزرا ہے جس میں میں تمہارے ساتھ شریک نہ ہوا ہوں۔ اب تم مکان جناب امام جعفر ابن محمد علیہما السلام میں جاکر قیام کرو۔ اور اپنے کھانے پینے کی ضروریات بھی فراہم نہ کرو۔ اور اپنی عورتوں کی حفاظت کرو اور پھر ہم کو آپ نے ایک دعا تعلیم فرمائی اور ارشاد کیا کہ یہ دعا پڑھا کرو اور مجھ پر درود بھیجا کرو۔ اور سوائے مومنین مستحقین کے کسی اور کو اس علم کی تعلیم نہ دینا۔ پس میں اُسی گھر میں فروکش ہوا۔ مجھ کو وہاں افطار کے وقت پانی۔ روٹی۔ سالن برابر ملجایا کرتا تھا اور جاڑے میں جاڑاول اور گرمی میں گرمی کے کپڑے ملتے رہتے تھے۔

اس واقعہ کو مجلسی علیہ الرحمۃ نے کسی قدر اضافہ کے ساتھ بحار الانوار جلد سیزدہم میں بھی تحریر فرمایا ہے۔

(۴۴) عن علی ابن محمد الکوفی عن الازدی قال بینا انا فی طواف فاذا شاب حسن الوجه طیب الرائحة یتکلم الی فقلت یاسیدی من انت قال انا مھدیؑ وانا صاحب الزمان وانا القائم الذی املأ الارض عدلا

کماملئت جوراًان الارض لاتخلو من حجة ولا یبقی الناس فی فترة فهذه امانة لاتحدث بها الا اخوانک من اهل الحق ثم القی حساه الی فاذا سبکة ذهب وقال بعضهم انه یظهر فی - علی ابن احمد کوفی ازدی سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے طواف بیت اللہ زاد اللہ شرفہا کی خاص حالت میں ایک جوان خوشرو اور خوشبو کو دیکھا۔ اُس نے مجھے پکارا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ آپ کون صاحب ہیں؟ فرمایا کہ میں مہدی (علیہ السلام) ہوں اور میں وہی امام آخر الزماں (علیہ السلام) ہوں اور میں وہی قائم ہوں کہ جو دنیا کو عدل و انصاف سے مملو کردیگا جسطرح اس سے قبل ظلم و ستم سے بھری ہوگی۔ یقین کرلو کہ کبھی زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہتی۔ اور کبھی انسان ایام فترت میں تنہا چھوڑا نہیں جاتا۔ یہ اُسی امامت کا زمانہ ہے اس کو سوائے برادران فرقہ حقہ کے اور کسی سے ذکر نہ کرنا۔

(۵) عن راشد الھمدانی قال لما انصرفت من الحج ضللت طریق فوقعت فی ارض خضراء نضرة و تربتھا الطیب وفیھا فسطاط فلما بلغتہ رایت الخادمین وقالا اجلس فقد اراد اللہ بک خیرا فدخل احدھما ثم خرج فقال ادخل فدخلت فاذا فتی جالس وقد علق فوق راسہ سیف طویل فسلمت علیہ فرد السلام علیّ فقال من انا فقلت لا اعلم فقال انا القائم انا الذی اخرج فی اخر الزمان بھذا السیف واملأ الارض قسطا وعدلا کما ملئت جورا وظلما فسقطت علی وجھی فقال لاتسجد غیر اللہ ارفع راسک وانت راشد من بلد ھمدان اتحب ان ترجع الی اھلک قلت نعم وناولنی صرة واومی الی الخادم فمشی معی خطوات فرایت اسد آباد فقال ھذہ اسد آباد امض یا راشد فالتفت فلم اره فدخلت اسد آباد فی الصرة خمسون دینارا فدخلت ھمدان وبشرت باھلی ولم نزل بخیر ما بقی معنا من تلک الدنانیر۔ (ص ۲۸۳ بمبئی) ارشد ہمدانی کا بیان ہے کہ جب میں حج بیت اللہ زاد اللہ شرفہا سے فارغ ہوا تو واپسی میں راہ بھول گیا۔ اور ایک بار ایک زمین سرسبز و شاداب میں میرا گزر ہوا۔ وہ نہایت پُر فضا مقام تھا۔ اور وہاں کی زمین (مٹی) بھی نہایت خوشبودار تھی۔ اور وہاں ایک خیمہ بھی نصب تھا۔ جب میں کچھ اور آگے اور بڑھا تو میں نے دو غلاموں کو دیکھا۔ انھوں نے مجھکو دیکھکر کہا کہ ٹھہرو اور بیٹھ جاؤ۔ کیونکہ خداوند تعالی نے تیرے ساتھ نیکی کرنیکا ارادہ کیا ہے۔ پس اُن میں سے ایک شخص اُس خیمہ میں داخل ہوا۔ اور فوراً باہر آیا۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ میرے ساتھ چلے چلو۔ میں اندر گیا تو میں نے ایک جوان رعنا کو اندر بیٹھے دیکھا۔ اس کے گلے میں ایک طویل سیف حائل تھی۔ میں نے اس پر سلام کیا اس نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے استفسار کیا کہ آپ کون بزرگ ہیں؟ ارشاد ہوا کہ کیا تو نہیں جانتا کہ میں وہ قائم آل محمد (علیہ السلام) ہوں جو زمانہ آخر میں اس تلوار سے تمام روئے زمین کو عدل و انصاف سے اسطرح پُر اور مملو کردونگا جس طرح اس سے پہلے ظلم و ستم سے بھری ہوگی۔ یہ سُن کر میں اپنے منھ کے بل گر پڑا۔ یہ دیکھکر آپ نے فرمایا سوائے خدائے سبحانہ وتعالی تقدس کے کسی اور کو سجدہ نہ کیا کرو۔ اپنا سر اٹھالے۔ تیرا نام راشد ہے اور تو شہر ہمدان کا رہنے والا ہے۔ آیا تیری خواہش ہے کہ تو پھر اپنے اہل و عیال میں پہنچ جائے؟ میں نے عرض کی ہاں میرے مولا میری ایسی خواہش ضرور ہے۔ پھر اس کے بعد آپ نے مجھے ایک صرہ عنایت فرمایا اور مجھ کو اپنے ایک خادم کے ہمراہ کردیا۔ وہ میری آنکھیں بند کرکے چند قدم لیچلا اور مجھسے کہا کہ راشد! آنکھیں کھولدے تو اسد آباد میں پہنچ گیا اب میں جو اپنی آنکھیں کھولکر دیکھتا ہوں تو واقعی میں اسد آباد میں پہنچ گیا۔ مگر میرا ہمراہی غائب ہے اور اُس تھیلی میں پچاس دینار سیئے ہوئے ہیں۔ میں اپنے وطن ہمدان میں داخل ہوا۔ اور اپنے اہل و عیال کو اپنے آنیکی بشارت دیدی۔ جبتک یہ روپیہ میرے پاس باقی رہا سوائے خیر و خوبی کے اور کسی شے سے مجھکو مقابلہ نہیں ہوا۔

(۶) عن ابی نعیم الانصاری قال کنت فی مسجد الحرام فی الیوم السادس من ذی الحجة سنة

ثلث وتسعین ومائتین اذ راینا شابا فقمنا لهیبته فجلس وقال اتدرون ما کان جعفر الصادق علیه السلام یقول فی دعائه قلنا وما کان یقول قال کان یقول ؏ ابونعیم انصاری کا بیان ہے کہ میں نے ۶ ر تاریخ ماہ ذی الحجہ ۲۹۳ھ ہجری کو مسجد الحرام میں ایک جوانِ رعنا کو دیکھا اور ایک بارگی اُس کی ہیبت وعظمت میرے دل میں ایسی سمائی کہ میں اُسے بیان نہیں کرسکتا۔ وہ ہمارے پاس بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ کیا تم کو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی وہ دعا نہیں پہنچی ہے جو آپ سے منقول ہے۔ میں نے کہا کہ نہیں فرمایا کہ وہ یہ ہے۔ اللهم انی اسئلك باسمك الذی به تقوم السماء والارض وبه تفرق بین الحق والباطل وبه تجمع بین المتفرق وبه تفرق بین المجتمع وبه احصیت عدد الرمال وزنة الجبال وکیل البحار ان تصلی علی محمد وآل محمد وان تجعل لی من امری فرجا ومخرجا ثم انصرف (ینابیع المودہ) اے پروردگار میں تجھسے اُن اسمائے مقدسہ کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں جن کے باعث سے آسمان وزمین تھمے ہوئے ہیں۔ جن کے باعث سے حق وباطل کا فرق ہوتاہے۔ جن کی وجہ سے متفرق وپراگندہ لوگ جمع ہوتے ہیں جن کے ذریعے سے مجموع میں افتراق واختلاف واقع ہوتاہے۔ اور جن کے وسیلہ سے ریگِ بیاباں کے اعداد۔ پہاڑوں کے اوزان اور دریاؤں کے پانی کا اندازہ ہوتاہے درود بھیج محمد وآل محمد پر میرے لئے میرے جملہ امور کو کشادہ اور آسان فرما۔ یہ بتلاکر وہ جوانِ رعنا روحی لہ الفداء چلا گیا۔

(۷) فلما کان الغد فی ذلك الوقت خرج من الطواف وجلس وقال لنا اتدرون ما کان یقول امیر المؤمنین علیه السلام فی الدعاء بعد الفریضة قلنا وما کان یقول قال کان یقول ؏ پھر دوسرے دن اُسی وقت طواف سے فراغت کرکے وہی جوانِ قبول صورت پھر تشریف لائے اور فرمانے لگے کیا تم کو جناب امیر المومنین علیہ السلام کی دعا نہیں پہنچی ہے؟ میں نے کہا کہ وہ کونسی دعا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ یہ وہ دعا ہے جو بعد فریضہ کے پڑھی جاتی ہے۔ وہو ہذا۔ اللهم الیك رفعت الاصوات ودعیت الدعوات ولك عنت الوجوہ ولك خضعت الرقاب والیك التحاکم فی الاعمال یاخیر من سئل وخیر من اعطی یاصادق یابارئ یامن لایخلف المیعاد یامن امر بالدّعاء وتکفل بالاجابة یامن قال ادعونی استجب لکم یامن قال واذا سالك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلهم یرشدون یامن قال یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لاتقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعا انه هو الغفور الرحیم ؏ اے پروردگار تیری ہی طرف سب کی آوازیں جاتی ہیں۔ تجھی سے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ تیرے ہی سامنے رخسارے رکھے جاتے ہیں۔ تیری درگاہ میں خضوع وخشوع بجالایا جاتاہے تمام اعمال میں تیرا ہی حکم مانا جاتاہے۔ اے تمام سوال کئے جانے والوں سے بہتر۔ اور اے تمام عطا کرنے والوں سے بہتر اے سچے اور اے عفو فرمانے والے اے وہ جو کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ اے وہ جو دعا کرنے کیلئے بھی حکم کرتاہے اور قبول فرمانیکا بھی وعدہ فرماتاہے۔ اے وہ کہ جس نے ارشاد فرمایاہے جس شخص نے جو کچھ مجھ سے طلب کیا میں اُس سے قریب ہوں اسکی دعا کو قبول کرتاہوں۔ جبدم وہ مجھ سے دعا کرتاہے۔ پس دین کو قبول کرو۔ اور مجھ پر ایمان لاؤ کہ تم ہدایت وارشاد یافتہ ہو۔ اور اے وہ جو ارشاد فرماتاہے اے میرے بندو جو اپنے نفوس پر اسراف کرچکے ہو۔ خدا کی رحمتوں سے ناامید نہ ہو۔ خداوند تبارک وتعالیٰ تمام گناہوں کا بخشدینے والا ہے۔ کیونکہ وہ بہت بڑا بخشنے والا اور رحم کرنیوالا ہے۔

ثم قال اتدرون ما قال امیر المؤمنین علیه السلام فی سجدة الشکر قلنا وما کان یقول۔ پھر اُس جوانِ عظیم الشان نے فرمایا کہ جناب امیر المومنین علی علیہ السلام جس دعا کی سجدۂ شکر میں تلاوت اور مداولت

فرماتے تھے وہ تم تک پہنچی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا وہ کون دعا ہے؟ کہا یہ ہے۔ یا من لا یزید لا الحاح الملحین الا کرما وجودا یا من له خزائن السموات والارض یامن له فضل العظیم لا تمنعک اسائتی من احسانک الی اسئلک ان تفعل بی ما انت اهله وانت قادر علی العقوبة وقد استحققتها لا حجة لی عندک اتوب الیک بذنوبی کلها واعترف بها کی تعفو عنی وانت اعلم به منی بریئت الیک بکل ذنب اذنبته الیک وکل خطیئة اخطاتها وکل سیئة علمتها یارب اغفروارحم وتجاوزعما تعلم انک اعز الاکرام۔

دعا کرنے والوں کی گریہ وزاری سوائے تیرے کرم وجود کے اضافہ کے اور کوئی اضافہ نہیں کرتی۔ اے وہ تبارک وتعالیٰ اس کے پاس آسمان وزمین کے خزانے ہیں۔ اے وہ جس کے فضل بہت بڑے وسیع ہیں۔ میرے گناہ مجھے تیرے اُن احسانات کے ملنے سے نہیں روک سکتے جن کے لئے میں تیری جناب میں استدعا کرتا ہوں تو میرے ان امور میں ویسا ہی کر جس کا کہ تو شایاں وسزاوار ہے۔ تو ہر قسم کے عذاب پر قادر ہے۔ تجھ کو اُن عذابوں کا پورا استحقاق ہے۔ مجھ کو تیری جناب میں کوئی حجۃ حاصل نہیں ہے۔ اور نہ تیری درگاہ میں مجھے کوئی عذر کرنے کا موقع ہے۔ میں اپنے تمام گناہ تیری خدمت میں پیش کرتا ہوں اور ان کی نسبت اپنا اقرار کرتا ہوں اسلئے کہ تو اُنھیں معاف فرماوے۔ اور تو اُن سب سے بہتر جاننے والا ہے۔ میں اُن تمام گناہوں سے جو عمل میں لاچکا ہوں بری ہوتا ہوں اور اُن تمام خطاؤں سے جو مجھ سے سرزد ہوچکیں اور اُن تمام برائیوں سے جو بجالایا۔ اے میرے پروردگار! تو مجھے بخشدے اور تو مجھ پر رحم فرما۔ اور اُن تمام امور سے درگذر فرما جن کو تو سب سے اچھا جانتا ہے۔ کیونکہ تو سب سے زیادہ عزیز تر اور مہربانی کرنیوالا ہے۔ ثم عاد من غد فی ذلک الوقت فجلس وقال کان علی بن الحسین علیهما السلام سید العابدین یقول فی سجودہ فی هذا الموضع واشار بیدہ الی الحجر الاسود

پھر اس کے بعد دوسرے دن اُسی وقت پھر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ جناب علی ابن الحسین علیہما السلام امام زین العابدین علیہ السلام سجدہ کی حالت میں اس مقام پر (حجر الاسود کی طرف دستِ مبارک سے اشارہ فرماکر) یہ پڑھتے تھے۔

عبیدک بفنائک مسکینک بفنائک فقیرک بفنائک سائلک بفنائک یسألک مالا یقدر علیه سوالُ۔

تیرا بندہ تیری چوکھٹ پر۔ تیرا محتاج تیری چوکھٹ پر۔ تیرا فقیر تیری چوکھٹ پر۔ تیرا سائل تیری چوکھٹ پر۔ تجھ سے اُن چیزوں کا طالب ہے جس پر سوائے تیرے کوئی دوسرا قدرت نہیں رکھتا۔

ثم نظر الی محمد ابن قاسم العلوی فقال یا محمد ابن القاسم انت علی خیر لانہ کان یطلب صاحب الزمان علیه السلام وقام وانصرف۔ پھر آپ نے محمد ابن قاسم العلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ اپنی اس تمنا میں کہ جناب امام آخر الزماں علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہو تم بخیر وبرکت فائز المرام ہوئے یہ فرمایا اور تشریف لیگئے۔

راوی حدیث کا بیان ہے کہ اس کے بعد محمودی سے ہم لوگوں نے پوچھا کہ تم نے اس جوانِ رعنا کو پہچانا یا نہیں؟ اُس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم یہی مہدی آخر الزماں علیہ السلام ہیں۔ میں اپنے پروردگار سے ہمیشہ دعا کیا کرتا تھا کہ وہ مجھے جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل فرمائے آج سات برس کا زمانہ ہوتا ہے کہ میں نے آپ کو شب عرفہ دعائے عشیہ پڑھتے ہوئے دیکھا۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں بنی ہاشم ہوں۔ میں نے کہا بنی ہاشم کی کونسی شاخ سے ہیں؟ فرمایا کہ اُس خانوادے سے کہ جن کی خلقت ہمت کے ساتھ ہوئی ہے۔ جو بھوکوں کو کھلاتے ہیں رات بھر شب بیداری کرتے ہیں۔ جب دنیا کے لوگ سویا کرتے ہیں۔ اُن کے اتنا ارشاد فرمانے سے مجھ کو یقین کامل ہوگیا۔ کہ آپ علوی سید ہیں۔ اس کے بعد آپ میری نظروں سے غائب ہوگئے۔ میں نے مطلق نہیں جانا کہ آپ آسمان پر تشریف لے گئے یا زمین کے اندر۔ پھر میں اُن لوگوں کے پاس گیا جو اس وقت آپ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے اور ان سے پوچھا

تم اِس سیدِ علوی کو پہچانتے ہو ؟ انھوں نے کہا کہ ہاں ہم جانتے ہیں۔ یہ ہر سال ہم لوگوں کے ساتھ پا پیادہ حج فرماتے ہیں۔ میں نے پوچھا تم لوگوں کو یہ بھی خبر ہے کہ وہ اِسوقت یہاں سے کہاں تشریف لیگئے۔ اُن لوگوں نے کہا کہ مزدلفہ کی طرف چلے گئے۔ میں نے اُن کے شوق زیارت میں مزدلفہ پہنچکر وہ رات وہیں بسر کی۔ رات کو سویا تو میں نے جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ مجھ سے ارشاد فرما رہے ہیں اے محمودی ! تو اپنے مطلوب و مقصود دلی تک پہنچ گیا۔ وہی صاحب الزماں علیہ السلام تھے جن کو تم نے شب عرفہ میں دیکھا تھا۔ یہ واقعہ ایسا متواتر ہے جسکو علمائے فریقین نے تین طریقوں سے ذکر کیا ہے (ینابیع المودۃ ص ۳۸۹ مطبوعہ بمبئی)

غیبتِ کبریٰ میں رُویتِ امامؑ کے متعلق اور واقعات

ان واقعات کے لکھنے کے بعد جن کو ہم نے سوادِ اعظم اہلسنت کے ایک معتبر عالم کی تالیف سے لکھا ہے۔ اب ہم علامۂ مجلسی علیہ الرحمہ کی کتاب بحارالانوار جلد سیزدہم سے بھی چند واقعات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

(۱) ابراہیم فدکی کا بیان ہے کہ میں ایک سال حج کے ایام میں طواف کرتا تھا۔ چھ شوط (دَور) تمام کر چکا تھا۔ اور ساتویں دَور کو شروع کرنا چاہتا تھا کہ میں نے خانہ کعبہ کے داہنی طرف آدمیوں کی ایک کثیر جماعت دیکھی۔ اور اُنہی لوگوں میں میں نے ایک جوانِ خوشرو اور خوشبو کو باحُسن و جمال و ہیبت و جلال دیکھا جو باوجود اپنی موجودہ سطوت و ہیبت کے اپنے اشفاق و اخلاق کے تقاضے سے اُن لوگوں سے قریب تر تھا اور اُن لوگوں سے باتیں کر رہا تھا اسکا طرز کلام۔ خوش بیانی اور شیریں زبانی ایسی تھی کہ آجتک میں نے اس سے پہلے ایسی فصاحت و بلاغت نہیں سُنی تھی ان کی نشست بھی ایسی خوشنما اور خوش قطع تھی کہ میں نے ایسی نشست بھی آجتک نہیں دیکھی تھی۔ اسی حالتِ اشتیاق میں میں اُن کے پاس گیا۔ اور اُن سے دو ایک باتیں بھی کیں۔ مگر پھر آدمیوں کی کچھ ایسی کثرت ہوگئی کہ آپ کا جمالِ مبارک میری آنکھوں سے چھپ گیا اور میں حصول زیارت کی سعادتوں سے آئندہ محروم رہ گیا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں تو لوگوں نے جواب دیا کہ یہ فرزند جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو سال بھر میں ایک مرتبہ اپنے مومنین خالصین کی جماعت میں نمودار ہوتے ہیں۔ اور اُن کو ہدایت و ارشاد کے حکم و احکام سے آگاہ فرماتے ہیں۔ یہ سُنکر میں کسی نہ کسی طرح ان کی خدمتِ مبارک میں جا پہنچا اور عرض کی کہ میں آپ کی ہدایت و ارشاد کا طالب ہوں مجھے بھی ہدایت و رہنمائی فرمائی جائے۔ آپ نے یہ سُنکر کچھ سنگریزے اٹھا کر مجھے دیدیئے۔ میں انھیں لیکر چلا تو لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند نے تمہیں کیا عنایت فرمایا ہے۔ میں نے کہا کہ تھوڑے سے سنگریزے تو مجھے ہاتھوں میں دیدیئے ہیں اور تو کچھ بھی نہیں۔ یہ کہکر میں نے اپنی مٹھیاں کھولیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ اُن سنگریزوں کی جگہ خالص سونے کے ٹکڑے موجود ہیں۔ یہ مشاہدہ دیکھ کر میں وہاں سے فوراً واپس ہوا کچھ دُور چلا تو دیکھا کہ آپ میرے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں۔ آپ نے مجھے مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ اب تجھ پر خدا کی حجت ثابت ہوگئی اور امرحق تجھ پر ظاہر اور آشکار ہوگیا اور تیری کور سوادی اور تیرہ قلبی زائل ہوگئی آیا اب بھی تو نے مجھے پہچانا یا نہیں۔ میں نے عرض کیا حقیقت حال تو یہ ہے کہ میں نے اِس دم تک آپ کو بالکلیہ نہیں پہچانا۔ ارشاد فرمایا کہ میں وہی مہدی آخرالزماں (علیہ وعلیٰ آبائہ السلام) ہوں جو ایک وقت دنیا کو عدل و انصاف سے ایسا بھر دیگا جیسا کہ وہ اس سے پہلے جور و ستم سے پُر اور مملو ہوگی۔ یقین کرلو کہ کسی زمانہ میں دنیا حجت خدا سے خالی نہیں رہتی۔ اور بندگانِ الٰہی قوم بنی اسرائیل کی طرح ایام فترت میں پریشان اور حیران نہیں چھوڑے جاتے ہیں۔ میرے امور اور میرے حالات تو سفراء اور تابعین کے ذریعہ سے عام ہو چکے ہیں اور اِسوقت تو نے جو کچھ معلوم کیا ہے وہ تو ایک ایسی خاص امانت اور مخصوص راز ہے جو تیری سپردگی میں دیا گیا ہے جس کے احوال و کیفیت کو

سوائے طالبانِ حق کے اور کسی سے ذکر کرنیکا مجاز نہیں ہو سکتا۔ ملّائے مجلسی مرحوم اس واقعہ کو محمد ابن جعفر اسدی کی اسناد سے ۳۰۵ ہجری کا واقعہ بتلاتے ہیں حساب سے قبل از مرورِ ایام غیبت کبرائے ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

(۲) احمد ابن فارس۔ ادیب جو اپنے زمانہ میں عربی علم ادب کے بہت بڑے کامل اور فاضل شمار کئے جاتے تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ جب مجھے شہر ہمدان میں قیام کرنے کا اتفاق ہوا تو مجھے وہاں صرف ایک قبیلہ جو بنی راشد کے نام سے مشہور تھا مذہب شیعہ کا متمسک اور پابند ثابت ہوا اور باقی لوگ اور مذہب کے لوگ تھے۔ مجھ کو اکثر تعجب ہوا کرتا تھا کہ تنہا اس قبیلہ کے شیعہ ہونے کا کیا باعث ہے۔ ایک دن میں نے قبیلہ بنی راشد کے ایک بزرگ سے جو اسوقت میری ملاقات کو آئے تھے اس امر کو دریافت کیا تو اُنھوں نے بیان کیا کہ میرے جد القبیلہ جن کی اولاد و اعقاب میں ہم اور ہمارا تمام قبیلہ داخل ہے حج بیت اللہ زاد اللہ شرفہا کو تشریف لیگئے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں ارکان حج بتمامہ ادا کر کے صحرا کی راہ سے واپس ہوا۔ اثنائے سفر میں مجھے شوق ہوا کہ پیدل چلوں۔ چنانچہ میں سواری سے اترا اور پیدل چلنے لگا۔ اور یہاں تک پیدل چلا کہ بالکل خستہ ہو گیا۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ تھوڑی دیر آرام کر لوں کہ اس عرصہ میں قافلہ بھی پہنچ جائیگا اور میری ماندگی بھی دور ہو جائے گی۔ یہ سوچ کر میں وہیں لیٹ گیا۔ لیٹا تو سو گیا۔ اٹھا تو دیکھا کہ آفتاب اچھی طرح بلند ہو گیا ہے۔ اور اس کی حرارت سے ہوا بھی گرم ہو گئی ہے اور کوئی شخص اس وادی میں کسی طرف دکھلائی نہیں دیتا۔ یہ حالت دیکھ کر مجھے سخت پریشانی اور حیرانی لاحق ہوئی کسی طرف کوئی راہ نہیں ملی۔ آخر چاروں طرف سے مایوس ہو کر میں نے فضلِ خداوندی پر توکل کر کے خاموشی اختیار کر لی۔ اور اپنے دل میں پھر ہمت کر کے یہ قصد کیا کہ میں سیدھا راستہ پکڑے چلا جاؤنگا۔ اب جہاں جا نکلوں اور جہاں جا پہنچوں یہ سوچکر اور توکلت علی اللہ کہکر میں سیدھا چلا اور تھوڑے عرصہ میں مجھ کو ایک نہایت سبز و شاداب باغ دکھلائی دیا۔ مجھ کو اُس عظیم الشان مکان کے دیکھنے کا جس میں یہ باغ آراستہ تھا از حد شوق ہوا۔ اور میں اپنا راستہ چھوڑ کر اب اس کی طرف چلا۔ جب اُس کے دروازہ پہ پہنچا تو میں نے دو گورے گورے خدمتگاروں کو وہاں استادہ پایا۔ اُن کو میں نے سلام کیا۔ اُنھوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور مجھ کو بٹھلایا۔ اور کہا کہ یہاں تھوڑی دیر دم لے لو۔ اور ٹھہر جاؤ۔ کیونکہ خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ نے تمہارے خوش قسمت اور صاحب سعادت ہونے کی وجہ سے تم کو یہ نعمت عطا فرمائی ہے جو بندگانِ الٰہی میں سے کم کسی کو عطا کیجاتی ہے۔ یہ کہکر وہ تو اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر آیا اور مجھ سے کہا کہ اندر آؤ۔ میں اس کے ہمراہ اندر گیا۔ دیکھا کہ وہ قصرِ عالی شان زیب و زینت اور آراستگی میں اپنی آپ مثال بنا ہوا ہے۔ حقیقت میں میں نے ایسی آراستہ و پیراستہ اور خوشنما عمارت آجتک نہیں دیکھی تھی۔ اس اثنا میں اُس خدمت گار نے اُس پردے کو جو اُس مکان میں کھنچا ہوا تھا اٹھا دیا۔ پردے کا آگے سے اُٹھنا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک جوانِ رعنا خوش جمال اور خوبصورت پاک و پاکیزہ کپڑے پہنے بیٹھا ہے اور اُس کے سر کی جانب ایک طویل شمشیر دیوار میں آویزاں ہے۔ وہ تلوار ایسی طویل تھی کہ اس کا پیپلا اُن کے فرقِ مبارک سے بالکل قریب پہنچا ہوا تھا۔ میں نے ان کو ایسا صاحبِ جمال و جلال پاکر نہایت عقیدت سے سلام کیا اور انھوں نے بھی بڑی مہربانی اور کشادہ پیشانی سے میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر مجھے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ مجھے پہچانتے ہو۔ میں کون ہوں؟ میں نے کہا خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں آپ کون صاحب ہیں۔ ارشاد فرمایا میں مہدی (امامِ آخر الزماں علیہ السلام) ہوں۔ اور میں ہی دائرۂ مقدسہ آل محمد علیہ السلام میں وہ شخص ہوں جو اس تلوار سے (تلوارِ آویزاں کی طرف اشارہ فرماکر) روئے زمین پر ظہور کروں گا۔ اور تمام عالم کو عدل و انصاف سے پُر اور مملو کر دونگا۔ اُسی طرح جس طرح قبل اس کے وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہوگی۔ اتنا سننا تھا کہ میں زمین پر گر پڑا۔ اور اپنا مُنھ آپ کے

قدموں سے ملنے لگا۔ آپ نے فوراً اپنے پائے مبارک ہٹا لئے اور ارشاد فرمایا کہ ایسا نہ کرو مجھے خوب معلوم ہے کہ تو فلاں شخص
ہے (نام لیا) اور کوہستانی شہروں میں سے اُس شہر کا رہنے والا جو شہر ہمدان کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے کہا کہ اے
سید وآقا ہمارے جو کچھ آپ نے فرمایا صحیح وراست اور بے کم وکاست ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ تم اپنے اہل وعیال سے
ملنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا البتہ میں اپنے بال بچوں سے ملنے کا ضرور مشتاق ہوں اور اُس نعمتِ الٰہی کا جو آپ کی شرفِ زیارت
کے معنوں میں اس وقت مجھے دربارِ ایزدی سے خاص طور پر عنایت فرمائی گئی ہے مژدہ اور بشارت ان کو بھی پہنچانا چاہتا
ہوں۔ تاکہ یہ تفویضِ خداوندی ابدآلآباد تک ہمارے خاندان اور سلسلہ کا شرف اور اعزازِ خاص ثابت کر سکے۔ یہ سُنکر آپ نے
اپنے خدمتگار کو اشارہ کیا۔ وہ ایک دینوں کی بھری ہوئی تھیلی لایا۔ آپ نے وہ تھیلی مجھے عنایت فرمائی اور کہا کہ ان کو اپنے
ہمراہ لیجاؤ۔ چنانچہ میں اُس کے ہمراہ روانہ ہوا۔ کچھ اور آگے چلکر مجھے فوراً آبادی کے آثار معلوم ہوئے۔ اور درخت اور مسجد
کے مینارے معلوم ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے رفیق سے پوچھا کہ بھائی یہ تو مجھے شہر استاباد کی سی آبادی معلوم
ہوتی ہے جو میرے شہر سے ملا ہوا شہر ہے۔ اُس نے کہا ہاں یہی شہر استاباد ہے۔ اس کے بعد جو میں نے اپنے رفیق کی طرف
نگاہ کی تو اُسے وہاں نہ پایا۔ غرضکہ میں شہر آستاباد میں داخل ہوا اور اس کیسۂ عطیۂ امام علیہ السلام کو کھولا تو اُس میں چالیس
یا پچاس دینار رکھے پائے۔ غرضکہ وہاں سے بخیر وخوبی تمام اپنے شہر ہمدان میں داخل ہوا۔ اور اپنے اعزا واقارب کو جمع
کرکے اُس نعمتِ آلٰہی کے حاصل کرنے کا واقعہ اُن سے بیان کیا جو مجھ کو اس سفر میں عنایت ہوئی تھی۔ پھر جب تک
کہ وہ عطیہ روپیہ میرے پاس رہا مجھ کو برابر خیر وبرکت ہوتی رہی۔

مُلّائے مجلسی نور اللہ مرقدہٗ کا خیال ہے کہ شہر استاباد وہی ہے جو فی الحال اسد آباد کے نام سے مشہور ہے +

علی ابن فاضل کی سرگذشت

(۳) علی ابن فاضل بیان کرتے ہیں کہ میں کئی برسوں تک شہر
دمشق میں تحصیل علم کی غرض سے مقیم تھا۔ شیخ زین الدین علی
مغربی مالکی اندلسی کے پاس علم القرأت سیکھتا تھا اور وہ اُس وقت امام القرأت کہے جاتے تھے اور قرأت ہفتگانہ پر عبور کامل
رکھتے تھے اور علاوہ علم القرأت کے انکو صرف۔ نحو۔ منطق۔ معانی۔ بیان۔ اصول اور فقہ وغیرہ میں بھی پوری دستگاہ حاصل
تھی۔ ان کے علاوہ شیخ عبدالرحیم حنفی کے پاس عربی کے علمِ ادب اور علم اصول کی تعلیم پاتا تھا۔ شیخ زین الدین طبیعت کے
نرم اور صلح پسند بزرگ تھے۔ اور کبھی مباحثِ مذہبی اور مناظرۂ دینی کی طرف راغب اور متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ اور
جب کبھی کسی مختلف فیہ مسئلہ کا ذکر آجاتا تھا تو صرف اتنا کہہ دیتے تھے کہ علمائے امامیہ اس مسئلہ میں یہ کہتے ہیں بخلاف
دوسرے مدرسین کے جو ہمیشہ ایسے اوقات میں علمائے شیعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اس مسئلہ میں رافضیوں
کے عالم یہ کہتے ہیں۔ مجھ کو ان کی یہ متعصبانہ اور محض مخالفانہ تقریریں نہایت ناگوار گزرتی تھیں مگر میں اُن پر برابر ضبط
کیا کرتا تھا۔ آخر کار میں نے عاجز آکر سوائے شیخ زین الدین اندلسی کے جن میں تعصب کم تھا اور مدرسین کے پاس جانا
آنا چھوڑ دیا۔ اور انہی کے پاس ایک مدت تک رہ کر جو کچھ مجھے حاصل کرنا تھا سب کچھ حاصل کر لیا۔ اتفاق وقت سے
اُن کو دمشق سے ممالکِ مصر کی طرف جانے کی ضرورت پیش آئی۔ چونکہ اُن کو مجھ سے محبت اور مجھ کو ان سے ایک خاص
اُنس پیدا ہو گیا تھا اس لئے اُن کی مفارقت کو میں اور میری جدائی کو وہ کسی طرح گوارا نہ کر سکے۔ آخر کار طرفین سے یہ
قرار پایا کہ میں بھی اُن کے ہمراہ جاؤں۔

بہرحال میں اور میرے استاد دمشق سے چلکر مصر کے مشہور ومعروف شہر قاہرہ میں پہنچے۔ وہاں پہنچکر ہمارے استاد
نے مسجد جامع میں قیام فرمایا۔ اور اپنے قدیم مشاغل درس وتدریس میں بدستور سابق مصروف ہوگئے ان کی آمد کا

حال سُن کر علما روفضلائے مصر اُن کے شوقِ زیارت میں کسبِ فیوض اور تحصیل علوم کی ضرورت سے ان کے پاس ہر وقت جمع ہونے لگے۔ کامل نو مہینے تک ہم لوگ اُس مسجد میں مقیم رہے۔ اس اثنا میں شیخ کی شہرت تمام دیار و امصار میں اس کثرت اور وسعت سے ہوئی کہ دمشق میں بھی باوجود اتنے طویل قیام کے ایسی نہیں ہوئی تھی۔ ہم دونوں آدمی قاہرہ میں نہایت آرام و عافیت اور اطمینان و راحت سے رہتے تھے۔ اتنے میں اندلس سے ایک قافلہ آیا اور اُس قافلہ والوں میں سے ایک شخص نے آکر میرے استاد کے نام ایک خط دیا۔ وہ اُن کے باپ کا خط تھا۔ جس میں تحریر تھا کہ میں عرصہ سے سخت بیمار ہوں۔ اب میری آرزوئے دلی یہی ہے کہ میری موت سے پہلے تم میرے پاس پہنچ جاؤ تو میں تمہارے دیدار فرحت آثار سے اپنے دیدۂ انتظار کو ٹھنڈا کر لوں۔ اس خط کو دیکھتے ہی وقفہ نہ کرو دیر نہ لگاؤ۔ میرے پاس چلے آؤ۔ ہمارے اُستاد اپنے والد کا حال سنتے ہی بیچین ہو گئے اور محبت پدری کے تقاضے سے زار و قطار رونے لگے۔ اوسی وقت جزیرۂ اندلس کی طرف روانہ ہوئے۔ اُن کے اکثر موجودہ شاگردوں نے اُن کی ہمراہی کا قصد کیا۔ اور میں بھی اُنہی لوگوں میں تھا کیونکہ ان کے اشفاق و اخلاق ہمارے ساتھ ایسے ہی تھے اوستاد ہمارے خلوص دیکھکر ہر چند منع کرتے رہے مگر ہم نہ مانے اور اُن کے ساتھ ہوئے۔

جب ہم لوگ جزیرۂ اندلس کی پہلی منزل میں پہنچے و اتفاق وقت سے مجھے سخت تپ آگئی اور میں اس کی شدت کی وجہ سے نقل و حرکت کرنے کے بھی قابل نہ رہ سکا۔ استاد نے مجھے اس حالت میں دیکھکر سخت افسوس ظاہر کیا۔ یہانتک کہ رونے لگے۔ اور کہا کہ بخدا مجھے تمہاری مفارقت سخت شاق ہے۔ مگر کیا کیا جائے جیسی کچھ مجھے مجبوری ہے وہ خدائے عالم الغیوب خوب جانتا ہے۔ یہ فرما کر وہاں کے خطیب کو بلوایا اور دس درم اس کو دیکر اس سے کہا کہ اگر یہ صحت پاجائیں تو اسی صرف سے اُنھیں میرے مکان تک پہنچوا دینا۔ اور اگر صورت دوسری ہو جاوے تو اُسی سے ان کی ضروریات اخروی انجام کرا دینا خطیب کو میرے معاملات کی حفاظت اور نگرانی سپرد فرما کر استاد اندلس کی طرف تشریف لیگئے اس مقام سے اُن کے وطن اور مسکن تک کی مسافت دریا کے راستہ سے پانچ روز کی راہ بتلائی جاتی تھی۔

استاد گھر گئے۔ میری یہ حالت ہوئی کہ ان کے چلے جانے کے بعد میں تین روز تک اپنے مرض کی شدت میں اُسی طرح مبتلا رہا جیسا اُن کے سامنے تھا۔ چوتھے روز میرا بخار اُتر گیا اور خود مجھے اپنے مرض میں کچھ افاقہ اور جسم میں کچھ طاقت معلوم ہونے لگی تو میں خطیب کے مکان سے باہر گلی میں نکل آیا۔ میں نے وہاں اہل مغرب کی اس صحرائی جماعت کو دیکھا جو مغربی دریا میں بہت دور دراز مسافت پر رہتے ہیں اور ان ممالک میں پشم روغن اور انواع و اقسام کی صحرائی چیزیں اور ادویہ وغیرہ بیچنے کے لئے لاتے ہیں۔ میں نے ان لوگوں سے ان کے حوال پوچھے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ اُس قطعہ زمین کے رہنے والے ہیں جو علاقہ بربر سے قریب تر ہے۔ اور وہ علاقہ جزیرۂ رافضیان سے قریب ہے۔ جزیرۂ رافضیان کا نام سنتے ہی مجھ کو پہلے تو سخت تعجب ہوا اور پھر ایک قسم کی خوشی اور فرحت بھی ضرور حاصل ہوئی کہ خیر ملک ہویا علاقہ ایک مدت کے بعد ہم کو اپنے ہمطریق اور ہم عقیدہ بھائیوں سے نیاز دریجائی تو میسر ہوگی۔ میں نے اُن لوگوں سے وہاں کی مسافت پوچھی اور وہاں پہنچنے کی راہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ یہاں سے وہاں تک کامل پچیس ۲۵ روز کی راہ ہے منجملہ اُس کے دو روز کی راہ ایسی سخت اور دشوار ہے جس میں نہ انسان کو دانہ مل سکتا ہے اور نہ پانی۔ ہاں اس کے بعد دیہات و قصبات متصل ملتے چلے جاتے ہیں۔ میں اپنے جذبہ و شوق تمنا میں کچھ ایسا بیتاب ہو رہا تھا کہ میں نے اس سفر دور و دراز اور اُس کے مصائب کا بھی کوئی خیال نہیں کیا اور بسم اللہ مجریھا و مرسٰہا کہکر اُس جماعت صحرائی کے ساتھ ہو لیا۔ اور اتنے حصہ مسافت کیلئے جہاں دانہ اور پانی نہیں ملتا تھا میں نے ایک دراز گوش

تین درہم پراُنہی لوگوں سے کرایہ کر لیا۔ اور روانہ ہوا۔ اور بائیس[۲۲] روز کے بعد اُن بے آب و دانہ والی منزلوں کو برابر طے کرتا ہوا اُن لوگوں کی بود و باش کے خاص مقام پر پہنچگیا۔ یہاں اُن کا دراز گوش ان کو دیدیا۔ اور ایک دیہات سے دوسرے تک اب پیدل جانا شروع کر دیا۔ جب آخر دیہ میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ جزیرۂ رافضیاں ابھی تین روز کی راہ ہے میں نے کوئی خیال نہیں کیا اور پھر توکلتُ علی اللہ کہکر ہمّت باندھی اور روانہ ہوا۔ دوسرے روز ایک جزیرے میں پہنچا اِس جزیرے میں برابر کے چار قلعے تھے اور اُن کی عمارتیں مستحکم اور مضبوط تھیں ان میں اندر داخل ہونے کا صرف ایک ہی راستہ تھا۔ جو دریا کی طرف نہایت استحکامی سے مستحکم کیا گیا تھا۔ میں اُسی راہ سے اس جزیرہ میں داخل ہوا۔ اِدھر اُدھر گلیوں میں پھرنے لگا۔ اور لوگوں سے وہاں کی مسجد کو پوچھا تو لوگوں نے بتلایا۔ میں تلاش کرتا ہوا مسجد میں پہنچا تو اُس کو بڑی وسیع و رفیع مسجد پایا جو شہر سے پچھم کی طرف دریا سے ملی ہوئی واقع تھی۔ میں وہاں آرام کرنے کیلئے ٹھہر گیا۔ اسی اثنا میں موذن آیا اور اذان دینے لگا اُس نے اذان میں حی علیٰ خیرالعمل بھی کہا اور اذان سے فراغت کر کے انھوں نے حضرت صاحب الامر علیہ السلام کے امور کی کشادگی کے لئے درگاہ رب العزت سے دعا مانگی ان کی آذان سُنکر میرے دل میں کچھ ایسا اثر اور جوش پیدا ہوا کہ میں بے اختیار ہو کر رونے لگا۔ اسکے بعد بندگانِ خدا جوق جوق آنے لگے اور جماعت کی جماعت اور صف کی صف ہو کر مسجد میں داخل ہونے لگے۔ اور اُس چشمۂ شیریں سے جو مسجد کے پورب کی طرف ایک سایہ دار درخت کے نیچے واقع تھا وضو کرنے لگے۔ میں اُن کے وضو کرنے کے طریقوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ تا اینکہ میں نے اُن کے تمام ارکانِ وضو کو طریقۂ شیعہ کے مطابق پایا۔ اتنے میں ایک نہایت خوش رو اور قبول صورت نوجوان صاحبِ عظمت و وقار تشریف لائے اور محرابِ مسجد میں کھڑے ہو کر جماعتِ موجودہ کی امامت فرمانے لگے۔ میں نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے ان کی نماز کے تمام ارکانِ واجبہ و مستحبہ کو پورے غور و تامّل سے دیکھا اور نماز کے بعد ان کی تعقیبات و تسبیحات کو بھی پورے طور سے سُنا اُن کو بھی میں نے طریقۂ اہلبیت علیہم السّلام کے مطابق پایا۔ چونکہ میں سفر کی زحمت سے بالکلیہ خستہ ہو رہا تھا اِس لئے ان کے ساتھ نماز نہ پڑھ سکا۔ اتنے میں سب لوگ نماز سے فارغ ہوگئے تو مجھ کو اُس مقام پر بیٹھے کا بیٹھا دیکھکر سخت متعجب ہوئے۔ اور حقیقتہً میرا نماز میں شریک نہ ہونا ان لوگوں کو نہایت ناگوار معلوم ہوا تھا۔ یہانتک کہ وہ لوگ میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ تمہارا کیا حال ہے۔ نماز کیوں نہیں پڑھتے اور پڑھتے ہو تو کہاں اور کیسے پڑھتے ہو۔ اور کس مذہب اور مسلک پر چلتے ہو؟ میں نے نہایت متانت سے ان کے جواب میں کہا کہ میں ملکِ عراق کا ساکن اور طریقۂ اسلام کا سالک ہوں اور میرا عقیدہ یہ ہے اشھد ان لَّآ الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ و اشھد انّ محمدا عبدہٗ و رسولہ ارسلہٗ بالحق والھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الادیان کلھا ولو کرہ المشرکون ۔ یہ سُن کر ان لوگوں نے جواب دیا کہ سبحان اللہ! صرف اِن دو شہادتوں سے تو تمہیں کوئی نفع پہنچ ہی نہیں سکتا سوائے اس کے کہ اس اقرار کی وجہ سے تم دارِ دنیا میں قتل سے بری ہو سکتے ہو۔ تیسری شہادت کیوں نہیں ادا کرتے کہ اسلام تمہارا کامل اور ایمان تمہارا راسخ ہو جائے۔ اور پھر بغیر کسی مواخذہ کے بہشت عنبر سرشت میں داخل کئے جانے کے مستحق ہو جاؤ۔ میں نے کہا خدا آپ لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل کرے مجھے مہربانی فرما کر بتلادیں کہ وہ تیسری شہادت کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ وہ تیسری شہادت اس امر کا اقرار اور تصدیق ہے کہ بعد جناب ختمی مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت امیر المومنین و یعسوب الدین و قائد الغر المحجلین مظہر العجائب و مصدر الغرائب سیدنا و مولٰنا علی ابن ابطالب علیہما السلام اور اُن کے گیارہ فرزند اوصیا اور خلفائے بلا فصل ہیں۔ اور یہ وہی حضرات رفیع الدرجات ملکوتی صفات ہیں جن کی اطاعت خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے بعد اپنے تمام بندوں پر واجب کی ہے۔ اور اُنہی

کی زبان صداقت ترجمان سے اپنے اوامر ونواہی کے تمام احکام اپنے بندوں تک پہنچائے ہیں۔ اور اپنی جانب سے اُن لوگوں کو دنیا میں اپنی حجت قرار دیا ہے۔ اور اُن کی ذات با برکات کو تمام خلائق کے لئے امن کا باعث قرار دیا ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے معراج کی رات کو ان حضرات کے نام ایک ایک کر کے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلادیئے تھے اور ان کی امامت وخلافت کے تمام واقعات ظاہر فرمادیئے تھے۔ اور اس صادق۔ امین اور رسول رب العلمین صلوات اللہ علیہ وآلہ اجمعین کے ذریعے سے یہ تمام چیزیں ہم لوگوں کو پہنچیں۔

جب میں اُن کے اس کلامِ مدلل کو مفصل طور سے سُن چکا تو میں نے جی ہی جی میں خدا کا ہزار ہزار شکر بجالایا اور اپنے دل میں اسقدر خوش ہوا کہ کل سفر کی تمام زحمتیں میرے تمام اعضا و جوارح سے جاتی رہیں۔ پھر انھیں بھی معلوم ہو گیا کہ یہ ہمارے ہم مذہب وہم طریق ہیں۔ تو وہ لوگ مہربانی اور اخلاق سے زیادہ پیش آئے۔ اور اُسی وقت مسجد کا ایک حجرہ میرے لئے خالی کر دیا۔ جب تک کہ میں وہاں رہا وہ سب کے سب میرا بڑا اعزاز و اکرام اور خاطر و مدارات کرتے رہے۔ اور ان کے امامِ جماعت تو کسی وقت میری صحبت سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ ایک دن میں نے اُن بزرگوار سے دریافت کیا کہ میں آپ کے تمام جزیرہ میں کہیں زراعت کا تو نام بھی نہیں دیکھتا۔ آخر آپ حضرات کا آذوقہ کہاں سے چلتا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم لوگوں کو کھانے پینے کی تمام چیزیں جزیرۂ خضراء سے جو بحیرۂ ابیض میں واقع ہے۔ اور جو اولادِ حضرتِ صاحب الامر علیہ السلام کے زیرِ فرمان ہے۔ آتی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ سب چیزیں سال بھر میں کے بار آتی ہیں؟ فرمایا دوبارہ۔ امسال ایک دفعہ آچکی ہیں اور ابھی ایک بار اور آنیوالی ہیں۔ میں نے کہا کہ بارِ ثانی کے آنے میں کتنی مدت باقی ہے؟ فرمایا چار مہینے۔ اس طولانی مدت کو سُن کر مجھے حیرت ہوئی اور چالیس روز تک میں برابر انتظار کرتا رہا۔ چالیسویں دن فرطِ انتظار سے بیقرار ہو کر ساحل پر چلا گیا۔ اور پچھم کی طرف جدھر سے ان کشتیوں کا آنا بتلایا گیا تھا نگاہ غور سے دیکھنے لگا۔ یہاں تک کہ ایک سفید چیز مجھے دور سے آتی دکھلائی دی۔ میں نے یہ دیکھکر اُن لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے دریا میں سفید جانور بھی پیدا ہوتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ نہیں تو۔ کیا تم نے کوئی سفید چیز دریا میں دیکھی ہے؟ میں نے کہا ہاں دیکھی ہے۔ یہ سُنکر وہ سب کے سب ازحد خوش اور مسرور ہو گئے۔ اور مجھ سے کہنے لگے کہ تم نے جس چیز کو دیکھا ہے۔ وہ وہی کشتیاں ہیں جو ہر سال اولادِ امام علیہ السلام کی طرف سے ہم لوگوں کے لئے آیا کرتی ہیں۔ ابھی ان باتوں کو ہوتے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ وہ کشتیاں سامنے نمودار ہو گئیں۔ اُن میں سے جو بڑی کشتی تھی وہ سب سے پہلے ساحل پر لائی گئی۔ اس کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری۔ یہانتک کہ سات کشتیاں برابر سے ساحل پر لگ گئیں۔ اُس بڑی کشتی میں سے ایک بزرگ مقدس۔ خوبصورت اور مستوی القامت برآمد ہوئے۔ مسجد میں گئے۔ طریقۂ اہلبیت علیہم السلام کے مطابق وضو کیا۔ اور نماز ظہرین پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو خود بخود میری طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے۔ قیافہ تو یہ کہتا ہے کہ تمہارا نام علی ہے۔ میں نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔ پھر پوچھا کہ تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟ پھر آپ ہی فرمایا کہ میرا گمان غالب ہے کہ تمہارے والد کا نام فاضل ہے۔ میں نے کہا کہ آپ نے صحیح فرمایا۔ اِن کی گفتگو سے مجھے یقین ہو گیا کہ شہر دمشق سے مصر تک سفر کرنے میں میرے ضرور رفیق اور شریک ہونگے۔ تب تو میری اتنی معرفت رکھتے ہیں۔ یہ خیال کر کے میں نے اُن کی خدمت میں عرض کی کہ آپ نے کیونکر مجھے اور میرے باپ کو پہچان لیا۔ اور ہم دونوں کے نام بھی آپ نے بتلائے انھوں نے جواب دیا کہ میں تمکو اور تمہارے نسب کو پہلے ہی سے خوب جانتا ہوں۔ لیکن میں دمشق سے مصر تک کے سفر میں کبھی تمہارا رفیق نہیں ہوا۔ میں نے کہا کہ اچھا اگر میرے پہلے سفر میں آپ میرے رفیق نہیں تھے تو میرے دوسرے

سفر میں جو اندلس سے یہاں تک کیا گیا ہے میرے ضرور شریک اور ہم سفر رہے ہوگے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ میں اپنے مولا جناب صاحب الامر علیہ السلام کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہارے کسی سفر میں تمہارا رفیق اور ہم طریق نہیں ہوا۔ یہ سُنکر مجھے سخت تعجب ہوا اور میں نے کہا پھر آپ نے مجھے کیونکر اس تفصیل سے پہچان لیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ مجھے تمہاری معرفت بتلائی گئی ہے اور اس امر پر مامور کیا گیا ہوں کہ تمہیں جزیرۂ خضرا میں لیجاؤں۔ یہ مژدہ سنتے ہی قریب تھا کہ میں شادی مرگ ہو جاؤں۔ کیونکہ مجھے یقین ہو گیا کہ اِن سعادتمندانِ ازلی کے جریدہ میں ہمارا بھی نام ہے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ اِن بزرگ کا قاعدہ ہے کہ اس جزیرہ میں تین روز سے زیادہ نہیں رہتے تھے۔ مگر اب کی بار خلافِ معمول ایک ہفتہ تک قیام فرما رہے اور اُن تمام ذخیروں کو جو اپنے ہمراہ لائے تھے وہاں کے مومنین پر تقسیم فرما دیا۔ جب اُن لوگوں سے اُن کے وظائف مقررہ کی رسیدیں لیلیں تو پھر مجھکو اپنے ہمراہ لیکر وہاں سے روانہ ہوئے۔

جب ہم لوگوں نے سفرِ دریا میں کامل سولہ روز ختم ہو چکے تو ایک دن ہم لوگوں کو نہایت صاف و شفاف دریا ملا۔ میں نے کبھی ایسا پاک و پاکیزہ دریا آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے میں خاص کر اس کو غور کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ ان بزرگ نے جن کا نام محمد تھا مجھے موجودہ غور و فکر میں مصروف پاکر مجھ سے استفسار فرمایا کہ تم اس دریا کے پانی کو اتنے غور سے کیوں دیکھتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ اس دریا کا پانی دنیا کے کسی دریا کے پانی سے نہیں ملتا ہے۔ اس تغیر کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ یہی بحرِ ابیض ہے اور وہ جزیرۂ خضرا واقع ہے۔ اور یہ پانی اس جزیرہ کے چاروں طرف مثل حصار کے محیط ہے۔ جس طرف سے اس جزیرہ میں داخل ہوگے ایسا ہی پانی ملیگا اور حکمتِ حکیم علی الاطلاق اور برکتِ جناب صاحب الامر علیہ السلام کے باعث سے جو مخالف اس جزیرہ میں آنیکا قصد کرتا ہے غرق ہو جاتا ہے۔

یہ سُنکر میں نے اُس میں سے تھوڑا سا پانی لیا اور پیا تو اُس کو آبِ دریائے فرات سے بھی ذائقہ میں مشابہ اور مساوی پایا۔

بہر حال۔ اِس دریا کو طے کر کے ہم لوگ جزیرۂ خضرا میں بخیر و خوبی پہنچ گئے۔ ساحل سے شہر تک مجھ کو سات قلعے ایک دوسرے سے متصل نظر آئے۔ ان کی تمام عمارتیں مضبوطی اور استحکام میں اپنا آپ جواب تھیں۔ شہر سے ملے ہوئے بہت سے بستانہائے میوہ دار اور میدانہائے سبزہ زار اپنی اپنی بہار دکھلا رہے تھے۔ اِن میں جا بجا بہت سی خوشنما اور پُر تکلف عمارتیں بھی بنی ہوئی تھیں۔ شہر میں داخل ہوا تو سب سے پہلے مجھے حمامِ شہر کی عمارت نظر پڑی۔ اس کی تعمیر میں زیادہ تر صاف و شفاف سنگ مرمر کے پتھر لگائے گئے تھے اور وہاں کے اہلکار بھی سب کے سب نہایت پاک و پاکیزہ دکھلائی دیتے تھے۔ شہر کی انہی نو عمارتوں کو دیکھکر میری طبیعت کچھ ایسی شاد و مسرور ہوئی جو میرے بیان سے بالکل باہر ہے۔

بہر حال اس وقت تو میں اپنے رفیق محمد کے ہمراہ ان کے مکان پر چلا گیا اور وہیں فروکش ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے رفیق مجھ کو مسجد جامع میں لیگئے۔ وہاں میں نے آدمیوں کی جماعتِ کثیر دیکھی۔ اُن کے بیچ میں ایک صاحب با ہمت و جلال اور شوکت و اقبال تشریف فرما تھے ان کی عظمت و جلالت کی کچھ ایسی تاثیر میرے قلب پر طاری ہوئی کہ پھر مجھ میں تکلم اور تقریر کی ذرا بھی قوت باقی نہ رہی۔ باقی اور لوگ جو ان سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے ان کی بات چیت سے میں نے معلوم کر لیا کہ ان کا نام سید شمس الدین محمد ہے اور اُن کو لفظ عالم سے تمام حضرات مخاطب فرما رہے تھے۔ وہ جماعت کی جماعت اُس وقت علم القرآن۔ علم الفقہ۔ علم ادب عربیہ اور علم اصول دینیہ وغیرہ وغیرہ جو جناب صاحب الامر علیہ السلام کی خدمت سے اخذ کر چکے تھے۔ اُنکے تمام مسائل کو قضیہ قضیہ۔ مسئلہ مسئلہ اور حکم حکم کر کے ان کی خدمت میں عرض کرتے تھے۔ صرف اس غرض سے کہ اگر اِن امور کے سمجھنے یاد کرنے اور تفصیل کرنے میں اُن لوگوں سے کوئی خطا یا فروگذاشت ہو گئی ہو تو وہ اُسے درست فرما دیں اور اس کی اصلاح کر دیں۔ جب میں ان کی خدمت میں پہنچا تو مجھ کو دیکھتے ہی سید صاحب

نے وسیع جگہ اپنے قریب میرے لئے خالی کر دی اور بعد تحیۃ وسلام مجھ سے فرمانے لگے کہ تمہیں زحمتِ سفر تو بہت ہوئی ہو گی
انہی کلمات کو دو تین بار مجھ سے متواتر فرمایا۔ اور اپنی مہربانی اور مہمان نوازی کے اعلیٰ جوہر دکھلائے۔ اس کے بعد ارشاد
فرمایا کہ تمہارے پہنچنے سے پہلے مجھ کو تمہارے آنے کی خبر معلوم ہو چکی تھی۔ اور میں ہی نے تمہارے رفیق محمد کو تمہارے
لانے کے لئے مخصوص بھیجا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے حکم دیا کہ مسجد کے حجروں میں سے ایک حجرہ میرے قیام کے لئے
خالی کر دیا گیا اور میں وہیں اتر گیا جب میں اس حجرہ میں جانے لگا تو مجھ سے ارشاد ہوا کہ جس وقت تمہارا جی چاہے بلا تکلف
اور بلا تامل میرے پاس چلے آیا کرو۔ میں سلام کر کے اُن کی خدمت سے چلا آیا۔ اور اپنے حجرہ میں عصر کے وقت تک
برابر سوتا رہا۔ یہاں تک کہ خدام مسجد میں سے ایک خادم نے مجھے آکر جگایا اور مجھ کو حکم دیا کہ آپ یہاں سے شام تک
کہیں باہر تشریف نہ لیجائیں۔ کیونکہ سید صاحب تشریف لا رہے ہیں اور وہ شام کا کھانا آپ ہی کے ساتھ تناول فرمائینگے
میں نے کہا بسر وچشم قبول ومنظور ہے۔ سید صاحب تھوڑی دیر میں اپنے اصحاب واحباب کے ساتھ تشریف لائے
اور میرے پاس بیٹھ گئے پھر کھانا آیا اور رکھا گیا پھر ہم لوگوں نے ملکر کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر تک
ذکر واذکار ہوتے رہے۔ اتنے میں مغرب کا وقت آگیا۔ اور میں سید صاحب کے ہمراہ نماز جماعت میں شریک ہو گیا۔
نماز سے فارغ ہو کر سید صاحب اپنے دولت خانہ پر تشریف لے گئے اور میں اپنے حجرہ میں واپس آیا۔ اب جمعہ کا
دن آیا اور یہ پہلا جمعہ تھا جو مجھے وہاں گزرا۔ میں نماز میں شریک ہوا اور صفِ اول میں سید صاحب کے قریب کھڑا ہوا۔
میں نے سُنا کہ سید صاحب نے نماز جمعہ کی نیت شرطِ وجوب کے ساتھ ادا کی۔ جب نماز سے فراغت ہو گئی تو میں نے اُن کی
خدمت میں استفسار کیا کہ آپ نے نماز جمعہ بہ نیتِ وجوب پڑھائی ہے اس کی علت ارشاد ہو انھوں نے ارشاد فرمایا
کہ ہاں شرطِ وجوب موجود ہے اسلئے واجب ہو گئی۔ اُسوقت میں نے اُن کا یہ جواب سنکر سمجھ لیا کہ شاید جناب صاحب الامر
علیہ السلام یہاں موجود ہیں اسلئے یہ نماز بہ نیت وجوب پڑھی گئی مگر دوسرے وقت میں نے سید صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ
کیا جناب صاحب الامر علیہ السلام اُسوقت نماز جمعہ میں شریک تھے فرمایا نہیں مگر میں ان کی جانب سے خاص اس امر پر مامور تھا اور
اُن کا نائب حاضر تھا پھر میں نے دریافت کیا کہ آپ نے اُن کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے فرمایا نہیں لیکن میرے والد
بزرگوار فرماتے تھے کہ انھوں نے صرف آپ کے کلام معجز نظام کو سنا تھا مگر انھوں نے بھی آپ کے جمالِ باکمال کو نہیں
دیکھا تھا۔ لیکن میرے جدِ بزرگوار نے آپ کی تقریر کو بھی سُنا تھا اور آپ کے جمالِ جہاں آرا کی زیارت بھی حاصل
کی تھی۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ اچھا اس کی کیا وجہ ہے کہ ان میں سے ایک کو زیارت نصیب ہوتی ہے۔ اور دوسرے
کو نہیں۔ اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ حقیقتِ امر یہ ہے کہ یہ امر قطعی طور پر خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ کی مرضی اور
اختیار پر منحصر ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس کے ساتھ چاہے یہ فضل واحسان کرے اور جس کے ساتھ نہ چاہے نہ کرے
کسی بندہ کو اس میں چون وچرا کی مجال نہیں ہے چنانچہ قدیم سے عادتِ الٰہی ایسی ہی جاری ہوئی ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے
بندوں میں سے انبیاء واوصیاء سلام اللہ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہم السلام کو منتخب کرتا ہے اور ان کو دنیا میں اپنی حجت اور
ودیعت قرار دیتا ہے اور اپنے بندوں کے درمیان ان کو ذریعہ اور وسیلہ قرار دیتا ہے تاکہ دنیا میں ہر شخص کی موت و
حیات ایک دلیل اور حجت کے ساتھ قائم ہو۔ اسی وجہ سے پروردگارِ عالم نے دنیا کو کسی وقت اور کسی حالت میں اپنی حُجت
کے وجود سے خالی نہیں چھوڑا ہے۔ اور ابتدائے آفرینش سے لیکر وقتِ موجودہ تک کوئی زمانہ حجت الٰہی سے خالی نہیں گزرا
ان کے تمام نظام واحکام اپنے اپنے زمانہ میں سفراء ونائبین کے ذریعہ سے سر انجام ہوتے تھے اور اب تک اسی معیار پر انجام
دیئے جاتے ہیں۔ یہ باتیں تمام کر کے سید صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور سیر کناں مجھ کو سوادِ شہر سے باہر لے آئے۔ اس مقام

پُر فضا میں بہت سے چہچہاتے لالہ زار شاداب و تیار تھے اور ان میں صاف و شفاف نہریں جاری تھیں۔ اور مختلف اقسام کے تر و تازہ میوے کثرت سے درختوں میں لگے ہوئے تھے۔ میں نے کبھی اس کثرت سے میوے شام اور عراق کی سرزمین میں بھی۔ دیکھے تھے۔ میں اسی طرح اُن کے ہمراہ ایک باغ سے دوسرے باغ کی سیر کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک خوبصورت جوان پشم سفید کا لباس پہنے ہم لوگوں کے سامنے آیا اور اُس نے ہم لوگوں کو سلام کیا اور پھر فوراً واپس گیا۔ میں نے اُس کی صورت اور ہیبت دیکھ کر سید صاحب سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ فرمایا کہ اِس سامنے والے پہاڑ کو دیکھتے ہو؟ میں نے کہا ہاں فرمایا کہ اس پہاڑ کے وسط میں ایک نہایت خوشنما اور پُر فضا مقام واقع ہوا ہے۔ وہاں ہر ایک سایہ دار درخت کے نیچے ایک پاک و پاکیزہ چشمہ صناعِ ازلی نے اس لطافت اور صنعت سے جاری فرمایا ہے کہ اُس درختِ سایہ دار کی شاخیں اُس چشمہ پر آکر باہم ایک حجرہ کی صورت میں ملحق اور متصل ہو گئی ہیں۔ اُس چشمہ کے قریب ایک قبہ نما عمارت بنی ہوئی ہے۔ یہ شخص اور اسکا رفیق دونوں اُس قبہ کے ملازم ہیں۔ ہر جمعہ کے دن صبح کے وقت میں اُس قبہ کی طرف جاتا ہوں اور جنابِ امام آخر الزماں علیہ السلام کے ارشاد و اقوال سے مشرف ہوتا ہوں۔ دو رکعت نماز پڑھتا ہوں۔ اُس قبۂ مبارک سے مجھ کو ایک جریدہ عنایت ہوتا ہے اور اس میں وہ تمام احکام مندرج ہوتے ہیں جن کی تعلیم و ہدایت کی تمام مومنین کو ضرورت واقع ہوتی ہے اور اُن کو مجھے بتلانا ہوتا ہے۔ جس قدر حکم و احکام اُس جریدہ میں قلمبند ہوتے ہیں میں اُتنے ہی مومنین کو بتلاتا ہوں اور جو احکام اُس میں مندرج نہیں ہوتے وہ نہیں بتلاتا۔ تمہیں بھی مناسب ہے کہ قبۂ مطہرۂ جنابِ صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کا شرف و اعزاز حاصل کر لو۔ یہ سُننا تھا کہ مجھے کمال مسرت حاصل ہوئی اور میں اُسی وقت اُن کی رفاقت چھوڑ کر اُس کوہِ مقدس کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچا تو میں نے اُس قبۂ مطہرہ کو اُسی شوکت و عظمت کی حالت میں پایا جیسا کہ مجھے بتلایا گیا تھا۔ میں نے دو خادموں کو وہاں استادہ پایا۔ اُن میں سے ایک خادم نے جس نے مجھے سید صاحب کے ہمراہ باغ میں دیکھا تھا اور سلام کیا تھا مجھے اب بھی سلام کیا۔ اور مرحبا کہا۔ اُس کے دوسرے ہمراہی رفیق کو اُس کی یہ تقدیم ناخوش معلوم ہوئی تو اُس نے فوراً اپنے رفیق سے کہا کہ تمہیں ناخوش نہ ہونا چاہیے کیونکہ میں نے اس مردِ خالص الاعتقاد کو سید شمس الدین صاحب عالم کے ہمراہ فلاں باغ میں دیکھا تھا۔ اپنے رفیق سے میرا حال سُنکر اُس نے بھی میری بڑی تعظیم و تکریم کی۔ پھر دونوں مجھ سے باتیں کرنے لگے اور اس کے بعد نانِ گرم اور انگور تازہ لا کر میری دعوت کی۔ میں نے بطیبِ خاطر اُن کے تحفوں کو قبول کیا اور کھایا اور اُس چشمۂ شیریں سے پانی پیا۔ پھر وضو کیا۔ دو رکعت نماز پڑھی اور بعد نماز کے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ آیا میں اپنے سید و مولا جنابِ صاحب الامر علیہ السلام کو دیکھ سکتا ہوں؟ اُن لوگوں نے مجھے قطعی انکاری جواب دیا کہ نہیں تم نہیں دیکھ سکتے۔ اور ہم لوگ ان امور کے افشا کرنے کے لئے ماذون نہیں ہیں اور نہ کسی کو یہاں کے واقعات کی خبر دے سکتے ہیں یہ سُنکر میں خاموش ہو گیا۔ بالآخر میں نے ان کی خدمت میں عرض کی کہ اگر اور کچھ نہیں تو آپ لوگ میرے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ چنانچہ اُن دونوں حضرات نے میرے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ اس کے بعد میں وہاں سے لوٹ آیا جب میں مولانا شمس الدینؒ کے دروازے پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ کسی ضرورت سے باہر تشریف لیگئے ہیں یہ سنکر میں وہاں سے لوٹا اور شیخ محمد کے گھر آیا۔ یہ وہی بزرگ تھے جن کے ساتھ میں بسواریِ کشتی اُس جزیرۂ مطہرہ میں پہنچا تھا۔ ان سے میں نے اپنا سارا واقعہ دُہرایا جسے سُنکر محمد نے جواب دیا کہ اُس قبۂ مقدس کے اندر سوائے سید شمس الدینؒ کے کوئی دوسرا شخص نہیں جا سکتا۔ اس کے بعد میں نے سید صاحب کے ذاتی حالات اور ان کے حسب و نسب کی بابت اُن سے پوچھا تو محمد نے جواب دیا کہ وہ اولادِ جنابِ صاحب الامر علیہ السلام سے

ہیں اور اُن میں اور امام علیہ السلام میں صرف پانچ پشت کا فاصلہ ہے اور وہ حضرتؑ کی طرف سے یہاں عہدۂ نیابت پر مامور و ممتاز ہیں۔ اس کے بعد میں اپنے مقام پر چلا آیا۔ اس واقعہ کو ایک ہفتہ سے زائد ہو گیا۔ اسی اثناء میں میں نے ایک دن سید صاحبؒ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کی خدمت میں چند ایسے مسائل دریافت کر لوں جن کی مجھ کو اکثر ضرورت پیش آیا کرتی ہے اور میرا یہ بھی ارادہ ہے کہ میں پورا قرآن مجید آپ کی خدمت میں پڑھ کر سنا لوں تاکہ میری قرأت میں جو کچھ فساد اور نقص ہو وہ بتمامہ دور ہو جائے۔ اور تمام مشکل مقامات اور مشتبہ احکام جو اس وقت تک میرے فہم ناقص میں نہیں آئے ہیں وہ سب مجھ کو بتلا دیئے جائیں میری یہ استدعا سنکر سید صاحب نے جواب دیا کہ اگر حقیقت میں تم ان امور کی تحصیل کے لئے ایسے ہی مجبور ہو جیسا کہ تمہارے کلام سے ظاہر ہوتا ہے تو تم اپنی تحصیل قرآنِ مجید کی ترتیل سے کرو۔ یہ سُنکر میں نے قرآن مجید سے ابتدا کی اور جن مقامات میں قرائے سبعہ کے درمیان اختلاف تھا اُن پر پہنچکر میں نے اُن کی خدمت میں تفصیلاً بیان کر دیا کہ اس کو حمزہ کوفی نے یوں پڑھا ہے اور کسائی نے یوں۔ عاصم نے یوں اور ابن عمر نے اور ابن کثیر نے یوں قرأت کی ہے۔ سید صاحب نے کہا کہ میں ان میں سے کسی کو بھی نہیں جانتا۔ اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ ہجرت سے پہلے قرآن نہیں نازل ہوا مگر سات حرفوں میں۔ اور ہجرت کے ایام تمام ہونے کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام جناب ختمی مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بمقام خم غدیر تشریف لائے اور فرمایا کہ اسے رسولِ خدا (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) قرآن مجید جو آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ بتمامہ میرے سامنے تلاوت فرمایئے تاکہ اوائل و اواخر متشابہات۔ غیر متشابہات۔ محکمات۔ غیر محکمات۔ ناسخات اور منسوخات اور اور ان کی شانِ نزول وغیرہ ہر سورے کے لئے میں آپ کو بتلا دوں۔ پس اُس وقت جناب علی ابن ابیطالبؑ و حضرات حسنین علیہم السلام و ابی کعب۔ عبداللہ ابن مسعود۔ حذیفہ ابن یمان۔ جابر بن عبداللہ الانصاری۔ ابو سعید خدری اور حسان ابن ثابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اُس مجمع میں قرآن شریف کو اوّل سے آخر تک تلاوت فرمایا اور جس مقام پر کچھ شبہ یا شک واقع ہوتا تھا آپ اسکو جبرائیل امین سے پوچھ لیتے تھے اور وہ آپ کو بتلا دیتے تھے اور جناب امیر المومنین علیہ السلام اُس کو اوراقِ چرمی پر لکھتے جاتے تھے۔ اِس رُو سے قرأتِ موجودہ جناب امیر المومنین علیہ السلام کی ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ بعض عباراتِ قرآنی ایسی نامربوط ہیں کہ اُن کی ابتدا کو انتہا سے کوئی ربط اور واسطہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ ارشاد ہو۔ فرمایا سچ کہتے ہو۔ قرآن مجید میں کئی جگہ ایسا ہے جیسا کہ تم نے دیکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جسوقت جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف انتقال فرمایا اور دو صنم قریش نے خلافت کو غصب کر لیا تو جناب امیر المومنین علیہ السلام نے خانہ نشین ہو کر قرآنِ مجید کو جمع کیا اور ایک بقچہ کے اندر رکھ کر اسکو مسجدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لائے اور ان لوگوں کو دکھلایا اور کہا کہ یہی کتابِ الٰہی ہے۔ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے کہ میں اسے تم لوگوں کو دکھلا دوں تاکہ بروز قیامت تم لوگوں پر حجت باقی رہے۔ یہ سُنکر عمر ابن الخطاب نے جواب دیا کہ ہم لوگوں کو تمہارے جمع کردہ قرآن کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جناب ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھکو تم لوگوں کے یہ جواب پہلے ہی بتلا دیئے تھے۔ لیکن میں نے اِسوقت جو کچھ تم سے کہا وہ صرف اتمامِ حجت کی غرض سے تھا۔ یہ کہکر وہ قرآن مجید لئے ہوئے دولت سرا کو تشریف لیگئے۔ اور اپنی زبانِ مبارک سے فرماتے جاتے تھے لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَا رَادَّ لِمَا سَبَقَ فِيْ عِلْمِكَ وَلَا مَانِعَ لِمَا اقْتَضَتْهُ حِكْمَتُكَ فَكُنْ اَنْتَ الشَّاهِدَ عَلَيْهِمْ يَوْمَ الْعَرْضِ عَلَيْكَ ترجمہ۔ کوئی پروردگار تیرے ایسا بے نظیر اور لاشریک نہیں ہے جو چیز کہ تیرے علم میں گزر چکی ہے کوئی اسکا رد کرنیوالا نہیں ہے

جس چیز کے جاری کرنے کا قصد تیری حکمت میں گزر چکا ہے پھر کوئی اسکا منع کرنیوالا نہیں ہے۔ پس اس قوم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا اسے خدا تو اسپر گواہ رہنا۔ اس کے بعد ابن ابی قحافہ نے تمام مسلمانوں کو مخاطب کرکے کہا کہ جس شخص کے پاس کوئی آیت یا سورت ہو تو وہ اُس کو میرے پاس لائے۔ یہ سُنکر ابو عبیدہ بن جراح۔ عثمان۔ سعد ابن ابی وقاص۔ معاویہ ابن ابی سفیان عبدالرحمٰن ابن عوف۔ طلحہ ابن عبیداللہ۔ ابو سعید خدری اور حسان ابن ثابت وغیرہم۔ یہ اشخاص آیات و سُورِ قرآنی جسقدر کہ اُن لوگوں کے پاس موجود تھے لائے اور اِس طرح رفتہ رفتہ اس قرآن کی ترتیب کیگئی۔ اور اُن آیات کو جن میں ان کے اعمال قبیحہ اور افعالِ نعیمہ کی خبر مندرج تھی عمدًا نکال دیا۔ اسی وجہ سے آیاتِ قرآنی ان مقامات پر غیر مربوط ہوگئیں اور وہ قرآن مجید جو جناب امیر المومنین علیہ السلام نے خاص جمع کیا تھا ہمارے آقا جناب صاحب الامر علیہ السلام کے پاس اُسی طرح محفوظ ہے اُس میں تمام و کمال احکام حتیٰ کہ گال میں ایک خراش تک پہنچانے کی حد یعنی سزائے شرعیہ پوری تفصیل کے ساتھ درج ہے موجود ہیں۔ علی ابن فاضل کا بیان ہے کہ میں نے اسی طرح پورے نوّے مسئلے سید صاحب کی خدمت میں دریافت کئے اور ان کے جوابات حاصل کئے اور وہ سب اسوقت تک میرے پاس موجود ہیں۔ ان کو میں نے ایک رسالہ کی صورت میں خاص طور پر ترتیب دیا ہے اور اُس کا نام **فوائد شمسیہ** رکھا ہے اور میں نے اسوقت تک اس کو سوائے اپنی برادران ایمانی کے اور کسی کو نہیں دکھلایا۔ بہر حال۔ اس دن تو اتنی ہی گفتگو ہمارے اور سید صاحب کے درمیان ہو کر رہ گئی۔ جب دوسرا جمعہ آیا تو مجھے یاد ہے کہ وہ نیمہ ماہ تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر سید صاحب اپنے مقام پر تشریف فرما ہوئے۔ میں حسبِ دستور ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اتنے میں چاروں طرف سے مسجد میں کچھ لوگوں کی آوازیں آنے لگیں۔ پہلے تو میں نے خیال نہیں کیا۔ تھوڑی دیر تک سُنتا رہا مگر جب ان کی کوئی ظاہری وجہ نہیں معلوم ہوئی تو میں نے سید صاحب سے پوچھا کہ یہ آواز کیسی ہے اور کن لوگوں کی ہے۔ میرے جواب میں انھوں نے ارشاد فرمایا کہ جس نیمہ ماہ کے دن جمعہ ہوتا ہے تو ہمارے لشکر کے اُمرا سوار ہو کر جناب صاحب الامر علیہ السلام کے ظہور پُر نور کے منتظر رہتے ہیں۔ آج چونکہ وہی دن ہے اور وہی تاریخ اس لئے وہ لوگ انتظارِ ظہور کی غرض سے باہر نکلے ہیں اور یہ آوازیں انہی لوگوں کی ہیں۔ یہ سن کو میں نے سید صاحب سے انکے دیکھنے کی اجازت مانگی انھوں نے مجھے اجازت عنایت فرمائی۔ میں مسجد سے باہر نکل آیا۔ دیکھا کہ ایک مجمع کثیر باہر میدان میں تسبیح و تحمید ربِّ مجید میں مشغول و مصروف ہے اور خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ کی درگاہ سے جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے ظہور پُر نور کی دعائیں مانگ رہا ہے۔ یہ دیکھکر میں مسجد میں واپس آیا۔ سید صاحب نے پوچھا کہ تم نے ہمارے لشکر کو دیکھا ہمیں نے عرض کی۔ جی ہاں دیکھا۔ فرمایا ان کو شمار بھی کیا تھا۔ میں نے عرض کی شمار تو نہیں کیا۔ ارشاد کیا کہ شمار میں وہ سب بزرگوار تین سو تیرہ ہیں۔ اور یہ وہی سعادتمندان روزگار ہیں جو حضرت صاحب الامر علیہ السلام کی رکاب ظفر انتساب میں احیائے شریعت اور استیصال کفر و ضلالت کے محاسن خدمات بجالائیں گے یہ سُنکر میں نے عرض کی کہ آخر ظہور پُر نور آپ کا کب ہوگا؟ ارشاد ہوا بھائی اسکا علم سوائے عالم الغیب کے اور کسی کو نہیں ہے اور یہ امر قطعاً اُس کی مشیت پر منحصر ہے۔ جناب امام علیہ السلام خود اُس وقت کو نہیں جانتے۔ مگر آپ کے ظہور پُر نور کی چند علامتیں ضرور ہیں اور منجملہ اُن کے ایک نطقِ ذوالفقار ہے اور اُس مقدس تلوار کا اپنے غلاف سے خود بخود باہر نکل آنا ہوگا اور با آواز بلند امام علیہ السلام کی خدمت میں یہ عرض کرنا کہ یا ولی اللہ سلام اللہ علیہ۔ اب خدا کا نام لیکر اُٹھیے اور دشمنانِ خدا کو قتل کیجئے۔ اور منجملہ اُن کے تین آوازیں بھی آئیں گی۔ جن کو تمام خلائق پورے طور سے سُن لیگی پہلی آواز تو یہ ہوگی کہ اے مومنین ہوشیار ہو جاؤ قیامت قریب آگئی۔ دوسری آواز یہ ہوگی کہ خدا کی لعنت ان لوگوں پر ہو جنھوں نے آلِ محمد علیہم السلام پر جور و ستم کیا۔ تیسری ندا اُس مجسمۂ قدرتی سے برآمد ہوگی جسکو خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ آفتاب عالمتاب کے درمیان پیدا

کریگا اور وہ ندا کریگا کہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام دنیا میں ظاہر ہوگئے اُن کے امر و نہی کے احکام سُنو اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری بجالاؤ۔

یہ تمام و کمال احوال سُنکر میں نے سید صاحب کی خدمت بابرکت میں عرض کی کہ ہمکو ہمارے علمائے دین کے ذریعہ سے آپ کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ جب غیبت صغریٰ کے ایام ختم ہوکر آپ کی غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص غیبتِ کبریٰ کے ایام میں میرے دیکھنے کا دعوےٰ کریگا وہ حقیقت میں جھوٹا ہوگا تو پھر باوجود اس انکار صریح کے جناب صاحب العصر والزمان آپ لوگوں کے درمیان کیسے ظاہر ہوتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو اور تم سے کہنے والوں نے بھی بالکل سچ کہا ہے۔ بیشک آپ نے ابتدائے غیبت کبریٰ کے وقت ایسا ہی حکم نافذ فرمایا تھا مگر بات یہ ہے کہ یہ امر کثرتِ مخالفین کی وجہ سے تھا جن میں سے بعض تو آپ ہی کے اقربا اور عزیز تھے۔ اور باقی بنی عباسیوں کے ظلمۂ وقت اور جبارین زمانہ۔ کیونکہ اُن کے عام ظلم و ارتداد و رفتنہ و فساد کی وجہ سے اُس زمانہ میں گروہ شیعہ کے لوگ نہایت تقیہ کی مجبورانہ حالتوں میں مبتلا تھے کہ ایک شیعہ دوسرے شیعہ سے آپ کے متعلق کوئی ذکر نہیں کرسکتا تھا۔ بلکہ ایک دوسرے کو ان تذکروں سے منع کیا کرتا تھا۔ چہ جائیکہ زیارت اور رویتِ مبارک کے حالات و واقعات۔ زمانہ موجودہ میں آپ کی مدتِ غیبت کو عرصہ ہوچکا اور خدائے قادر و توانا کی تدبیر مشیت سے فی الحال آپ کے دشمن آپکے کسی امر پر قابو پانے سے قطعی مجبور ہوگئے ہیں اور وہ لوگ اب ہمارے شہر اور موجودہ آبادیوں سے بہت دور ہیں اور ہم پر کسی طرح قابو نہیں پاسکتے۔ اسلئے یہاں کے اکثر سعادتمندوں کیواسطے اُس حکم کا نافذ ہونا ضروری اور لازم نہیں ہے۔

پھر میں نے پوچھا کہ میں نے اپنے علمائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زبانی سُنا ہے کہ غیبتِ کبریٰ کے زمانہ میں جناب صاحب الامر علیہ السلام نے رقم خمس اپنے شیعوں کیلئے معاف فرمادی ہے آیا آپ کی نظر سے بھی کوئی ایسی حدیث گزری ہے فرمایا ہاں وہ ساداتِ کرام جو جناب امیر المومنین علیہ السلام کی اولاد سے ہوں۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ اُن غلام اور لونڈیوں کی خرید و فروخت کی بھی اجازت ہے جن کو سوائے اہلسنت کے اور لوگوں نے اسیر کیا ہو۔ فرمایا ہاں۔ کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم کو ان کے ساتھ وہی معاملات رکھنے چاہئیں جو معاملات وہ ہمارے ساتھ قائم رکھتے ہیں یہ دو مسئلے ایسے ہیں جن کو میں نے **فوائدِ شمسیہ** میں نہیں لکھا ہے۔ اس کے بعد سید صاحب نے ارشاد فرمایا کہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام مکہ معظمہ زاداللہ شرفہا میں درمیان رکن و مقام کے اس سال ظہور فرمائیں گے جسکا شماری عدد طاق واقع ہوگا تمام مومنین کو چاہیے کہ اس سال مبارک کا انتظار کریں۔ یہ سُنکر میں نے اُن کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا دلی ارادہ اور قلبی تمنا یہی ہے کہ آپ کے وقت ظہور تک میں آپ ہی لوگوں کے زیر سایہ رہا کروں۔ میری یہ تمنا سُنکر سید صاحب نے جواب دیا کہ بھائی! تمہارے وطن کی طرف بھیجدئیے جانے کیلئے حکم امام علیہ السلام ہے اسکی مخالفت نہ کرو ڈرو اور خوف کرو۔ اور دل میں اچھی طرح سوچ لو کہ تم صاحب عیال ہو اور ایک زمانہ مدید گزر چکا ہے کہ تم ان سے جدا اور علیحدہ رہے ہو اور اب تمہارے لئے ان کی مفارقت کسی طرح مناسب وقت اور مصلحت نہیں ہے۔ ان کا یہ حکم سُنکر مجھکو سخت افسوس دامنگیر ہوا۔ یہاں تک کہ میں رونے لگا اور پھر میں نے سید صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ اگر میں اس امر خاص کی استدعا کے لئے حضرت صاحب الامر علیہ السلام کی حضور میں خاص عریضہ لکھوں تو یہ سعادت میرے لئے ممکن ہوسکتی ہے۔ اور میری یہ حاجت مقرونِ اجابت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ ارشاد فرمایا نہیں۔ اب تمہاری کوئی تحریک اور التجا پذیرائی اور شنوائی کے قابل نہیں۔ یہ سُنکر میری حسرت اور مایوسی اور بھی بڑھ گئی۔ مگر اپنے مقدر کی شومی اور محرومی پر اعتبار کرکے میں بالکل خاموش ہو بیٹھا اور تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد میں نے ان کی خدمتِ مبارک میں عرض کی

کہ مجھے اس امر کی اجازت اور رخصت حاصل ہے کہ میں نے جو کچھ اُس دیار و امصار مطہرہ میں دیکھا ہے۔ جو کچھ کہ ارشاد و ہدایت دینیہ کے متعلق آپ کی زبان صداقت ترجمان سے سُنا ہے اُسکو میں اپنے برادرانِ ایمانی اور اخلائے روحانی سے بیان کروں۔ ارشاد ہوا کہ البتہ تم ان تمام امور کا تذکرہ اپنے ہموطن مومنین سے ضرور کر سکتے ہو کہ اُن کے قلوب کو ان اذکار و اخبار سے تشفی اور اطمینانِ کامل حاصل ہو۔ مگر ہاں فلاں فلاں چیزیں جو تمہارے مشاہدے میں آئی ہیں ان کا بیان کرنا البتہ تمہارے لئے کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا کیونکہ اُنکے ذکر کرنے سے انکشاف اسرار کا احتمال قوی ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ جمال مبارک آنحضرت علیہ السلام کا دیکھنا بھی کسی طرح ممکن ہے یا نہیں؟ ارشاد ہوا کہ اب تک سوائے خاص حالتوں کے اور سوائے ان خالص مومنین کے جو اس شرفِ سعادت کیلئے منجانب اللہ ماذون ہو چکے ہیں اور کسی کے لئے کبھی امکان نہیں ہو سکتا۔ اور وہ بھی بسا اوقات اس طرح کہ وہ سعادتمندانِ زمانہ آپ کی زیارت سے مشرف تو ہوئے لیکن آپ کو مطلق نہ پہچان سکے۔ یہ سنکر میں نے عرض کی کہ میں بھی اُن حضرت علیہ السلام کا مخلص اور صادق شیعہ ہوں مگر باوجود اس اختصاص کے آپ کی زیارت سے مشرف نہیں فرمایا گیا۔ ارشاد ہوا کہ یہ تم اپنے غلط قیاس سے کہتے ہو۔ ابھی ابھی مجھ کو اسی خط میں پوری حقیقت حال سے اطلاع دی گئی ہے اور بتلا دیا گیا ہے کہ تم دو بار جناب صاحب الامر علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہو۔ میں اب دونوں موقعوں کو تمہیں یاد دلائے دیتا ہوں۔

ایک تو اُس وقت تم نے جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی زیارت کی ہے جبکہ تم پہلے پہل سرمن رائے میں آئے تو تم پیچھے رہ گئے تھے اور تمہارے رفیق آگے چلے گئے تھے۔ یہاں تک کہ تم اس چشمہ کے پاس گئے جس میں پانی مطلق نہ تھا پس اُسوقت ایک شخص نقرئی گھوڑے پر سوار نمودار ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک طولانی نیزہ تھا جس کی آنی (نوک) دمشق کی بنی ہوئی تھی۔ تم اُس کو اِس ہیبت و جلالت سے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر ڈر گئے تھے۔ اور تم نے یہ خیال کیا تھا کہ یہ مہیب آدمی کہیں تم سے تمہارے کپڑے نہ اُتروائے۔ تم ابھی اسی خیال میں تھے کہ وہ شخص تم سے بالکل قریب آ گیا اور تم سے کہنے لگا کہ تم کوئی خوف نہ کرو اور نہ ڈرو۔ اُٹھو اور اپنے رفیقوں کے پاس چلے جاؤ۔ دیکھو وہ لوگ سامنے والے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ سیّد صاحب کے یاد دلانے سے مجھ کو یہ سارا واقعہ فوراً یاد آ گیا اور میں نے اُن کی خدمت میں اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہوئے عرض کیا کہ کیا وہی بزرگوار ہمارے مولا حضرت صاحب الزماں علیہ السلام تھے؟ ارشاد فرمایا ہاں وہی تھے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ دوسری بار پھر تم کو آپ کی زیارت کا شرف اس طور پر حاصل ہوا ہے کہ جب تم اُس شیخ اندلسی کے ساتھ جو تمہارا اُستاد تھا دمشق سے مصر کی طرف چلے اور اپنے ہمراہی قافلہ سے پیچھے رہ گئے تو پھر قافلہ تک تمہاری رسائی کسی طرح ممکن نہ ہو سکی تو تم پر سخت خوف کا عالم طاری ہوا اُس وقت ایک سوار ایسے گھوڑے پر جسکی پیشانی اور دونوں پاؤں سفید تھے اور اس کے ہاتھ میں ایک طولانی نیزہ تھا نمودار ہوا اور تمہاری راہ میں کھڑا ہو گیا تھا اور اُس نے تم سے کہا تھا ذرا بھی خوف نہ کرو اور یہاں سے سیدھے ہاتھ کی طرف والے گاؤں میں چلے جاؤ اور آج کی رات انہی لوگوں کے پاس سو رہو اور اپنا طریق و مذہب بھی ان لوگوں پر ظاہر کر دینا اور اُن سے مطلق تقیہ نہ کرنا۔ کیونکہ اُس قریہ اور اس کے مضافات کے تمام دیہات کے باشندے جو شہر دمشق سے جنوب کی طرف واقع ہیں مومنین موقنین میں داخل ہیں اور وہ سب کے سب جناب امیر المومنین اور سائر ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ کے متمسک ہیں۔ اتنا فرما کر سید صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابن فاضل! میں جس سوار کا تم سے ذکر کر رہا ہوں آیا اُس نے تمہاری ہدایت و دلالت کی یا نہیں؟ میں نے کہا بیشک اُسی سوار نے میری کامل رہنمائی فرمائی تھی چنانچہ میں انہی کے ارشاد کے مطابق اس گاؤں میں پہنچا تھا اور رات بھر مقیم رہا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے میرا بڑا

اعزاز واکرام کیا تھا۔ میں نے اُن سے ان کے مذہب کی نسبت دریافت کیا تو اُن لوگوں نے بلا تقیہ مجھ سے نہایت آزادانہ طور پر کہا تھا کہ ہم سب کے سب جناب امیر المومنین علیہ السلام و سائر ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے طریقے پر ہیں۔ میں نے پوچھا تھا کہ یہ طریقہ کب سے تم لوگوں نے اختیار کیا ہے اور کس شخص کے ذریعہ تم کو اس فرقہ کی دعوت پہنچی ہے تو ان لوگوں نے جواب دیا تھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ہم کو اس طریقہ کی تعلیم و ہدایت فرمائی تھی۔ اُس زمانہ میں جبکہ خلیفہ عثمان نے ان کو مدینۃ النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلاد شام کی طرف جلاوطن کر دیا تھا اور معاویہ کے پاس بھیجدیا تھا اور بعد چندے معاویہ نے اُن کو ہم لوگوں کے انہی دیہات کی طرف نکال دیا تھا۔ وہ مقدس بزرگوار رضی اللہ عنہ ہمارے ہی قبیلہ میں قیام فرما ہوئے تھے اور ہم لوگوں نے اُنہی کی برکت اور ہدایت سے اس نعمتِ عظمیٰ کی تحصیل کا شرف حاصل کیا۔ رات بسر کر کے جب صبح ہوئی تو ہم نے اُن لوگوں سے اپنے قافلہ تک پہنچا دیئے جانے کیلئے درخواست کی تھی اور میں نے انھیں اپنا مذہب بھی تبلا دیا تھا۔ یہ سُنکر وہ لوگ نہایت مسرور ہوئے تھے اور ان لوگوں نے اپنے قبیلہ کے دو آدمی میرے ہمراہ کر دیئے تھے اور میں انہی لوگوں کے ہمراہ اپنے قافلہ تک پہنچ گیا تھا۔ یہ تمام و کمال روداد سُنا کر پھر میں نے سید صاحب سے عرض کی کہ آیا جناب امام صاحب العصر والزماں علیہ السلام ہر سال حج کو تشریف لیجاتے ہیں؟ یہ سُن کر جناب سید صاحب نے ارشاد فرمایا کہ یا ابن فاضل! تمام دنیا مومن کامل کے واسطے اُس کے ایک قدم کا فاصلہ ہے۔ پس اس کیلئے دنیا کی سیر کیا مشکل ہو سکتی ہے کہ خود جس کے اور جسکے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے یمن قدوم اور برکت وجود پر بقائے عالم کا انحصار موقوف و محدود ہو۔ ہاں بیشک آپ ہر سال فریضۂ حج ادا فرماتے ہیں اور اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے عتبات عالیات پر مدینہ عراق اور مشہد مقدس کی زیارت کر کے پھر اسی دیار و امصار میں واپس تشریف لے آتے ہیں۔

غرضکہ یہ باتیں تمام کر کے سید صاحب نے مجھ کو میرے وطن واپس جانے کیلئے سخت تاکید فرمائی اور بلادِ مغرب میں زیادہ قیام کرنے کی مضرت اور عراق میں واپس جانے کے فوائد اور منافع بیان فرمائے۔ میں نے نہایت عقیدت سے ان کی ہدایت کو سُنا۔ پھر پانچ درہم جناب صاحب العصر والزماں علیہ السلام کے خاص سکۂ مبارک کے جو اُن دیار و امصار میں رائج تھے۔ مجھے بکمال شفقت عنایت فرمائے۔ میں نے ان کے نقوش پر غور کیا تو دیکھا کہ اُن درہموں پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ۔ محمد ابن الحسن القائم بامر اللہ لکھا ہوا ہے۔ میں نے بڑی خوش قسمتی اور سعادت کا خاص ذریعہ سمجھکر اُن درہموں کو تبرک کے طور پر لے لیا۔ اس کے بعد سید صاحب نے مجھے اس کشتی پر سوار کر کے جس پر میں آیا تھا مجھے وطن کی طرف بھیجدیا۔ یہانتک کہ میں شہر بربر کے اول شہر میں داخل ہوا۔ اور یہ وہی مقام تھا جہاں میں دمشق اور مصر سے چل کر پہلے پہل پہنچا تھا۔ سید صاحب نے مجھے تھوڑے سے جَو اور گیہوں بھی دیئے تھے۔ میں نے اُس غلہ کو اپنے شہر میں ایک سو چالیس[۱۴] دینار طلائی پر فروخت کیا۔ اور اُس جگہ سے علاقۂ طرابلس میں جو غربی شہروں میں داخل ہے پہنچا اور جناب سید صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق میں نے اندلس کی راہ اختیار نہیں کی بلکہ مغربی ملکوں کے حجاج کے ساتھ طرابلس سے چلکر مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا کی طرف روانہ ہوا۔ فرائض حج بیت اللہ ادا کیئے۔ وہاں سے ملکِ عراق میں آیا۔ اور یہیں سکونت پذیر رہا۔ اور انشاء اللہ المستعان میرا ارادہ ہے کہ روزِ وفات تک نجفِ اشرف میں ہی مجاور رہوں۔ میں نے علماء امامیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سوائے ان پانچ بزرگواروں کے جن کے نام نامی نیچے لکھے جاتے ہیں اور کسی صاحب کا نام یا ذکر نہیں سُنا۔ ان میں سے اول جناب سید مرتضےٰ علیہ الرحمۃ (۲) جناب شیخ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ (۳) جناب محمد ابن یعقوب کلینی علیہ الرحمہ (۴) جناب ابن بابویہ علیہ الرحمہ (۵) شیخ ابو القسم جعفر ابن اسمعیل علی علیہ الرحمہ۔

(۴) سید امیر علّام کا بیان ہے کہ میں نجف اشرف میں ایک شب کو خاص صحن مقدس میں ٹہل رہا تھا رات بہت جا چکی

تھی کہ ناگاہ میں نے ایک شخص کو ضریح مطہرہ کی طرف جاتے دیکھا۔ میں اُس شخص کے پہچاننے کیلئے آگے بڑھا تو دیکھا کہ وہ میرے اُستاد ملّا احمد اردبیلی نوراللہ مرقدہٗ ہیں اُن کو دیکھتے ہی میں پاسِ ادب کی وجہ سے ایک دوسری طرف چھپ گیا۔ یہاں سے میں نے دیکھا کہ ملّائے موصوف روضۂ مطہرہ کے دروازے پر پہنچے تو دروازے جو بند کردیئے گئے تھے فوراً کھل گئے اور ملّائے علیہ الرحمۃ روضۂ مقدسہ کے اندر داخل ہوگئے۔ میں بھی پیچھے پیچھے چلا۔ اور قریب پہنچکر میں نے اپنے کان لگائے اور سُنا تو معلوم ہوا کہ ہمارے اُستادِ بزرگوار کسی سے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ تشریف لائے اور پھر دروازے بدستورِ سابق بند ہوگئے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے اس طرح روانہ ہوا کہ وہ ذرا بھی نہ جانتے تھے کہ میں ان کے پیچھے آرہا ہوں یہاں تک کہ وہ نجف اشرف کی آبادی سے باہر چلے گئے۔ میں بھی اُنکے عقب میں برابر چلا آیا۔ تاآنکہ وہ مسجد کوفہ میں داخل ہوئے اور راُس محرابِ مقدس میں کھڑے ہوئے جس میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام ضربِ شمشیر اُٹھا کر فائز بشہادت ہوئے تھے۔ ایک عرصہ تک وہاں کھڑے رہے۔ پھر وہاں سے واپس ہوئے اور شہر کی طرف متوجہ ہوئے۔ میں بھی بدستورِ سابق ان کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ یہاں تک کہ مسجدِ حنانہ تک پہنچے۔ اتفاق سے مجھے کھانسی آگئی۔ میرا کھانسنا تھا کہ استاد نے پیچھے پھر کر دیکھا اور مجھے پہچانکر پوچھا کہ امیر علّام تم اس وقت یہاں کہاں اور کس ضرورت سے آرہے ہو؟ میں نے عرض کی کہ میں تو روضۂ مقدس سے آپ کے ساتھ ساتھ ہوں۔ بس اب آپ کو جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی قسم دیتا ہوں کہ آپ نے اُس وقت سے لیکر اِس وقت تک جو کچھ مشاہدہ فرمایا ہے وہ سب مجھ سے ارشاد فرمادیجئے۔ ملّائے مرحوم نے فرمایا کہ اچھا میں تمام وکمال واقعات تم سے بیان تو کئے دیتا ہوں مگر اس شرط پر کہ جب تک میں زندہ ہوں تم اُن کو کسی سے نہ کہنا۔ یہ سُنکر میں نے اُن کے سامنے قسم شرعی کھائی۔ ملّائے مرحوم کو جب میرے اقرار حلفی پر اعتبار ہوگیا تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے چند مسائل کے جواب میں جو مجھ سے پوچھے گئے تھے سخت دقت درپیش تھی اور میں اُن کا صحیح جواب دینے میں از حد متردّد و متفکر تھا۔ جب مجھے ہر طرف سے مایوسی ہوگئی تو میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ روضۂ مطہرہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام میں حاضر ہوکر ان مسائل کے جواب حاصل کروں۔ چنانچہ میں اسی قصد سے رات کے وقت روضۂ مقدس میں پہنچا تو جیسا کہ تم نے بچشمِ خود دیکھا کہ بغیر کلید کے تمام دروازے میرے لئے آپ ہی آپ کھل گئے۔ میں اندر گیا اور درگاہِ مجیب الدعوات میں اپنے مسائل کے جوابات کے لئے نہایت الحاح وزاری کے ساتھ دعا کی۔ میں ابھی اپنی دعا میں مصروف تھا کہ قبرِ مطہر سے ندا آئی کہ ملّا احمد! مسجد کوفہ میں چلے جاؤ۔ اور اپنے مسائل کے جواب جناب قائم آل محمد علیہ السلام سے دریافت کرلو کہ وہ تمہیں ان کے صحیح جوابات سے مطلع کردینگے۔ کیونکہ وہ اِسوقت امامِ زمانہ ہیں۔ اور تمام امور کی مصلحت ومناسبت انہی سے متعلق ہے۔ یہ سُنکر میں مسجد کوفہ میں پہنچا جیسا کہ تم نے دیکھا اور جناب امام آخرالزماں علیہ السلام کی خدمت سے جوابات حاصل کئے اور اب مکان واپس جارہا ہوں۔

(۵) ملّا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ کے والد بزرگوار علامہ محمد تقی مجلسی نوراللہ مرقدہٗ بیان فرماتے ہیں کہ میرے زمانہ میں ایک بزرگ بڑے متقی اور پرہیزگار مشہور تھے۔ ہر سال بلاناغہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوا کرتے تھے۔ ان کی نسبت یہ مشہور تھا کہ وہ طےّ الارض کے معجزے اور قدرت پر قادر اور فائز ہیں۔ اتفاق وقت سے وہ ایک بار شہر اصفہان میں تشریف لائے میں (ملّا محمد تقی مرحوم) اُن کی آمد سُنکر اُن کے پاس گیا اور اُن سے پوچھا کہ آپ کی نسبت معجزۂ طیّ الارض جو مشہور ہے اُسکی حقیقت کیا ہے؟ وہ سُنکر ہنس پڑے اور فرمانے لگے کہ اُسکی اصلیت صرف اتنی ہے کہ ایک بار میں حج بیت اللہ کا سفر کر رہا تھا۔ جب میرا قافلہ اُس مقام تک پہنچا جہاں سے مکّہ معظمہ پانچ منزل رہ جاتا ہے تو میں اپنے ہمراہی قافلہ سے چھوٹ گیا یہاں تک کہ سوادِ قافلہ بھی میری نگاہوں سے بالکل چھپ گیا اور میں راستہ بھی بھول گیا۔ اور اب سخت مضطرب الحال اور پریشان

تھا اور مجھکو پیاس بھی معلوم ہونے لگی تھی۔ یہانتک کہ شدّت تشنگی کے باعث میں بیتاب اور بے چین ہوگیا تھا اور نوبت جان جانے کی آگئی تھی۔ اُس وقت میں اپنے عالمِ مایوسی میں چلاّ چلاّ کر پکارنے لگا یا اباصالح! یا اباصالح! خدائے سبحانہ وتعالیٰ پھر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ مجھکو میری راہ بتلادو۔ اور اس مصیبت سے مجھے نجات دلوادو۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ سامنے سے ایک سیاہی نمودار ہوئی۔ یہانتک کہ وہ سیاہی بڑھتے بڑھتے بالکل میرے قریب آگئی اور میں نے دیکھا کہ ایک جوانِ رعنا پاک و پاکیزہ صورت۔ گندم گوں۔ خوش وضع اور خوش قطع جس کے سراپا سے شرافت وعظمت کے کل آثار ہویدا و آشکار تھے۔ ایک ناقہ خوش رفتار پر سوار پہنچا۔ اُن کے دستِ مبارک میں ایک مطہرہ (لوٹا) بھی تھا۔ میں نے انھیں دیکھکر سلام کیا۔ انھوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ تم پیاسے ہو؟ میں نے کہا کہ بہت پیاسا ہوں یہ سُنکر انھوں نے وہ لوٹا جو ہاتھ میں لئے ہوئے تھے مجھے دیدیا۔ میں نے وہ لوٹا لیکر پانی پیا اور سیراب ہوگیا۔ پھر مجھسے پوچھا کہ کیا تم اپنے قافلہ سے ملنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی جی ہاں یہ سنتے ہی انھوں نے اپنا اونٹ بٹھلایا اور مجھے اپنے پیچھے سوار کرلیا اور مکہ معظمہ زادا اللہ شرفہا کی طرف تشریف لے چلے۔ میرا ہمیشہ سے معمول تھا کہ میں روزانہ حرزِ یمانی پڑھا کرتا تھا۔ اِس وقت بھی میں نے اُسے پڑھنا شروع کردیا تھا وہ میرے حرز پڑھنے کو غور سے سنتے جاتے تھے اور بعض بعض مقامات پر مجھے ٹوکتے جاتے تھے کہ یوں نہیں یوں پڑھو۔ پس ایک لمحہ کے بعد مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم اس مقام کو پہچانتے ہو؟ اب جو میں دیکھتا ہوں تو میں مکہ معظمہ زادا اللہ شرفہا کے اُس مقامی حصہ میں پہنچ گیا ہوں جسے اَبطح کہتے ہیں۔ پھر مجھسے ارشاد فرمایا کہ اچھا اب تم اُتر جاؤ۔ میں فوراً اتر پڑا پیچھے اتر کر جو دیکھتا ہوں تو نہ وہ سواری ہے اور نہ وہ جوانِ صالح۔ اُن کے یوں دفعتہً پوشیدہ ہوجانے سے مجھے یقین کامل ہوگیا کہ آپ ہی جناب صاحب الامر علیہ السلام تھے۔ آپ کی مفارقت کا مجھے سخت صدمہ ہوا اور آپ کے نہ پہچاننے کی وجہ سے مجھے سخت ندامت اور خجالت دامنگیر ہوئی۔ میرے بعد میرا قافلہ داخل مکہ معظمہ ہوا۔ وہ لوگ مجھے زندہ پاکر از حد مسرور ہوئے۔ اُن لوگوں نے مجھے اتنا جلد پہنچ جانے کی وجہ سے معجزہ طی الارض سے موصوف کردیا۔ بات اتنی تھی اور بس (بحار الانوار جلد سیزدہم)

(۶) سید کاشانی نور اللہ ضریحہ کا بیان ہے کہ ایک شخص کاشانی نجف اشرف میں وارد ہوا۔ بیماری کی شدت اور ضعف ونقاہت کے سبب سے اس کے دونوں پاؤں بالکل سوکھ گئے تھے اور ان میں چلنے پھرنے کی ذرا بھی طاقت باقی نہ رہی تھی۔ اس کی یہ مجبوری ومعذوری دیکھکر اس کے رفیقوں نے اُس کو ایک مردِ صالح کی نگرانی میں چھوڑ دیا اور سب کے سب حج بیت اللہ کو چلے گئے۔ اس مردِ محافظ کا روزانہ معمول یہ تھا کہ اپنے حجرہ کو مقفل کرکے ہر روز بلاناغہ اپنی فکر معیشت اور نیز تفریح طبع کے قصد سے صحرا کی طرف نکل جاتا تھا اور یہ مرد بیمار اسی حجرہ میں تنہا اور بند پڑا رہتا تھا۔ ایک دن اُس شخص بیمار نے اس مردِ صالح سے بہ منت کہا کہ اب تو اس قیدِ تنہائی کی مصیبت سہتے سہتے میرا دل تنگ ہوگیا اور میں اپنی زندگی سے عاجز آگیا۔ اب ایک ساعت کے لئے بھی اس حجرہ میں رہنا نہیں چاہتا۔ آپ مہربانی فرماکر مجھے باہر نکال دیجئے آگے یا قسمت! یا نصیب! انھوں نے میرا کہنا مان لیا اور حجرہ سے مجھے اپنے کاندھے پر چڑھاکر باہر اس مقام پر لے گئے جو مقام قائم علیہ السلام کے مبارک نام سے مشہور ہے۔ وہ مجھے وہاں بٹھلا کر اپنے کپڑوں کو حوض میں دھوکر اور پھر ایک درخت پر سوکھنے کے لئے ڈالکر بدستور صحرا کی طرف چلے گئے۔ میں اس مقام پر اپنی موجودہ تنہائی اور بیدست وپائی کی حالت میں بیٹھا ہوا اپنی ناکامی اور سخت جانی پر ملول ومحزون ہورہا تھا کہ اتنے میں ایک جوانِ رعنا خوش رو خوشبو سامنے سے نمودار ہوا۔ اور اس مقام کے صحن مقدس میں داخل ہوا۔ مجھے سلام کیا پھر اُسی مبارک عمارت میں چلا گیا جو جنابِ قائم علیہ السلام کی طرف منسوب ہے اور وہاں محراب میں استادہ ہوکر اُس نے اس خضوع و

خشوع کے ساتھ چند رکعتیں نماز کی پڑھیں کہ میں نے آج تک ایسا خضوع وخشوع کبھی نہیں دیکھا تھا۔ نماز سے فراغت کر کے وہ باہر نکل آئے اور میرے پاس تشریف لا کر مجھ سے میرا حال دریافت کرنے لگے۔ میں نے عرض کی کہ میں عرصہ سے ان حالتوں میں گرفتار ہوں اور ان مصیبتوں میں مبتلا ہوں اور عاجز آگیا ہوں خدائے سبحانہ وتعالیٰ نہ مجھے شفا دیتا ہے کہ میں صحیح وسالم ہو جاؤں اور نہ مجھے موت ہی دیتا ہے کہ میں ان تکلیفوں سے نجات پا جاؤں۔ یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ تم نہ گھبراؤ خدائے سبحانہ وتعالیٰ یہ دونوں امور تمہیں عنایت فرمائیگا۔ تمہیں شفا بھی ہو جائیگی اور بعد شفایابی کے تمہاری اجل موعود بھی آجائیگی۔ یہ فرما کر وہ صحن مقدس سے باہر تشریف لے گئے ان کے تشریف لیجانے کے بعد میرے رفیق کا وہ پیراہن جسے وہ دھو کر درخت پر خشک ہونے کیلئے لٹکا گئے تھے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ درخت سے نیچے گر پڑا مجھ سے یہ دیکھکر نہ رہا گیا۔ میں نے اُسے فوراً اٹھا لیا اور نجس ہو جانے کے خیال سے بار دیگر اُسے طاہر کیا اور اُسی طرح درختِ مذکور پر پھر لٹکا دیا۔ جب اتنے کام ایک دم کر چکا تو مجھے خیال آیا کہ مجھ سے ایک قدم تو کیا۔ اِس کروٹ سے اُس کروٹ بدلنے کی تو طاقت تھی ہی نہیں۔ اتنے کاموں کے کرنے کی قوت اِس وقت کہاں سے آگئی۔ یہ سوچ کر میں نے اپنی طبیعت اور اپنے مرض دونوں کا بخوبی اندازہ کیا تو طبیعت پر مرض کا کوئی اثر نہ پایا۔ اس امر کے معلوم کرتے ہی مجھے کامل یقین ہو گیا کہ وہ جوان رعنا حضور قائم آل محمد علیہ السلام تھے اور کوئی نہیں۔ میں فوراً اپنے مقام سے اُٹھا اور صحرا میں ادھر اُدھر آپ کو تلاش کرنے لگا مگر کسی کو کسی طرف نہ پایا۔ آخر کار مجھے سخت حسرت اور ندامت حاصل ہوئی۔ میں اپنی جگہ پر چلا آیا اتنے میں میرا رفیق بھی صحرا سے واپس آیا اور میری موجودہ حالت اور فوری صحت کو دیکھکر سخت متعجب اور حیران ہوا۔ اور مجھ سے میری صحتیابی کا باعث پوچھنے لگا۔ میں نے ساری روئداد جو ابھی آنکھوں سے دیکھی تھی اُس سے بیان کر دی۔ وہ میرے واقعہ کو سنکر میری اور اپنی محرومی قسمت پر سخت حسرت وافسوس کرنے لگا۔ اسکے بعد ہم اور وہ دونوں نجف اشرف کی طرف واپس آئے۔ نجف اشرف کے تمام اکابر وعمائد کا بیان ہے کہ راوی حدیث اُسوقت تک صحیح وسالم تھا جبتک کہ اُسکے ہمراہی حج بیت اللہ معظم کے مناسک بجالا کر پھر نجف اشرف واپس آئے اور وہ ان لوگوں سے اپنی اسی صحت وتندرستی کی حالت میں ملا۔ اور وہ لوگ اس کو صحیح وسالم اور قوی وتوانا پا کر از حد مسرور ہوئے۔ اس کے بعد وہ تھوڑے دنوں تک زندہ رہا۔ پھر بیمار ہو کر مرگیا۔ اور وہیں صحن مقدس میں مدفون ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

بہر حال ہم ان تمام کثیر التعداد واقعات سے جو اِس بحث کے ثبوت میں ہمارے پیش نظر ہیں قطع نظر کر کے صرف مندرجہ بالا واقعات ومشاہدات پر اکتفا کرتے ہیں اور انہی کو اپنی تصدیق وتوثیق مدعا کیلئے کافی سمجھتے ہیں۔ ہماری کتاب کے ناظرین ان اخبار اور روحانی آثار کو پڑھکر بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ غیبتِ کبریٰ کے موجودہ ایام میں رویت امام علیہ السلام ممکنات سے ہو بھی تاہم اس کا امکان ہماری سعی وکوشش سے نہیں ہو سکتا ہے بلکہ اسکا ہونا اور نہ ہونا مشیت تقدیر اور ارادہ الٰہی پر منحصر ہے اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ مبدا فیض سے یہ سعادت اور شرفِ خاص بھی انہی سعادتمندانِ زمانہ کو منجانب اللہ عطا کیا جاتا ہے جن کی کامل الایمانی اور راسخ الاعتقادی کا امتحان خدائے سبحانہ وتعالیٰ قبل ہی سے لے چکتا ہے اور اُن کے خلوص وعقیدت کو پورے طور پر آزما لیتا ہے۔ تا وقتیکہ ان کا خلوص اور کمال اِسدرجہ تک ثابت نہ ہو وہ اپنی ان تمناؤں پر فائز نہیں ہوتے اور پھر بھی فائز بزیارت ہوئے۔ اور نوعی رویتِ امام علیہ السلام حاصل بھی ہوئی تو بھی معرفتِ امام تو نہیں حاصل ہوتی۔ اس طرح کہ کسی خاص موقع پر ایسے لوگوں کو زیارت کا شرف حاصل ہوا مگر معرفت نہیں کرائی گئی جس کی وجہ سے یہ لوگ آپ کو مطلق نہیں پہچان سکے۔ اس وجہ خاص میں جو راز مضمر ہے وہ خدائے تعالیٰ کے اسرار کی محافظت ہے اور کچھ نہیں۔ کیونکہ ایسے تمام واقعات اور مشاہدات کے موقعوں پر

اگر رویت کے ساتھ ساتھ معرفت کی شرط بھی لازم کردی جاتی تو موجودہ نظام غیبت کے فوائد میں انواع و اقسام کے فساد اور خلل کا پورا احتمال تھا۔ ہاں غیبتِ صغریٰ کے زمانہ میں جو واقعات ایسے پیش آئے وہ اوپر اسی کتاب میں بیان ہو چکے ہیں۔ ان میں اکثر اوقات رویت کے ساتھ ساتھ معرفت بھی کردی گئی ہے۔ اور اسم مبارک بھی بتلا دیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ غیبتِ صغریٰ کے ایام تک آپ کا قیام حجاز و عراق کے کسی مقام پر ضرور تھا۔ عام اس سے کہ آپ کہیں تشریف فرما ہوں۔ اسلئے رویت کا مسئلہ قطعی ممنوع یا غیر ماذون نہیں ہو سکتا تھا۔ اگرچہ اُس زمانہ میں بھی ہر واقعہ رویت کے ساتھ ساتھ معرفت کا شرط ہونا بھی ہم تسلیم نہیں کرتے مگر اتنا کہہ سکتے ہیں کہ غیبت کبرے کے موجودہ ایام کی طرح اُس وقت رویت اور معرفت ناممکن الوقوع نہیں تھی۔ غرضکہ یہ تمام امور مصالح ایزدی کے متعلق تھے۔ اور اُسی سے ارادے اور تدبیر کے ساتھ پورا واسطہ اور سروکار رکھتے تھے سوائے اُس مدبر حقیقی کے کسی دوسرے کو اس میں مداخلت کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔ وہ جس وقت اور جس شخص کے ساتھ جیسی مصلحت سمجھتا تھا اپنے ارادہ اور اپنی تدبیر سے اُن امور مخصوصہ کے متعلق اپنے احکام نافذ فرماتا تھا۔ چونکہ ہم نے اپنی موجودہ کتاب میں یہ ترتیب ہمیشہ سے مدنظر رکھی ہے کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے تمام واقعات۔ حالات اور مشاہدات کو انبیاء و اوصیائے سابقین کے گذشتہ واقعات سے مطابق کرکے اپنی کتاب کے ناظرین کی تشفی اور اطمینان کردیں اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان حالات اور واقعات کی تمثیل بھی اُن خاصانِ الٰہی کے گزشتہ حالات و واقعات میں دکھلا کر اپنے دعوے کی پوری تصدیق و توثیق کرا دیں۔ ہم اس سے قبل اکثر مقامات پر اسی کتاب میں لکھ آئے ہیں کہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے حالات اور واقعات کو انبیائے سابقین اور اوصیائے پیشین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ پوری مشابہت اور مطابقت حاصل ہے۔ اس بنا پر ضرور ہے کہ آپ کی صورت اور اُنکی سیرت آپ کی صفات اور ان کی صفات باہم مطابق اور موافق ہوں۔ جیسا کہ اسلام کے سچے اصول۔ جملہ انبیاء و اصفیاء سلام اللہ علیٰ نبینا و علیہم کی معرفت کے متعلق ایسی ہی تعلیم دی ہے۔ ہم اس کی تصدیق و توثیق میں اپنی کتاب کے ناظرین کا زیادہ وقت ضائع نہ ہونے دینگے اور ان کو بہت جلد بتلا دینگے کہ انبیائے سابقین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مقدس دائرہ میں بھی جن حضرات کو غیبت کا حکم ملا تھا اُن کے حالات و واقعات بھی آثارِ قدیمہ میں ایسے ہی پائے جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے ان اخبار و آثار کو مطالعہ فرمایا ہے وہ ان حالات اور واقعات سے بخوبی واقف ہیں۔ زمرہ انبیاء علیہم السلام میں سب سے پہلے جناب ادریس علیٰ نبینا و آلہ و علیہم السلام کو ایک خاص میعاد تک ظلمہ وقت کی ایذا رسانی اور ہلاکتِ جانی کے خوف سے غیبت کا حکم ملا تھا۔ اور آپ اُس زمانہ معدودہ تک آس پاس کے پہاڑوں اور دروں میں پوشیدہ رہے تھے۔ رزاقِ مطلق اور حافظِ برحق بحکم یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ آپ کو آپ کی قوتِ لایموت بھی پہنچاتا رہا۔ اور اُسی تنہا، ویران اور سنسان مقام میں جہاں کبھی انسانی بود و باش کا کسی کو خیال بھی نہ آتا ہوگا آپ کی پوری پوری نگرانی اور محافظت بھی فرماتا رہا۔ جناب ادریس علیہ السلام ایک عرصہ تک عبادت گزاری اور طاعتِ باری عزاسمہ میں شب و روز بسر کرتے رہے۔ اس درمیان میں آپ کے وہ عقیدتمند اور کامل الایمان معتقدین جو آپکی نبوت کے قائل تھے آپ کا سراغ لگاتے رہے اور جنگل میدان اور مختلف ویرانوں میں چکر کھاتے کھاتے منزلِ مقصود تک جا پہنچے چونکہ وہ علام الغیوب ان کے اخلاص اور ایمان فی القلب سے واقف تھا اور یہ بھی بذاتِ خاص اپنی راسخ الاعتقادی اور کامل الایمانی کے امتحان میں پورے اور کامل اُتر چکے تھے۔ اس لئے اس واہب العطایا اور خالق البرایا نے اپنی محبت عصر اور نبی زمان علیہ السلام کو ان سعادتمندانِ زمانہ کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنا اور اس طرح ان کو اُن کی شرعی اور دینی ضرورتوں کے پورا کرنے سے جن کیلئے وہ اپنے مقتدا اور پیشوا کی خدمت میں کتنے مصائب اور شدائد اُٹھا کر پہنچے تھے قطعی محروم رکھنا بقولہٖ وَمَن سَبَقَتْ رَحْمَتُہٗ غَضَبَہٗ

اپنی رحمت اور عام مرحمت کے محض خلاف سمجھا۔ اپنے رسول اپنے پیغمبر سلام اللہ علیہ کو رویت کا حکم دیدیا اور ان خالص الایمان مومنین کو اپنے پیغمبر کا جمالِ باکمال دکھلا دیا۔ وہ سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو ضرورت تھی حضور پیغمبر علیہ السلام میں پیش کرکے اس کے متعلق ضروری اور مناسب حکم سنکر ہر شخص اپنے جداگانہ مطالب اور مقاصد پر فائز ہوگیا۔ ان خالص الاعتقاد حضرات کی آمد و رفت ایک عرصہ تک قائم رہی۔ اپنی دینی اور شرعی ضرورتوں کے وقت یہ حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ کے ارشاد و ہدایت سے مستفاد و مستفیض ہوتے رہے۔ تاآنکہ اُس ظالم وقت حکمران کے ایام سلطنت تمام ہوگئے۔ اور وہ عام بیدینی والحاد کفر و ارتداد جو اُس تیرہ و تار زمانہ میں تمام عالمگیر ہو رہا تھا۔ اُٹھ گیا۔ تب جنابِ احدیت عز اسمہٗ نے حضرت ادریس علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کو پھر اپنی قوم اور امت کی طرف مراجعت فرمانے کی اجازت دیدی۔ اِن کے بعد قوم عاد کے واقعات میں جناب ہُود علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کی غیبت کے بھی ایسے ہی حالات پائے جاتے ہیں ان کے بعد جناب صالح علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے واقعات وحالات بھی ایسے ہی ہیں اِن دونوں بزرگواروں نے اپنی اپنی امت کے گنہگار اور بدکردار ہو جانے کے بعد جب نزولِ عذاب کے علامات و آثار ملاحظہ فرمائے تو خدائے تعالیٰ نے نزولِ بلا سے پہلے اِن حضرات کو اُن کی گنہگار اُمت کے درمیان سے علیحدہ کردیا۔ یہ دونوں بزرگوار اپنی اپنی اُمتِ بدکردار کے ہاتھوں طرح طرح کے مظالم اور آزار اُٹھا اُٹھا کر آخر کار ایک میعادِ خاص تک کے لئے جو کئی صدیوں تک کی بتلائی جاتی ہے غیر متعارف مقامات میں پوشیدہ رہے جہاں سکونت بشری کا سوتے جاگتے کبھی خیال بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ واماندگانِ امت میں سے وہ نفوسِ خالص جن کے اخلاص واعتقاد کا امتحان اور آزمائش پہلے سے ہو چکی تھی۔ اپنے اپنے پیغمبر زمان کی مفارقت کو اپنی ضروریاتِ دینیہ کے باعث کسی طرح برداشت نہ کرسکے بالآخر بےچین اور مضطرب الحال ہوکر اپنے اپنے گھروں سے شوقِ زیارت میں نکل کھڑے ہوئے۔ خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ کی رحمت نے بھی اِن سعادتمندوں کو حصول سعادت سے باز نہ رکھا۔ اور اِن مشتاقینِ زیارت کو اُن انبیائے مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کا جمال باکمال دکھلا ہی دیا۔ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ۔

یہ تو بہت سابق زمانہ کے حالات تھے۔ ایامِ فترت میں جنابِ یونس علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کی غیبت کے حالات دیکھے جاتے ہیں تو ان کے واقعات بھی ایسے ہی ثابت ہوتے ہیں۔ اِن سے قبل جنابِ عزرا اور عزیر سلام اللہ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہما السلام کی طولانی غیبت بھی ایک معتدبہ زمانہ تک تاریخوں سے اور تمام مقدس کتب سے ثابت ہوتی ہے اسی درمیان میں اِن میں سے ایک کے لئے خدائےتعالیٰ نے اُن تمام لوگوں کی استخوانوں کو اپنی قدرت سے بارِ دیگر زندہ فرمایا اور کتم عدم سے معرضِ وجود میں لایا۔ جو خوفِ طاعون سے بےحکمِ الٰہی اپنے اپنے گھر چھوڑ کر اِس میدان میں بھاگ آئے تھے اور دوسرے کو خود سو برس کے لئے موت دیکر پھر مبعوث فرمایا اور اپنی قدرتِ کاملہ کا نمونہ قرار دیا۔

بہرحال یہ واقعات ایسے متواتر ہیں کہ مجھکو ان کی تصدیق و توثیق بہم پہنچانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اِن کے لکھنے اور دکھلانے سے مؤلف کا مقصود جو کچھ تھا وہ یہی ہے کہ جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السلام کے تمام ابتدائی حالات اور واقعات سے پوری پوری مماثلت حاصل ہے اُسی طرح آپ کے آخری واقعات کو بھی اُن حضرات کے حالات سے کامل مشابہت ہے۔ اس بحث سے پہلے جو مبحث ہماری کتاب میں قلمبند کئے گئے ہیں اُن میں ان سعادتمندانِ زمانہ کے احوال خصوصیت کے ساتھ درج کئے گئے ہیں جو غیبت صغریٰ کے ایام میں جناب صاحب الامر علیہ السلام کی رویت اور زیارت کے شرف سے مشرف ہوچکے ہیں۔ ان کے بعد مندرجہ بالا بحث ہم نے خاص طور پر اُن خوش قسمت بزرگواروں کے حال میں لکھی ہے جنھوں نے غیبتِ کبریٰ کے زمانہ میں (جو موجودہ زمانہ ہے) آپکی رویت کی عزت یا کسی نہ کسی طرح

حضور میں رسائی کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ الغرض ان تمام واقعات کو غور سے پڑھکر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ تمام واقعات کچھ آپ ہی کے ساتھ محدود نہیں ہیں بلکہ امم سابقہ کے زمانہ میں بھی انبیا و اوصیا سلام اللہ علیہم اجمعین کی غیبت کے موقعوں پر بھی قدرت الٰہی کے نظام اور مشیت خداوندی کے ایسے ہی احکام نفاذ پذیر ہو چکے ہیں اور امم سابقہ کے خالص الاعتقاد اور کامل الایمان حضرات بھی امتناع رؤیت و زیارت کے حکم عام سے مستثنےٰ فرمائے گئے ہیں۔ جب ہم کو اس استثنار اور رأت کی مثال اس کثرت کے ساتھ اخبار قدیمہ سے مل رہی ہے تو ہم کو جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے زمانہ غیبت میں بھی ان واقعات اور اُن خوش نصیبوں کے حالات کو بھی انہی کا معادل اور مساوی سمجھ لینا چاہیے۔

ہم اپنے موجودہ سلسلۂ تالیف کے ہر نمبر میں بوضاحت تمام دکھلا آئے ہیں کہ کوئی حالت ہو۔ کوئی وقت ہو۔ امام اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی سے کبھی غافل نہیں رہ سکتا۔ ایسی مجبوری اور معذوری کی خاص حالتوں میں بھی مشیت الٰہی اور ارادۂ ایزدی اُس کی کشودکاری اور مطلب برآری کا کوئی نہ کوئی سامان ضرور فراہم کر دیتی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ۔ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اسی کی تعریف ہے۔ اپنے قدیم سلسلہ بیان کے قائم رکھنے کیلئے ہم اس مقام پر لکھے دیتے ہیں کہ اپنی غیبت اور امتناع رؤیت کے ایسی مجبوری کے زمانہ میں بھی جب ظلمۂ وقت اور جابرۂ عہد کی کفر کرداریوں کی وجہ سے رؤیت یا زیارت کے عنوان کسی طرح امکان کی صورت نہیں رکھتے تھے تو بھی آپ نے اُن تمام خدمات مقدسہ کو جو آپ کے فرائض امامت میں داخل تھے اُسی طرح ان کی تمام شرائط کے ساتھ انجام دیا جس طرح آپ سے قبل آپ کے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین انجام دے چکے تھے۔ ان تمام واقعات کی کامل تشریح اور کافی تصریح اس کتاب کے ابتدائی حصہ میں بیان ہو چکی ہے۔ اس لئے اُن کے بار دیگر اعادہ سے ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو طول دینا محض بیکار اور فضول سمجھتے ہیں لہذا ہم اپنی موجودہ بحث کو تمام کر کے ذیل میں اُن سعادتمندان زمانہ کے صرف نام نامی اور اسمائے گرامی درج کئے دیتے ہیں جنھوں نے غیبت کبریٰ کے خاص ایام میں آپ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے اس وجہ سے کہ اُن میں سے ہر ایک بزرگ کے علیحدہ علیحدہ واقعات لکھنا اور شروع سے لیکر آخر تک اُن کے کل حالات قلمبند کرنا کس قدر طوالت کا باعث ہوگا اور پھر یہ مضامین بطور خود ایک طولانی دفتر ہو کر ناظرین کتاب کے بار خاطر ہونیکے علاوہ خواہ مخواہ زوائد اور حشویات میں داخل سمجھے جائیں گے ان مجبوریوں سے ان کی تفصیل کتب مبسوطہ کے حوالہ پر چھوڑی جاتی ہے اور حسب وعدہ صرف اُن بزرگواروں کے ناموں کی تصریح و تفصیل پر اکتفا کی جاتی ہے۔

غیبت کبریٰ میں مشرف بزیارت ہونیوالوں کے نام اور اُنکی سکونت کے مقام

فریقین کے علما نے لکھا ہے کہ جناب صاحب الامر علیہ السلام کے دیکھنے والے دو قسم کے حضرات تھے۔ ایک تو وہ جو منجانب امام علیہ السلام ایام غیبت صغریٰ میں نیابت و وکالت کے عہدوں پر ممتاز رہ چکے تھے۔ دوسرے وہ بزرگوار جو اگرچہ ان خدمات پر فائز تو نہ تھے مگر ان کی کامل الایمانی اور راسخ الاعتقادی ایسی ہی صادق اور صحیح ثابت ہوئی تھی کہ اُن کے اِس اعزاز سے معزز اور اس شرف سے مشرف ہونیکا باعث ہوئی۔ بہرحال ان بزرگواروں کی مکمل اور مفصل فہرست یہ ہے۔

شہر بغداد میں عمری اور اُن کے صاحبزادے۔ حاجز۔ بلالی اور عطار تھے۔ کوفہ میں عاصمی۔ اہواز میں محمد ابن ابراہیم مہزیار۔ قم میں احمد ابن اسحٰق۔ ہمدان میں محمد ابن صالح۔ رے میں بسّامی اور اسدی۔ آذربائیجان میں قسم ابن علا۔ نیشاپور میں محمد ابن شاذان۔ یہ بزرگوار وہی تھے جو مندرجہ مقامات میں آپ کی طرف سے ان خدمات پر مامور تھے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اب ہم ذیل میں اُنکے نام اور سکونت کے مقام بھی لکھے دیتے ہیں جو ان خدمات سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ مگر زیارت سے مشرف ہوا کرتے تھے۔

شہر بغداد۔ ابی قسم۔ ابن ابی عابس۔ ابی عبداللہ کندی۔ ابی عبداللہ جنیدی۔ ہارون قزاز۔ نیلی۔ ابی قسم ابن دبیس۔ ابی عبداللہ ابن
فروخ۔ مسرور۔ طباخ غلام حضرت امام علی نقی علیہ السلام۔ احمد و محمد پسران حسن۔ اسحق کاتب۔ قبیلہ نوبخت۔ صاحب قراء اور
صاحب صرۂ مختومہ۔ ہمدان میں محمد ابن کشمرد۔ جعفر ابن ہمدان۔ محمد بن ہارون ابن عمران۔ دینور میں حسن ابن ہارون۔ احمد ابن اخیہ
اور ابو الحسن۔ اصفہان۔ ابن بادشالہ۔ صمیرہ میں زیدان۔ قم میں حسن ابن نصر۔ محمد ابن محمد۔ علی ابن محمد ابن اسحاق اور ان کے والد
ماجد حسن ابن یعقوب۔ رَے میں قسم ابن موسیٰ اور ان کے صاحبزادے ابو محمد ابن ہارون۔ صاحب حصاۃ۔ علی ابن محمد۔ محمد کلینی
اور ابو جعفر۔ قزوین میں مرداس اور علی ابن احمد۔ قابس میں دو حضرات جن کے نام نہ معلوم ہو سکے۔ روز میں ابن الخلیل
فارس میں مجروح۔ سرو میں صاحب ہزار دینار۔ صاحب رقعۂ بیضاء و مال اور ابو ثابت۔ نیشاپور میں محمد ابن شعیب ابن صالح۔
یمن میں فضل ابن یزید اور ان کے صاحبزادے۔ جعفری۔ ابن عجمی۔ شمشاطی۔ مصر میں صاحب دو مولود۔ شہر مکہ میں صاحب مال اور
ابورجا۔ نصیبین میں ابو محمد ابن ورجنا اور شہر اہواز میں حصینی۔ شیخ ابو القاسم حسین ابن روح نوبختی تیمی۔ ابن علی ابن محمد
سمری۔ حکیمہ خاتون دختر جناب امام محمد تقی علیہ السلام۔ نسیم خادم جناب امام محمد تقی علیہ السلام۔ ابو نصر طریف خادم آنحضرت علیہ السلام
کامل ابن ابراہیم مدنی و بدر خادم۔ عجوزہ قابلہ مربیہ احمد ابن ہلال ابن داؤد۔ کاتب عامی۔ خادمۂ آنحضرت علیہ السلام جاریہ
ابو علی خیزرانی۔ ابی غانم خادم آنحضرت علیہ السلام و جمعے از اصحاب و ابو ہارون۔ معویہ ابن حکم محمد ابن العرب۔ ابن نوح
عمر اہوازی۔ مرد فارسی محمد ابن اسمعیل ابن موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام ابو علی ابن مطہر ابراہیم بن عبدہ نیشاپوری۔ و خادمہ اور
رشیق بانارشی بادو نفر (نام نامعلوم) ابن عبداللہ ابن صالح۔ ابو علی احمد ابن ابراہیم ابن ادریس۔ جعفر ابن بادکی علیہ
السلام مردے از جلادِ درہ (نام نامعلوم) ابو الحسین محمد ابن احمد محمد ابن خلف یعقوب ابن منقوش ابو سعید غانم ہندی۔ محمد بن
شاذان کابلی عبداللہ سوری۔ حاجی ہمدانی۔ سعید ابن عبداللہ قمی اشعری۔ ابراہیم ابن محمد ابن فارس نیشاپوری علی ابن ابراہیم مہزیار
سلیمان ابن نعیم انصاری۔ زیدی۔ برزئی۔ ابو علی محمد ابن احمد محمودی و علان کلینی ابو ہاشم دیناری انباری۔ ابو جعفر
احول ہمدانی۔ محمد ابن ابو القاسم علوی عقیقی مع تیس نفر۔ جد ابی الحسن ابن وجنا۔ ابو الادیان خادم جناب امام حسن عسکری علیہ
السلام ابو الحسن محمد ابن جعفر حمیری۔ اہل قم کی ایک جماعت (نام و شمار نامعلوم) ابراہیم ابن محمد ابن احمد انصاری۔ محمد ابن
عبداللہ ہاشمی قمی۔ یوسف ابن احمد۔ احمد ابن عبداللہ عباسی۔ ابراہیم ابن محمد تبریزی۔ یاسی اور ان کے نوہمراہی۔ حسن ابن
عبداللہ تیمی۔ زیدی۔ زہری۔ ابو سہل اسمعیل ابن علی نوبختی۔ عقید حبشی نوبی خادم حضرت ہادی علیہ السلام و مربی جناب
امام حسن عسکری علیہ السلام۔ یعقوب ابن یوسف ضراب غانی با اصفہانی راوی صلوات کبیر۔ عجوزہ خادمہ حضرت امام حسن عسکری
علیہ السلام جو مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا میں مقیم تھیں۔ محمد ابن حسن ابن عبد الحمید۔ پدر بایزید۔ غلام احمد ابن حسن ماذرانی۔ ابو الحسن عمری
برادر محمد ابن عثمان نائب دوم۔ عبداللہ سفیان۔ ابو الحسن حسینی۔ محمد ابن عباس قصری۔ ابو الحسن علی بن حسن یمانی۔ دو مرد مصری
جنھوں نے حمل فرزند کیلئے دعا کی تھی۔ مستورانہ عابد مسجد اہوازی۔ ام کلثوم دختر ابی جعفر محمد ابن عثمان عمری۔ رسول قمی۔ سنان موصلی
احمد ابن حسن ابن احمد کاتب۔ حسن ابن علی ابن محمد معروف بہ ابن بغدادی۔ محمد ابن حسین صیرفی۔ بزاز قمی۔ جعفر ابن احمد۔ حسن ابن قطاۃ
صیدلانی۔ وکیل وقف در واسط۔ احمد ابن ابی روح۔ ابو الحسن خضر ابن محمد۔ ابی جعفر محمد ابن احمد۔ ضعیفہ دینوری۔ حسن ابن حسین
استرآبادی۔ مرد استرآبادی۔ محمد ابن حصین کاتب مروزی۔ مرد مدائنی مع رفیق۔ علی ابن حسین ابن موسیٰ ابن بابویہ القمی والد علامہ
شیخ صدوق نور اللہ مرقدہما۔ ابو محمد۔ عجلی۔ ابو غالب احمد ابن محمد سلیمان رازی۔ حسن ابن حمدان ناصر الدولہ۔ احمد ابن سورہ۔
محمد ابن حسین ابن عبداللہ تیمی۔ ابو طاہر علی ابن یحییٰ رازی۔ احمد ابن ابراہیم ابن مخلد۔ محمد ابن علی الاسود۔ داؤدی۔ عفیف حامل
حضرت علیہ السلام از مدینہ منورہ تا سامرۂ مقدسہ۔ ابو محمد شالی۔ محمد ابن احمد۔ وہ شخص جس کی معرفت عسکر میں توقیع موصول ہوئی۔

تھی۔ عثمان[217]۔ حسن ابن جعفر قزوینی[218]۔ مردِ قاسمی[219]۔ ابوالقاسم حلبی[220]۔ نصر ابن صباح[221]۔ احمد ابن محمد سراج دینوری[222]۔ ابوالعباس ملقب بہ استاد[223] احمد[224] برادرزادہ حسن ابنِ ہارون۔ محمد ابن احمد ابن جعفر القطان وکیل[225]۔ حسن ابن محمد اشعری[226]۔ محمد ابن جعفر وکیل[227]۔ مرد ابی[228] قصبہ آبہ کا باشندہ ابوطالب[229] خادم مرد مصری[230] مرداس بن علی[231] ایک شخص رئیس[232] حمید کا باشندہ۔ ابوالحسن ابن کثیر نوبختی[233]۔ محمد ابن علی[234] شلمغانی رفیقِ ابی طالب رازی[235] ابن رئیس[236]۔ ہارون ابن موسیٰ ابن الفرات[237] محمد بن یزید[238] ابوعلی نیلی[239]۔ جعفر بن عمر[240]۔ ابراہیم ابن محمد ابن الفرج الرحجی[241]۔ ابومحمد ہروی[242]۔ غزال یا زلال کنیز موسیٰ ابن عیسیٰ ہاشمی[243]۔ وضیفہ صاحب حقہ[244] ابوالحسن احمد ابن محمد ابن[245] جابر بلاذری عالم اہلِ سنت صاحب تاریخ الاشراف[246] ابوالطیب احمد ابن محمد ابن بطہ[247]۔ احمد ابن حسن[248]۔ ابی صالح خجندی[249] پسر خواہر ابی بکر ابن نخالی عطار صوفی جو شہر اسکندریہ میں آنحضرت علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

(غایۃ المقصود مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۹)

ہم نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں اتنے سعادتمندانِ زمانہ کے نام لکھدیئے ہیں جو جناب صاحب الامر علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ اس میں ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ ہیں۔ ان کے جداگانہ واقعات سے وہ تمام اسباب اور بواعث معلوم ہو سکتے جن کی بناپر وہ اس سعادتِ مخصوصہ کیلئے منجانب اللہ ماذون کئے گئے تھے۔ مندرجہ بالا فہرست میں وکلاء۔ سفراء اور نائبین بھی شامل ہیں۔ بہرحال ان تمام دلائل سے جو اوپر لکھی گئیں اور نیز ان مباحث سے جو اس سے پہلے قلمبند ہو چکے ہیں یہ امر پورے طور سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان غیبت کبرےٰ کے ایام موجودہ میں بھی اپنے خلوص و اعتقاد کے امتحان میں خدانخواستہ آگے ویسا ہی کامل اور پورا اترے تو انشاء اللہ تعالیٰ جیسا کہ متعدد اور متواتر واقعات اور مشاہدات سے اوپر ثابت ہو چکا ہے ویسا ہی وہ روئیتِ مبارک اور زیارتِ مقدس کے شرف و اعزاز سے عام اس سے کہ وہ زیارت بلامعرفت ہو یا بامعرفت ضرور مشرف ہو سکتا۔

وجودِ جناب صاحب الامر علیہ السلام کے متعلق اور دلائل

ہم اپنی بحث کو اس کی تمام ضروری باتوں کے ساتھ کامل طور سے بیان کر کے اپنے سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہیں اور اپنی آئندہ مبحث میں جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے وجودِ ذیجود اور آپ کی امامت کے متعلق وہ باتیں ذیل میں درج کرتے ہیں جو عموماً متنازع فیہ خیال کی جاتی ہیں۔ اگرچہ ان مباحث کو ظاہری طور پر ہماری موجودہ تالیف سے اصولِ تاریخی کی بناپر کوئی خاص تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ مگر چونکہ ہمارا نظامِ تالیف اور سلسلۂ ترتیب ہم کو اس امر پر مجبور کر رہا ہے کہ ہم اپنی موجودہ سیرت نگاری کی ضرورت اور اپنی مؤلفانہ خدمات کی انجام دہی کی اعتبار سے جناب صاحب العصر والزماں علیہ السلام کے متعلق ان تمام حالات اور واقعات کو پوری تفصیل اور کامل تشریح کے ساتھ قلمبند کر دیں جو آپ کی ذات مجمع الحسنات سے وابستہ پائے جاتے ہوں۔ نیز اُن امور کی تصریح و توضیح بھی کامل درجہ کر دی جائے جو عام غلط فہمی اور کم بینی کی وجہ سے عام نگاہوں میں مشتبہ اور مشکوک ہو کر اکثر حضرات کی حیرانی اور غیر اطمینانی کا باعث ہو رہے ہیں۔

الحمد للہ علیٰ احسانہ۔ ہم اپنا فرضِ منصبی جو آپ کے حالات اور واقعات کی تحریر و تفصیل سے تعلق رکھتا تھا بخیر و خوبی انجام دے چکے۔ اور آپ کے روزِ ولادت سے لیکر غیبتِ کبرےٰ کی ابتدا کیا۔ نوئے زمانہ موجودہ تک لکھ چکے اس کے بعد ہم اپنے دوسرے تالیفی فرائض کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جو عدمِ واقفیت اور جہالت کی وجہ سے عام لوگوں کو جناب صاحب الامر علیہ السلام کے متعلق لاحق ہوا کرتے ہیں۔

ہم اپنی کتاب کے ناظرین کو یاد دلاتے ہیں کہ ہم اپنی موجودہ کتاب کے عنوان میں پہلے ہی لکھ آئے ہیں اور اس مقام کے علاوہ اکثر دوسرے مقاموں پر بھی لکھ چکے ہیں کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی مبارک سیرت کے تمام و کمال حالات اور

آپ کی امامت وہدایت وغیرہ کے سارے واقعات ظاہری طریقوں سے زیادہ باطنی طور پر ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ آپ کے احکام کے نفاذ۔ آپ کے ارشاد وہدایت۔ نظامِ امت۔ حفاظتِ شریعت و احیائے سنت وغیرہ۔ غرض ان امور کے متعلق تمام خدمات جو آپ کی ذاتِ والاصفات سے ظہور میں آئیں وہ سب کی سب مشیتِ الٰہی اور مصلحتِ ایزدی سے متعلق تھیں۔ تدابیر انسانی تجاویزِ بشری کو ان میں کوئی مداخلت نہ تھی۔ اگرچہ اور تمام انبیاؑ و اوصیاؑ سلام اللہ علیٰ نبینا و آلہ وعلیہم السلام کی نسبت بھی ان کے تمام اوامر ونواہی کو عین مشیتِ خداوندی اور ارادۂ الٰہی کے مطابق تسلیم کرنا ہوگا۔ مگر چونکہ سابق تمام ایسے امور ہم کو ایک محبت ظاہر کے ذریعہ سے پہنچے تھے۔ اسلئے ظاہری طریقوں کو چھوڑ کر ہم کو ان کے باطنی ذریعوں کے تلاش کرنے اور سمجھنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ بخلاف ان حضراتِ مقدسہ کے ہمارے حضرت صاحب العصر والزماں علیہ السلام کے احکام وجملہ امور آپ کی زبان مبارک سے تو ہم کو پہنچے نہیں ہیں بلکہ حکم خداوندی اور مشیتِ ایزدی کے مطابق جن حضرات معتبرین و مستندین کے ذریعے سے اس نے چاہا ہمکو پہنچا رہا ہے۔ ان کے علاوہ آپ کی غیبتِ خاص کے حالات اور واقعات ہم کو بتلا رہے ہیں۔ اور کامل طور سے ثابت کر رہے ہیں کہ آپ کے جملہ امور بخلاف اور جمہائے الٰہی کے جو آپ سے دونوں غیبتوں کے ایام میں ظاہر ہوئے وہ بالکل مشیتِ الٰہی سے متعلق ہیں۔ اسلئے ہم ان امور مخصوصہ اور تدابیر مستورہ کی نسبت کسی کی تلاش۔ تحقیق یا کم سے کم کسی غور وفکر کو بالکل فضول اور بیکار سمجھ کر ان تمام کوششوں کو بیجا مداخلت کی حدود تک پہنچا ہوا یقین کرتے ہیں اور ان کی ان عملی کارروائیوں کو وَلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا کے بالکل خلاف سمجھتے ہیں۔

ان تمام امور کے سمجھنے کیلئے یہی کافی ہے کہ جسطرح سے اور اسرار ربانی کے سمجھنے کے لئے ہمارے ادراک اور فہم میں وسعت اور گنجائش نہیں ہے اسی طرح ان آثار و آیاتِ ربانی کے سمجھنے کیلئے بھی نہ ہم میں اتنی استعداد ہے اور نہ جامعیت۔ نہ ہماری عقل میں اتنی قدرت ہے اور نہ ہمارے دماغ میں ایسی صلاحیت۔ ہم ایک سے ہزار تک اور ہزار سے لاکھوں تک اپنی فکر پر فکر لڑائیں۔ خیال پر خیال اور قیاس پر قیاس دوڑائیں مگر کیا، تمام راستوں سے تھک کر اور اپنی مجبوری ومعذوری کے آخری مرکز پر واپس آکر یہی کہنے لگیں گے ؎ قسم خدا کی خدا کے بندو! خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔

ہم کیا ہیں۔ ہمارے ایسے بلکہ ہم سے کہیں اچھے سینکڑوں نہیں ہزاروں نے اپنی اپنی مختلف فکروں میں اپنی عمریں گنوا دیں۔ اپنی جانیں کھپا دیں۔ مگر کیا ہوا۔ منزل مقصود تک رسائی نہ پاسکے پر نہ پاسکے۔ اس دریائے ناپیدا کنار میں برسوں غوطہ لگاتے رہے مگر گوہر مدعا تک دسترس نہ ہوئی تھی نہ ہوئی۔ اتنی جانکاہ مسافت اور دور و دراز کے سفر کے بعد جب حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ منزل مقصود ہنوز اتنی ہی دور ہے اور پائے رفتار بالکل معذور ؎ ہفتاد و دو سال صرف کردم آنا ٭ معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد۔ اسرار الٰہی اور غوامضِ لاانتاہی کی یہی حالت ہے ان کی عظمت وجلالت کے اعتراف کے لئے ہماری مجبوری کافی ہے اور اس کے مصدر جلال کے آگے ہماری عبودیت کے اعلیٰ اور زیبا ترین شان یہی ہے کہ ہم اپنی تسلیم اور اجابت واطاعت کی گردن جھکا دیں۔ اپنی عبادت گزاری۔ عجز وانکساری کے سر جھکا دیں۔ اس کے مصلحت کے احکام مشیت کے تمام انتظام۔ عام اس سے کہ ہماری دانست۔ ہماری عقل اور ہمارے شعور میں آئیں یا نہ آئیں اپنے لئے عین مصلحت سمجھ کر ان کو مان لیں اور بغیر قصدِ مداخلت انکی تعمیل میں آمادہ و مستعد ہو جائیں ع اپنی یہی ہے شان فدا اس کی شان کے۔

بہرحال۔ تمہیداً اتنا بیان کر کے اب ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں اور ایک ایک کر کے ان تمام شبہات کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ اب آپ کے وجود ذیجود کے متعلق جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ اہلسنت والجماعت کے وسیع دائرۂ معتقدات میں جنابِ صاحب الامر مہدی آخرالزماں علیہ السلام کی پیدائش ابھی

نہیں ہوئی ہو اُس کا صحیح زمانہ بھی صاف نہیں بتلایا جاتا۔ صرف اتنا کہا جاتا ہے کہ قریبِ قیامت آپ پیدا ہوں گے مگر شیعہ فرقے کے عقائد میں آپ کی پیدائش ۲۵۶ھ ہجری میں واقع ہوئی اور ۲۶۰ھ ہجری سے ۳۲۹ھ ہجری تک پورے ستر برس آپ غیبتِ صغریٰ کے زمانہ میں اپنی امارت و ولایت کے تمام کام انجام دیتے رہے جیسا کہ اس کتاب کے مندرجہ بالا مباحث سے بتفصیل ثابت ہو چکا ہے۔ بہرحال اِن اختلافات کی بابت جہاں تک غور کیا جاتا ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فریقین کے نزدیک نہ آپ کے وجود ذیجود کی بابت اصلی مسئلہ میں کوئی اختلاف ہے نہ اُن نصوص آلہیہ اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا من اللہ الصلوات والتحیۃ کی نسبت جو آپ کے فضائل و مناقب اور اخبار و آثار کی خبر دیتے ہیں کوئی کلام۔ جو کچھ عذر ہے وہ یہی ہے کہ آپ ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ ایک وقتِ خاص میں پیدا ہونگے۔

ہم نے جہاں تک اِس خاص مسئلہ کی حقیقت میں غور کیا ہے ہم کو یہ ثابت ہوا ہے کہ اِس انکار پر بھی سوادِ اعظم کے تمام علماء کا اتفاق نہیں ہے۔ بلکہ ان کے بڑے بڑے معتمد اور مستند علماء کی جماعت شیعوں کی طرح آپ کے پیدا ہو جانے کے مسئلہ کا اقرار کر چکی ہے۔ اور اُن کے اخبار و آثار کو اسی طرح تسلیم کر چکی ہے جس طرح ایک شیعہ معتقدات کا شخص۔ اور انھوں نے اپنے طریقہ کے علماء کے سامنے جو اِس مسئلۂ خاص میں اُن کے ساتھ اختلاف رکھتے ہیں۔ ان اخبار و آثار کو پورے دلائل اور براہین کے ساتھ ثابت بھی کر دیا ہے اور اپنے مباحث کو اسانید معتبرہ سے ثابت کر کے دکھلا دیا ہے کہ مخالف حکومت کے دباؤ اُن کے تعلق اور تملّق نے ایسے روشن اور واضح امور پر تعصب اور نفسانیت کا تاریک پردہ ڈال دیا ہے۔ ورنہ حقیقت میں اس کی اصلیت اور واقعیت کالشمس فی نصف النہار ہویدا و آشکا رہے۔ اِن حضرات میں سب سے پہلے ہم علامہ بلاذری کا نام لکھتے ہیں۔

علامۂ بلاذری کا اقرار۔ اِن کا نام احمد ابن محمد ابن جابر ہے۔ اور کنیت ابوالحسن یہ صاحب اپنے زمانہ کے بہت بڑے صاحبِ سواد اور صاحب استعداد تھے اور خدائے سبحانہ و تعالیٰ نے ان کو سوادِ ظاہری و باطنی دونوں بیک جا اور بیک وقت عنایت فرمائے تھے۔ تاریخ الاشراف آپ ہی کی تالیفات سے دنیا میں آج تک یادگار ہے۔ یہ بزرگ غیبتِ صغریٰ کے زمانہ میں موجود تھے۔ اور اُن سعادتمندانِ زمانہ کے مبارک دائرہ میں شامل جو آپ کی زیارت کے شرف سے منجانب اللہ ماذون ہو کر مشرف ہو چکے تھے۔ جیسا کہ ابھی ابھی فہرستِ مندرجہ بالا میں بیان کیا گیا ہے۔ انھوں نے بھی اپنے مشرف بزیارت ہونیکی پوری کیفیت ایک مختصر رسالہ میں جمع فرمادی ہے اور اسی کے ساتھ آپ کے وجود ذیجود اور نظام امامت اور مدارج غیبت۔ غرض تمام مسائل متنازع فیہ و غیر متنازع فیہ کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ قلمبند فرمایا ہے یہ رسالہ عربی زبان میں ہے۔ اور قوم و ملت کی غفلت کی وجہ سے ابھی تک اس کے ترجمہ کی کیا طبع کی بھی نوبت نہیں آئی۔ خدائے مسبّب الاسباب ایسی نادر اور گرانبہا تالیفات و تصنیفات کے چھپ جانے اور شائع ہو جانے کے سامان بہت جلد فراہم فرمائے۔ آمین ثم آمین بمحمد و آلہ الطاہرین۔

محمد عبدالکریم معروف بہ امام یمانی۔ یہ بزرگ بھی علوم شریعت اور رموز طریقت کے بہت بڑے امام اور پیشوا تھے۔ ان کی کتاب تبیان فی بیانِ مہدی آخر الزمان علیہ السلام۔ ان کی استعداد و جامعیت اور کمالِ قابلیت کے ثبوت میں آج تک موجود ہے۔ قابل مؤلف نے آخر کتاب میں جب آپ کے متعلق اپنے تمام دلائل و براہین بیان کر لئے ہیں تو اپنے حُسنِ عقیدت اور خلوصِ اطاعت کے تقاضے سے ایک قصیدۂ مداحیہ آپ کی شان میں منظوم فرمایا ہے جسکا مطلع یہ ہے ؎

وفی یمن امان یکون لاهلها ٭ الی ان تری نور الهدایة قبلا

مولانا عبدالرحمٰن بسطامی جن کی مشہور و معروف کتاب درۃ المعارف علم الحروف میں آج تک تمام شائع و ذائع ہے

انھوں نے آپ کے متعلق ایسے ہی عقائد کا اظہار فرمایا ہے خصوصاً حرف المیم کی توضیحات میں ایک طولانی اور فصیح و بلیغ قصیدہ آپ کی شان میں منظوم فرمایا ہے اس کا ایک مشہور شعر یہ ہے ؎

فھذا ھو المھدی بالحق ظاهرا ٭ سیاتی من الرحمن الحق مرسلاً ٭ ولایته بالامر عند ربه ٭ خلیفة خیر الرسل من عالم العلیٰ

شیخ محی الدین اعرابی - جو مسئلۂ شہادت جناب امام حسین علیہ السلام میں یزید کے اجتہاد کے قائل۔ اس کی لعن کے مانع۔ اور ابلیس کی نجاتِ عقبیٰ کے متوقع ثابت ہوئے ہیں۔ بس لئے اس مادہ میں ان کا اعتراف واقرار معجزۂ ائمۂ اطہار علیہم السلام کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے چنانچہ انھوں نے اپنی اس مشہور و معروف کتاب میں جسکا نام عنقائے مغرب ہے ایک مفصل اور مطول باب آپ کے احوال میں علیحدہ تحریر کیا ہے۔ اور اُسکے عنوان کو اس عبارت کے ساتھ قائم کیا ہے فی بیان المھدی الموعود وزرآئہ انھوں نے بھی آپ کی شان میں ایک طولانی قصیدہ نظم کیا ہے جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

فعند فناء جاء الزمان وداھا ٭ علی مامد لوك الکروس بقوم

مع السبعة الاعلام والناس عقل ٭ علیھم بتد بیر الامور حکیم

فاشخاص خمس وخمس وخمسة ٭ علیھم تری امل لوجود یقیم

پھر اپنی دوسری کتاب فتوحاتِ مکیہ کے ایک خاص باب میں آپ کے متعلق یہ عبارت قلمبند فرمائی ہے الباب السادس والستون وثلث مائة منزل وزرآء المھدی علیہ السلام الظاھر فی آخر الزمان الذی بشر بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ باب تین سو چھیاسٹھ[۳۶۶]۔ جناب مہدی آخر الزماں علیہ السلام کے وزراء کے مقام کے متعلق جن کی بشارت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے۔

شیخ صدر الدین المعروف بہ امام قونوی ان کی استعداد و جامعیت سے تمام اسلامی دنیا واقف ہے۔ وہ فقیہ بھی تھے متکلم بھی۔ محدث بھی تھے۔ مفسر بھی۔ مورخ بھی تھے۔ حکیم بھی۔ جناب امام آخر الزماں علیہ السلام کے متعلق ان کے معتقدات ان کی وصیت سے بخوبی معلوم ہوتے ہیں جو انھوں نے اپنے بستر مرگ پر اپنے شاگردوں کو جمع کر کے پہنچائی تھی۔ چنانچہ انکے حالات میں تحریر ہے قال الشیخ صدر الدین لتلامذہ فی وصایاہ لان الکتب التی کانت لی من کتب الطب وکتب الحکماء وکتب الفلاسفة بعوھا وتصدقوا ثمنھا للفقرآء واما کتب التفاسیر والاحادیث والتصوف فاحفظوھا فی دار الکتب واقرؤا کلمة التوحید لا الہ الا اللہ سبعین الف مرة لیلة الاولی بحضور القلب وبلغوا منی سلاما الی المھدی علیہ السلام۔ شیخ صدر الدین نے اپنے شاگردوں کو وصیت فرمائی کہ میری جتنی کتابیں علم طب۔ حکمت اور فلسفہ میں ہیں ان کو میرے بعد بیچ ڈالنا اور ان کی قیمت فقرا پر تصدق کر دینا۔ لیکن علم تفسیر حدیث اور تصوف کی کتابوں کو کتب خانہ میں محفوظ رکھنا میرے مرنے سے پہلی رات کو خلوص و حضور قلب سے ستر ہزار مرتبہ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ پڑھنا اور جناب امام عصر حضرت مہدی آخر الزماں علیہ السلام کی خدمت میں میری جانب سے سلام پہنچا دینا۔

محمد الصبان مصری بھی اسی مسلک کے بزرگ ہیں۔ کتاب اسعاف الراغبین ان کی بہت بڑی مستند اور جامع کتاب ہے۔ پہلی بار خاص مصر میں پھر ہندوستان میں چھاپی گئی ہے۔ علامہ موصوف نے اس کتاب میں آپ کے تمام حالات پوری تفصیل سے لکھے ہیں۔

امام عبد الوہاب شعرانی بھی اسی عقیدہ کے بزرگ ہیں۔ سواد اعظم میں ان کی کتاب الیواقیت والجواہر بہت بڑی مستند اور مشہور کتاب ہے جو مطبوع ہو چکی ہے اُس کے مبحث خامس وستون[۶۵] میں تحریر ہے المھدی من ولد الامام الحسن العسکری علیہ السلام ومولدہ لیلة النصف من شعبان خمس وخمسین ومائتین وھو باق الی الان یجتمع بعیسیٰ

ابن حجر یعنی جناب امام مہدی آخر الزماں علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ ولادت آپ کی شب پانزدہم شعبان ۲۵۵ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ اور آپ اُس زمانہ تک دنیا میں باقی رہیں گے کہ جناب عیسیٰ ابن مریم علی نبینا و آلہ و علیہ السلام اور آپ اکٹھے ہو جاویں۔ اس کے آگے امام موصوف تحریر فرماتے ہیں۔ ھٰکذا اخبرنی الشیخ حسن العراقی عن الامام المھدی علیہ السلام حین اجتمع بہ ووافقہ علی ذالک سید علی الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ۔ یعنی علامہ عبدالوہاب شعرانی کہتے ہیں کہ جب میں علامہ شیخ حسن العراقی کی خدمت میں پہنچا تو اُن کی زبانی بھی جناب امام مہدی علیہ السلام کی نسبت ایسی ہی واقفیت حاصل کی اور انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ان کو آپ کے احوال کی تحقیق سید علی خواص کی خدمت سے معلوم ہوئی ہے۔ اس تحریر سے معلوم ہوا کہ ان کی خاص ذات کے علاوہ شیخ حسن العراقی اور سید علی خواص کا بھی مسلک اور طریقہ یہی تھا جو عبدالوہاب شعرانی کا۔

شیخ عبداللطیف الحلبی۔ المتوفی ۱۰۷۳ھ ہجری بھی اسی عقیدہ کے بزرگ تھے۔ وہ اپنی معتبر کتاب سبحۃ المرواریہ میں اپنے والد سے یہ عبارت نقل کرتے ہیں۔ سمعت ابی الشیخ ابراھیم رحمہ اللہ تعالیٰ قال سمعت شیخی من مشائخ مصر یقول بایعنا الامام المھدی علیہ السلام ہیں۔ نے اپنے پدر بزرگوار شیخ ابراہیم رحمۃ اللہ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارے مصر کے مشائخ میں سے ایک شخص کو جناب امام مہدی آخر الزماں علیہ السلام سے بیعت حاصل کرنیکا شرف ملا تھا۔

صاحب ینابیع المودۃ فی القربیٰ شیخ ابراہیم کے ذکر میں لکھتے ہیں وکان الشیخ ابراھیم فی الطریقۃ القادریۃ من کبار شیوخ حلب الشہباء المحروسۃ۔ شیخ ابراہیم طریقۂ قادریہ کے اکابر اشیاخ کے اُس سلسلہ میں ہیں جو شہر حلب کے درجہ ولایت پر مامور تھے اور ان کا شجرۂ نسب یوں منتہی ہوتا ہے۔ (۱) شیخ اسمٰعیل (۲) شیخ عبدالجواد (۳) شیخ اسمٰعیل ثانی۔ (۴) شیخ محمد و شیخ عبدالقادر پسران شیخ اسمٰعیل ثانی یہی شیخ عبدالقادر صاحب ینابیع المودۃ کے استاد اور مرشد بھی تھے۔ انہی کی اولاد میں شیخ طٰہٰ صاحب کتاب ینابیع المودۃ کی تالیف کے وقت تک زندہ اور قائم تھے۔ یہ تمام حضرات اس مسئلہ میں خاص طور پر ہمخیال۔ ہمکلام اور ہمزبان ہیں۔

امام محمد ابن طلحۃ الشافعی بھی اسی مسلک کے بزرگ ہیں۔ علم الحدیث۔ علم الفقہ۔ علم التفسیر اور تاریخ میں بہت بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ ان کی کتاب مطالب السئول فی مناقب آل الرسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمام اسلامی دنیا میں ذائع و شائع ہے۔ اس میں بذیل ذکر جناب امام آخر الزمان علیہ السلام یہ عبارت تحریر ہے:۔ المھدی ھو ابن ابی محمد الحسن العسکری علیھما السلام ومولدہ بسامرہ۔ جناب مہدی علیہ السلام حضرت ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی پیدائش شہر سامرہ میں واقع ہوئی ہے۔ اور ایسی ہی عبارت علامہ موصوف اپنی دوسری کتاب دُرّ المنظم میں بھی جو مطالب السئول سے پہلے کی کتاب ہے تحریر فرما چکے ہیں۔

محمد ابن یوسف ابن محمد الکنجی الشافعی۔ یہ بزرگ بھی سوادِ اعظم کے امام۔ محدث۔ اور بہت بڑے فقیہ گزرے ہیں انھوں نے ایک جامع و مانع کتاب مخصوص آپ کے احوال میں تحریر فرمائی ہے جسکا نام البیان فی اخبار صاحب العصر والزمان علیہ السلام ہے۔ اس کتاب کے پچیسویں باب میں جو اس کا آخری باب ہے آپ کے متعلق یہ عبارت مندرج ہے۔ ان المھدی ولد الحسن العسکری علیھما السلام فھو حیٌّ موجود باق منذ غیبتہ الی الاٰن ولا امتناع فی بقائہ بدلیل بقاء عیسیٰ والخضر والیاس علی نبینا و آلہ وعلیھم السلام۔ یعنی جناب امام آخر الزماں علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں اور آپ اس وقت تک حالتِ غیبت میں زندہ اور موجود ہیں۔ اور ان کے باقی اور قائم رہنے سے کسی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ آپ کی بقا پر بھی وہی دلیل قائم ہوتی ہے۔ جو حضرات عیسیٰ

خضر اور الیاس علیٰ نبینا و آلہ و علیہم السلام کی بقا پر قائم ہے۔

امام حموینی محمد ابن ابراہیم الشافعی۔ سواد اعظم میں جس عظمت و جلالت سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اس کے لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنی معتبر اور مستند کتاب فرائد السمطین میں قریب قریب یہی عبارت نقل فرماتے ہیں۔

امام مالکی نور الدین علی ابن محمد بھی بہت بڑے مجتہد، فقیہ اور مستند علمائے اہلسنت سے شمار کئے جاتے ہیں اپنی جامع اور رائع کتاب فصول المہمہ میں بذیل تذکرۂ جناب امام آخر الزماں علیہ السلام ایسی ہی عبارت مندرج فرماتے ہیں۔

علامہ نسفی شیخ عبد العزیز ابن علامہ نسفی بھی جن کے اصول و عقائد پر آج تک تمام سواد اعظم کے لوگوں کا اتفاق ہے اسی مسلک کے بزرگ ہیں۔ چنانچہ ان کے صاحبزادے اپنی کتاب میں بذکر فضائل و مناقب جناب ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین اپنے والد ماجد کی کتاب سے ذیل کی عبارت فارسی ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔ شیخ الشیوخ علامہ سعد الدین می فرماید کہ پیش از پیغمبر ما محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم در ادیان سابق اسم ولی نبود۔ اسم نبی بود۔ و مقربان حضرت خدا را کہ وارثان صاحب شریعت می بودند جملہ را انبیا می گفتند و در ہر دینے از یک صاحب شریعت زیادہ نہ بود۔ پس در دین آدم علیہ السلام چندیں پیغمبر بودند کہ در وارثان او بودند و خلق را بدین او و شریعت او دعوت می کردند و ہمچنیں در دین نوح علیہ السلام و در دین ابراہیم علیہ السلام و در دین موسیٰ علیہ السلام و در دین عیسیٰ علیہ السلام۔ و چوں دین جدید و شریعت جدیدہ بہ پیغمبر ما محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نازل شدہ۔ از نزد خدا اسم ولی در دین محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پدید آرند حق سبحانہ و تعالیٰ دوازدہ کس از اہلبیت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم را برگزیدہ وارثان او گردانید و مقرب حضرت خود نمود و بولایت مخصوص فرمودہ ایشاں را نائبان محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و وارثان او گردانید کہ حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء در حق ایں دوازدہ کس فرمودہ شد و حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل در حق ایشاں اضافہ نمودہ۔ اما ولی آخرین کہ نائب آخرین است۔ ولی دوازدہم و نائب دوازدہم او بیباشد خاتم الاولیاء است۔ و مہدی صاحب الزماں نعم اوست۔ اولیاء در عالم بیش از دوازدہ نیستند و آناآں سی صد و پنجاہ و شش کس کہ از رجال الغیب اند۔ ایشاں را اولیا نمی گویند۔ ایشاں را ابدال می گویند۔

عالمانِ شریعت کیطرح رہبرانِ طریقت کے عقائد

سوادِ اعظم کے دونوں طریق کے علماء اور فضلاء۔ ہادی اور مرشد اس مسئلہ پر متفق ہیں۔ شریعت کے چند علماء کے اقوال سے اُن کے عقائد کے حالات معلوم ہوگئے۔ اب انہی کیطرح ہادیانِ طریقت کے عقائد بھی ذیل میں قلمبند کئے جاتے ہیں۔

شیخ المشائخ اور شیخ الاسلام مولانا **احمد الجامی** النامقی اور شیخ **فرید الدین عطار** نیشاپوری و مولانا **شمس الدین** تبریزی و مولانا **جلال الدین** رومی و سید **نعمت اللہ** ولی و سید **نسیمی** وغیرہم یہ کل حضرات اس مسئلہ میں متفق ہیں یعنی جناب امام آخر الزماں علیہ السلام کے وجود ذیجود کے قائل ہیں۔

نفحات الانس میں مولانا عبد الرحمٰن جامی بذیل تذکرۂ مولانا احمد الجامی کہتے ہیں۔ ان الشیخ احمد الجامی النامقی قدس سرہ دخل فی غار جبل قریب بلد جام بجذب قوی من اللہ جل شانہ وکان امیا لا یعرف الحرف ولا الکتاب والسنۃ کان اثنین وعشرین واستقام فی الغار ثمانی عشرۃ سنۃ من غیر طعام ویاکل اوراق الاشجار وعرقہا وعبداللہ فیہ الی ان بلغ سنہ اربعین سنۃ ثم امرہ اللہ تعالیٰ بارشاد الناس وصنف کتابا قدرہ قدر الف ورقۃ تحیر فیہ العلماء والحکماء من غموض معاینہ وھو عجیب فی ھذہ الامۃ وبلغ عددہ من دخل فی طریقہ من المریدین ستمائۃ الف وتفصیل کراماتہ وخوارق عاداتہ مذکورۃ ومن کلماتہ قدس اللہ اسرارہ بالفارسیۃ

مُلا عبد الرحمٰن جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں کہ شیخ احمد جامی النامقی شہر جام کے قریب والے ایک پہاڑ کے غار میں اپنے

اُس قوی جذب کی وجہ سے جو اُن کو منجانب اللہ عطا ہوا تھا داخل ہوئے وہ بے پڑھے لکھے آدمی تھے۔ نہ اُن کو عبارت میں کوئی دخل تھا اور نہ کتابت میں۔ بائیس برس کے سن سے اس غار میں داخل ہوئے تھے اور کامل اٹھارہ سال تک بغیر کسی قسم کا کھانا کھانے کے مقیم رہے۔ ہاں اس تمام عرصہ میں وہ درختوں کے پتوں پر اور اُن کی جڑوں پر بسر کرتے رہے اور شب و روز معبودِ حقیقی کی عبادت فرماتے رہے۔ جب ان کا سن چالیس برس کامل کا ہو گیا تب خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کو ہدایت خلق کا اعلیٰ منصب اور ارفع درجہ عطا فرمایا۔ انھوں نے ایک ہزار ورق کی ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کے مباحث اور اغراض و مطالب کو دیکھکر تمام علما اور حکما عالمِ حیرت میں غرق ہوگئے اور آپ کی ذات کو امتِ اسلامیہ کے دائرہ میں عجائبات و نوادر سے یقین کرنے لگے۔ اور رفتہ رفتہ چھ لاکھ آدمی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوگئے۔ ان کی کرامات اور خوارق عادات کے تفصیلی حالات نفحات الانس میں کافی تفصیل سے مندرج ہیں۔ ذیل کے فارسی اشعار اُن کی طبع خداداد کے حقیقی نمونہ ہیں۔

من زمہرِ حیدرم ہر لحظہ اندر دل صفاست | از پئے حیدر حسن مارا امام و رہنماست
ہمچو کلب افتادہ ام بر آستانِ بوالحسن | خاکِ نعلینِ حسین در ہر دو چشم توتیاست
عابدین تاجِ سر و باقر دو چشم روشنم | دینِ جعفر بر حق است و مذہب موسیٰ رواست
اے موالی وصفِ سلطانِ خراساں را شنو | ذرۂ از خاکِ قبرش درد منداں را دواست
پیشوائے مومناں است اے مسلماناں تقی | گر نقی را دوست داری در ہمہ مذہب رواست
عسکری نورِ دو چشم عالم است و آدم است | ہمچو یک مہدیِ ہادی در جہاں پیدا کجاست
قلعۂ خیبر گرفتہ آں شہنشاہِ عرب | زانکہ در بازوئے حیدر نامۂ الاّ فتیٰ است
شاعراں از بہر سیم و زر سخنہا گفتہ اند | احمدِ جامی غلام خاص شاہِ اولیا است

شیخ فریدالدین عطار اپنی کتاب مظہر الصفات میں تحریر فرماتے ہیں:۔

مصطفیٰ ختمِ رسل شد در جہاں | مرتضیٰ ختمِ ولایت در عیاں
جملہ فرزندانِ حیدر اولیا | جملہ یک نور اند حق کرد ایں ندا
صد ہزاراں اولیا روئے زمیں | از خدا خواہند مہدی را یقیں
یا الٰہی مہدیم از غیب آر | در جہاں تا عدل گردد آشکار
مہدی ہادی است تاجِ اتقیا | بہترینِ خلق برجِ اولیا
اے ولائے تو معین آمدہ | بر دل و جانہائے روشن آمدہ
اے تو ختمِ اولیائے ایں زماں | از ہمہ عالم نہانی جانِ جاں
اے تو ہم پیدا و پنہاں آمدہ | بندہ عطار ثنا خواں آمدہ

مولانا جلال الدین رومی اپنے دیوان میں جو حروفِ تہجی کی ترتیب کے ساتھ تیار کیا گیا ہے تحریر فرماتے ہیں۔

اے سرورِ مرداں علی مرداں سلامت میکنند | وے صفدرِ مستاں علی مستاں سلامت میکنند
با قاتلِ کفار گو با دینِ دبا دیندار گو | با حیدرِ کرار گو مرداں سلامت میکنند
با درجِ دو گوہر بگو با برجِ دو اختر بگو | شبیر و با شبر بگو مستاں سلامت میکنند
با زینِ دیں عابد بگو با نورِ دیں باقر بگو | با جعفرِ صادق بگو مستاں سلامت میکنند

با موسیٔ کاظم بگو با طوسیٔ عالم بگو | با شہ تقیؑ رہبر بگو مستاں سلامت میکنند
با میر دیں ہادی بگو با عسکریٔ ہادی بگو | با آں ولی مہدی بگو مستاں سلامت میکنند
با بابو نوروزی بگو با بخت فیروزی بگو | با شمس تبریزی بگو مستاں سلامت میکنند

بعض اکابر فرقہ شعائیہ کے یہ اشعار مشہور ہیں جو قصیدۂ دالیہ کے نام سے معروف ہیں۔

وسائلی عن حب اهل البیت هل | اسر اسلانا بهم ام اجهد
والله مخلوط بلحمی و دمی | حبهم هم الهدی والرشد
حیدرة والحسنان بعده | ثم علیؑ وابنه محمد
وجعفر الصادق وابن جعفر | موسی ویتلوه علی السند
اعنی الرضا ثم ابنه محمد | ثم علیؑ وابنه المسدد
والحسن الثانی ویتلو تلوه | محمد بن الحسن المنتجد
فانهم سادتی وقادتی | وان الحسانی معشروا قتدر
ائمة اکرم بهم ائمة | اسماؤهم مسرورة تسطرد
هم حجج الله علی عباده | وهم الیه منهج ومقصد
هم النهار صائم لربهم | وفی الدیاجی رکعا و سجد
قوم لهم مکة والابطح وال | خیف والجمع والبقیع الغرقد
قوم منی والمشعران لهم | والمروتان لهم والمسجد
قوم لهم فی کل ارض مشهد | لا بل لهم فی کل قلب مشهد

شیخ کامل ابن معتوق مصری بھی اسی عقیدہ کے بزرگ تھے اُن کے ایک قصیدۂ نعتیہ کے چند اشعار جو انھوں نے جناب امام آخر الزماں علیہ السلام کے محامد و اوصاف میں منظوم فرمائے ہیں ذیل میں قلمبند کئے جاتے ہیں:۔

قد جل عن سائر التشبیه رتبة | اذ فوقه لیس الا الله فی العظم
هواه فی دینی وایمانی ومعتقدی | وحب عترته عونی ومعتصمی
وان الحانی معشر وافندوا | وطیبوا النصفت اوصاف ذاتهم
ائمة اخذ الله العهود لهم | علی جمیع المواری قبل خلقهم
قد حققت سورة الاحزاب ما | بحدت اعداهم وابانت فضل جدهم
کفاهم ما بعم والضحی شرفا | والنور والنجم من ای انت بهم
سل الحوامیم هل فی غیرهم نزلت | وهل اتی هل اتی الا بمدحهم
اکارم کرمت اخلاقهم فبدت | مثل النجوم بماء فی صفاتهم
الطائب یجد المشتاق تربتهم | ریحا تدل علی ذات طیبهم
شکرا لالاء ربی حیث الهمنی | ولاهم وسقانی کاس حبهم

امام شیخ ابو الحسن شاذلی جن کی عظمت وجلالت سوادِ اعظم کے ہر فرد واحد پر ظاہر و ثابت ہے۔ اسی اعتقاد کے بزرگ تھے۔ علم خواص الحروف میں بہت بڑے ماہر اور کامل تھے۔ چنانچہ علامہ موصوف اپنی کتاب اسرار الحروف و

آثار العلوم کے خاتمہ میں بدیں تذکرہ جناب امام آخر الزمان علیہ السلام یہ دو شعر تحریر فرماتے ہیں۔

اذا دار الزمان علی حروف ٭ بسم اللہ فالمھدی ءقاما
ویخرج بالحطیم عقیبہ ٭ الا اقرئہ من عندی السلاما

بعد میں ایک درخواست اور ایک آیت اخرج یا امام تعطل الاسلام ٭ ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد

علامہ مدینی شیخ ابومدین المغربی بھی اسی طریقہ اور مسلک کے بزرگ تھے۔ انھوں نے بھی آپ کے حالات و واقعات کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔

ملک العلمائے دولت آبادی شیخ شہاب الدین بھی جو سواد اعظم اہل سنت والجماعت کے علمائے معتبرین و فضلائے اعظم سے شمار کئے جاتے ہیں۔ اسی عقیدہ کے متمسک تھے۔

علامہ ابن حجر مکی بھی اسی عقیدہ کے بزرگ تھے۔ ان کی عبارت کو صواعق محرقہ کی اسناد سے ہم ایک مقام پر اوپر لکھ چکے ہیں۔ مناسبت مقام اور ناظرین کے مزید اطمینان کیلئے ہم پھر بار دیگر اسکو ذیل میں لکھے دیتے ہیں وھو ہذا۔

و توفی الحسن العسکری علیہ السلام سنۃ ستین ومائتین ودفن عند ابیہ وعمرہ ثمان و عشرون سنۃ ویقال انہ مات بالسم ایضاً ولم یخلف غیر ولدہ ابی القاسم محمد الحجۃ وعمرہ عند وفات ابیہ خمس سنین لکن اتی اللہ تبارک وتعالی لہ العلم والحکمۃ ویسمی القائم المنتظر لانہ ستر وغاب فلم یعرف این ذھب۔ جناب ابو محمد حسن العسکری علیہ السلام نے ۲۶۰ ہجری میں وفات پائی اور اپنے والد ماجد کے پاس دفن کئے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو بھی زہر دیا گیا۔ آپ کے کوئی اولاد سوائے ابوالقاسم محمد الحجۃ علیہ السلام کے باقی نہیں ہے اور آپ کی عمر اپنے والد بزرگوار کی وفات کے وقت پانچ برس کی تھی۔ لیکن خدائے تبارک و تعالی نے آپ کو اسی زمانہ سے علم و حکمت عطا فرمائی تھی۔ آپ کو القائم اور المنتظر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ ایکبارگی پوشیدہ اور عام نگاہوں سے غائب ہوگئے اور کسی شخص کو یہ نہ معلوم ہوا کہ آپ کہاں تشریف لیگئے۔

ان عالمانِ شریعت اور ہادیانِ طریقت کی عظمت و جلالت کی جو شان ہے وہ سواد اعظم کے بچہ بچہ پر بخوبی ظاہر ہے میرے لکھنے کی محتاج نہیں۔ صواعق محرقہ کی آخر عبارت اور انتہائی تصدیق و تحقیق سے جو اوپر لکھی گئی آپ کی ولادت اور غیبت کے حالات معلوم ہوگئے۔ پھر اتنے مشاہدِ متواترہ اور اسانید متکاثرہ۔ جو ایک فرقہ خاص کے اتنے بڑے علماء اور فضلاء اور مشائخ کبار کی تصانیف و تالیفات سے مستنبط کئے گئے ہیں جب اس مسئلہ خاص پر متفق پائے جاتے ہیں تو پھر دو چار علماء کا یہ لکھدینا کہ آپ کی ولادت نہیں ہوئی بلکہ قریب قیامت ہوگی کیونکر قابلِ اعتبار سمجھا جا سکتا ہے۔

اب ہم کو یہ اور بتلا دینا ہے کہ آخر اس مہمل افواہ اور اس سوء اعتقادی کی کوئی وجہ بھی تو ہوگی ہم اس کی وجہ بھی بتلائے دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جن حضرات نے اُس وقت کی اور کتابوں کو نہیں صرف ہمارے ہی سلسلہ تالیف کے تمام نمبر ول کو ملاحظہ فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ اُس زمانہ میں عموماً حضرات آئمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے تمام اخبار و آثار مٹانے اور ان کے فضائل و مناقب کے گھٹانے کی کیسی کیسی جی توڑ کوششیں کی جاتی تھیں اور پھر ہمارے حضرت صاحب الامر علیہ السلام کے تمام حالات و واقعات پر تو ان کے روز ولادت سے غیبت صغریٰ کے ایام تک خاص طور پر حسد تعصب اور نفسانیت کے ایسے ایسے تیرہ و تاریک اور گہرے پردوں پر پردے پڑے تھے اور آپ کے اخبار و آثار جو منجانب اللہ والرسول خلائق کو بتلائے اور پہنچائے گئے تھے انکار پر انکار کئے جاتے تھے اور تمام دنیا کو آپ کے اصل

وجود سے انکار و امتناع کی تاکید کی جاتی تھی چنانچہ ہم ان واقعات کو ان کے مقامات مناسب پر اوپر بالتفصیل لکھ آئے ہیں۔ چونکہ عام امتناع و انکار کے سخت و شدید انتظام میں خاص طور پر سلطنت کی طرف سے احکام پر احکام نافذ کئے جاتے تھے۔ اس لئے تمام علماء و فضلاء و فقہاء و مورخین و محدثین و مفسرین غرض علم و دانست کے تمام اصحاب و ارباب مجبوری۔ معذوری یا خود غرضی اور شکم پروری کی وجہ سے اس غلط فہمی کی اشاعت اور عقیدت پر مجبور ہو گئے۔ کیونکہ ان کی اُس وقت ایسی مجال نہ تھی کہ وہ مدبرانِ سلطنت کی منظور کردہ تدبیروں سے کبھی اختلاف و انحراف کر سکتے۔ ایسے خطرناک وقت میں نہ ان کے منہ میں زبان تھی اور نہ سینہ میں کلیجہ جو سلطنت کے ساتھ خلاف ورزی اختیار کر کے اظہارِ حق کی جرأت کرتے اور یوں اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالتے۔ ایک تو سلطنت کے ایسے سخت اور شدید مظالم نے علمائے مقتدر کے ایسے عام طبقہ کو اظہارِ حق اور اعلائے کلمۃ الحق سے باز رکھا دوسرے ان کی کورانہ تقلید اور حسد و نفسانیت کی تاکید نے ان کو تعصب اور نفسانیت کے گہرے دریاؤں سے نہ نکلنے دیا۔ اور اصحاب کبار کے مقابلہ میں حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے فضائل و مناقب کی طرف سے عدم توجہی اور غفلت کی عالمگیر شامت نے جو انتظامِ خلافت کے شروع زمانہ سے لیکر اِسوقت تک ان کے سروں پر سوار تھی ان حضرات کو اور بھی ان امور کے اظہار و افشاء کی طرف متوجہ اور مصروف نہ ہونے دیا۔ ورنہ ممکن تھا کہ جس طرح دنیا میں اور لوگوں نے سلطنت کے مظالم کے خلاف پوشیدہ اور مخفی طور پر اپنے بعض مطالب و مقاصد تالیفی کو اپنے زمانۂ حیات میں قلمبند کر دیا ہے اور اس کو اپنے بعد اپنا یادگار چھوڑا ہے اور جن کو ان کے اور اُن کے زمانہ کے گزر جانے کے بعد قوم و ملت نے عظمت اور وقعت کے اعتبار سے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے اُسی طرح یہ بھی آپ کے اخبار و آثار کو سلسلہ وار ضبطِ تحریر میں لاتے۔ اور ان تالیفات کو اپنے باقیاتِ صالحات بنا جاتے۔ مگر افسوس! اگر کسی وقت ان امور کی طرف وہ توجہ کرتے بھی تو ان کی وہی کورانہ تقلید، حسد، تعصب اور نفسانیت ان کو کب ایسا کرنے دیتی۔ اگر وہ ایسا کرتے تو تقلید سلطنت کے دائرہ سے باہر ہو کر ارتداد کے حلقہ میں داخل اُولٰئِکَ ھُم عُدُولُ کے عام اصول سے خارج ہو کر کفر و الحاد کے سلسلہ میں شامل کر دیئے جاتے یہی وجہیں تھیں جو ان کو توفیقات کی حدود تک نہ پہنچا سکیں۔ مگر قدرت کے نظام اور مشیت کے احکام کی کس کو خبر تھی۔ انہی کی خاص جماعت اور خاص طبقہ میں بہت سے ایسے افراد نکلے جو جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کے وجود بوجود کے اقرار کو اپنا ایمان سمجھ کر اُس پر کامل اعتقاد رکھتے تھے اور پھر اِن بزرگواروں نے اپنے اِن عقائد کو پوشیدہ بھی نہ رکھا بلکہ آزادانہ طور سے انکو اُنکی قوی اور معتبر دلائل کے ساتھ اپنے ان معاصر علماء و فضلاء کے مقابلہ میں بیان کر گئے جو ان امور میں اُن کے مخالف ثابت ہوتے تھے۔ ان کی بڑی بڑی اور ضخیم اور عظیم تالیفات و تصنیفات۔ ان کے دلائل و براہین سے بھری پڑی ہیں۔ جو اپنے مخالف کو اس مسئلہ خاص میں دنداں شکن جواب پہنچا کر قطعی طور پر ساکت اور بالکل خاموش بنا چکی ہیں۔ ان میں سے بعض کتابوں کے نام اوپر لکھے گئے ہیں اور ان کی عبارت جا بجا سے بقدر ضرورت قلمبند کر دی گئی ہے۔ ان حضرات نے اپنے ایام حیات میں عوام اسلام کو اپنے عقائد کی تعلیم و ہدایت بھی کی ہے اور اپنے دیار و امصار میں ان امور کی توسیع اشاعت بھی۔ پھر جب اِس مسئلہ خاص میں علمائے کرام کی ایک کثیر جماعت اتفاق کر کے اُس پر اپنے اقرار اور اعتراف کا کامل اظہار کر چکی ہو تو ہم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اِس مسئلہ کی حالت اصلی طور پر کبھی متنازع فیہ نہیں رہی بلکہ اس میں مصنوعی طور پر صرف حسد۔ نفسانیت اور تعصب کے اصول اور کورانہ تقلید کی غیر ضروری اور غیر مفید تعقید کو مدنظر رکھ کر خواہ مخواہ کی مخالفت اور حق ناحق کی تنازعت پیدا کی گئی ہے۔ ورنہ اگر کامل غور و تحقیق سے اسلامی علماء کے دائرہ میں اس مسئلہ کی تلاش اور جستجو فرمائی جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ علمائے متقدمین کے نزدیک یہ مسئلہ کبھی مختلف فیہ نہیں تھا۔ اور خلافت کے زمانہ تک

اس کی نسبت کسی قطع و برید اور اخفائے حقیقت کی کوشش نہیں کی گئی۔ بلکہ تمام اہلِ اسلام عام طور سے اُنہی نصوصِ الٰہی اور حدیثِ حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر راسخ الاعتقاد تھے جو ان کو رسالت و نبوت کے مبارک ایام میں مخبرِ صادق کی زبانی پہنچ چکی تھیں۔ چنانچہ آپ کے وجودِ ذیجود کے متعلق بہت سے تفصیلی حالات خلافتِ چہارم کے ایام میں جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام کی زبانی معلوم ہوئے ہیں اور جو اس وقت تک آپ کے مختلف اقوال۔ ارشادات اور احکام میں محفوظ و موجود ہیں مگر خلافتِ رابعہ کے تمام ہو جانے کے بعد جہاں اسلام میں ہزاروں خفیہ پوشیدہ بدعتیں داخل ہو گئیں وہاں آپس کے حسد نفس نیت اور تعصب نے علمائے اسلام کو ان کی ذاتی مجبوریوں کی وجہ سے جو زیادہ تر سلطنت کے خوف اور دباؤ سے تھیں۔ اس جہالت اور سوء اعتقادی کے گڑھے میں گرا دیا اور پھر انھوں نے بھی بقولیکہ ع ہم تو ڈوبے ہیں مگر تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔ اپنے ساتھ عوام کالانعام کی بھی مٹی خراب کر دی۔ اور ان کو بھی اس کے اور اکثر حقیقت سے مجبور و معذور رکھکر محض تاریکی اور عدم واقفیت کی حالت میں چھوڑ دیا مگر ان کی ان مخالفانہ کوششوں میں جو بڑی کاوش پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ وہ نصوص الٰہی اور منشور حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو آپ کے متعلق پوری بشارت دے رہے تھے کیسے نسیًا منسیًا کر دیئے جاتے۔ اس لئے ان اقوالِ صحیحہ میں یہ ترمیم کی گئی کہ حضرت امام العصر علیہ السلام کے متعلق انعقادِ ایام کا ٹھیک زمانہ نہیں معلوم ہوتا۔ اسلئے آپ کی ولادت باسعادت تا بقربِ قیامت وقوع پذیر نہیں تسلیم کی جا سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ حُبُّكَ الشَّیْءَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ۔ یعنی شے کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ اس ترمیم میں دو مشکلیں ایسی واقع ہوئی ہیں جن سے مخلصی اور نجات کی کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی۔

ایک تو یہ ہے کہ اس نئی ترمیم اور اس جدید عقیدہ کی رو سے جناب امام زماں علیہ السلام کا امام یازدہم حضرت ابو محمد الحسن العسکری علیہ السلام کے خاص فرزند صلبی ہونے کی بشارت بالکل بے اصل اور بے دلیل ثابت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب قربِ قیامت تک اس معاملہ کو پہنچا یا جاتا ہے تو پھر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا خاص فرزند ارجمند ہونا کیسے صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اور جب یہ امر صحت سے خالی پایا گیا تو پھر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ تمام حدیثیں جن میں حضرات ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے نام فردًا فردًا بقیدِ ابنیت کامل تصریح کے ساتھ موجود ہیں بالکل جھوٹی اور مصنوعی ثابت ہوتی ہیں۔ اور پھر انہی کے ساتھ ان کے تمام رواۃ اور وہ تمام علمائے اعلام جنھوں نے اپنی اپنی تالیفات و تصنیفات میں ان کو نقل کیا ہے وہ بھی اعتبار کے قابل نہیں رہتے۔ چنانچہ وہ حدیث جو امام حموینی نے طراز المحدثین ابو المؤید موفق ابن احمد الخوارزمی کی خاص اسناد سے لکھی ہے جس میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصیاء اور خلفاء دوازدہ گانہ کے نامِ نامی علیحدہ علیحدہ اور فردًا فردًا ان کی ابنیت کے ساتھ لکھے ہوئے ہیں۔ اور اسی طرح فرائد السمطین میں وہ حدیث جو مجاہد اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی اسناد سے مندرج ہے۔ اور اس میں بھی حضرات ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے نام فردًا فردًا بقیدِ ابنیت لکھے گئے ہیں۔ یونہی کتاب مناقب میں واثلہ ابن الاصقع نے حضرت جابرؓ ابن عبد اللہ الانصاری کی اسناد سے جو حدیث لکھی ہے اس میں بھی ان حضرات علیہم السلام کے نام علیحدہ علیحدہ ابنیت کے ساتھ لکھے ہیں۔ روضۃ الاحباب میں بھی جابرؓ ابن عبد اللہ الانصاری کی زبانی جو حدیث لکھی ہے اس میں بھی یہی تفصیل اور تشریح درج ہے۔

ہم نے یہاں تو صرف یہی چند حدیثیں لکھدی ہیں جن سے ہمارے بیان کی تصدیق ہو جاتی ہے جسکو ضرورت ہو وہ کتاب مجمع البحرین مؤلفہ مولانا احمد حسین عظیم آبادی حنفی المذہب لیکر پڑھ لے۔ اس کتاب میں ایسی تمام حدیثوں کو

پوری تفصیل اور تشریح کے ساتھ ایک ایک کرکے جمع کردیا ہے۔
اب اس ترمیم کی روسے جب آپ کی ولادت کا معاملہ قیامت ہی پر اٹھا رکھا گیا تو قبلِ وقوعِ قیامت حضرت صاحب الزمان علیہ السلام کو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کا صُلبی فرزند قرار دینا کیا معنی؟ کیونکہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا انتقال تو باتفاق فریقین ۲۶۰ھ ہجری میں واقع ہوگیا۔ پھر جو مولود کہ قریبِ قیامت پیدا ہوگا وہ آپ کا خاص فرزند کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ایسا یقین اور ایسا اعتقاد تو مشاہدات کے خلاف ہے جو کبھی قابلِ قبول نہیں ہوسکتا اور یہاں تمام حدیثیں جناب آخر الزماں علیہ السلام کو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا صلبی فرزند قرار دیتی ہیں۔ تو ایسی حالت میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس کے قول کو ترجیح دیجائے اور کس کو اعتبار کے قابل سمجھا جائے۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادِ واقوال کو یا ان علماء کے قیاسی اجتہاد کو خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ یہ حدیثیں بھی اُنہی کے رواۃ اور علمائے ثقات کے ذریعہ سے منقول ہوئی ہیں۔ بہرحال یہ مسئلہ نہیں ہے بلکہ آپس کی خانہ جنگی۔ یہ باہمی مخالفت سوائے اس کے کہ سوادِ اعظم میں فسادِ عظیم پیدا کرے اور ان کا ایک عالم اپنے دوسرے عالم کو وضاع اور کذاب ثابت کرے کوئی دوسرا چارہ ہی نہیں ہوسکتا۔
ع باشد عذرِ گناہ بدتر زگناہ۔ ان حدیثوں کے مفہوم کے بالکل خلاف۔ مہدی ابن الحسن العسکری علیہما السلام کے معنی یہ لئے جاتے ہیں کہ آپ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد سے تو ہونگے اور قریب قیامت پیدا بھی ہوں گے اور تا باستظہارِ قیامت زندہ اور موجود بھی رہیں گے مگر آپ کو ان کا خاص فرزند ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔ حالانکہ ایک نہیں متعدد معتبر اور مستند کتابوں سے اکابر علماء اور عمائد فضلاء مثل امام ابن حجر مکی۔ ابن صباغ مالکی۔ امام محمد ابن طلحۃ الشافعی محمد ابن یوسف الگنجی۔ امام مزنی۔ علامہ بلاذری اور امام نسفی صاحب عقائد نسفیہ وغیرہ وغیرہ کے۔ جو بہت بڑی عظمت و جلالت کے شمار کئے جاتے ہیں۔ اسنادو ارشاد سے ثابت کردیا گیا ہے کہ جناب امام آخر الزماں علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے خاص صاحبزادے ہیں۔ اور اس کی تصدیق و توثیق میں وہ معتبر اور مستند حدیثیں بھی نقل کی گئی ہیں جن میں حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے نام نامی اور اسم گرامی مع ابنیت کے درج ہیں۔ مگر کیا فائدہ نہ اُنکے اقوال اور معتبر ماخذوں پر کوئی اعتبار کیا جاتا ہے اور نہ اُن حدیثوں کے متون اور ظاہر معنی پر کچھ لحاظ اور توجہ کی جاتی ہے بلکہ بخلاف اُن کے اپنے حسد۔ نفسانیت اور تعصب کی وجہ سے ان کی معتبر اسناد اور مستند ماخذوں کا صریح انکار کیا جاتا ہے۔ اور اصرار ہے تو اس پر کہ جناب امام آخر الزماں علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد سے ہونگے نہ کہ فرزند متصل جو بحکم خدا قریب قیامت پیدا ہونگے اور وہ تمام امور آپ سے ظاہر ہونگے جن کی خبر نصوصِ الٰہی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہوتی ہے۔
مگر یہ دعویٰ بھی بالکل زبانی ہے اور ایسا ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی جاسکتی اور نہ کسی حدیث اور کلام کا کوئی جزو یا کُل یہ ثابت کرتا ہے جس سے معلوم ہو کہ جناب امام صاحب الزماں علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے فرزند متصل نہیں ہیں بلکہ آپ کی اولاد اور سلسلۂ اعقاب سے اسی نام کے ایک بزرگ قرب قیامت پیدا ہونگے اور وہ ان تمام اوصاف سے موصوف ہونگے جو اُن کے متعلق مذکور و مسطور ہیں۔ اور وہ تمام امور بھی اُن سے اُسی طرح ظہور پذیر ہونگے جس طرح احادیث نبوی اور نصوصِ آلہیہ کے ذریعہ سے بتلائے گئے ہیں۔ اس زبانی جمع خرچ کا لیکھا جوکھا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہیں لکھا ہوا پایا نہیں جاتا اگرچہ یہ دلیل محض بے اصل اور بے بنیاد ہے اور ایسی ضعیف اور کمزور ہے جس کی ردو تنقید کی بھی چنداں ضرورت نہیں مگر بمصداق آنکہ دروغ گو را تا بدر خانہ اش بایدرسانید۔ اس لئے ہم چند حدیثیں ایسی بھی لکھے دیتے ہیں جن سے جناب امام عصر علیہ السلام کا حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا خاص فرزند ہونا ثابت

ہوجائے۔ چنانچہ امام قندوزی شیخ الاسلام قسطنطنیہ نے کتاب ینابیع المودۃ فی القربیٰ میں ایک علیحدہ باب اسی بحث میں لکھا ہے جس کے عنوان کو وہ اس عبارت کے ساتھ لکھتے ہیں۔ الباب السادس والثمانون فی ایراد القول ممن صرح من علماء الحروف والمحدثین المتکلمین ان المھدی الموعود علیہ السلام ولد الحسن العسکری۔ باب چھیاسی ان اقوال و اشارات کے بارے میں جن میں علمائے حروف اور کلام محدثین اور متکلمین اسلام نے اس امر کو تفصیل اور تصریح سے لکھا ہے کہ جناب امام آخرالزماں علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے فرزند ارجمند ہیں۔

کتاب مطالب السئول میں تحریر ہے۔ قال الشیخ الجلیل العالم الکامل من اسرار الحروف کمال الدین ابوسالم محمد بن طلحۃ ابن محمد بن الحسن الحلبی الشافعی قدس اللہ سرہ فی کتابہ مطالب السئول فی مناقب آل الرسول المھدی ھو ابن ابی محمد الحسن العسکری ومولدہ بسامرہ وھکذا ذکرہ ایضاً فی کتابہ در المنظم کما نقل ثم شیخ جلیل عالم کامل علامہ کمال الدین ابوسالم محمد ابن طلحہ ابن محمد بن الحسن الحلبی الشافعی قدس اللہ سرہ اپنی کتاب مطالب السئول فی مناقب آل الرسول علیہم السلام میں تحریر فرماتے ہیں کہ جناب مہدی آخرالزماں علیہ السلام حضرت ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام کے فرزند ارجمند ہیں جو شہر سامرہ میں پیدا ہوئے۔ اور علامہ موصوف نے ایسا ہی ذکر آپ کے متعلق اپنی کتاب در المنظم میں بھی تحریر کیا ہے جو مطالب السئول سے پہلے کی تصنیف ہے۔ والکامل باسرار الحروف صلاح ابن صفدی فی شرح الدائرۃ ان المھدی الموعود الامام الثانی عشر من الائمۃ اولھم سیدنا علیؑ وآخرھم المھدی رضی اللہ عنھم ونفعنا اللہ بھم۔ شیخ اجل کامل باسرار الحروف علامہ صلاح الدین صفدی شرح الدائرہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے طبقہ میں بارہویں امام حضرت مہدی موعود علیہ السلام ہیں اور ان میں سے پہلے حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام اور آخر حضرت مہدی آخرالزماں علیہ السلام ہیں۔ خداتعالیٰ اُن سے راضی ہوا اور ہم کو اُن سے مستفید و مستفیض فرمائے۔

قال الشیخ المحدث الفقیہ ابوعبداللہ محمد ابن یوسف ابن محمد الگنجی رحمہ اللہ فی کتابہ البیان فی اخبار صاحب الزمان فی آخر باب العشرین وھو آخر الابواب۔ ان المھدیؑ ولد الحسن العسکری علیہ السلام حی موجود باق منذ غیبتہ الی الآن ولا امتناع فی بقائہ بدلیل بقاء عیسیؑ والخضر والیاس علیھم السلام۔ شیخ فقیہ محدث ابوعبداللہ محمد بن یوسف ابن محمد الگنجی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان علیہ السلام کے آخر بیسویں باب میں جو کہ سب کا آخری باب ہے لکھتے ہیں کہ جناب امام مہدی علیہ السلام امام حسن عسکری علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں اور آپ اپنی غیبت کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک زندہ و قائم اور موجود ہیں اور آپ کی بقا سے کوئی انکار نہیں ہوسکتا اور آپ کی بقا پر وہی دلائل قائم ہوسکتی ہیں جو حضرت عیسیٰ خضر اور الیاس علیٰ نبینا وآلہ وعلیہم السلام کے وجود اور بقا پر قائم ہیں۔

قال الشیخ المحدث الفقیہ نورالدین علی ابن محمد المالکی فی کتابہ فصول المھمۃ ان المھدی الموعود ابن ابی محمد الحسن العسکری ابن علی النقی علیھما السلام۔ شیخ محدث الفقیہ نورالدین علی ابن محمد المالکی اپنی کتاب فصول المہمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے بیٹے اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔

قال الشیخ المحدث الفقیہ محمد ابن ابراھیم الحموینی الجوینی الشافعی فی کتابہ فرائد السمطین عن دعبل الخزاعی عن علی الرضا ابن موسی الکاظم علیھما السلام قال ان الامام من بعدی ابنی محمد

الجواد التقی ثم الامام من بعد ابنہ علی ن الھادی النقی ثم الامام من بعدہ ابنہ الحسن العسکری ثم الامام من بعدہ محمد ن الحجۃ المھدی المنتظر فی غیبۃ المطاع فی ظھورہ کما تقدم فی باب الثمانین ۔ شیخ فقیہ محمد ابن ابراہیم الحموینی الجوینی الشافعی نے اپنی کتاب فرائد السمطین میں دعبل الخزاعی کی اسناد سے تحریر فرمایا ہے کہ جناب امام علی رضا ابن حضرت موسیٰ کاظم علیہما السلام نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد میرا بیٹا محمد الجواد الملقب بہ تقی امام ہوگا اور اس کے بعد اس کا بیٹا علی الہادی الملقب بہ نقی امام ہوگا۔ اور اس کے بعد اس کا بیٹا حسن عسکریؑ امام ہوگا۔ اور اس کے بعد اس کے صاحبزادے محمدؑ حجۃ المہدی امام ہونگے اور انہی کے ایام غیبت میں انتظار کرنا ہوگا اور انہی سے امید لگانا ہوگا۔

(ینابیع المودۃ فی القربیٰ صفحہ ۴۳۹)

ہم ان اقوال کو اوپر بھی لکھ چکے تھے مگر اس تکرار اور ہٹ دھرمی کی ضد اور اصرار نے پھر ان کی تکرار اور اعادہ پر مجبور کر دیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اتنے مستند اور معتبر علماء و محدثین کے معتقدات اور ارشادات کے مقابلے میں ان تعصب اور نفسانیت کے قیاسات اور لغویات کا کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال ان اقوال و ارشادات سے ہمارے بیان اور دعوے کی پوری تصدیق و توثیق ہو گئی۔ اور اس کے ساتھ ان لغویات و حشویات کی تنقید و رد بھی ہو گئی جو محض حسد، نفسانیت اور تعصب کی بناء پر مبنی تھے۔

ان اقوال و ارشادات نے تنہا انہی لغویات کو رد نہیں کر دیا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے سلسلۂ اعقاب میں حضرت امام مہدی آخرالزماں علیہ السلام ہونگے ان کا آپ کے صُلبِ متصلہ سے ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ آپ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے صُلبِ متصل سے آپ کی حیات ہی میں پیدا ہو چکے۔ ان شہادتوں نے آپ کے قرب قیامت پیدا ہونیوالی دلیل کو بھی قطع کر دیا۔ کیونکہ امام ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں صاف لفظوں میں لکھدیا ہے وعمرہٗ عند وفات ابیہ خمس سنین ۔ آپ کا سن اپنے والد ماجد کی وفات کے وقت پانچ برس کا ہو چکا تھا۔ امام ابن حجر مکی کے علاوہ خواجہ محمد پارسا نے اپنی کتاب فصل الخطاب میں آپ کی ولادت باسعادت کے تمام حالات و واقعات پوری تفصیل اور تشریح کے ساتھ درج فرمائے ہیں اور آپ کی کم سنی اور طفولیت کے اوقات میں آپ کے اعجاز و کرامات اور خوارق عادات کے اثبات میں مندرجۂ ذیل دلائل قائم کی ہیں۔ وقالوا اٰتاہ اللہ تبارک وتعالیٰ الحکمۃ وفصل الخطاب وجعلہ اٰیۃ للعٰلمین کما قال اللہ تعالیٰ یٰیحییٰ خذ الکتاب بقوۃ واٰتیناہ الحکم صبیًا وقال اللہ تعالیٰ قالوا کیف نکلم من کان فی المھد صبیا وطول اللہ تبارک وتعالیٰ عمرہٗ کما طوّل عمر خضر والیاس علیہما السلام ۔ اور کہا جاتا ہے کہ خداوند تبارک و تعالیٰ نے آپ کو علم و حکمت قوتِ فیصلہ اور عدالت عطا فرما کر آپ کی ذات قدسی صفات کو دنیا کیلئے اپنی خاص حجت اور آیتِ ہدایت قرار دیا تھا جس طرح کہ حضرت یحییٰ علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کے احوال میں ارشاد فرماتا ہے کہ اے یحییٰ مضبوط ہو کر یہ کتاب لیلو۔ اور ہم نے امارت اور سرداری اس کو بچپن ہی سے عنایت فرمائی تھی۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کے متعلق خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اور کہا انھوں نے کہ وہ کیسے بولیگا جو ابھی تک گہوارے کے اندر ہے اور خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپ کو طول بقا کی نعمت اسی طرح عطا فرمائی ہے جسطرح یہ دولت حضرت خضرؑ اور الیاسؑ علیٰ نبینا و آلہ و علیہما السلام کو عنایت فرمائی تھی۔

کیا اس سے روشن اور واضح تر تصدیق و توثیق اور بھی درکار ہے۔ وہ کون لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اٰذان لا یسمعون بھا۔ اولٰئک کالانعام بل ھم اضل کے اصلی مفہوم ہونگے جو ایسی معتبر اور مستند شہادتوں پر بھی اعتبار نہ کرکے اپنے علمائے معتبرین اور فضلائے کاملین کے اقوال و ارشادات سے انکار کریں۔

اسی طرح فصول المہمہ میں امام ابن صباغ مالکی نے اور امام محمد ابن طلحۃ الشافعی نے مطالب السئول میں اور محمد ابن یوسف الگنجی نے کتاب البیان میں آپ کی ولادت کے واقعات اور تمام حالات وغیرہ کو پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ اتنے محدثین، مورخین، علماء اور فضلاء کے علمی اخبار و آثار کے مقابلہ میں عوام الناس کا انکار کیا مفید کار ہو سکتا ہے۔ ان تمام وجوہ کو پیش نظر رکھکر کیا کوئی شخص بھی ایسے مسئلہ کو سواد اعظم کا متفق علیہ مسئلہ سمجھ سکتا ہے۔ نہیں کبھی نہیں۔ اس لئے ہمارے ناظرین کو سمجھ لینا چاہیئے کہ جو لوگ اس مسئلہ کو سواد اعظم میں متفق علیہ بتلاتے ہیں، اُن کے دلائل او رعقائد خاص کر حسد۔ نفسانیت اور تعصب کے اصول پر مبنی ہیں جنکا ذکر ہم پوری تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں۔

سچ پوچھو تو یہ بھی اُن کی ابلہ فریبی کی ایک حُسنِ تدبیر ہے کہ ایک مسئلہ متفقہ کو جسکو اتنے علمائے روزگار اور فضلاء ذی اعتبار تسلیم کر چکے ہوں۔ متنازع فیہ اور مختلف عنہ بتلانا صاف طور سے ثابت کر رہا ہے کہ اُس بزرگوار کی ذات مجمع الصفات سے ان لوگوں کو ایک خاص کد اور ضد منظور ہے ورنہ حقیقتِ حال اس کے برعکس ظاہر کر رہی ہے کہ ایسا صاف اور سلجھا ہوا مسئلہ جس پر اس فرقہ کے علمائے معتبرین اور فضلائے کاملین نے ایسے خلوص اور عقیدت کے ساتھ متواتراً اور متعدد اقرار و اعتراف کئے ہوں وہی مسئلہ متفقہ اور مسلّم قبول کئے جانے کے عوض میں مختلف فیہ سمجھا جائے۔ انہی سے سمجھ لینا چاہیئے کہ حقیقتِ حال کیا ہے؟ صرف تعصب۔ نفسانیت۔ طمع دولت اور سلطنت کی خوشامد ہے۔ جو ان لوگوں سے استخفافِ امرِ حق کا گناہ بھی کرا رہی ہے اور مفت عالم فریبی حیلہ بازی اور مکر سازی کیلئے انکو خطاوار بھی بنا رہی ہے بہر حال۔ اسی کے ضمن میں ابھی ایک جملہ معترضہ کا بیان کرنا میرے ذمہ باقی رہا جاتا ہے کہ بعض تعصب سے بھرے اور حسد اور نفسانیت سے پُر اشخاص کا خیال ہے کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی اولاد سے ہوں گے نہ کہ جناب امام حسین علیہ السلام کی ذریت سے۔ اصل میں یہ فضولیات بھی انہی گزشتہ لغویات کا ایک ضمیمہ ہے اور کچھ بھی نہیں۔ چونکہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی صلب متصلہ مطہرہ سے آپ کا وجود میں آنا تمام نصوص اور اخبار و آثار سے ثابت ہوتا تھا اور سلطنتِ مخالف پے درپے ہیچ توڑ کوششیں کر رہی تھی کہ کسی طرح جناب قائم آلِ محمد علیہ التحیہ والثنا کا وجود دنیا میں مشہور اور ثابت نہ ہونے پائے جیسا کہ ابتدائے کتاب میں پوری تفصیل اور کامل تشریح کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اسلئے محض عوام الناس کے بہکانے اور ورغلانے کے قصد سے یہ مشہور کر دیا گیا کہ حضرت امام مہدی آخرالزماں علیہ السلام حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے نہیں ہونگے بلکہ جناب امام حسنؑ بن علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی اولاد اعقاب سے ہونگے۔ اس ترکیب و ترغیب سے آپ کے متعلق امام حسن عسکری علیہ السلام کے فرزند صلبی اور متصل ہونیکا دعوےٰ کٹ جاتا ہے۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔ یہ دعوےٰ بھی ضعیف سے ضعیف اور محض بے دلیل ہے جو تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ غیر مستحکم اور ناپائدار ہے۔ اگرچہ جناب مہدی آخرالزماں علیہ السلام کا اولادِ حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہونا حد تواتر تک پہنچ چکا ہے۔ اور اس کی تصدیق و توثیق کی بھی چنداں ضرورت نہیں معلوم ہوتی مگر چونکہ ہم اپنی بحث کے کسی پہلو کو بغیر کسی دلیل کے نہیں چھوڑنا چاہتے۔ اِس لئے اپنے قدیم دستور کے مطابق ہم ذیل میں وہ حدیثیں بھی لکھے دیتے ہیں جن سے جناب مہدی موعود علیہ السلام کا حضرت امام حسین علیہ السلام کی خاص ذریت ہے۔ کالشمس فی نصف النہار ظاہر و آشکارا ہو جائے چنانچہ امام دارقطنی کتاب الجرح والتعدیل میں حضرت ابوسعیدؓ خدری کی اسناد سے لکھتے ہیں۔ ان النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم مرض ومرضہ ثقیلۃ فدخلت علیہ فاطمۃ علیہا السلام وانا جالس عندہٗ ولما رأت مابہ من الضعف خنقنا العبرۃ الحدیث ھو انضرب علی منکب الحسین علیہ السلام وقال من ھذا مھدیٔ ھذہ الامۃ سلام اللہ علیھم۔

ایک بار جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرضِ سخت لاحق ہوا تو جناب سیدہ سلام اللہ علیہا خدمت مبارک میں اسوقت حاضر ہوئیں جبکہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور آپ میں اسوقت ضعف ونقاہت کے تمام آثار موجود پاکر جناب سیدۃ کو گریہ گلوگیر ہوا۔ اسوقت آپ نے اس حدیث کی عبارت ارشاد فرمائی تھی اس طرح کہ جناب امام حسین علیہ السلام کے شانہ پر آپ نے ہاتھ مارا اور یہ فرمایا کہ اس امت کا مہدی سلام اللہ علیہ اسی سے پیدا ہوگا۔

سُنَن ابوداؤد میں اس حدیث کو ثقاتِ حفاظ کے اعلیٰ ترین رُوات سے لکھا ہے اور ناقلینِ اخبار کی اسنادسے اسمہ اسمی اتنی عبارت کا اور اضافہ فرمایا ہے اور یہ بھی لکھدیا ہے کہ جن احادیث میں اسم ابیہ اسم ابی پایا جاتا ہے وہ حقیقت میں بڑھایا گیا ہے اور اصل حدیث سے زیادہ ہے صحیح ترمذی میں بھی یہ حدیث موجود ہے مگر اس میں بھی اسم ابیہ اسم ابی موجود نہیں ہے۔

اخطب الخطباء سوادِ اعظم امام خوارزمی کتاب المناقب میں حضرت سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ کی اسناد سے لکھتے ہیں۔ دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واذا الحسین ابن علی ابن ابیطالب علیہ السلام علی فخذہ وھو یقبل عینیہ ویلثم فاہ وھو یقول انت سید ابن سید اخو سید انت امام ابن امام واخو امام انت حجۃ ابن حجۃ اخو حجۃ وانت ابو حجج تسعۃ تاسعھم قائمھم۔ جناب سلمان فارسی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت جناب امام حسین علیہ السلام کو اپنی آغوشِ مبارک میں لئے ہوئے اُن کی آنکھوں کے بوسے لے رہے ہیں اور اُن کے دہن مبارک میں اپنی زبانِ مطہر دیرہے ہیں اور یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تو سید ہے سید کا بیٹا ہے سید کا بھائی ہے تو امام ہے امام کا بیٹا ہے امام کا بھائی ہے تو حجت خدا ہے حجت خدا کا بیٹا ہے اور حجت خدا کا بھائی ہے اور تو حجتہائے خدا کا باپ ہے جس کا نواں قائم علیہ السلام ہے۔

پھر اُسی کتاب میں جناب امام حسین علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں ایک بار اپنے جدِ بزرگوار جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اپنے زانوئے مبارک پر بٹھلا لیا اور ارشاد فرمایا کہ خدائے سبحانہ تبارک وتعالیٰ شانہ تیرے صُلبِ مطہر سے نو ائمہ علیہم السلام کو پیدا کریگا جن میں کا نواں اُن کا قائم علیہ السلام ہے۔ اور وہ سب کے سب خدائے تعالیٰ کے نزدیک فضل ومنزلت کے اعتبار سے مساوی اور برابر ہیں۔ ہم نے اتنی حدیثیں اپنے دعوے کی تصدیق میں لکھدیں جن کو دیکھکر ہر شخص بآسانی سمجھ لیگا کہ اس غلط مشتبہ محض فضول گمان اور بالکل بے اصول دعوے کی حقیقت ہی کیا ہے۔ یہ عجیب طرح کے عقائد ہیں اور نئے انداز کے طریقے کہ سُنن وحدیث کیا صحاح تک کی کتابیں تو کیا بتلائیں اور ہم اس کے معنے کیا سمجھیں اور پھر ہٹ دھرمی یہ کہ خم ٹھونک کر مقابلہ پر آمادہ ہیں ؎ تو کارِ زمیں رانکو ساختی ✤ کہ با آسماں نیز پرداختی۔

اب ہم اپنے ناظرینِ کتاب کو یہ بھی بتلائے دیتے ہیں کہ سوادِ اعظم میں اس عام غلط فہمی جہالت اور عدمِ واقفیت کا سبب کیا ہوا۔ ان لوگوں کو جو سب سے زیادہ شبہ ہوا وہ صرف محمد ابن حسن علیہ السلام کی ابنیت کی تخصیص ہے۔ چونکہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کو بھی حسن ابن علیؑ کہتے تھے۔ اور حضرت امام حسن علیہ السلام کو بھی حسن ابن علیؑ۔ اس وجہ سے ان لوگوں نے اپنی ناواقفیت کے باعث جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے عوض میں حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو مراد لے لیا۔ اور یہ تمام فساد زیادہ تر اسی بناپر واقع ہوا۔ چونکہ اس فرقہ کو حقیقتاً حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مقدس دائرہ سے کچھ ایسا تعلق ہی نہ تھا۔ اسلئے ان لوگوں نے اپنی موجودہ غلط فہمی کی اصلاح کیلئے کوئی تلاش اور توجہ نہ کی اور جتنا سمجھے تھے اتنا ہی سمجھکر رہ گئے اور وہی عدم واقفیت اور جہالت اُس وقت سے لیکر اس وقت تک ان تمام حضرات سے اس مسئلہ خاص میں طرح طرح کے عقائد اور مفاسد کا اظہار کرا رہی ہے۔ جن لوگوں نے علم الحدیث اور علم الرجال کی کتابوں کا مطالعہ فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ فقہاء اور محدثین کو خصوصاً اور تمام ناقلینِ اخبار کو عموماً اکثر ایسے شبہے واقع ہوجایا کرتے ہیں

اور ایسا صرف ان کے سہو انسانی اور کثرتِ مشغولیت کے سبب سے ہوتا ہے۔ مگر نقادِ فنِّ حدیث و رجال کے سامنے جب یہ مخدوش اسنادیں پیش کی جاتی ہیں تو وہ ایسے اقوال کو اصل مؤلف کی سہو سمجھکر اس کی عبارت پر حاشیہ چڑھا دیتے ہیں اور اس کو صحیح کر دیتے ہیں چنانچہ سوادِ اعظم کے اہل تحقیق نے جن کے نام نامی اوپر لکھے گئے ہیں اپنے فرقہ کی آگاہی اور عام ہدایت کی غرض سے لکھدیا کہ تم کو جو محمد بن حسن ابن علی علیہم السلام کا نام نامی دیکھکر دھوکا ہوتا ہے وہ ہرگز واقعات نہیں ہیں جیسے کہ تم سمجھتے ہو۔ یا تم کو بسبب نفسانیت اور تعصب سے جیسا کچھ سمجھایا جاتا ہے۔ چونکہ تین پشت تک لگاتار ان بزرگوں کے یہ نام بجنسہٖ ایک ہیں اسلیئے دہوکا دینے والوں اور فریب دینے والوں کو عام طور سے اپنی اس امید فریبی کا موقعہ ملگیا ہے ورنہ حسن ابن علی علیہما السلام سے یہاں حضرت امام حسن عسکری علیہما السلام حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے صاحبزادے مراد ہیں اور آپ کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔ بات اتنی ہی تھی جو لکھی گئی مگر چونکہ سلطنت مخالف کو اس مسئلہ کے ساتھ ایسے مخالفانہ اور ظالمانہ انتظام پورے کرنے تھے اور یہ منظور تھا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی کوئی ولد ثابت نہ ہو اور حضرت مہدی صاحب العصر علیہ السلام سے متعلق تمام باتیں ناقص تمام ہوں اسلئے عام طور سے ان تمام اخبار و آثار کے مٹانے اور چھپانے میں جی توڑ کر کوشش کی گئی۔ چونکہ علماء و فضلاء و محدثین و مفسرین تمام لوگ سلطنت کے دست نگر اور زیر اثر ہو رہے تھے اسلئے انھوں نے بھی خلیفۂ عصر کی کورانہ تقلید اختیار کی۔ جہاں تک ان سے ہوسکا ان اخبار و آثار کے ظاہر او واضح متون اور صاف اور ستھرے معنی میں نقل و ایزاد کے خاص نقائص پیدا کرکے ان امور کو عام طور سے مشکوک اور مشتبہ بنا دیا جیسا کہ اوپر کئی مقام پر دکھلا دیا گیا ہے۔ مگر باایں ہمہ جن کے دیدۂ بصیرت کشادہ ہیں اور حقیقت حال سے واقف ہو چکے ہیں اور واقف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ بہر تقدیر یہ بحث بھی تمام ہوئی اور شبہہ بھی رفع ہوا۔ ایک دوسرا شبہہ اب اس میں یہ پیدا کیا جاتا ہے کہ نہیں۔ جناب امام آخر الزمان علیہ السلام پیدا ہوئے اور سنہ ۳۲۲ ہجری میں یا انہی ایام کے قریب انتقال بھی فرما گئے۔ یہ نئی منطق اور جدید فلسفہ بھی عام لوگوں کی ایجاد نہیں ہے بلکہ اچھے اچھے پڑھے لکھے آدمیوں کی ایزاد کا نمونہ ہے (دیکھو خطبات احمدیہ) ڈاکٹر سر سید احمد خان بہادر مرحوم نے بھی ایسا ہی لکھا ہے جن کی عظمت و جلالت کو اس وقت جدید طبقہ ہندوستان کے مسلمان مانتے ہیں اور ان کو کسی حیثیت میں امام اربعہ سے کم نہیں جانتے۔

ہم نے یہاں تک اس نکتہ کے بارے میں تحقیق سے کام لیا ہے ہم کو یہ ثابت ہوگیا ہے کہ یہ خیال اور یہ وہم بھی سر سید مرحوم کی خاص ایجاد نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی وہی قدیم آثار و اخبار ہیں جو سلطنت عباسیہ کی طرف سے اس امر حق کے چھپانے کی کوششوں میں بڑے بڑے علماؤ فضلاؤ محدثین وغیرہم کے ذریعے سے سوادِ اعظم کی کتب معتبرہ میں خاص طور پر لکھوا دیئے اور بلادِ اسلامیہ کے تمام گوشوں میں مشتہر اور منتشر کرا دیئے گئے تھے۔ پھر اس کی ایجاد خاص کا سہرا غریب سر سید مرحوم ہی کے سر کیوں باندھا جائے۔ اور اگر باندھا جائے تو پہلے معتمد اور معتبر اُن کے درباری علماؤ فضلاء کے سر پر باندھا جائے سید صاحب مرحوم کو اس امرِ خاص میں جو کچھ امتیازی اعزاز حاصل ہوسکتا ہے وہ صرف بلا تحقیق اس غلط افواہ کے نقل کر دینے کی عزت ہے جو اس مسئلہ میں پہلی بار نہیں تسلیم کیجا سکتی بلکہ اس سے قبل بھی کئی بار بہت سے مسائل اسلامیہ اور احکام شرعیہ میں آپ کو یہ منصب اور اعزاز حاصل ہو چکا ہے۔

بہرحال محض تمہیداً اتنا عرض کرکے اب ہم اپنے اصلی مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حقیقتاً یہ تمام شبہات جو اوپر لکھے گئے ہیں اور اب بھی زیر بحث ہیں بالکل بے اصل اور محض بے دلیل ثابت ہوتے ہیں۔ اور ضلالت و تعصب کے ایسے اعتقاد رکھنے سے اصل اسلام اور حقیقی ایمان رخصت ہوجاتا ہے کیونکہ ان عقائد اور مفاسد سے خدا و رسول کی (معاذ اللہ) تکذیب واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ جو کچھ جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے وہ من و عن

ترجمۃ الوحی ہے جیسا کہ آیہ کریمہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى سے مفہوم ہوتا ہے۔ اِس بنا پر جو حدیثِ رسول ہے وہ حکمِ خدا سمجھی جائے گی۔ زاں بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان۔ اب جبکہ اس مسئلہ میں وہ تمام حدیثیں جو اسانید معتبرہ کے ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہیں دیکھی جاتی ہیں۔ تو وہ اخبار و آثار جو شیوعِ اسلام سے لیکر اِس وقت تک اسلام کی تمام قوموں میں شائع ہیں بالکل جھوٹے اور غلط ٹھیرتے ہیں۔ کیونکہ اِن تمام اخبار میں جہاں جہاں جناب مہدی آخر الزماں علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایسے صاف صاف لفظوں میں تحریر ہے کہ هُوَ حَيٌّ قَائِمٌ جیسا کہ اوپر کے معتبر اور مستند علمائے حدیث کے مختلف اقوال و ارشادات سے تحریر ہو چکا ہے۔ خواجہ محمد پارسا کتاب فصل الخطاب میں آپ کے طولِ بقا کی نسبت لکھتے ہیں طوّل اللہ تبارک وتعالیٰ عمرہٗ کما طوّل عمر خضر والیاس علی نبینا وآلہ و علیہما السلام (یعنی خداوند تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بھی طول عمر کی ویسی ہی دولت عطا فرمائی ہے جیسی کہ حضرات خضر و الیاس علی نبینا وآلہ وعلیہما السلام کو عطا فرمائی ہے۔

امام المحدثین محمد ابن یوسف الگنجی الشافعی نے بھی کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان علیہ السلام میں اِس بحث کے متعلق یہ عبارت تحریر فرمائی ہے۔ المهدی ولد الحسن العسکری علیہ السلام فهو حیّ موجود باقٍ منذ غیبته الی الآن ولا امتناع فی بقائه بدلیل بقاء الخضر والعیسیٰ والیاس علی نبینا وآلہ وعلیہم السلام۔ جناب امام مہدی علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں اور حیّ و قائم ہیں اور اپنی غیبت کے وقت سے اسوقت تک باقی اور قائم ہیں اور آپ کے مسئلہ بقا میں کوئی انکار یا امتناع بقاء حضرت خضرؑ وعیسیٰؑ والیاسؑ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہم السلام کی بقا کے اصول پر نہیں ہو سکتا۔ اب اگر ان اقوال و ارشادات کے آگے وہ قول صحیح مانا جائے تو یہ تمام اخبار و آثار باد ہوا ہوئے جاتے ہیں۔ اِن مختلف فیہ اقوال کو جمع کرنے سے ایک شخص واحد پر اجتماع ضدین ثابت ہوتا ہے کیونکہ ایک گروہ تو اُسے ایک وقتِ خاص پر مردہ خیال کرتا ہے اور دوسرا گروہ بالکل برعکس اُن کے اس کو روزِ ولادت سے لیکر جس کو ہزار سال کے قریب ہوتے ہیں اسوقت تک حیّ القائم سمجھتا ہے۔ اور اس کی طولِ بقا کے دلائل و اثبات میں حضراتِ عیسیٰؑ خضرؑ اور الیاسؑ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہم السلام کی قوی اسناد پیش کرتا ہے۔

ہم نے جہانتک اِن مختلف فیہ اقوال پر اپنی تحقیق کی نظر ڈالی ہم کو یہ ثابت ہوا کہ یہ تمام بیجا اور مخالفانہ تلا ویلات صرف اُن حضرات کے حسد و نفسانیت کی تحریک و اشتغال پر مبنی ہیں جو فضائل و مناقب حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مٹانے اور ان اخبار و آثار کے نیست و نابود کرا دینے پر تلے ہوئے تھے اور محض بے اصل اور بلا وجہ واقعات کو جنکی اصل مبحث سے کوئی واسطہ نہ تھا معرض بحث میں ڈالکر خواہ مخواہ اصل مطلب کو اگر خبط و بے ربط نہیں تو کم سے کم مشکوک اور مخدوش تو ضرور بنا دیتے تھے۔ چنانچہ اس غلط فہمی کی بنا پر شبہ پیدا کیا گیا ہے۔ اسکی حقیقتِ حال یہ ہے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے ایک اور صاحبزادے موسیٰ نامی تھے جو جناب امام مہدی علیہ السلام سے سن و سال میں ضرور بڑے تھے مگر اُن کا انتقال آپ کے سامنے ہی ہو گیا۔ چنانچہ ان کا ذکر ملّا مجلسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب بحار الانوار جلد سیزدہم میں فرمایا ہے۔ یہ خبر ان لوگوں کو ہو گئی۔ پھر کیا تھا دیوانہ را ہوئے بس است۔ کا مضمون ہو گیا۔ اتنا شوشہ پاتے ہی اپنے مطلب اپنی غرض اور اپنی گوں گانٹھنے کے لئے مضامین ترشنے لگے۔ اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے ایک صاحبزادے کے انتقال فرمانے کی ذرا سی بات پا کر بلا تحقیق و تخصیص فوراً اُن صاحبزادے کو حضرت مہدی امام الزماں قرار دے لیا گیا۔ اور اس ترکیب سے آپ کے وجودِ ذی جود اور تمام حالات اور واقعات کو عوام کالانعام کے آگے مخدوش و مشکوک کر دیا۔ مگر توبہ۔ نظام ربانی کے آگے اغوائے انسانی کی نہ چلی ہے اور نہ کبھی چلے گی۔ صاحبانِ بصیرت اور اربابِ حقیقت نے

اُن کی اِن ابلہ فریبیوں کا سارا پردہ کھول کر رکھ دیا اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی نکال جدا کر کے بتلا دیا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے جس صاحبزادے کی وفات ثابت کی جاتی ہے اُن کا نام موسیٰ تھا۔ اور وہ سن و سال میں جناب قائم علیہ السلام سے بڑے تھے۔ ان کی ولادت حضرت امام علی نقیؑ علیہ السلام کے زمانہ امامت میں واقع ہوئی تھی اور وہ قریب بزمانہ غیبت کبریٰ رنگراے عالم جاودانی ہوئے۔ اور بعض علماء اور محققین کی تحقیق اور مختار یہ ہے کہ ان کی ولادت جناب امام آخرالزماں علیہ السلام کی ولادت سے کچھ پیشتر ضرور واقع ہوئی۔ ان کا نام نامی موسیٰ علیہ السلام ضرور تھا۔ مگر انھوں نے ایامِ رضاعت ہی میں انتقال فرمایا۔ ملا علیہ الرحمۃ نے وہ خطوط بھی لکھے ہیں جو مومنین مخلصین کی طرف سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں اظہار تعزیت کی غرض سے لکھے گئے تھے پھر اُنھوں جو جواب لکھے گئے وہ بھی تحریر کئے گئے ہیں۔

اصل حقیقت تو یہ ہے مگر چونکہ حسد، تعصب اور نفسانیت کی یہاں یہ کیفیت ہو رہی تھی کہ کوئی کیسی ہی ضعیف، غیر معتبر اور مقطوع الاسناد روایت مگر اپنے مطلب اور اپنی غرض سے جہاں ملتی ہوئی پائی گئی پھر کیا تھا۔ رائی کا پربت بنا دیا گیا۔ چونکہ اس روایت سے آپ کے ایک صاحبزادے کی وفات پانے کی خبر معلوم ہوتی تھی اور یہ ان کے مطلب کی خاص بات تھی۔ اس لئے موسیٰ کے نام کو جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے خاص نام سے بدلکر مشہور کر دیا۔ چونکہ یہ مسئلہ ہندوستان کے ایک بہت بڑے مشہور و معروف بزرگ کا مختار ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے ہم کو کتب تواریخ میں اس کی خاص طور پر تحقیق اور تلاش کرنی ضرور ہوئی۔ چنانچہ ہم نے فریقین کی اکثر کتبِ معتبرہ کو بالاستیعاب دیکھا مگر سوائے کتاب مستطاب بحار الانوار کے حضرت موسیٰ ابن جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی ولادت اور پھر ایام رضاعت ہی میں اُن کے مرجانے کی تفصیل کو منقول و مذکور نہیں پایا۔ اِس لئے اُن کی ولادت اور وفات کے حالات اول تو معیارِ صداقت پر کامل نہیں اُترتے اور اگر صحیح بھی مانے جائیں تو ایام رضاعت ہی میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے سامنے ان کا انتقال فرمانا صحیح و معتبر سمجھا جائے گا۔ کیونکہ یہ واقعہ خلافِ مشہور اور مخالفِ جمہور ثابت ہوتا ہے۔ اگر بر تقدیر اول جناب موسیٰ کی ولادت کو حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے زمانۂ امامت میں تسلیم کیا جائے اور ان کی وفات قریب غیبت جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے تو سرے سے تواریخ اسلامی کے تمام واقعات غلط ثابت ہو جاتے ہیں جو جعفر تواب کی طرف سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے وقت اُن کے ترکہ کی نسبت معتمد کے دربار میں استغاثہ کے طور پر پیش کئے گئے تھے۔ کیونکہ اس روایت کی بنا پر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی رحلت کے زمانہ میں جناب موسیٰ ضرور بالغ ثابت ہوتے ہیں۔ جب یہ حالت تھی تو پھر موسیٰ کو جعفر تواب کے مقابلے میں اپنے والد بزرگوار کے جائز دعوائے وراثت سے علیحدگی اور کنارہ کشی اختیار کرنے کی کیا وجہ ہوئی۔ کیونکہ احکام شرعیہ کے مطابق ان کی موجودگی میں جعفر کو کوئی شے نہیں رہتے۔ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے جملہ متروکات و مقبوضات کے جائز وارث اور حقیقی مالک ہوتے۔ مگر کسی چھوٹی یا بڑی اسلامی تاریخ یا تذکرہ میں اِن بزرگوار کا کہیں کوئی واقعہ درج نہیں ہے متروکات و مقبوضات جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے متعلق یہاں تک کہ ان کی نماز باجماعت کے مسئلہ تک جو کچھ منازعت پائی جاتی ہے اور تواریخ و سیر سے ثابت ہوتی ہے وہ صرف جعفر تواب اور حضرت صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان۔ موسیٰ کا تو کہیں بھی نام نہیں لیا گیا۔ چنانچہ شیعوں سے تسلیم کرا دیئے جانے کی نسبت جو جعفر نے معتمد سے خاص طور پر کوشش کی تھی اُس کے جواب میں معتمد نے شیعوں کو بلوایا اور جو جواب دیا وہ اس کتاب میں پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔ اسی سے ظاہر ہے کہ اگر واقعی موسیٰ بھی کوئی شے ہوتے تو ان تمام واقعات اور حالات میں ان کا ذکر بھی پایا جاتا۔ اس لئے یہ خیال کرنا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے بیٹے موسیٰ نامی عمر طبعی کو پہنچکر ۳۲۹ھ ہجری میں رحلت فرما ہوئے محض غلط ہے۔ فریقین کے رجال میں کہیں ان بزرگ کا نام نہیں پایا جاتا۔ بات اتنی ہے کہ حضرت امام حسن عسکری

علیہ السلام کے ایک صاحبزادے جو جناب قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا علیہ السلام سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔ وہ ایامِ رضاعت میں ہی انتقال فرما گئے تھے۔ چلو۔ ہو چکا۔ اتنی سی بات کو اتنا کر دیا گیا۔ اصل حقیقت یہی ہے کیونکہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد کی نسبت علمائے فریقین نے یک زبان ہو کر تحریر فرمایا ہے ولا عقب لہ الا المہدی آخر الزمان علیہ السلام یعنی امام حسن عسکری علیہ السلام کے بعد سوائے جناب امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام کے کوئی دوسری اولاد باقی نہیں رہی۔

الغرض جب امام ابن حجر مکی۔ ابن صباغ مالکی۔ علامہ یوسف ابن محمد الگنجی الشافعی۔ امام ابو الفرج اصفہانی۔ علامہ تفتازانی امام حموینی۔ شیخ محی الدین مالکی۔ شیخ محی الدین عربی۔ عبدالرحمٰن بسطامی۔ علامہ سید احمد نمیری۔ اور خواجہ محمد پارسا وغیرہم کے ایسے ایسے بزرگوار جو شریعت و طریقت دونوں طریقوں کے مقتدا تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس مسئلہ مخصوصہ میں متفق الکلام و متحد البیان و ہمزبان ہیں کہ امام یازدہم حضرت ابو محمد حسن العسکری علیہ السلام کی کوئی اولاد و اعقاب سوائے جناب امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام کے اور نہیں تھی۔ تو پھر ایسے ایسے معتبرین و مستندین شرع و ملت کے مقابلہ میں کسی دوسرے شخص کے کسی اضافہ یا شبہ پر کوئی خیال یا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت میں یہ شبہ اور یہ قیاس ایسا بے اصل اور بے دلیل ہے کہ کسی سطح پر قائم نہیں رہ سکتا۔ عرب میں قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ باپ کی کنیت اس کے بڑے بیٹے کے نام سے مشہور ہوتی ہے اور یہ ایسا دستور ہے کہ جہالت سے لیکر اسلام کے وقت تک برابر قائم رہا۔ اور اسلام نے اس میں کوئی نقص یا کوئی عیب نہ پاکر اس میں کوئی تغیر یا تبدل نہیں کیا۔ اور اس کو اسکی خاص حالت میں چھوڑ دیا۔ تو پھر اس عام اور قدیم دستور کے مطابق اگر واقعی موسیٰ ابن حسن عسکری علیہ السلام کا وجود دنیا میں کسی مدت تک قائم رہا ہوتا تو ضرور تھا کہ آپ موسیٰ کی کنیت سے مشہور کئے جاتے مگر نہیں یہاں تو اس کے خلاف آپ کی مبارک کنیت ابو محمد علیہ السلام بین الفریقین والجمہور مشہور ہے۔ اس کے کیا معنی؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ موسیٰ ابن حضرت حسن عسکری علیہ السلام اپنے ایامِ رضاعت کے ایسے ابتدائی زمانہ میں رحلت فرما گئے کہ ان کے نام سے اُن کی کنیت کسی طرح مشہور کئے جانے کے قابل نہیں سمجھی گئی۔ بلکہ بخلاف اس کے آپ جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کے اصلی نام محمد علیہ السلام کی خاص مناسبت کی بنا پر ابو محمد علیہ السلام کی کنیت سے معروف ہوئے جیسا کہ جمہور مورخین و محدثین کے فیما بین آجتک مشہور و معروف ہے۔ حقیقتاً یہ ایک ایسا واضح اور روشن مسئلہ ہے کہ اس میں کسی کو عذر اور کلام کی ذرا گنجائش باقی نہیں ہے قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ اس بحث کو تمام کر کے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور اپنے آیندہ سلسلۂ کلام میں وہ دوسرے شبہات اور قیاسات نقل کرتے ہیں جو بالکل ضد۔ نفسانیت اور تعصب کی وجہ سے آپ کے وجودِ ذیجود اور ظہورِ پُرنور کے متعلق پیش کئے جاتے ہیں ؟

جناب قائم آلِ عبا علیہ السلام اور طولِ بقا

ان میں سب سے پہلا جو عذر پیش کیا جاتا ہے وہ آپ کی طولِ عمر کا خاص مسئلہ ہے۔ تاریخ قدیمہ اور اخبار و آثار ماضیہ کا صحیح مذاق رکھنے والے حضرات اس عذر کو بھی مثل اور عذرات کے تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ ضعیف اور خفیف سمجھتے ہیں۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ ان تمام اعتراضاتِ باطلہ اور توہمات مہملہ کی ابتدا پہلے خواص ہی سے ہوتی ہے۔ پھر عوام میں تدریجاً مشہور اور منتشر ہوا کرتی ہے۔ خواص اس کی حقیقت اور ماہیت کو بخوبی جانتے ہیں۔ مگر چونکہ خود غرضی، تعصب اور نفسانیت اظہارِ حق سے ان کو مانع آتی ہے اور اس کے خلاف حکم لگاتی ہے اسلئے وہ صرف اپنی جلبِ منفعت کی مجبوریوں سے ان مہمل اور بادر ہوا اعتراضات کو عوام کالانعام کے دائرہ میں ایک صورتِ خاص بنا کر پیش کر دیا کرتے ہیں۔ اور اسکے اصلی مقصود کو

جاہل اور ناواقف لوگوں کے قلوب سے زائل اور مفقود کر دیتے ہیں۔ اور عوام بھی اپنی عدم واقفیت اور غیر استعدادی کے باعث ان کی ابلہ فریبی اور عیاری کے دامِ فریب میں اُن کے ایسے دعوہائے زبانی اور اغوائے شیطانی کو وحیِ آسمانی سمجھکر اُسکے قائل اور اُسپر عامل ہو جایا کرتے ہیں۔ استغفر اللہ ربی و اتوب الیہ و لاحول و لاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جناب امام آخر الزماں علیہ السلام کے طولِ عمر کے متعلق عوام کو سمجھا دیا گیا ہے اور اب تک سمجھا جاتا ہے کہ ایک شخص کا سنہ ۲۶۰ ہجری سے لیکر اِس وقت تک زندہ رہنا کسی صحیح الدماغ اور کامل العقل شخص کے آگے کیسے قابلِ تسلیم سمجھا جا سکتا ہے۔ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا تو مشہور ہی ہے دیوانہ را ہوئے بس است کے مصداق۔ اِن جاہلوں کے کانوں میں اِس منتر کا پھونکنا تھا کہ وہ اپنی جہالت اور ضلالت کے خیالات میں مستغرق ہو گئے۔ پھر کیا تھا۔ اب لاکھ سمجھائیں۔ کروڑ بتلائیں اور حقیقتِ حال اُن کو دکھلائیں مگر وہ ایک نہیں سنتے۔ اور اپنے عقائدِ فاسدہ سے ایک انچ آگے پیچھے نہیں سرکتے۔ وہ تو اسی لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ہیں جو تعصب کی لاٹھی سے پیٹ کر اُن کے سامنے تیار کر دی گئی ہے۔ وہ تمام عمر اسی لکیر کو پیٹتے رہیں گے اور لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا کی سچی مثال اور کامل مجسمے بنے رہیں گے۔

اِن بے بصیرتوں کو یہ نہیں سوجھتا کہ باعتبارِ نوعیت یہ امور اور شکوک نئے نہیں ہیں بلکہ اُسکے ایسی اور مثالیں بھی گذر چکی ہیں اور دنیا میں ہر کس و ناکس کے پیش نظر آ چکی ہیں۔ اگر اِن کوتاہ اندیش اور کم بین اعتراض کرنے والوں کو ذرا بھی شعور ہوتا تو وہ ایسی اور اتنی مثالوں کی موجودگی میں کبھی اِن لغویات اور مہملات کا ذکر نہ کرتے اور کوے کے پیچھے دوڑنے سے پہلے اپنے کانوں کو ٹٹول لیتے

حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں اِن حضرات کے مہملات کے جواب دینے یا کسی امر کے رد یا تنقید کرنے کی مطلق ضرورت نہیں ہے یہ اعتراض بھی اُنکے پہلے اعتراضوں کا ایک ضمیمہ ہے جن کو ہم قوی اور معتبر دلائل سے۔ آپ کے وجود کی بحث میں بہ تفصیل و تشریح بیان کر چکے ہیں مگر تاہم اپنے سلسلۂ بیان اور ان کے مزید اطمینان کے لحاظ سے اُن کو یاد دلائے دیتے ہیں کہ انہی کے علمائے معتمدین نے ان کی اِن لغویات و حشویات کی کامل طور سے دفرباد کی ہے پھر ایسی کہ آج صدہا سال ہو گئے کسی نے ان کی رد اور تنقید پر ترمیم و تنسیخ کا قلم نہیں اٹھایا۔ جن لوگوں نے کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ صواعقِ محرقہ مطالب السئول۔ فصول المہمہ۔ کفایت الطالب۔ فرائد السمطین۔ فصل الخطاب۔ تاخیر الظلامہ۔ التبیان۔ در المنثور۔ درۃ المعارف اور ینابیع المودۃ فی القربیٰ کی ایسی جامع اور مانع کتب کو دیکھا ہے وہ اِن دلائل اور مباحث کی حقیقتوں سے خوب واقف ہیں ان شبہات اور ظنیات کی ماہیت اور اصلیت کو اچھی طرح جانتے ہیں اتنے معتبر شواہد کے سامنے ایسے ضعیف اور بے دلیل عقائد کا کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ کیا اعتراض کرنیوالے اِن دلائل اور مشاہد کی خبر نہیں رکھتے۔ نہیں وہ اُن سے پوری واقفیت رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں۔ مگر چونکہ عام ابلہ فریبیوں سے ان کی خود غرضی آ لگی ہے۔ اس لئے وہ جان بوجھ کر نادان بنتے ہیں اور دوسروں کو بھی نادان بنانا چاہتے ہیں۔ اِس غلط گمانی اور شبہ کو اِس زمانہ کی نئی روشنی نے اور چمکا دیا ہے۔ جدید فلسفہ اور سائنس کی تعلیم نے اُسپر اور قلعی کر دی ہے۔ ہم یہ ہرگز نہیں کہتے کہ کسی وقت بھی تعلیم کا نتیجہ بُرا ثابت ہوا ہو۔ یہ فلسفہ یا سائنس ہی کی تعلیم کے بُرے نتیجے کبھی نہیں کہے جا سکتے۔ یہ تو ہماری سمجھ کا نقص اور ہمارے فہم کا قصور ہے۔ جو اصل حقیقت تک ہم کو نہ پہنچا سکے۔ دنیا کی معمول پسند طبیعتیں اور روزانہ مشاہدے پر اعتبار کرنیوالی قومیں معمول کے اصول کو قدرت کا خاص قانون سمجھتی ہیں جو بمصداق لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰهِ کبھی متغیر نہیں ہو سکتا۔

ہم بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ ضرور ایسا ہی ہے جیسا کہ آیۂ کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے۔ مگر اُس قادرِ مطلق اور حکیم برحق نے اِن امور اور اصول کے خلاف بھی اکثر اوقات دکھلا کر اپنی قدرتِ کاملہ کے عجائب و غرائب دکھلا دیئے ہیں اور یہ بھی بتلا دیا ہے

کہ ہماری جبروت وقوت اور اُس کے تمام تصرفات و اختیارات کبھی محدود اور مقید نہیں ہو سکتے۔ ہمارے اصول نہ معمول کے پابند ہیں اور نہ مشاہدہ اور مکاشفے کے محتاج۔ اُسکو پورا اختیار ہے کہ بمصداق كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ اور يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ۔ وہ اپنی قدرت کے نئے تصرفات اور مشاہدات دکھلاتا رہا۔ اس کے ان تصرفاتِ قدرت سے نہ کسی فلسفی کو آج تک انکار ہے اور نہ سائنس داں کو۔ حقیقت سے دور رہنے والے اپنی غلط فہمی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں علم شائد علم آلہیات کے مختلف امور کی تعلیم دیتے ہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ اگر جدت اور مغربی دہریت نے اِن دونوں علموں کی تشریح و تکمیل پر اپنی قیاسی اور ظنی اقتباسات کا غلاف نہ چڑھا دیا ہوتا تو افلاطون۔ سقراط جالینوس اور دیگر حکمائے آلہی کے اقوال وارشادات جو وحدت ربانی اور وحی القا اور تمام ہدایاتِ آسمانی کے قائل تھے مشتبہ۔ مشکوک۔ اور نامربوط نہ بتلائے جاتے۔ بہر حال جو حضرات جناب قائم آل محمد علیہ التحیۃ والثنا کے طولِ بقا کو خلافِ معمول سمجھکر ناممکن کہتے ہیں۔ اُن کو علاوہ نصوصِ قرآنیہ اور بشارتِ ربانیہ کے۔ دنیا کے مشاہدات سے بھی جن پر اُن کے تمام عقائد عقلیہ کا دارومدار ہے انکار کرنا لازم ہو جائے گا نظر بہ روشِ زمانہ موجودہ اگر نئی روشنی کے حضرات اپنی کوتاہ بینی اور شپرہ چشمی کی وجہ سے حضرت خضر الیاس اور حضرتِ عیسیٰ علی انبینا و آلہ وعلیہم السلام کے زندہ ہونے سے انکار کریں۔ تو اسی طرح شہدائے فی سبیل اللہ علیہم السلام کے زندہ رہنے کی بشارت کو جو بمفاد آیہ کریمہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۞ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ۞ اور (اے پیغمبر) جو لوگ اللہ کے رستے میں مارے گئے ہیں ان کو مرا ہوا خیال نہ کرنا (یہ مرے نہیں ہیں) بلکہ اپنے پروردگار کے پاس جیتے (جاگتے) موجود ہیں (اس کے خوانِ کرم سے) ان کو روزی ملتی ہے (اور) جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے اُن کو دیا ہے وہ اس میں مگن ہیں اور جو لوگ اُن کے بعد زندہ رہے اور ابھی آکر اُن میں شامل نہیں ہوئے ان کی نسبت (یہ خیال کر کے) خوشیاں مناتے ہیں کہ یہ بھی شہید ہوں تو ہماری طرح ان پر بھی نہ (کسی قسم کا) خوف (طاری) ہو اور نہ یہ (کسی طرح) آزردہ خاطر رہیں۔ اللہ کی نعمتوں کی اور (اس کے) فضل کی خوشیاں منا رہے ہیں اور نیز اس کی کہ اللہ ایمان والوں کے ثواب کو ضائع نہیں ہونے دیتا" ہمیشہ زندہ رہنے والے ثابت ہوتے ہیں۔ معاذ اللہ مذاق سمجھیں۔ تو ہم ہرگز ان کے مقابلہ میں نصوص آلہیہ کے دلائل پر اصرار کر کے اس کے مقدس احکام کی عظمت کو کبھی نہ گھٹائینگے۔ بلکہ دنیا کے مشاہدات دکھلا کر اُن کے عقائد فاسدہ کو رد کر دینگے اور اُنھیں یہ سمجھا دینگے کہ تم جس کو اپنے زمانہ میں بالکل ناممکن اور قطعی محال سمجھتے ہو وہ کسی زمانہ میں بالکل سہل اور آسان۔ تمہاری لاکھ مشکل اور ہماری ایک آسانی۔ ان مشاہدات کی مثالوں سے دنیا کے کارنامے بھرے پڑے ہیں۔

اتنا تمہیداً عرض کر کے اب ہم پھر اپنے اصل مدعا کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کے طولِ بقا کی نسبت یہی اعتراض ہے کہ کسی ذی روح کا اتنے دنوں تک زندہ رہنا خلافِ عقل ہے۔ خلافِ عقل ہونے کی کوئی وجہ نہیں بتلائی گئی سوائے اس کے کہ خلافِ مشاہدہ ہے۔ اول تو وہ چیزیں جو آج تک مشاہدہ میں نہیں آئیں اس دلیل سے خلافِ عقل اور محال سمجھی جائیں گی۔ حالانکہ یہ کوئی نہیں ہے۔ اور نہ کبھی دنیا کے عقلا اسکو تسلیم کر سکتے ہیں۔ دنیا میں ہزاروں چیزیں ایسی موجود ہیں جن کا مشاہدہ محال ثابت ہوتا ہے مگر بخلاف مشاہدے کے وہ تسلیم کر لی گئی اور مان لی گئی ہیں جیسے وجودِ باری تعالیٰ۔ آج کرۂ زمین پر کوئی ایسی بدنصیب قوم نہ ہوگی جو کسی نہ کسی صورت سے وجود باریتعالیٰ کی قائل نہ ہو۔ مگر اس عام اعتقاد کے ساتھ ہی وہ اس کے بھی ضرور قائل ہیں کہ اس کی پاک و پاکیزہ ذات کو وہ اور

اشیائے دنیاوی کی طرح کبھی دیکھ نہیں سکتے۔

وجود باریتعالیٰ کی بحث کو چھوڑیئے کیونکہ ہمارے مخاطب حضرات کو ان اقسام کی دلائل سے بہت کم دلچسپی ہے تو لیجئے آپ سائنس اور کیمیا کی مباحث کی طرف توجہ فرمایئے۔ دیکھئے علم طبیعیات اور کیمیا کی رُو سے بہت سے اشیاء کی پُرزور قوتیں ایسی ثابت ہوئی ہیں جن سے آج روئے زمین پر دنیا کے بڑے بڑے اور عظیم الشان کاموں کا دارو مدار ہے جن کی مثال میں برقی قوت Electricity کافی ہے۔ حقیقتاً دیکھو تو دو یا تین بالکل ناچیز اور ادنیٰ اشیائے عالم سے کیمیاوی ترکیب کے ساتھ دو متفرق قوتیں جن کو انگریزی میں پازیٹو Positive اور Negative کہتے ہیں پیدا کی جاتی ہیں۔ پھر ان میں کیمیا کی عملی ترکیبوں سے ہزارہا کوس دور جانے کی حرکتِ سیالی Wave Motion پیدا کی جاتی ہے۔ یہ ترکیب اپنے عمل میں ایسی قوی اور سریع السیر ثابت ہوئی ہے کہ اس کو تار، ستون یا دیگر ذریعہ اور واسطہ کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ چشم زدن میں کہاں کی خبر کہاں پہنچاتی ہے اور دائرلیس ٹیلیگرافی Wireless Telegraphy بے تار کی تار برقی) دور دراز ملکوں میں اپنی قوت کا کمال دکھلاتی رہتی ہے۔

یہ سب کچھ تو ہوا مگر آیا کوئی اِن دونوں اشیاء کی قوتوں کو عمل کرتے ہوئے دیکھتا ہے یا یہ معلوم کرسکتا ہے کہ یہ کس طرح اور کس صورت میں اپنی ابتدا سے انتہا تک پہنچتی ہیں۔ بالکل اسی طرح ہوا کی ذاتی خلقت کو سوائے اسکے کہ اُس کی اس برکت سے جو اُسکے متحرک ہونے کے افعال سے محسوس اور معلوم ہوتے ہیں۔ آج تک کسی نے دیکھا ہے یا اُس کے دیکھنے کا دعویٰ کیا ہے۔ ان اشیاء ناممکن المشاہدہ کے وجود کی قطعی دلائل اُن کے عمل ہیں جو روزانہ ہمارے مشاہدہ میں آیا کرتے ہیں اور انہی اعمال و خواص سے ہم ان اشیاء کے وجود اور ان کی تمام قوتوں کو تسلیم کرتے اور مانتے ہیں۔

اوپر کی دونوں مثالوں سے پورے طور پر ثابت ہوگیا کہ جن اشیاء کو ہم نہ دیکھ سکیں تو اُن کے نہ دیکھنے کے باعث ہم کسی طرح اُن کے وجود سے انکار نہیں کرسکتے۔ یا ان کو خلافِ عقل یا محال فطری یا محال عادی نہیں سمجھ سکتے۔ اسلئے اِس کے متعلق عدم مشاہدہ کی بحث بالکل بے اصل ہے۔ قطع نظر اس کے ہم اسکو خلاف مشاہدہ بھی نہیں کہہ سکتے بلکہ ہمارا تو یہ دعوےٰ ہے کہ ہمارے امام علیہ السلام کے وجودِ ذیجود کی طرح اور آپ کے طولِ بقا کی طرح سینکڑوں مثالیں مدت تک دنیا کے مشاہدے میں آچکی ہیں۔ جن لوگوں نے اخبار و آثارِ قدیمہ کو دیکھا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سابق عمر انسانی کی میعاد کیا تھی اور آفرینشِ عالم کے بعد قرنِ اوّل و دوم و سوم تک کے انسان ایک ہزار سال سے زائد تک جیتے ہیں۔ چنانچہ آدم صفی اللہ سے لیکر حضرت نوح علیٰ نبینا و آلہ و علیہم السلام تک عموماً انسان کی عمر طبعی ہزار سال سے کم کی نہیں پائی جاتی۔ پھر علمِ طبیعات کے موجودہ اصول افطار کے مطابق جوں جوں خلقتِ عالم کو زمانہ گزرتا جاتا ہے اُسکے نظام الاشیاء میں دوں دوں ضعف اور اضمحلال آتا جاتا ہے۔ مدت گذرتی جاتی ہے اور دنیا کی تمام اشیاء اور اسباب میں کمی محسوس ہوتی جاتی ہے۔ اِس اصول کے مطابق ہم کو حیاتِ انسانی کے نظام کو بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ ایک زمانہ میں تاریخوں سے ہمارے ہی باپ دادا کی کتنی بڑی عمریں معلوم ہوتی ہیں اور آج وہ زمانہ آلگا ہے کہ ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی جان کے لالے پڑجاتے ہیں۔ کہاں تو عمر طبعی کی ہزار سالہ میعاد تھی اور کہاں اب چالیس برس پورا کرتے کرتے ناک میں دم آجاتا ہے۔ تو کیا اس وجہ سے کہ اب ہم چالیس پچاس۔ ساٹھ اور ستر سے زیادہ دنیا میں زندہ رہتا کسی کو نہیں دیکھتے۔ اس لئے ہم سمجھ لیں کہ انسان کے لئے ہزار یا دو ہزار سال کی عمر پانا اتنی مدت تک جینا قطعی محال ہے۔ نہیں کبھی نہیں۔

طول بقا سے انکار کرنے والے حضرات کی تشفی اور دلبستگی کے لئے ہماری یہ مختصر سی بحث جس کو ہم نے صرف ضمنی اور سرسری طور سے لکھدیا ہے۔ کافی ہے۔ کیونکہ ان دلائل اور مسائل کو ہمارے مدعائے تالیفی سے بہت کم تعلق ہے

اگر ہمارے اس اختصار سے اِن حضرات کا دلی اطمینان اور خاطر خواہ تشفی نہ ہو اور وہ اس کو بھی تاریخوں کا طومار سمجھیں اور محض افسانۂ روزگار۔ تو ہم اُن کے مزید اطمینان کیلئے طولِ بقا اور طولِ عمری کی چند مثالیں ان کی خدمت میں پیش کئے دیتے ہیں جو ظہورِ اسلام کی ایک مدت کے بعد یا قبل دنیا کے مشاہدے میں آچکی ہیں ٭

ابی الدّنیائے مغربی معمّر مغربی کا حال ۔ عبداللہ ابن محمد ابن عبدالوہاب سنجری۔ محمد ابن مسلم رقّی کی زبانی اور رقّی مذکور علی ابن حسن ابن جنکا رلائکی کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ علی ابن حسن کہتے ہیں کہ ۳۰۹ھ ہجری میں ہم مکہ معظمہ میں حج بیت اللہ کے قصد سے داخل ہوئے ہم نے یہاں اہل مغرب کی ایک جماعت کو دیکھا جس میں ایک شخص معمّر کبیر السن تھا۔ مگر اُس کی ڈاڑھی اور سر کے بال سیاہ تھے۔ میں نے ان جماعت والوں سے اس مردِ معمّر کا حال پوچھا تو انھوں نے دیار مغرب کے کسی وادی میں اُس کی سکونت بتلائی جو شہر حرّہ علیا کے قریب واقع ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اور ہمارے باپ دادا نے اسکو اسی حالت میں پایا ہے۔ ہمارے اطراف میں لوگ اِن کو انکی طولِ عمری کے باعث ابوالدنیائے مغربی کے خاص لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اس کا اصلی نام علی ابن عثمان ابن خطاب ابن برہ ابن مؤید ہے۔ وہ اپنے آپ کو قبیلۂ ہمدان سے کہتا ہے اور مقامِ صعدین کو اپنا وطن بتلاتا ہے۔

علی ابن حسن کا بیان ہے کہ اتنا سنکر میں نے خود اُس پیر معمّر سے پوچھا کہ تم نے جناب امیرالمومنین علیہ السلام کو بھی دیکھا ہے؟ میرا سوال سُنکر وہ میری طرف مخاطب ہوا۔ اور اپنی آنکھوں سے اپنی ابرو کے بال اوپر اٹھاکر جو اُس کی آنکھوں کو بالکل چھپائے ہوئے تھے کہنے لگا کہ میں نے اپنی انہی آنکھوں سے جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی زیارت کی ہے۔ میں نے ایک مدت تک ان کی خدمت کی ہے اور جنگ صفین کے موقعہ پر میں آپ کی رکاب ظفر انتساب میں حاضر تھا۔ اسی معرکہ میں آپ کے گھوڑے کی ٹاپ سے ایک زخم میرے لگ گیا تھا جس کا نشان اِس وقت تک موجود ہے یہ کہکر اُس نے ابرو اور سر کے درمیان ایک زخم کا نشان ہم لوگوں کو دکھلایا اور ہم نے اُس کو بجنسہٖ اُسی صورت میں پایا جیسا کہ وہ بیان کرتا تھا۔ اس کے بعد اُس نے اپنی طولِ عمری کے متعلق ایسے ایسے واقعات بیان کئے جن کو سُنکر ہم نے یقین کرلیا کہ شیخوخیت اور کہولیت کے نقائص نے ابھی تک اُسکے فہم و ادراک اور عقل و شعور میں کوئی فساد یا فتور نہیں پیدا کیا ہے۔ اسی ضمن میں اُس کے بیان سے معلوم ہوا کہ اِس وقت تک اُس کے تین بار دانت ٹوٹ چکے ہیں اور پھر از سرِ نو نکل چکے ہیں۔ اس کے بعد ہم لوگوں نے اُس سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ ہم سے اُن حدیثوں کو بیان کرے جنکو اُس نے جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی زبانی سنا ہو۔ چنانچہ اُس نے ہماری تمنا کے موافق ہم کو آپ کی چند حدیثیں سنائیں جن کو ہم نے دیگر رُواتِ معتبرین سے بھی سُنا تھا۔ اُس نے ان حدیثوں کو ہمارے سامنے ایک کتاب کھولکر پڑھا تھا جسکی نسبت اُسکا بیان ہے کہ ہمارے قبیلہ اور اولاد کے لوگوں نے انکو میری اسناد سے اِس مسند میں جمع کیا ہے۔

اس کے بعد ابنِ جنکا رلائکی کا بیان ہے کہ جب ابی الدنیائے معمّر کی خبر والیٔ مکہ کو معلوم ہوئی تو اُس نے ایسے اعجوبۂ روزگار شخص کو مقتدر باللہ موجودہ خلیفۂ عباسی کی خدمت میں بھیجدیئے جانیکا قصد کیا۔ مگر ہم نے ابوبکر محمد ابن فتح اور دیگر حجاج نے والیٔ مکہ کی خدمت میں عرض کی کہ اس کو اِس پیرانہ سالی کی حالت میں بغداد جانے کی تکلیف سے معاف فرمایا جائے۔ والیٔ مکہ نے ہماری سفارش کو قبول کرلیا اور اس کو وہاں بھیجنے سے باز رہا۔

اِس واقعہ کے بعد ابوالدنیائے معمّر رضی اللہ عنہ تین یا چار برس تک کامل مکہ میں مقیم رہے۔ ان کے باقی حالات یہ ہیں ابو محمد حسن ابن محمد ابن یحیٰی ابن حسن ابن جعفر ابنِ عبداللہ ابنِ حسن ابنِ علی ابنِ حسین ابنِ علی ابنِ ابی طالب علیہم السلام بیان کرتے ہیں کہ میں ۳۱۳ھ ہجری میں (اس واقعہ کے پانچ برس بعد) حج بیت اللہ مقدس کی ضرورت سے داخل

مکۂ معظمہ ہوا۔ اسی سال نصر قشوری جو خلیفہ مقتدر باللہ کے معزز اور معتمد مصاحبین میں داخل تھا۔ ابوالہیجا عبدالرحمٰن ابن حمران کے ساتھ حج کی غرض سے آیا۔ میں وہیں سے اُن لوگوں کے ہمراہ مدینۃ النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آیا وہاں مصر سے ایک بہت بڑا حجاج کا قافلہ آیا ہوا تھا۔ اس قافلہ والوں سے ملنے گیا تو میں نے ابو بکر محمد ابن علی مادرائی کو ایک اہل مغرب کے ساتھ پایا۔ جس کی نسبت کہا جاتا تھا کہ اُس شخص نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔ چاروں طرف سے آدمیوں کا ہجوم اسکو گھیرے ہوئے تھا اور ایسی کثرت تھی کہ ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا۔ اور اُس سے مصافحہ کی سعادت حاصل کرتا تھا۔ یہ دیکھکر میرے چچا ابو القاسم طاہر ابن یحییٰ نے اپنے غلاموں اور رفیقوں کے ذریعے سے اُس مجمع کو وہاں سے ہٹوا دیا۔ اور اُس شخص معمر کو وہاں سے ابی سہل طفی کے گھر اٹھا لائے۔ جہاں وہ خود فروکش تھے اسی مکان میں اس کو اس کے پانچوں ہمراہیوں کے ساتھ اُتارا جو اُس کی اولاد اور ذریات میں سے تھے۔

سب سے پہلے اُس کے ہمراہیوں کی نسبت پوچھا گیا اور اُس شخص خاص کے متعلق استفسار کیا گیا جو اُن پانچوں آدمیوں میں اپنے سن کے اعتبار سے اسی یا نوّے برس کی عمر کو پہنچ چکا تھا تو اُس نے بیان کیا کہ یہ میرا پوتا ہے اور پہلے شخص کا درمیانی بھائی۔ پھر بقیہ تین شخصوں کو بھی جن کا سن ساٹھ۔ پچاس اور چالیس تک کا تھا۔ اُس نے اپنا پوتا ہی بتلایا۔ پھر اُس سے اُس کا نام پوچھا گیا تو اُس نے اپنا نام علی ابن عثمان ابن خطاب ابن برّہ ابن مؤید بتلایا وہ طویل القد نہیں تھا بلکہ مائل بہ قصر القد۔ اُس نے اپنی خصوصیات سے بتلایا کہ بھوک کے وقت میرے بال سفید ہو جاتے ہیں اور سیری کے وقت سیاہ۔ میں نے پہلے اُس کے اس انوکھے دعوے پر اعتبار نہیں کیا مگر جب اپنی آنکھوں سے اپنے چچا کے گھر دونوں وقت کھانا کھانے کے دستر خوان پر اُس کی یہ حالت بجنسہ دیکھ لی اور اپنے مشاہدہ کی تصدیق و توثیق دیگر عمائد اکابر اور شیوخ مدینہ۔ حجاز اور بغداد وغیرہ سے بھی کرالی۔ تب میں نے اس امر پر پورا یقین اور اطمینان کر لیا۔ اُس سے ملاقات کرکے اور اُس کے حالات و واقعات معلوم کرکے نصر قشوری نے اُس کے بغداد لیجانے کا قصد کیا۔ مگر یہ خبر پاکے فوراً فقہائے مدینہ اُس کے پاس جمع ہوئے اور عرض کرنے لگے۔ ہم کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ خبر ملی ہے کہ جس وقت معمر مغربی داخل بغداد ہوگا تو اُس سال بہت سے فتنہ و فساد واقع ہونگے۔ شہر برباد ہو جائیگا اور مملکت تباہ و ویران تو ایسی حالت میں اُسکو بغداد جانے کی تکلیف نہ دی جائے۔ بلکہ عوض اس کے اُسکو اُسکے اپنے وطن ملکِ مغرب کی طرف معاودت کرنے کی اجازت عنایت کی جائے۔ قشوری نے اُسے مان لیا اور اس کو گھر جانے کی اجازت دیدی۔

راوی حدیث کا بیان ہے کہ اُس کے بعد ہم نے اُس پیر معمر سے ملاقات کی اور خود اُس سے اُس کے حالات پوچھے تو اُس نے اپنی طول عمری کے اسباب بیان کرنے کے بعد کہا کہ بعد وفات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مدینہ منورہ آیا۔ یہاں آکر تمام حضرات میں مجھے امیر المومنین علیہ السلام سے ایک خاص اُنس ہوگیا۔ اور میں ہمہ دم آپ ہی کی خدمت میں رہنے لگا۔ یہانتک کہ خلافت اولیٰ۔ ثانیہ اور ثالثہ کے ایام گزر کر جب آپ کی خاص خلافت کا زمانہ آیا تو شروع حکومت سے لیکر وقتِ شہادت تک میں آپ کی خدمت میں موجود تھا۔ ابن ملجم ملعون کی ضربت میرے سامنے لگی تھی۔ صفین کے معرکہ میں ایک دن آپ کا تازیانہ زمین پر گر گیا میں اُس کے اٹھانے کو جھکا۔ گھوڑے نے لات چلائی۔ میری پیشانی اور ابرو کے درمیان سخت چوٹ آئی۔ میری یہ حالت دیکھکر آپ نے مجھے قریب بلایا۔ جب میں آیا تو آپ نے میرے زخم پر لعاب دہن لگا دیا۔ اس عمل کے کرنے سے میرا درد جاتا رہا۔ اور زخم بھی اچھا ہو گیا۔ اُسی زخم کا نشان ابھی تک باقی ہے۔

آپ کی شہادت کے بعد میں جناب امام حسن علیہ السلام کی خدمت کرتا رہا۔ ساباطِ مدائن میں آپ کے ساتھ تھا یہانتک

آپ موصل میں مجروح کیے گئے اور مدینہ واپس لائے گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ آیا۔ اور آپ کی خدمت میں برابر حاضر رہا یہاں تک کہ معاویہ نے پوشیدہ طور پر آپ کو جعدہ بنت اشعث کندی کے ذریعہ سے زہر دلوایا اور آپ نے انتقال فرمایا آپ کے بعد میں جناب امام حسین علیہ السلام کی خدمت کرتا رہا اور معرکۂ کربلا اور واقعہ شہادت تک آپ کے ساتھ تھا اور آپ کی شہادت کے بعد بنی امیہ کے خوف سے بھاگ آیا اور اس روز سے اس وقت تک دیار مغرب کے دور و دراز مقامات میں بیٹھا ہوا ظہور جناب مہدی وعیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کا جس کا وعدہ مجھ سے میری طول عمر عنایت کیے جانے کے وقت کیا گیا تھا۔ انتظار کر رہا ہوں +

عبداللہ یمنی کے حالات۔ عبداللہ یمنی بھی عرب کے مشہور و معروف معمرین میں شمار کیا جاتا ہے اس کے سن کی کہیں صحیح تعداد نہیں بتلائی گئی۔ مگر اس کے زبانی حالات کو سنکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جناب سلمان فارسی علیہ السلام کو بھی دیکھا تھا اور بذاتِ خاص جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا تھا۔ چنانچہ وہ بہت سی حدیثیں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بھی اور بہت سی حدیثیں باسناد متصلہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی نقل کرتا ہے۔ احمد ابن فہد۔ بہاء الدین علی ابن عبدالحمید اور یحییٰ ابن نخل کوفی کا بیان ہے کہ ہم نے ۷۷۸ھ ہجری میں اسکو کوفہ میں دیکھا تھا اس حساب سے اُسوقت تک اسکی عمر کم وبیش آٹھ سو برس کی ہو چکی تھی۔

شیخ بابا رتن کے حالات۔ شیخ صدرالدین سادہ بیان کرتے ہیں کہ ۶۸۱ھ ہجری میں میں نے شیخ بابا رتن علیہ الرحمہ کی زیارت کی۔ میں نے شیخ کو اس صورت میں دیکھا کہ کثرتِ سن کی وجہ سے اُن کی ابرو کے بال لٹک لٹک کر اُن کی آنکھوں کو بالکل چھپائے ہوئے تھے۔ جب میں نے اپنا نام اُن سے بیان کیا تو انھوں نے ایک بار اپنی آنکھوں کے اوپر سے بالوں کا پردہ اٹھایا اور کہا ان آنکھوں نے بہت مرتبہ جناب ختمی مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال جہاں آرا کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے جس روز کہ مدینہ منورہ کے گرد چاروں طرف خندق کھودی جاتی تھی۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ اور مسلمانوں کے ساتھ آپ بھی خندق کی مٹی اٹھاتے جاتے ہیں اور لبِ معجز نما سے یہ دعا پڑھتے جاتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِيْشَةً هَنِيْئَةً وَّمِيْتَةً سَوِيَّةً وَّمَرَدًّا غَيْرَ مُخْزٍ وَّلَا فَاضِحٍ ط پروردگارا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری زندگی گوارا ہو اور آسانی کی موت اور بلا رسوائی کا اور بغیر فضیحت کا لوٹنا میرے لئے میسّر کر دے۔ (بحار الانوار جلد ۱۳)۔

اس حساب سے اس شیخ معمّر کا سن بھی کچھ اوپر سات سو برس کا ہوتا ہے۔

ایک حاکمِ ساحلِ ہند۔ مکی ابن احمد کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ ابنِ منصور کے گھر میں اسحٰق ابن ابراہیم طوسی کی زبانی جب اُس کا سن ستانوے (۹۷) برس کا ہو چکا تھا اسحٰق نے کہا کہ میں ساحل ہند کے شہروں میں سے شہر صوح بایک میں مقیم ہوا۔ وہاں ایک کبیر السن و معمّر بادشاہ حکمراں تھا۔ میں اس سے ملا اور پوچھا کہ آپ کا سن کہاں تک پہنچا ہے؟ اُس نے کہا کہ میرا سن اسوقت تک نو سو پچیس (۹۲۵) برس کا ہو چکا ہے اور میں عقائد میں مسلمان ہوں۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دس اصحاب میرے پاس بھیجے تھے اور وہ یہ لوگ تھے۔ حذیفہ ابن یمان۔ عمرو ابن العاص۔ اسامہ ابن زید۔ ابوموسیٰ اشعری۔ صہیب رومی۔ سفینہ وغیرہم ان حضرات نے یہاں تشریف لاکر مجھے اسلام کی دعوت فرمائی اور میں نے انہی کی بدولت یہ دولت پائی۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ باوجود اس ضعف اور پیرانہ سالی کے آپ نماز کیسے پڑھتے ہیں؟ اُس نے کہا جسطرح ممکن ہوتا ہے اسکی نماز کو ادا کر لیتا ہوں۔ کیونکہ اُس کے لئے تو خداوندِ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ

ترجمہ وہ لوگ جو کھڑے کھڑے بیٹھے بیٹھے اور لیٹے لیٹے خدا کی عبادت کیا کرتے ہیں۔
پھر میں نے اُس سے پوچھا کہ آپ غذا کیا کھاتے ہیں؟ جواب دیا کہ آب گوشت اور گندنا۔ پھر میں نے پوچھا کہ آپ کے دانتوں کی کیا حالت ہے؟ کہا کہ بیس مرتبہ ٹوٹ کر نکل چکے ہیں۔ پھر اُس نے اپنے بہت سے چشم دید دنیا کے عجائب و غرائب بیان کیے۔ اور ملک مصر کے اطراف میں قوم بنی اسرائیل پر اپنے حملہ کرنے کی مفصل کیفیت دہرائی۔

ابوالحسن کاتب کا چشمدید واقعہ۔ کتاب انوارِ مضیئہ میں علی ابن عبدالحمید رئیس کوفہ ابوالحسن کاتب کی زبانی نقل فرماتے ہیں کہ ۳۰۹ھ ہجری میں ممالکِ عرب میں سخت قحط نمودار ہوا لیکن بصرہ کی طرف گرانی کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ اس خبر کو سنتے ہی قحط زدہ علاقوں کے تمام قبائل عرب ہجوم کر کے بصرہ کے اطراف و جوانب میں پھیل گئے۔ دُور دُور تک شہر کے باہر ان لوگوں کے ہزار ہا خیمے۔ ڈیرے اور پڑاؤ پڑ گئے۔ ابوالحسن کاتب کا بیان ہے کہ میں نے اپنے چند اصحاب و احباب کے ساتھ ان لوگوں سے ملنے اور ان کے حالات و واقعات دریافت کرنے کا قصد کیا۔ اپنی جماعت کے ساتھ گھر سے اُٹھا اور ان کی قیام گاہ تک پہنچا۔ اثنائے راہ میں مجھے ایک عظیم الشان خیمہ میدان میں کھڑا ہوا نظر آیا۔ میں اس کی طرف چلا۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ اس کے گوشہ میں ایک شیخ کبیر السن مصروف استراحت ہے اور اکثر لوگ اس کی خدمت کے لئے ارد گرد موجود ہیں۔ اس کی ابرو کے بال اُسکی آنکھوں پر لٹک رہے ہیں۔ میں نے اُسکے پاس جا کر اُسکو سلام کیا وہ اخلاق سے پیش آیا اتنے میں ایک شخص نے اُس سے میری معرفت کرائی اور کہا کہ یہ اس اطراف و جوانب کے مشہور و معروف بزرگ ہیں اور فصحائے عرب کی اولاد میں ہیں۔ یہ سُنکر وہ مجھ سے میرے آنیکی وجہ پوچھنے لگے تو میں نے کہا کہ میرے آنے کا صرف یہی مقصود ہے کہ آپ نے بہت زمانہ دیکھا ہے۔ کچھ اپنے چشمدید عجائب و غرائب مجھ سے بیان فرمائیں۔ اُس نے کہا کہ آپ مجھے معاف فرمائیں۔ آپ کا حصولِ مطلب مجھ سے نہ ہوگا۔ یہ کہکر اس نے دوسرے خیمے کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ آپ اِس خیمے میں تشریف لیجائیں تو البتہ آپ کی مرادِ دلی بر آئیگی۔ یہ سُنکر میں دوسرے خیمے میں گیا اور وہاں بھی میں نے ایک دوسرے شخص کو انہی سامانوں کے ساتھ مصروفِ استراحت پایا۔ جب اُس سے اظہارِ مدعا کیا تو اُس نے بھی کہا کہ مجھ سے بھی آپ کی مطلب برآری نہ ہوگی۔ بلکہ آپ ہمارے باپ کے خیمے میں جائیے تو البتہ آپ کا مدعا حاصل ہوگا۔ ہم دونوں بھائی ہیں اور وہ ہمارے باپ ہیں۔ اسلئے انھوں نے ہم دونوں آدمیوں سے کہیں زیادہ زمانہ دیکھا ہے۔ یہ سُنکر میں وہاں سے اُٹھا اور تیسرے خیمے کے دروازے پر پہنچا۔ اُن دونوں خیموں میں سے اس خیمہ کا اہتمام اور تزک و احتشام زیادہ دیکھا۔ یہاں جو لوگ مصروفِ اہتمام تھے اُن سے میں نے اظہارِ مدعا کیا تو اُن لوگوں نے اپنے آقا سے اذن طلب کیا اور مجھے اُس خیمہ کے اندر لے گئے۔ جب میں وہاں گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک مردِ کبیر السن ایک پُر تکلف۔ نرم اور ملائم بستر پر دراز ہے۔ اُس کا تمام بدن کہنہ اور بوسیدہ ہو گیا ہے اور اُس کے سر اور اعضا کے تمام بال کثرتِ سن کی وجہ سے گر گئے ہیں۔ میں جب اُس کے قریب پہنچا تو میں نے عمداً چلا کر اسکو سلام کیا۔ اُس نے بآسانی سُن لیا اور میرے سلام کا جواب دیا۔ اور مجھ سے میرے مدعا کو سُن کر اُس نے اپنے خادموں کو اشارہ کیا۔ ان لوگوں نے اُسے اُٹھا کر بٹھلا دیا۔ میں نے دیکھا تو اُسکی آنکھوں کی بینائی زائل ہو چکی تھی۔ اور اُسکی آنکھوں کے حدقے پتھریلے ہو چکے تھے۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ اے میرے بیٹے مجھ سے چند باتیں سن لو اور یاد رکھو۔ وہ یہ ہیں کہ میں بھی دنیا میں ایک دن مثل ایک بچہ مرغ کے پیدا ہوا تھا۔ میری ولادت سے میرے والدین کو بہت بڑی مسرت حاصل ہوئی تھی مگر میری شامتِ اعمال کیوجہ سے تھوڑے دنوں کے بعد میرا باپ مر گیا۔ اُس کے مرجانے کے بعد میری پرورش اور آسائش کا سامان میرے چچا نے کیا اور حقیقتاً انھوں نے کوئی دقیقہ میری پرورش اور آرام رسانی میں اٹھا نہیں رکھا منجملہ

اُن نعمتوں کے جو مجھے اپنے چچا کے ذریعہ سے حاصل ہوئیں ایک نعمت اسلام بھی ہے۔ اور اُس کی کیفیت یہ ہے کہ میرا چچا ایک دن مجھ کو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لیگیا اور عرض کی کہ یہ میرا بھتیجا ہے اس کا باپ مرگیا ہے اور اب اِس کی تربیت میرے ذمہ ہے ہمیشہ مجھ کو اِس کے مرجانے کا خوف لگا رہتا ہے۔ پس آپ کوئی ایسی دعا اسکو تعلیم فرمادیجئے کہ یہ دنیا میں ہمیشہ صحیح وسالم رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو ہر روز صبح کو ذات القلاقل (چاروں قل) پڑھ لیا کر۔ چنانچہ حسب ارشاد رسولخدا میں اسوقت تک برابر روزانہ صبح کو چاروں سوروں (قل یآایہا الکفرون۔ قل ہو اللہ احد۔ قل اعوذ برب الفلق۔ اور قل اعوذ برب الناس) کی تلاوت کیا کرتا ہوں۔ اور اُسوقت سے لیکر اس وقت تک میرے مال ومتاع اور جسم میں کوئی نقصان واقع نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ میں اپنی طول عمری کے باعث اس حالت کو پہنچگیا ہوں جو تم اپنی آنکھوں سے آپ دیکھ رہے ہو۔ آپ لوگ بھی ذو القلاقل کی برابر تلاوت کیا کریں جو کہ فلاح وصلاح دارین کا باعث ہوگا +

عمر ابن ربیعہ ابن کعب - یہ شخص بھی عرب کے مشہور ترین معمرین سے ہے۔ اسکی عمر ۳۲۰ برس کی ہوئی شیوع اسلام تک یہ زندہ بتلایا جاتا ہے۔ اُسنے اپنی طول عمری کے متعلق یہ اشعار یادگار چھوڑے ہیں ؎

وَلَقَدْ سَئِمْتُ مِنَ الْحَیٰوۃِ وَطُوْلِھَا + وَعُمِّرْتُ مِنْ عَدَدِ السِّنِیْنَ مِاتِیَا

مِائَۃٌ اَتَتْ مِنْ بَعْدِھَا مِائَتَانِ + لِیْ وَازْدَدْتُ مِنْ عَدَدِ الشُّھُوْرِ سِنِیْنَا

ھَلْ مَا بَقِیَ اِلَّا کَمَا قَدْ فَاتَنَا + یَوْمٌ یَکُرُّ وَلَیْلَۃٌ تَحْدُوْنَا

طول عمری سے تنگ اور عاجز آگیا ہوں۔ عمر دنیاوی سے کئی صدیاں مجھ پر گذر چکی ہیں اور بعد ازآں دو سو برس اور چند ماہ اور میری عمر سے صرف ہوچکے اور اس کے بعد میں نے تین سو برس کا اور اضافہ کیا ہے اب جو کچھ میری عمر سے باقی ہے۔ اُسکی کیفیت روزہائے گزران کی سی ہے اور اُن راتوں کے مانند ہے جو حُدے گاتی آتی اور قبروں کی طرف لیجاتی ہیں -

یہ شعر بھی اُسی کی طرف مشہور ومنسوب کیے جاتے ہیں -

اِذَا مَا الْمَرْءُ صَمَّ فَلَمْ یُکَلَّمْ + وَاَوْدٰی سَمْعُہٗ اِلَّا نِدَاءَا + وَلَاعَبَ بِالْعَشِیِّ بَنِیْ بَنِیْہِ + کَفِعْلِ الْھِرِّ یَحْتَرِشُ الْعَظَایَا + یُلَاعِبُھُمْ وَوَدُّوْا لَوْ سَقَوْہُ + مِنَ الذِّیْفَانِ مُتْرَعَۃً مَلَایَا + فَلَا ذَاقَ النَّعِیْمَ وَلَا شَرَابًا + وَلَا یُشْفٰی مِنَ الْمَرَضِ الشِّفَایَا +

جوقت انسان کثرت سن سے گراں گوش ہوجاتا ہے تو اُس سے باتیں کرنے میں عمداً اعراض کیا جاتا ہے اور اسکے کان سوائے زور کی آوازوں کے اور آوازوں کے سننے کی طاقت نہیں رکھتے اور شیخوخیت اور قلت عقل کی وجہ سے وہ نادان بچوں کی طرح سے مانوس ہوجاتا ہے اور اپنے بیٹوں کے بیٹوں کے ساتھ رات کو کھیلا کرتا ہے جس طرح بلیاں اپنے بچوں کے ساتھ شکار کرتے وقت کھیلا کرتی ہیں حالانکہ اسکی یہی ذریات اور اولاد ہمیشہ اس امر پر مستعد اور تیار رہتی ہیں کہ اسکو جام ہلاہل پلادیں اور ہمیشہ اُن کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ یہ کسی قسم کے کھانے یا پینے کی کوئی چیز نہ کھائے اور نہ اپنے مرض سے کبھی شفا پائے -

زہیر ابن جناب - یہ شخص بھی معمرین عرب سے مشہور ہے اسکی عمر دو سو بیس برس کی بتلائی جاتی ہے۔ ابو حاتم سجستانی کا بیان ہے کہ وہ دو سو لڑائیوں میں حاضر رہا ہے اور اپنی قوم میں بہت بڑا بزرگ اور مالدار تھا۔ وہ بہت بڑا نازک خیال اور مضمون آفرین شاعر تھا۔ اس نے اپنی طول عمری کے متعلق ذیل کے اشعار لکھے ہیں جو اس کی استعداد اور جامعیت کے سچے ثبوت ہیں -

کَفٰی بِسِرَاجِ الشَّیْبِ فِی الرَّاْسِ ھَادِیًا + لِمَنْ قَدْ اَضَلَّتْہُ الْمَنَایَا لَیَالِیَا

اَمِنْ بَعْدِ اِبْدَاءِ الْمَشِیْبِ مُقَاتِلِیْ + بِرَامِی الْمَنَایَا یُحْمِیْنِیْ رَاجِیًا

غَدَا الدَّهْرُ يَرْمِيْنِي فَتَدْنُوْ سِهَامُهُ ✦ لِشَخْصِي أَخْلَقُ أَنْ يُصِبْنَ سَوَادِيَا
وَكَانَ كَرَامِي اللَّيْلِ يَرْمِي وَلَا يُرَى ✦ فَلَمَّا أَضَاءَ الشَّيْبُ شَخْصِي دَمَانِيَا

پیری کے سبب بالوں کی سفیدی چراغ کے مانند ہے کہ موت کی رہنمائی کرتی ہے۔ اُس شخص کیلئے جسکے ایام جہالت بہت کم رہ گئے ہیں۔ آیا تم گمان کرسکتے ہو کہ جب پیری آگئی تو تم کو موت سے نجات مل سکتی ہے۔ زمانہ نے تیر فنا سے میرے اُن تمام اعضا کو سُوراخ دار بنادیا ہے جو طول عمری کی وجہت قریب فنا پہنچے ہوئے تھے۔ زمانہ کے تیر میرے جسم میں بالکل قریب آملے ہیں اور حقیقت میں میں اُن تیروں کے زخم کھلنے کا شایاں و سزاوار ہوں۔ کیونکہ میں جب جوان تھا تو میرے تمام بال سیاہ تھے اور ان کی تیرگی اور سیاہی کے باعث تیر قضا کو میرے جسم تک پہنچنے کے لئے راہ نہیں ملتی تھی۔ اور جب وہ بال سفید ہوگئے اور اُس کی روشنی تمام میں پھیلگئی تو پھر زمانہ کے تیر میرے بدن پر آلگے۔

زہیر ابن حباب کلیب وائل کا ہمعصر تھا۔ اور کوئی شخص اُس وقت اہلِ عرب میں اُسکے ایسا شجاع اور دلاور نہیں تھا اور سلاطین عرب کے نزدیک جیسی اُس کی قدر و منزلت کی جاتی تھی ویسی کسی اور کی نہیں کی جاتی تھی۔ اور حُسنِ تدبیر کے باعث سے اُسکو تمام عرب کے لوگ کاہن کہتے تھے۔ اُسکی بہت سی نظمیں اِس وقت تک یادگار ہیں اور عرب کے اعلیٰ لٹریچر میں شمار کی جاتی ہیں ✦

عبید ابن سرید جرہمی - عرب کے مشہور معمرین سے ہے۔ اُسکی عمر ساڑھے تین سو برس کی بتلائی جاتی ہے۔ اُس نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بھی زمانہ دیکھا تھا اور معاویہ ابن ابی سفیان کے وقت تک زندہ رہا۔ ایک روز معاویہ کے پاس آیا اور معاویہ نے اُس سے اُس کی طول عمری کے متعلق پوچھا تو اُس نے بیان کیا کہ دنیا سوائے اس کے اور کیا ہے کہ دن ہوتا ہے اور رات ہوتی ہے اور کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوا ہے جس میں اُس کے موجودہ لوگوں نے اس کی شکایت نہ کی ہو اور آج تک میں نے اپنی اتنی بڑی عمر میں کسی شخص کو ایسا نہیں پایا کہ وہ ہزار برس کی طولانی عمر بھی پاکر اپنے اور جینے کی تمنا نہ رکھتا ہو ✦

ابن وریدازدی - عمانی اپنی کتاب معمرین عرب میں لکھتا ہے کہ احمد ابن یحییٰ اور احمد ابن محمد وراق کا بیان ہے کہ ربیع ابن ضبیع فزاری ۶۷ھ ہجری میں عبد الملک بن مروان کے سامنے حاضر کیا گیا۔ اس کی عمر تین سو اسّی برس کی ہوچکی تھی۔ عبد الملک نے اُس سے دنیا کے حالات پوچھے تو اُس نے بیان کیا کہ اور تو میں جانتا نہیں مگر میں نے اُس کے متعلق یہ دو شعر کہے ہیں۔ جس سے دنیا کے حالات بخوبی معلوم ہوتے ہیں۔

هَا أَنَا ذَا آمُلُ الْخُلُوْدَ وَقَدْ ✦ أَدْرَكَ عُمْرِيْ وَمَوْلِدِيْ حُجْرًا ✦ أَنَا امْرُءُ الْقَيْسِ قَدْ سَمِعْتُ بِهِ ✦ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ طَالَ ذَا عُمُرَا

لوگ آگاہ ہو جائیں کہ میں وہ شخص ہوں کہ طولِ عمر کا اور زندگی کا از حد خواہشمند ہوں۔ حالانکہ میں وہ جہاندیدہ شخص ہوں جس نے امرؤ القیس کے باپ حجر کا زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ افسوس افسوس۔ اتنی طویل عمر پاکر بھی اپنے اور جینے کی تمنا رکھتا ہوں اور اپنی طوالت عمر کا خواہشمند بنا رہتا ہوں یہ سنکر عبد الملک نے کہا حقیقتاً میں نے اپنے لڑکپن میں تیرا یہ شعر اکثر سنا ہے۔ ربیع نے کہا کہ اس مضمون میں ہم نے ایک اور شعر بھی کہا ہے اور وہ یہ ہے ؎

إِذَا عَاشَ الْفَتَى مِائَتَيْنِ عَامًا ✦ ذَهَبَ اللَّذَاذَةُ وَالْغِنَاءُ

یعنی جو شخص دو سو برس تک کامل زندہ رہتا ہے امارت اور دنیا کے تعیّش کے سارے لطف اُس سے دُور ہو جاتے ہیں عبد الملک نے کہا کہ میں نے تیرا یہ شعر بھی اپنی طفولیت میں اکثر سنا ہے۔ اس کے بعد عبد الملک نے اُس سے پوچھا کہ تم اپنی زندگی کا حساب تو مجھے بتاؤ۔ ربیع نے کہا کہ دو سو برس تک زمانہ فترت مابین جناب عیسیٰ اور محمد علیہما السلام میں۔ اور ایکسو بیس[۱۲۰] برس تک ایام جاہلیت میں اور ساٹھ برس تک زمانۂ اسلام میں میں نے زندگانی کی ہے۔ عبد الملک نے کہا کہ جوانانِ قریش میں سے ایسے

مشہور لوگوں کے نام تو بتلاؤ جو نام کے اعتبار سے تو موافق ہوں مگر اوصاف کے لحاظ سے مخالف ربیع نے جواب دیا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔ وہ بہت بڑے صاحب علم و احسان تھے اور اُن کا خوانِ مہمانی ہمیشہ وسیع اور کشادہ رہتا تھا۔ عبدالملک نے کہا اور؟ ربیع نے کہا عبداللہ بن جعفر علیہ السلام یہ سراپا ایک خوشبودار پھول تھے جسکی نکہت سے دل و دماغ تازہ رہا کرتے تھے۔ ان کے مزاج میں ملائمت اور نرمی بہت تھی۔ اور ان کی ذات سے مسلمانوں کو بہت کم ضرر پہنچا کرتا تھا۔ عبدالملک نے کہا اور؟ ربیع نے کہا عبداللہ ابن عمر۔ یہ بہت بڑے صاحبِ علم و احسان تھے۔ غم و غصہ کو اکثر پی جایا کرتے تھے۔ اور فتنہ و فساد سے دور رہا کرتے تھے۔ عبدالملک نے کہا اور؟ ربیع نے کہا عبداللہ ابن زبیر۔ یہ شخص پہاڑ کی مانند سخت تھا جس سے ہمیشہ خلائق پر سنگ بارانی ہوا کرتی تھی۔ عبدالملک نے پوچھا اس تخصیص و تفریق کو تو نے کیسے حاصل کیا؟ ربیع نے کہا کہ میں اکثر ان کی صحبت میں بیٹھا ہوں اور اِن لوگوں کی طبائع کا خوب امتحان کر چکا ہوں +

شق کاہنِ عربی۔ تاریخ کلبی میں اس شخص کی عمر تین سو برس کی بتلائی جاتی ہے اُس نے مرتے وقت اپنے تمام اعزا و اقارب اور قوم و قبیلہ کے لوگوں کو جمع کیا اور ایک دستور العمل لکھ کر ان لوگوں کو دیا جو آج تک مشائخ قبیلۂ بجیلہ کے پاس محفوظ ہے۔ شق دولتِ اسلام سے محروم رہا +

اوس ابن ربیعہ۔ اوس بن ربیعہ بھی عرب کے معمّرین سے ہے اس نے دو سو چودہ برس کی عمر پائی۔ اپنی طول عمری کے متعلق اُس نے یہ شعر کہے ہیں۔

لَقَدْ عُمِّرْتُ حَتّٰی مَلَّ اَهْلِیْ + سَوَاءٌ عِنْدَهُمْ وَسَئِمْتُ عُمْرِیْ + وَحَقَّ لِمَنْ اَتٰی مِائَتَانِ عَامٍ + عَلَیْهِ وَاَرْبَعٌ مِنْ بَعْدِ عَشْرٍ
یَمَلُّ مِنَ الثَّوَاءِ وَصُبْحِ لَیْلٍ + یُغَادِیْهِ دُلَیْلٌ بَعْدَ یُسْرٰی + فَاَبْلٰی شِلْوِیْ وَتَرَکْتُ سِلْوِیْ + وَبَاحَ بِمَا اَجَنَّ ضَمِیْرُ صَدْرِیْ +

ترجمہ۔ میری عمر اتنی زیادہ ہوگئی کہ میرے اہل و عیال تنگ آگئے ان کو بھی ساوات ہوگئی اور میں خود اپنی عمر سے عاری ہوگیا اور رنج بھی ہے کہ جس شخص کی عمر دو سو چودہ برس کی ہو جاوے وہ ناکامی اور کامیابی سے جو ایک دوسرے کے بعد پے درپے ہوتے رہتے ہیں کیونکر عاجز نہ آجائے پس میرے اعضاء فرسودہ ہوگئے اور میری صبر و استقلال کی طاقت جاتی رہی اور جن باتوں کو میں سینہ میں چھپائے ہوئے تھا ظاہر ہوگئیں؛

عبید ابن ابرحی۔ اس شخص نے تین سو برس کی عمر پائی اور جنگ قبائل میں اسکو نعمان ابن منذر نے اسیر کرکے قتل کرایا اس کا یہ قول آج تک عرب میں مشہور ہے فَنِیْتُ وَاَفْنَانِی الزَّمَانُ وَاَصْبَحَتْ لِدَاتِیْ بَنُوْ نَعْشٍ وَزَهْرُ الْفَرَاقِدِ۔ میں فانی ہوگیا اور زمانہ نے مجھکو فانی کر دیا اور میرے اعزا اور اقارب سب کے سب تابوت کے اندر رکھدیے گئے اور وہ سب کے سب ریگ بیابان میں مدفون کر دیے گئے +

مستوغر ابن ربیعہ ابن کعب تین سو برس تک جیتا رہا قبیلۂ تمیم سے تھا زمانہ اسلام تک بقیدِ حیات موجود تھا مگر مشرف بہ اسلام نہ ہوا۔

درید ابن زید بن فہد ساڑھے چار سو برس تک زندہ رہا اپنی طول عمری کے متعلق اس نے یہ شعر یادگار چھوڑا ہے۔

اَلْقٰی عَلَیَّ الدَّهْرُ رِجْلًا وَّیَدًا وَالدَّهْرُ مَا + یُصْلِحُ یَوْمًا اَفْسَدَ اُصْلِحُهُ الْیَوْمَ وَیُفْسِدُهُ غَدًا

زمانے نے مجھکو اور میرے ہاتھ پاؤں کو ڈالدیا حالانکہ جو زمانے گزر چکے پھر ان کی اصلاح و ترمیم نہیں ہوسکتی اگر آج کچھ اصلاح کی بھی گئی تو پھر کل سویرے کچھ بھی نہیں +

شریہ ابن عبداللہ جعفی تین سو برس تک زندہ رہا اور خلافتِ ثانی کے ایام میں عمر بن الخطاب خلیفۂ دوم کے پاس حاضر ہوا وہ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں بیٹھے تھے۔ شریہ کہنے لگا کہ تم اسوقت جہاں بیٹھے ہو میں نے ایک وقت سوائے ریگستان خشک کے نہ پانی کا نشان دیکھا تھا اور نہ درخت کا۔ مگر کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا تھا جو تم لوگوں کی طرح کلمۂ شہادت (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) پڑھتے تھے۔

شریح کا بیٹا بھی اُسوقت اُس کے ساتھ تھا مگر وہ شیخوخیت اور کہولت کے اس درجہ تک پہنچگیا تھا کہ اپنے باپ کا ہاتھ پکڑ کر راستہ چلتا تھا۔ اور جہاں بیٹھتا تھا باپ کا تکیہ لگا کر۔ یہ حالت دیکھکر حضرت عمرؓ نے شریح سے پوچھا کہ تعجب ہے کہ باوجود اس کبرسنی کے تم ایسے قوی اور توانا معلوم ہوتے ہو بخلاف تمہارے تمہارا بیٹا جو سن میں تم سے کہیں چھوٹا ہے ایسا کمزور اور ضعیف ہوگیا ہے کہ تم اس کی حمایت اور اعانت کرتے ہو۔ شریح نے کہا کہ اے امیر اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ستر برس کی عمر تک شادی ہی نہیں کی تھی۔ بعد اس کے میں نے ایک نیک مزاج اور باعصمت عورت کے ساتھ شادی کی جس نے مجھے ہمیشہ راحت و آرام پہنچایا اور کبھی مجھ کو اس سے کوئی تکدر یا کلفت خاطر نہیں ہوئی۔ بخلاف میرے میرے بیٹے نے کم عمری میں شادی کی اور ایسی بے حیا بے عفت اور بے عزت عورت کے ساتھ جو ہمیشہ اس کے لئے صدمات اور فکر و ترددات کا باعث ہوا کی۔ اور یہی اس کے جلد ضعیف ہوجانے کی خاص وجہ ہے +

عوف ابن کنانہ کلبی۔ کامل تین سو برس تک زندہ رہا۔ مرنے کے وقت اپنی قوم کے تمام لوگوں کو جمع کیا اور ان کو بہت سی مفید نصیحتیں دستور العمل کے طور پر لکھوادیں اور آخر میں یہ دو شعر بھی۔

کُلُّ ذِی لُبٍّ بِمُؤْتِیْكَ + نُصْحَهٗ وَلَا کُلُّ مُؤْتٍ + وَلٰکِنْ اِذَا مَا اسْتَجْمَعَا عِنْدَ وَاحِدٍ + فَحُقَّ لَهٗ مِنْ طَاعَةٍ بِنَصِیْبٍ

جو صاحب عقل و ادراک ہیں وہ کبھی کسی کو نصیحت نہیں کرتے اور جو لوگ کہ عموماً لوگوں کو نصیحت کرتے پھرتے ہیں وہ عموماً عاقل نہیں ہوتے اور اگر یہ دونوں اوصاف ایک شخص واحد میں جمع ہوجائیں تو سننے والوں پر اُسکی اطاعت واجب ہوجاتی ہے۔

ذوالاصبع عدوانی۔ تین سو برس تک جیتا رہا۔ اس کا اصلی نام حرثان ابن حرث ابن محرب تھا۔

جعفر ابن قبط۔ یہ بھی تین سو برس تک زندہ رہا۔ اور شیوع اسلام تک باقی تھا۔

عامر ابن طرب عدوانی۔ اس نے بھی تین سو برس کی عمر پائی +

محقن ابن غسام ابن عمر ابن قطیعہ زبیدی۔ دو سو پچاس برس تک زندہ رہا۔ اُس نے اپنی طول عمری کے متعلق بہت سے اشعار یادگار چھوڑے ہیں +

سیفی ابن ریاح۔ اس کی کنیت ابو کثم ہے دو سو ستر برس تک زندہ رہا۔ اُس کے وصایا آج تک اہل عرب میں دستور العمل سمجھے جاتے ہیں۔

قس ابن ساعدہ۔ اس شخص نے کامل چھ سو برس کی عمر پائی اور اپنی طول عمری کی یادگار میں یہ دو شعر باقی چھوڑے۔

هَلِ الْغَیْثُ یُعْطِی الْاَمْرَ عِنْدَ نُزُوْلِهٖ + بِحَالِ مُسِیْءٍ فِی الْاُمُوْرِ مُحْسِنٍ

وَمَنْ قَدْ تَوَلّٰی وَهُوَ قَدْ فَاتَ ذَاهِبٌ + فَهَلْ یَنْفَعَنِّیْ لَیْتَنِیْ وَلَوْ اَنَّنِیْ

آب باراں کے فیوض کو اچھے اور بُرے دونوں قسم کے لوگوں کی طرف منسوب کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ سمجھنا چاہئے کہ اس کا نزول اچھے لوگوں کے لئے ہے۔ جس کی موت آتی ہے وہ مرجاتا ہے تو پھر اب اُس کے حق میں یہ کہنا کہ اے کاش ابھی وہ نہ مرتا اس کو اب کچھ فائدہ نہیں پہنچاتا +

ربیع ابن ضبع فزاری یہ بھی عرب کے معمرین میں داخل ہے دو سو چالیس برس تک زندہ رہا۔ دولت اسلام سے مشرف ہوا اور معاویہ ابن ابو سفیان کی حکومت تک زندہ رہا۔ جب دو سو برس کی عمر ہوچکی تو اُس نے ذیل کے اشعار نظم کئے۔

اَلَا اَبْلِغْ بَنِیَّ بَنِیْ رَبِیْعٍ + فَاَشْرَارُ الْبَنِیْنَ لَکُمْ فِدَاءٌ + بِاَنِّیْ قَدْ کَبِرْتُ وَدَقَّ عَظْمِیْ + فَلَا تَشْغَلْکُمُ عَنِّی النِّسَاءُ

وَاِنَّ کَنَائِنِیْ لِنِسَاءِ صِدْقٍ + وَمَا اٰلٰی بَنِیَّ وَلَا اَسَاؤُا + اِذَا کَانَ شِتَاءٌ فَادْفِئُوْنِیْ + فَاِنَّ الشَّیْخَ یَهْدِمُهُ الشِّتَاءُ

اِذَا مَا حِیْنَ یَذْهَبُ کُلُّ قُرٍّ + فَسِرْبَالٌ خَفِیْفٌ اَوْ رِدَاءٌ + اِذَا عَاشَ الْفَتٰی مِائَتَیْنِ عَامًا + فَقَدْ ذَهَبَ اللَّذَاذَةُ وَالْفَتَاءُ

میرے بیٹوں سے کہدو کہ ناخلف بیٹے تمہارے اوپر سے فدا ہوجائیں۔ میں کبیرسنی کی حد تک پہنچگیا۔ میری تمام ہڈیاں بوسیدہ اور نازک ہوگئیں۔ اپنی عورتوں کے ساتھ تعیش میں پڑکر میری خبرگیری کو نہ بھولو۔ کیونکہ تمہاری ہمسر عورتیں بھی راستگو اور وفادار ہیں۔ ہمارے بیٹوں نے ہماری خدمت میں کوئی کمی یا کوئی تصور نہیں کیا ہے۔ جب جاڑے کے دن آئیں تو مجھ کو خوب گرم کپڑے پہناؤ کیونکہ جاڑے کا موسم بوڑھوں کو منہدم اور فنا کر دیتا ہے اور جب گرمی کے ایام آئیں تو بالکل ہلکا کپڑا یا کوئی چادر مجھے اڑھادو۔ اور وہی مجھے کافی ہوگی جسوقت آدمی کی عمر دو سو برس کی ہوجاتی ہے تو اُس سے جوانی اور جوانی کی تمام لذتیں یکبارگی سلب ہوجاتی ہیں +

ابوطمحان قلبیؔ۔ ابوحاتم سجستانی کی تحقیق میں ابوطمحان کی عمر دو سو برس کی ہوئی اس لے اپنی طول عمر کے متعلق یہ دو شعر یادگار چھوڑے ہیں۔

حَنَتْنِی حَانِیَاتُ الدَّھرِ حَتّٰی + کَاَنِّی خَاتِلٌ یَدْنُوْ لِصَیْدٍ + قَصِیْرُ الْخَطْوِ یَحسَبُ مَنْ رَاٰنِی + وَلَسْتُ مُقَیَّدًا اَنِّی بِقَیْدٍ +

حادثاتِ زمانہ نے میرے قد کو خمیدہ کر دیا اور میں اپنی خمیدگی کی وجہ سے اُس شخص سے مشابہ ہوگیا جو اپنے شکار کی گھات میں جھک کر چلتا ہے۔ اور میں اُس شخص کی مانند بھی ہوگیا ہوں جو زنجیر وغیرہ میں مقید ہونے کے باعث جھک کر چلنے پر مجبور ہو۔ ابوطمحان اپنے زمانہ کا بہت بڑا شاعر مشہور اور پُرگو شاعر گزرا ہے۔ تاریخ سجستانی میں اُسکے تفصیلی حالات مندرج ہیں۔

عبدالمسیح ابن بصلہ۔ یہ شخص بھی عرب کے معمرین سے ہے۔ یہ شخص عرب کے قبیلہ بنی غسان سے تھا جو ایک مدت تک جزیرہ نمائے عرب میں حکومت کر چکے تھے۔ کلبی اور ابومخنف نے ساڑھے تین سو برس تک اس کی عمر کا اندازہ لگایا ہے۔ اور عاصمی اور سجستانی وغیرہ نے اس سے زیادہ مدت کا شمار کیا ہے اور اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ شخص شیوعِ اسلام تک ضرور زندہ تھا مگر اسلام سے مشرف نہ ہوا اور بالآخر دین عیسائی اور طریقہ آبائی پر مرا۔

خالد ابن ولید نے جب شہر حیرہ من مضافاتِ ملک شام پر فوج کشی کی تو اُس علاقہ کے تمام لوگ اُس قدیم شہر میں محصور ہوگئے جسکو عرب کے قدیم اور بہت بڑے مشہور بادشاہ نعمان ابن منذر نے بسایا تھا۔ اور اپنے ممالکِ محروسہ کا دار الحکومت بنایا تھا۔ خالد نے یہ سنکر اُس شہر کا بھی محاصرہ کر لیا اور محصورین شہر کے پاس کہلا بھیجا کہ جو شخص تم لوگوں میں سب سے زیادہ قابل اور گویا ہو اُسکو لے آؤ کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان امور متنازع فیہ کا تصفیہ کر جائے۔ اہالیانِ شہر نے عبدالمسیح کو جو اُسی شہر میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر رہا کرتا تھا بھیجدیا۔ جب وہ خالد کے پاس آیا تو اس نے سلام کی جگہ پر کہا اَنْعِمْ صَبَاحًا اَیُّھَا الْمَلِكُ (صبح کے وقت تم بانعمت ولذت رہو۔ اے امیر) خالد نے اس کے جواب میں کہا کہ خدائے تبارک وتعالیٰ نے مجھ کو تمہارے سلام وتحیۃ سے بے نیاز کر دیا ہے۔ مگر تم اتنا مجھ کو البتہ بتلاؤ کہ تم نے اپنے آنے میں ابتدا کہاں سے کی ہے؟ اُس نے کہا کہ میرے آنیکی ابتدا میرے باپ کے صُلب سے ہوئی ہے۔ خالد نے پوچھا کہ پھر نکلے کہاں سے؟ اُس نے کہا کہ ماں کے پیٹ سے۔ خالد نے پوچھا کہ پھر قائم کہاں ہوئے؟ جواب ملا کہ زمین پر۔ خالد نے پوچھا کہ کس چیز کے اندر بیٹھے ہو؟ کہا کہ ہمیشہ کپڑوں کے اندر رہتا ہوں۔ یہ سنکر خالد نے کہا کہ سوائے آج کے اور کوئی دن میں نے آج تک ایسا نہیں دیکھا ہے کہ اس شخص سے جو پوچھتا ہوں اُس کا جواب اپنے مقصود کے خلاف پاتا ہوں۔ عبدالمسیح نے کہا کہ میں خلاف یا موافق جواب تو جانتا نہیں اتنا البتہ جانتا ہوں کہ تم نے اسوقت تک جو کچھ پوچھا میں نے اُس کا جواب دیا۔ اب آئندہ جو کچھ پوچھوگے اُسکا جواب دیا جائیگا۔ خالد نے پوچھا کہ تم عرب ہو یا نبط؟ اُس نے کہا میں عرب ہوں مگر نبطیوں کی شکل میں آیا ہوں۔ میں نبطی ہوں مگر عرب کی شکل میں آیا ہوں خالد نے پوچھا کہ اچھا تو اب اسوقت تم ہم سے جنگ کروگے یا مصالحہ؟ عبدالمسیح نے کہا مصالحہ۔ خالد نے کہا پھر اتنے ہمراہیوں کو کیوں ساتھ لائے ہو؟ اُس نے کہا کہ شاید تم سے گفتگو کرنے میں کوئی قصور یا خطا کر جاؤں تو ان میں سے جو دانشمند اور ہوشیار ہوگا وہ فوراً موقع پر میری اصلاح کر دیگا۔ خالد نے پوچھا کہ اسوقت تمہاری عمر کتنی ہوئی ہوگی؟ اُس نے کہا کہ ساڑھے

تین سو برس کی ابو الحسن نسابہ اصفہانی نے اپنی کتاب فرع و شجر میں اس کا پورا حال لکھا ہے اور صرف اُسکی حکومت کی مدت کو دو سو برس بتلایا ہے +

عمر ابن عامر ابن مر لقانی۔ ابو الحسن اصفہانی نے ابن عباس انصاری کی اسناد سے اس شخص کی عمر آٹھ سو برس کی بتلائی ہے۔ اس کی زندگی میں اس کے چاروں بیٹوں کی عمر پانچ پانچ سو برس کی ہو چکی تھی +

ریان ابن دومغ فرعون مصر اور جناب قائم علیہ السلام کی بشارت۔ ابو القاسم محمد ابن قاسم کا بیان ہے کہ ابو الحسن حماد بیہ ابن احمد ابن طولون نے شہر مصر میں تھوڑا سا خزانہ پالیا۔ وہ کچھ ایسا بیش بہا تھا کہ اُس کے قبل اور اس کے بعد سے آج تک پھر ویسی اور اتنی دولت کسی نے نہیں پائی۔ یہ خزانہ پاکر ابو الحسن کی حرص بڑھ گئی۔ اپنی موجودہ فکر میں اُس نے اہرام مصری کی اُن دونوں عمارتوں کے مسمار کرنے کا قصد کیا جو شمال و مغرب کے گوشہ کی طرف مدینہ کے بیرون شہر واقع تھیں۔ اُس کے ہمراہیوں نے تو اُسکی رائے سے اتفاق کیا مگر مصر کے معتمدین اور معززین نے اُسکو اس قصد سے باز رکھنا چاہا۔ اور بیان کیا کہ ایسا قصد کرنے والوں کو کبھی کوئی کامیابی نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ وہ قبل از وقت ہلاک ہو ہو گئے۔ ابو الحسن نے ان کے کہنے پر کوئی اعتنا نہیں کی۔ اور ایک ہزار مزدوروں کی جماعت کے ساتھ اُن عمارتوں کے انہدام کا کام شروع کرا دیا۔ کامل ایک سال تک برابر کام لگا تار رہا مگر اُن کے اندر جانے کا کوئی راستہ پیدا نہ ہوا۔ یہانتک کہ تمام لوگ تھک تھک کر عاجز ہو ہو گئے اور اپنی کامیابی سے مایوس ہو گئے۔ جب وہ لوگ مایوس ہو کر وہاں سے پھرنے لگے تو اتفاق وقت سے یکایک اُن کو ایک راہ ملی اور وہ اُسی سوراخ سے اُس کے اندر گئے تو دیکھا کہ ایک سنگ مرمر کی سل دیوار میں نصب ہے۔ ان لوگوں نے اُس سل کو مکانِ مطلوبہ کا دروازہ سمجھا اور اُس کو وہاں سے اُکھاڑ کر باہر لائے۔ اس پر دیکھا تو تمام یونانی عبارت کندہ تھی۔ ابو الحسن نے مصر کے تمام علما و فضلا کو جمع کیا اور وہ عبارت دکھلائی مگر کوئی بھی اُسے نہ پڑھ سکا ان علما میں حافظ ابو عبد اللہ مدینی بھی تھے۔ یہ شخص حافظ بھی تھا اور عالم و فاضل بھی۔ اُس نے ابو الحسن کو مخاطب کر کے کہا کہ اے امیر! ہم میں سے کوئی شخص اس عبارت کو نہیں پڑھ سکتا اور نہ اس کے پڑھنے والے کو بتا سکتا ہے مگر میں تجھے بتلائے دیتا ہوں کہ جزیرۂ حبش میں ایک عالمِ نصرانی ہے جس کی عمر اس وقت تین سو ساٹھ برس کی ہو چکی ہے وہ البتہ اس خط کو جانتا ہے۔ اگر وہ یہاں آئے یا یہ لوح اُس کے پاس جائے تو البتہ یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

ابو الحسن نے اُسی وقت ایک نامہ بادشاہ حبش کے نام لکھا اور اُس معمر نصرانی کو بلا بھیجا۔ بادشاہِ حبش نے جواب میں لکھ بھیجا کہ وہ شخص اتنا ضعیف و کبیر السن ہے کہ نقل و حرکت نہیں کر سکتا۔ اور اگر کسی نہ کسی طرح وہ آپ کی خدمت میں بھیج بھی دیا جائے تاہم زحمتِ سفر اور تغیر آب و ہوا کی وجہ سے اُس کے ہلاک ہو جانے کا پورا اندیشہ ہے۔ جسکو نہ میں گوارا کر سکتا ہوں اور نہ میری رعایا۔ اِس لئے میں اُس کو نہیں بھیج سکتا ہاں اگر وہ لوح آپ بھیجدیں تو البتہ اس کی عبارت مع مطلب و مضامین کے نقل کر کے آپ کے پاس بھیجدی جائے گی۔ ابو القاسم کا بیان ہے کہ ابو الحسن نے مجبور ہو کر آخر کار اپنے معتمدین کی ایک جماعت کو جس میں میں بھی تھا اُس لوح کے ہمراہ روانہ کیا۔ ہم لوگ شہر اسوان سے اُس لوح کو لیکر کشتی پر سوار ہوئے اور نہایت عجلت سے ملک حبشہ میں داخل ہوئے۔ اُس عالم نصرانی کے پاس پہنچے تو اُس نے اس عبارت کو تمام و کمال پڑھ دیا۔ پہلے اپنی زبانِ حبش میں پھر زبانِ عربی میں ترجمہ کر کے بتلایا۔ وہاں سے ہم لوگ بخیر و خوبی پھر ابو الحسن کے پاس لوٹ آئے اور لوح اور اسکا ترجمہ اُس کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس کا خلاصہ مطلب یہ تھا:-

اِس کا بانی میں ریان ابن دومغ ہوں۔ ابو الحسن نے حافظ مدینی سے پوچھا کہ ریان ابن دومغ کون شخص ہے؟ اُس نے کہا عزیزِ مصر تھا۔ جس کے وقت میں حضرت یوسف علی نبینا و آلہ و علیہ السلام تھے۔ ریان کی عمر سات سو برس کی تھی۔

اور اُس کے باپ دَوْمَغ کی عمر تین ہزار برس کی تھی - آگے چلکر اُس لوح میں یہ عبارت کندہ تھی -

میں رَیّان ابنِ دَوْمَغ ہوں۔ میں چار لاکھ فوج لیکر رودِ نیل کے منبع کی تلاش میں نکلا اور اسّی برس تک اُس کا منبع تلاش کرتا رہا۔ یہانتک کہ پردۂ ظلمت تک پہنچگیا۔ مگر کہیں اُس کے منبع کو نہ پاسکا۔ آخرکار اسی تجسّس میں میرا تمام ہمراہی لشکر تباہ و برباد ہوگیا۔ اور چار لاکھ آدمیوں میں سے کل چار ہزار باقی رہ گئے۔ اُس وقت میں اپنے ملک کی تباہی اور سلطنت کے زوال کی طرف سے خوف زدہ ہوکر واپس آیا۔ اور مصر میں پہنچکر ان دونوں اہرام کی عمارت تیار کی۔ اور اپنے تمام خزینوں اور دفینوں کو ان میں رکھدیا اور اپنے اس امر کی یادگار میں میں نے چند اشعار بھی نظم کئے جو اس لوح پر منقوش کئے جاتے ہیں -

وَادْرَاکُ عَقْلِی بَعْضَ مَاھُوَ کَائِنٌ ✤ وَمَاعِلْمَ لِی بِالْغَیْبِ وَاللهُ اَعْلَمُ ✤ وَاَتْقَنْتُ مَاحَاوَلْتُ اِتْقَانَ صُنْعِہٖ ✤ وَحِکْمَتِہٖ وَاللهُ اَقْوٰی وَاَحْکَمُ ✤

وَحَاوَلْتُ عِلْمَ النِّیْلِ مِنْ بَدْءِ فَیْضِہٖ ✤ فَاَعْجَزَنِی وَالْمَرْءُ بِالْعَجْزِ مُلْجَمُ ✤ ثَمَانِیْنَ شُھُوْرًا قَطَعْتُ مَسَالِجًا ✤ وَحَوْلِیْ بَنُوْحَجْرٍ وَجَیْشٌ عَرَمْرَمُ ✤

اِلٰی اَنْ قَطَعْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ کُلَّھُمْ ✤ وَعَارَضَنِیْ لُجٌّ مِنَ الْبَحْرِ مُظْلِمُ ✤ فَاَیْقَنْتُ اَنْ لَّا مَنْفَذًا بَعْدَ مَنْزِلِیْ ✤ لِذِیْ ھَیْبَۃٍ بَعْدِیْ وَلَا مُتَقَدِّمُ ✤

فَاُبْتُ اِلٰی مُلْکِیْ وَاَرْسَیْتُ نَادِیًا ✤ بِمِصْرَ وَلِلْاَیَّامِ بُؤْسٌ وَاَنْعُمُ ✤ اَنَا صَاحِبُ الْاَھْرَامِ فِیْ مِصْرَ کُلِّھَا ✤ وَبَانِیْ بِرَابِیْھَا بِھَا وَالْمُقَدَّمُ ✤

تَرَکْتُ بِھَا اٰثَارَکَفِّیْ وَحِکْمَتِیْ ✤ عَلَی الدَّھْرِ لَا تَبْلٰی وَلَا تَتَھَدَّمُ ✤ وَفِیْھَا کُنُوْزٌ جَمَّۃٌ وَّعَجَائِبٌ ✤ وَلِلدَّھْرِ اَمْرٌ مَرَّۃً وَّتَھَجُّمُ ✤

سَیَفْتَحُ اَقْفَالِیْ وَیُبْدِیْ عَجَائِبِیْ ✤ وَلِیٌّ لِرَبِّیْ اٰخِرَالدَّھْرِ یَنْجُمُ ✤ بِاَکْنَافِ بَیْتِ اللهِ تَبْدُوْا اُمُوْرُہٗ ✤ وَلَا بُدَّ اَنْ تَعْلُوْا وَیَسْمُوْا بِہِ السَّمُ ✤

ثَمَانٌ وَتِسْعٌ وَاثْنَانِ وَاَرْبَعٌ ✤ وَتِسْعُوْنَ اُخْرٰی مِنْ قَتِیْلٍ وَمُلْجَمُ ✤ وَمِنْ بَعْدِ ھٰذَا سَبْعُوْنَ خَمْسَۃٌ ✤ وَتِلْکَ الْبَرَایَا تُسْتَحَرُّ وَتُھَدِّمُ ✤

وَتُبْدِیْ کُنُوْزِیْ کُلَّھَا غَیْرَ اَنَّنِیْ ✤ اَرٰی کُلَّ ھٰذَا اَنْ یُّفَرِّقَ الدَّمُ ✤ رَمَزْتُ مَقَالِیْ فِیْ صُخُوْرٍ قَطَعْتُھَا ✤ سَتُفْنِیْ وَاُفْنِیْ بَعْدَھَا ثُمَّ اُعْدَمُ ✤

ترجمہ :- میری عقل نے بعض ہونیوالی اشیاء کو معلوم کرلیا ہے۔ حالانکہ مجھے علم غیب نہیں ہے اور تمام چیزوں کا جاننے والا پروردگار عالم ہے۔ جن اشیا کے محکم کرنے کا قصد میں نے کیا ہے میں نے ان کو مستحکم کرلیا۔ اور خدائے برتر مجھ سے زیادہ تر قوی اور احکم ہے۔ میں نے قصد کیا کہ میں رودِ نیل کے منبع کو تلاش کروں۔ میں عاجز آگیا اور اس کو کسی طرح پیدا نہ کرسکا۔ اور انسان اپنی عاجزی اور مایوسی کی حالت میں اپنا سر نیچے ڈال دیتا ہے۔ اسّی برس تک میں سیر و سیاحت کرتا رہا۔ میرے ساتھ صاحبانِ عقل و فراست کی کثیر التعداد جماعت موجود تھی۔ میں نے انسان و جن کے تمام اقالیم کی سیر کی اور بحرِ ظلمات تک پہنچگیا اور یہاں پہنچکر مجھے یقین ہوگیا کہ کوئی شخص مجھ سے پہلے اس مقام تک نہیں پہنچا اور نہ میرے بعد کوئی یہاں تک پہنچنے کی جرأت و ہمت کرسکیگا۔ یہ سوچکر میں اپنے ملک کو واپس آیا اور راحت و آرام سے اپنی حیات کے زمانہ کو تمام کرنے لگا۔ دنیا میں کبھی رنج ہے کبھی راحت۔ میں نے اہرامِ مصری کی ان عمارتوں کو بنایا اور اپنی حکمت و صنعت کی صورتوں کو دکھلایا ہے۔ اور دنیا میں اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ یہ مدتِ مدید تک دنیا میں قائم رہینگی اور کبھی کہنہ و خراب نہ ہوں گی۔ اور ان دونوں عمارتوں میں بے شمار اور عجیب و غریب خزانے اور اشیا جمع کردی گئی ہیں۔ دنیا کبھی تو انسان کو امیر اور حکمراں بناتی ہے اور کبھی ایسا کردیتی ہے کہ تمام لوگ اُس کو عاجز اور مجبور سمجھکر اُس پر ہجوم کرکے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ آخر میں ایک زمانہ ایسا آنیوالا ہے کہ میرے خزانوں کے قفل کو ایک بزرگ جو اُس زمانہ میں ولیِ خدا ہوگا کھولیگا اور اُس کے تمام عجائب و غرائب کو دنیا پر ظاہر کردے گا۔ اُس کے تمام امور کا اظہار بیت اللہ (کعبہ) سے آغاز ہوگا اور اس کے ظہور کے وقت تین سو تیرہ مومنین موقنین اُس کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کریں گے اور ہماری اس عمارت کو وہی لوگ خراب کرینگے۔ یہ تو زندہ لوگ ہونگے اور مُردوں میں نوّے فرقے کے لوگ پھر زندہ ہوکر اس کی متابعت اختیار کریں گے۔ خداوند تعالیٰ اپنے اس ولی کے مدارج کو بلند فرمائیگا اور خدائے واحد کا نام اور اس کا دین اسی کے وسیلہ سے واضح اور آشکارا ہوگا۔ اس

عمارت سے ہی بزرگ میرے تمام دفائن وخزائن کو باہر نکالیں گے اور مجھ کو معلوم ہے کہ وہ یہ تمام رقم جہاد فی سبیل اللہ کے مصارف میں خرچ فرمائیں گے۔ میں نے بخیال تحفظ اپنے ان وصایا کو اس لوح سنگین پر اسرار مخفی کی صورت میں کندہ کرا دیا ہے مگر تاہم مجھکو یقین ہے کہ یہ آثار بھی بہت جلد فنا ہو جائینگے۔ اور ان پر کیا موقوف ہے میں آپ بھی بہت جلد فنا اور معدوم ومفقود ہو جانیوالا ہوں۔

معمرین فارس - یہ تو عرب کے معمرین کے حالات تھے فارس کے معمرین کے متعلق یہ تفصیل تاریخوں میں پائی جاتی ہے کہ ملوک فارس کے سلسلہ میں **ضحاک** (صاحب دو بار) کی عمر بارہ سو برس اور **فریدون عادل** کا سن تین ہزار برس کا بتلایا جاتا ہے اور جس بادشاہ نے مہرجان کی ایجاد کی وہ ڈیڑھ ہزار برس جیتا رہا۔

ہماری اس طول وطویل اور پر تفصیل فہرست سے اتنے معمرین زمانہ کے نام معلوم ہوئے جن میں تین ہزار بلکہ زائد عمر والوں سے لیکر دو سو اور تین سو برس تک کے عمر پانیوالوں کے نام اور ان کے حالات وواقعات معلوم ہو گئے۔ اس فہرست کو دیکھکر طول بقا کے مسئلہ سے انکار کرنیوالے حضرات کسی کی طول عمری کو جو اُن کی موجودہ عمر طبعی کی مدت سے زائد ظاہر ہوتی ہے کیسے محالِ فطری یا محالِ عادی کہہ سکتے ہیں۔ اتنے واقعات وحالات جو فریقین کے معتبر ماخذوں سے اور پرکھے گئے ہیں کیا دنیا کے مشاہدات نہیں کہلائیں گے۔ پھر اتنے متواتر مشاہدات کے مقابلہ میں جن کی ایک نہیں متعدد مثالیں ابتدائے عالم سے اسوقت تک ہر طبقہ اور ہر درجہ اور ہر وقت میں پیش نظر آ چکی ہیں۔ معترضین کی تشفی اور تسکین کیلئے کافی نہ ہوں گی۔ کیا حقیقتاً اتنے معمرین زمانہ کے حالات جو تاریخ قدیمہ میں بالتفصیل قلمبند پائے جاتے ہیں وہ سب افسانے اور پرانے ڈھکوسلے ہیں۔ کیا کلبی عاصمی۔ ابو دریدا ور ابو مخنف وغیرہم اور بہت سے علمائے متقدمین کی معتبر اور مستند تالیفات جو خاصکر معمرین روزگار کے حالات میں مرتب کیئے گئے ہیں بالکل اساطیر الاولین ہیں جن پر کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یہی جواب ہے تو نہ یہ تو معمولی علماء کی ادنی تالیفات تھیں۔ کتاب اللہ محکم میں اصحاب کہف کی نسبت کیا ارشاد کیا جائیگا اور زیادہ ان کے کہنے کے متعلق کیا کہا جائیگا جو عمر طبعی میں از روئے علم حیوانات بمقابلہ انسان بہت کم حصہ پانیوالا ہے۔

یہ تمام فساد اور برے اعتقاد خدا کی قدرتوں میں دخل اور معقولات اور چھوٹا منہ بڑی بات کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اُس کے قانون قدرت بہت کم بدلتے ہیں۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی وقت کسی حالت میں اپنے کسی نظام میں تغیر وتبدل پیدا کرنے سے مجبور سمجھ لیا جائے جو اُس کی صفات واجبہ کے بالکل خلاف ہے۔ یہ سچ ہے کہ اُس نے اپنے نظام کے لئے ضرور ایک قانون بنایا ہے۔ مگر پھر اپنی قدرت کاملہ کے ثابت کرنے کی ضرورت سے اُن میں ضرور ایسے تغیر پیدا کرتا ہے جن سے اس کی قوت وجبروت کے کامل ثبوت مل جاتے ہیں۔ اسی سے ہر شخص سمجھ لیتا ہے کہ باوجود ان مشاہد روزمرہ کے وہ قادر مطلق جس وقت چاہے اپنے نظام میں نہایت آسانی اور سہولت سے تغیر وتبدل پیدا کر سکتا ہے۔ تمام نظام عالم کا یہی حال ہے۔ اور ایسا ہی انسان کے نظام عمری کا۔ اخبار وآثار متواترہ سے ہر زمانہ میں انسان کی عمر طبعی کی ایک میعاد خاص ضرور پائی جاتی ہے۔ مگر اُس کے ساتھ ہی معمرین کے مستثنیات اور خاص خاص واقعات بھی روزانہ تجربات اور عالم مشاہدات دنیا کے غافلوں کو اس کی قدرت اور جبروت کے تصرفات دکھلاتے اور تبدلاتے جاتے ہیں۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ٭ بات تو یہ ہے کہ نہ خدا کو مانتے نہ (معاذ اللہ) یہ جھگڑے ہوتے۔ ساری دقتیں تو اُس کے مان لینے سے سر پڑ جاتی ہیں تو اس صورت میں تاوقتیکہ خدا کے وجود سے انکار نہ کیا جائے اُسکے وجود قدرت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور جب تک کہ وجود قدرت سے انکار صریح نہ کیا جائے اس کی قدرت کے تمام آثار واقتدار عام اس سے کہ عقل۔ ہمارے تجربہ اور ہمارے مشاہدے میں آئیں یا نہ آئیں ماننے ہی پڑیں گے۔ پھر انہی اصول کے مطابق ان تمام انبیاء واوصیاء علیہم السلام کے اخبار وآثار کا بھی یقینی اقرار کرنا پڑے گا جو خدا کی قدرت کے

اصلی نمونے بنا کر دنیا میں مبعوث فرمائے گئے تھے۔ اور دنیا کی اصلاح حال کے خیال سے وقتاً فوقتاً دنیا میں نازل کئے گئے تھے کہ ان کی مبارک ذات وصفات میں ہم قدرت آلٰہیہ کے ظہور کو دیکھکر اپنے ارتداد اور سوئے اعتقاد سے باز رہیں اور اس کے احکام مشیت۔ آثار قدرت اور نظام حکمت کے پیچھے اپنے قیاس کے گھوڑے نہ دوڑائیں۔ بہرحال اس سے زیادہ ہم اپنا وقت عزیز اس بحث میں صرف کرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ ہم نے اپنی موجودہ بحث میں اپنی عقلی ونقلی دلائل قلمبند کردی ہیں اور دکھلا آئے ہیں کہ طول عمر کا مسئلہ کسی عنوان اور کسی طریقہ سے خلاف عقل یا محال نہیں سمجھا جا سکتا +

آپ کی پیشینگوئی کے متعلق جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں

بہرحال۔ اس بحث کو تمام کرکے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور اپنے آئندہ مضامین میں نہایت اختصار کے ساتھ وہ حالات مندرج کرتے ہیں جو پیشینگوئی اور عام بشارت کے طور پر آپ کے ظہور فرمانے کے متعلق حدیثوں میں وارد ہوئے مگر قبل اس کے کہ ہم ان احادیث کی نقل یا تفصیل وتشریح کو اپنے سلسلۂ بیان میں آغاز کریں۔ ہم اپنی کتاب کے ناظرین کو بتلائے دیتے ہیں کہ کتب فریقین میں یہ اخبار وآثار اس کثرت سے پائے جاتے ہیں جن کا مشکل سے انحصار اور شمار کیا جا سکتا ہے اگر ہم ان تمام اخبار وآثار کو اسی مقام پر قلمبند کرنا چاہیں تو فریقین کی احادیث کا کافی ذخیرہ اور کامل انبار تیار ہو جائیگا۔ اسلئے ہم نہایت اختصار کے ساتھ چند حدیثیں فریقین کے معتبر اور مستند ماخذوں سے لکھکر ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔

قال الشیخ محی الدین عربی الاندلسی فی الکتاب درّ المکنون ومن علامات ظہور امام المہدی علیہ السلام خروج السفیانی وھو یرسل ثلثین الفا الی المکۃ دفی البیداء یخسفھم الارض ولا ینجوا منھم الا رجلان وتکون مدۃ حکمہ ثمانیۃ اشھر وظہور المہدی علیہ السلام فی ھذہ السنۃ قال مقاتلی فی نفسیرہ والسیحۃ التی تکون فی شھر رمضان فی لیلۃ الجمعۃ ویکون فھل المہدی علیہ السلام عقیبہ فی شوال ومن علامات خروج الامام المہدی علیہ السلام منادیا دی الا ان صاحب الزمان علیہ السلام قد ظہر وھو فی لیلۃ الثالث والعشرین من شھر رمضان فلا یبقی راقد الا قام ولا قائم الا قعد وانہ یخرج فی شوال دفی وتر من السنین ویبایع بین الرکن والمقام ثلثمائۃ وثلثۃ عشر رجلاً من الاخیار کلھم شبان لا کھل فیھم ویکون دار ملکہ الکوفۃ دینی لہٗ فی ظہر الکوفۃ مسجد لہ الف باب۔

شیخ محی الدین العربی الاندلسی کتاب درالمکنون میں لکھتے ہیں کہ جناب امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کی پہلی علامت خروج سفیانی ہے جو اپنے تیس ہزار آدمی شہر مکہ کی تسخیر کیلئے بھیجیگا اور وہ سب کے سب صحرا میں دھنس جائینگے۔ اور سوائے دو آدمیوں کے اُن میں سے کوئی بھی نہ بچے گا۔ وہ کل آٹھ مہینہ حکومت کریگا۔ اور جناب امام مہدی علیہ السلام کا ظہور اسی سال ہوگا۔ اور مقاتل نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ آپ کی علامات ظہور میں سے ایک علامت ندا بھی ہے ان کا بیان ہے کہ یہ ندا وہ ہے جو ماہ رمضان شب جمعہ کو آئیگی۔ اور اس کے بعد آپ شوال کے مہینہ میں ظہور فرمائیں گے۔ اس کے بعد ندائے عامہ کو بھی وہ آپ کے علامات ظہور میں داخل کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ایک منادی ندا کریگا کہ ایہا الناس آگاہ ہو جاؤ۔ جناب امام العصر والزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام ظہور فرما چکے۔ یہ منادی ۲۳۔ رمضان المبارک کو ندا کریگا۔ اسکے سنتے ہی جو کھڑا ہوگا وہ بیٹھ جائیگا اور جو بیٹھا ہوگا وہ کھڑا ہو جائیگا۔ آپ شوال کے مہینے میں ظہور فرمائیں گے اور وہ سال طاق ہوگا۔ آپ کی بیعت مکہ میں رکن ومقام کے مابین کیجائیگی۔ تین سو تیرہ مومنین اُسوقت آپ کی بیعت اختیار کرینگے۔ وہ سب کے سب جوان ہونگے اور ان میں بڑھاپے کی کوئی علامت نمایاں نہ ہوگی آپ کوفہ کو اپنا دارالحکومت بنائیگے اور شہر کوفہ میں ایک [illegible]

ہر ایک مسجد کی عمارت بنا فرمائینگے ۔ جس کے ہزار دروازے ہونگے ۔

ذکر دجال علیہ اللعن والعذاب ۔ شیخ محی الدین اندلسی پھر اُسی کتاب میں بذیل علامات ظہور جناب امام آخرالزمان علیہ السلام خروج دجال کو بھی اس عبارت میں لکھتے ہیں ۔ و ہو ہذا ۔ واما الدجال فان خروجہ یکون من خراسان من ارض المشرق موضع الفتن تتبعہ الاتراک والیہود ویمر الدجال بالخربۃ فیقول لہا اخرجی کنوزک فتتبعہ کنوزہا وہو قصیر القامۃ کھل اعور الیمنیٰ مکتوب بین عینیہ ک ا ف ر واقام فی الارض اربعون یوماً یوم کسنۃ ویوم کشہر ویوم کجمعۃ وسائر ایامہ کایام الناس ویقتلہ عیسیٰ علیہ السلام بباب مدینۃ لد واذا قتل الدجال فلا یبقی فی ارض مشرک ولا شئی من الاہواء المختلفۃ وقال اہل التفسیر تخرج دابۃ الارض ومعہا عصا موسیٰ علیہ السلام وخاتم سلیمان علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام فیجلو وجہ المومن بالعصا ویختم انف الکافر بالخاتم (ینابیع المودۃ)

دجال خراساں کے شرقی حصہ سے خروج کریگا اور تمام فتنہ وفساد پھیلائیگا ۔ اُسکی اطاعت قوم ترک اور یہود کے لوگ کرینگے اور اپنے تمام خزانے کھود کر حوالہ کریں گے ۔ دجال پستہ قد ہوگا ۔ سیدھی آنکھ سے کانڑا ہوگا ۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ک ا ف ر کافر لکھا ہوگا ۔ چالیس دن تک دنیا میں امارت کریگا ۔ اُس کے وقت میں ایک دن ایک مہینہ اور ایک مہینہ ایک برس ہوگا ۔ لیکن جمعہ معمولی دن کے برابر ہوگا ۔ اس کو جناب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام شہر لد (فلسطین) کے دروازے پر قتل فرمائیں گے اور جب دجال قتل ہوجائیگا تو پھر روئے زمین پر کوئی مشرک زندہ اور باقی نہیں رہیگا ۔ اور نہ کوئی کسی قسم کا اختلاف یا فتنہ وفساد پایا جائیگا ۔ اور اہل تفسیر کا قول ہے کہ دابۃ الارض (جناب مہدی علیہ السلام) ظہور فرمائیں گے ۔ تو اُن کے ساتھ عصائے موسیٰ وانگشتر حضرت سلیمان علیٰ نبینا وآلہ وعلیہما السلام ہوگی ۔ عصا سے وہ روئے مومن پر جلا فرمادیں گے اور انگشتری سے کافر کے منہ پر مُہر کردینگے ۔

امام محمد ابن طلحۃ الشافعی ۔ کتاب در المنظوم میں بذکر علامات ظہور امام آخرالزمان علیہ السلام تحریر کرتے ہیں ۔

ان اللہ تبارک وتعالیٰ یخرج خلیفۃ فی آخر الزمان وقد امتلأت الارض جوراً وظلماً فیملأہا قسطاً وعدلاً ولو لم یبق من الدنیا الا یوماً واحداً حتی یلی ہذا الخلیفۃ من ولد فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا وہو اقنی الانف اکحل الطرف وعلی خدہ الایمن خال یعرفہ ارباب الحال اسمہ محمداً وہو مربوع القامۃ حسن الوجہ والشعر ویمیت اللہ بہ کل بدعۃ ویحیی بہ کل سنۃ یسقی خیلہ من ارض صنعاء وعدن اسعد الناس بہ اہل الکوفۃ ویقسم المال بالسویۃ ویعدل فی الرعیۃ ویفصل فی القضیۃ فی ایامہ لا تدع الارض من نباتہا شیئاً الا اخرجتہ وہذا الامام المہدی علیہ السلام القائم بامر اللہ یرفع المذاہب فلا یبقی الا الدین یبایعونہ العارفون من اہل الحقائق عن شہود وکشف وتعریف الٰہی فلا یترک بدعۃ الا ویزیلہا ولا سنۃ الا ویقیمہا (ینابیع المودۃ فی القربیٰ مطبوعہ بمبئی)

خدائے تبارک وتعالیٰ اپنے ایک خلیفہ کو آخر زمانہ میں ظاہر فرمائیگا جب دنیا بالکل ظلم وستم سے معمور ہوگی اور وہ دنیا کو ازسرنو عدل وانصاف سے پُر اور معمور فرماویگا ۔ اگرچہ ایک دن بھی حیات عالم میں باقی رہے گا تاہم یہ خلیفۃ اللہ ضرور ظاہر ہوگا اور یہ اولاد فاطمہ سلام اللہ علیہا سے ہوگا ۔ اُس کی بینی مبارک چھوٹی ہوگی ۔ اُس کے پہلو چوڑے ہوں گے اُس کے داہنے رخسارے پر ایک مسا ہوگا اُس سے آپ کو مومنین پہچان لیں گے ۔ اُن کا نام محمد ہوگا ۔ وہ معتدل القامت ہوں گے شکل وصورت اور خط وخال میں نہایت حسین ہونگے ۔ تمام بدعتوں کو زائل اور تمام سنتوں کو زندہ اور تازہ فرمائیں گے

تمام جھگڑوں کو فیصل کردیں گے۔ اور انہی کے باعث سے تمام بدعتیں اٹھ جائینگی اور تمام سنتیں زندہ ہو جائیں گی اور اپنے تمام متبعین ومعتقدین کو وہ ارض صنعاؤمین سے سیراب فرمائیں گے۔ ان کی حضور میں اہل کوفہ سب سے زیادہ مقرب ہوں گے اور وہ مال واموال کو بالسویہ تمام لوگوں پر تقسیم فرمائیں گے۔ کوئی قطرہ باقی نہ رہے گا کہ آسمان سے برس نہ جایا کرے۔ روئیدگی زمین سے کوئی چیز ایسی باقی نہ رہے گی جو اُگ نہ آیا کرے۔ اور یہی حضرت امام مہدی علیہ السلام ہوں گے۔ انہی کا لقب قائم بامر اللہ ہے جو تمام ادیان مختلفہ کو دنیا سے محو فرمائیں گے۔ اور سوائے دین خالص کے دنیا میں کوئی اور دین باقی نہ رہیگا۔ اور اہل حقائق اور عارف باللہ اشخاص اُن کو اپنے کشف وشہود کے طریقے اور نصوص الٰہیہ کے ذریعہ سے پہچان لیں گے اور اُن کی بیعت واطاعت کو اختیار فرمائیں گے۔ اُن کے زمانہ میں کوئی ایسی بدعت باقی نہ رہیگی جسکو وہ زائل نہ فرمادینگے۔ اور کوئی سنت ایسی نہ رہیگی جسکو وہ قائم نہ کردیں گے۔

علامہ الشیخ محمد الصبان مصری - اپنی کتاب اسعاف الراغبین میں تحریر فرماتے ہیں:-

المھدی علیہ السلام وھو من اھل البیت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ یخرج خلیفۃ وقد امتلأت ارض جوراً وظلما فیملأھا قسطا وعدلا لو لم یبق من الدنیا الا یوم طول اللہ ذالک الیوم حتی یلی من عترۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یبایع بین الرکن والمقام اسعد الناس بہ اھل الکوفۃ ویقسم المال بالسویۃ ویعدل فی الرعیۃ ویفصل فی القضیۃ یخرج علی فترۃ من الدین ومن ابی قتل ومن نازع خذل یظھر من الدین ماھو الدین علیہ جناب امام مہدی علیہ السلام اہلبیت علیہم السلام میں سے ہونگے۔ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آخر وقت میں ہمارے اہلبیت کرام علیہم السلام میں سے خداوند تعالیٰ ایک شخص کو خلیفہ کریگا جو دنیا بھر کو عدل وانصاف سے اُسی طرح پُر اور مملو کردے گا جس طرح وہ اُس کے قبل ظلم وستم سے بھر گئی ہوگی۔ اور اگر حیات عالم میں سے ایک دن بھی باقی رہے گا تو بھی خداوند عالم اُسکو اتنا طولانی فرمادیگا کہ ہماری عترت میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کی بیعت رکن ومقام کے درمیان کی جاویگی۔ اُس کے زمانہ میں اہل کوفہ سب سے زیادہ سعادتمند ہونگے۔ وہ مال کو بالسویہ لوگوں پر تقسیم کرینگے۔ اور وہ رعایا کے مابین عدل وانصاف سے کام لیں گے۔ تمام قضیوں کو فیصل فرمائیں گے اور اصل دین پر ظہور کرینگے جو شخص اُنکا انکار کریگا اُسکو قتل کردینگے۔ اور جو منازعت یا مخالفت کریگا وہ ذلیل وخوار ہوگا۔ اور اُن سے وہی اعمال وافعال ظاہر ہونگے جو دین الٰہی کے اصلی مقاصد ہوں گے۔ یہ معلوم ہوگا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں۔ اور انہی کے یہ احکام ہیں۔ وہ دنیا کے تمام ادیان مختلفہ کو اٹھا دینگے۔ اور تمام روئے زمین پر سوائے ایک دین خالص کے کوئی دوسرا دین باقی نہ رہیگا۔ اپنی قوت اصلی سے اجتہاد کرنیوالے علماء اُنکی مخالفت کرینگے اور ایسے لوگ انکی بیعت تلوار کے خوف اور سطوت کی وجہ سے اختیار کرینگے۔ اُن سے تمام عامتہ المسلمین خوش رہیں گے اور اہل حقایق ومعرفت کشف وشہود کے طریقوں سے ان کی بیعت اختیار فرمائیں گے۔

شیخ محی الدین عربی نے فتوحات مکیہ کے جزو ۳۶۷ میں یہی عبارت لکھی ہے (ینابیع المودۃ مطبوعہ بمبئی صفحہ ۳۹)

پھر اُسی کتاب اسعاف الراغبین میں ہے:- وجاء فی روایات انہ عند ظھورہ وینادی فوق راسہ ملک ھذا المھدی خلیفۃ اللہ علیہ السلام فاتبعوہ فیذعن لہ الناس ویشربون حبہ وانہ یملک الارض شرقھا وغربھا وان اللہ تعالی یمدہ بثلاثۃ آلاف ملٰئکۃ وان اھل الکھف من اعوانہ وان جبرائیل علیہ السلام علی مقدم جیشہ ومیکائیل علیہ السلام علی ساقتہ وان المھدی علیہ السلام لیستخرج تابوت السکینۃ من غار انطاکیۃ واسفار التوراۃ من جبل بالشام یحاج بھا

الیهود فیسلم کثیر منهم۔
آپ کے ظہور فرمانیکے متعلق روایات میں وارد ہوا ہے کہ ظہور فرمانے کے وقت ایک فرشتہ آپ کی پشت پر کھڑا ہو کر ندا کریگا کہ یہی مہدی خلیفۃ اللہ ہیں۔ ان کی اطاعت اختیار کرو تمام لوگ اسی ذریعہ ان کو پہچان لیں گے اور اپنے دلوں میں ان کی محبت پیدا کرینگے۔ اور وہ تمام روئے زمین پر مشرق سے مغرب تک بادشاہی کریں گے۔ اور خدائے تبارک و تعالیٰ ہزار ملائکہ سے اُن حضرت کی مدد فرمائیگا۔ اصحاب کہف ان کے اعیان میں ہوں گے۔ جبرئیل علیہ السلام ان کے مقدمۃ الجیش۔ اور میکائیل علیہ السلام ان کے ساقہ لشکر پر مامور ہوں گے۔ جناب امام مہدی آخرالزماں علیہ السلام غار انطاکیہ سے تابوتِ سکینہ کو باہر نکالیں گے اور مجلدات توریت کو جبل شام سے برآمد فرمائیں گے۔ فرقہ یہود کے لوگ ان سے حجت کریں گے۔ اور پھر اُن میں سے بہت سے لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے۔
پھر اسی کتاب میں علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں اخرج الاحمد والماوردی انہ قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابشروا بالمہدی علیہ السلام رجل من قریش من عترتی یخرج فی اختلاف من الناس وزلزال فیملاء الارض عدلا و قسطا کما ملئت ظلما وجورا یرضی عنہ ساکن السماء وساکن الارض ویقسم المال بالسویۃ ویملأ قلوب امۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غناء ویسعھم عدلہ حتی انہ یامر منادیا فنادی من لہ حاجۃ الی المال یأتیہ فما یأتیہ احد الا رجل واحد یأتیہ فیسئلہ فیقول لہ المہدی علیہ السلام ائت السادن حتی یؤتیک فأتیہ فیقول انا رسول المہدی علیہ السلام ارسلنی الیک لتعطینی فیقول احث فیحثی فلا یستطیع ان یحملہ فتلقی حتی یکون قدر ما یستطیع ان یحملہ فیخرج بہ فیندم فیقول انا کنت اجشع الامۃ نفسا کلھم دعی الی ھذا المال فترکوہ غیری فیرد علیہ فیقول السادن الا نقبل شیئا اعطیناہ فیلبث فی ذلک ستا او سبعا او ثمانیا او تسع سنین ولا خیر فی الحیات بعدہ۔ احمد بن حنبل اور علامہ ماوردی لکھتے ہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ایمان والو! میں تم کو مہدی علیہ السلام کی بشارت دیتا ہوں وہ قبیلۂ قریش اور میری عترت سے ہوں گے۔ اور جب لوگوں میں اختلاف اور زوالِ دین ہوگا تو وہ ظاہر ہوں گے اور پھر از سرِنو دنیا کو عدل و انصاف سے پُر اور مملو فرمادینگے۔ اُسی طرح جس طرح وہ اُس سے قبل ظلم و ستم سے پُر ہو چکی ہوگی۔ اُس سے زمین و آسمان کے رہنے والے سب راضی و خوشنود رہیں گے۔ وہ مال کو عموماً برابر کے حصوں میں تقسیم فرمائیں گے اور امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ التحیۃ کے قلوب میں کمال استغنا پیدا کردیں گے اور عدالت و انصاف کے امور کو بہت وسیع فرمائیں گے یہاں تک کہ انکی طرف سے روئے زمین پر عموماً منادی کیجائیگی کہ جسکو مال و دولت کی خواہش ہو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہو۔ پس تمام لوگ مستغنی اور مالدار ہو جائیں گے۔ یہانتک کہ کوئی شخص ان کی خدمت میں نہیں جائیگا سوائے ایک آدمی کے۔ اُس سے جناب امام مہدی علیہ السلام پوچھیں گے کہ تیرا نام سادن ہے تو یہاں کیسے آیا؟ وہ بیان کریگا کہ مجھکو مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام رسول نے بھیجا ہے اس غرض سے کہ آپ مجھے دولت عطا فرمائیں۔ آپ فرمائیں گے، چھا لیلے۔ پس وہ اُس مال و دولت کے اُٹھانے کا قصد کریگا جو وہاں اُس کے لئے ذخیرہ ہوگا مگر وہ اسقدر کثیر ہوگا کہ اُسے اٹھا نہ سکیگا۔ پس سادن نادم ہوگا اور کہنے لگے گا کہ میں حریص ترین امت ہوں۔ آپ یہ مال رکھ لیں۔ اور میرے سوا کسی دوسرے مستحق کو عنایت فرمائیں۔ پس سادن سے فرمائیں گے کہ ہم عطا کر کے واپس نہیں لیا کرتے جناب امام مہدی آخرالزماں علیہ السلام چھ۔ سات۔ آٹھ۔ یا نو برس تک حکمرانی فرمائیں گے۔ اور پھر حیاتِ دنیاوی میں بعد ان کی کوئی خیر نہیں ہے +

علامہ شیخ عبدالکریم المعروف بہ امام یمانی اپنی کتاب رشحۃ المرجان میں تحریر فرماتے ہیں :-
وقال لبعضهم من اهل الله اصحاب الکشف والشهود وعلماء الحروف انی ناقل عن الامام علی کرم الله وجهه سیاتی الله بقوم یحبهم ویحبونه ویملك من هو بینهم غریب فهو المهدی علیه السلام احمر الوجه بشعرة صحونه یملأ الارض عدلا بلا صعوبة یعتزل فی صغرة عن امه وابیه ویکون عزیزا فی مرباه فیملك بلاد المسلمین بامان ویصفواله الزمان ویسمع کلامه ویطیعه الشیوخ والصبیان ویملأ الارض عدلا کما ملئت جورا فعند ذلك کملت امامته وتقررت خلافته والله یبعث من فی القبور فاصبحوا الا تری الا مساکنهم وتعمر الارض وتصفوا وتزهوا الارض بمهدیها وتجری به انهارها وتعدم الفتن والغارات وکثیر الخیرة البرکات ولا حاجة لی فیما اقوله بعد ذلك ومنی علی الدنیا السلام ۰ اہل اللہ اصحاب کشف وشہود وارباب علم الحروف جناب امیر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ اس قوم میں سے ایک شخص کو مبعوث فرمائیگا جو خدا کو دوست رکھیگا اور خداوند عالم اسکو دوست رکھیگا اور جو چیز کہ درمیان ان کے ہے وہ اُن سب چیزوں کا مالک ہوگا اور وہ مہدی علیہ السلام ہیں جن کے بال سرخ ہوں گے اور بال گھنے ہوں گے۔ دنیا کو وہ عدل وانصاف سے بغیر کسی مصیبت رسانی اور ایذا دہی کے پُر اور مملو فرمائیگا۔ اور وہ اپنی صغرسنی اور کم سنی ہی میں اپنے ماں باپ سے چھوٹ جائیگا۔ پھر ان وجوہات سے وہ اسکو کیونکر عزیز نہ رکھیگا جس نے اس کو کمنی سے عزیز رکھ کر اُس کی پرورش فرمائی ہو۔ وہ تمام بلادِ مسلمین پر بلا مزاحمت قابض ومتصرف ہو جائیگا۔ اور تمام ملک میں امن وامان قائم رکھیگا۔ اور تمام دنیا اس کی مدح وثنا کرے گی اور اسکے احکام کو سُنے اور مانے گی۔ بوڑھے اور جوان سب اُسکی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرینگے۔ اور وہ دنیا کو عدل وانصاف سے پُر اور مملو کردیگا جس طرح کہ قبل میں وہ جور وستم سے پُر اور مملو ہوگی۔ اسی پر امرِ امامت ختم ہو جائیگا۔ اور اُسی پر حکم خلافت قرار پائیگا۔ قسم ہے خدا کی وہ لوگوں کو قبور سے اٹھائیگا یہاں تک کہ وہ پھر اپنی اپنی جائے سکونت میں مقیم ہونگے۔ اور وہ دنیا میں زندہ رہ کر تمام روئے عالم کو پاک وصاف کردیگا۔ اس پر نہریں جاری کرے گا۔ اور تمام فتنہ وفساد کو موقوف ومسدود کردے گا۔ اس کے زمانہ میں خیر وبرکت کثرت سے جاری ہوگی اور اُس کے بعد دنیا میں کسی کو حاجت باقی نہ رہیگی۔ اور اس کے بعد دنیا کو میری طرف سے سلام پہنچے +

شیخ محی الدین اپنی کتاب فتوحاتِ مکیہ میں ذیل کی عبارت قلمبند کرتے ہیں :- ان المهدی علیه السلام یحکم بما القی الیه ملك الالهام من الشریعة ۰ جناب امام مہدی آخر الزماں علیہ السلام جو کچھ متعلق بہ شریعت حکم فرمائیں گے وہ سب الہام ربانی کے مطابق ہوگا۔ جوان کو فرشتہ الہام کے ذریعہ سے معلوم ہوگا +

امام محمد الصبان مصری کتاب سلاف الراغبین میں تحریر فرماتے ہیں :- اخرج الرؤیانی والطبرانی وغیرهما مرفوعا المهدی احمر اللون عربی والجسم جسم اسرائیلی ای طویل یملأ الارض عدلا کما ملئت جورا یرضی بالخلافة ساکن السماء وساکن الارض وانه شاب اکحل العینین ازج الحاجبین اقنی الانف کث اللحیة علی خده الایمن خال وعلی یده الیمنی خال واخرج الطبرانی مرفوعا یلتفت المهدی علیه السلام وقد نزل عیسی علیه السلام کانما یقطر من شعره الماء فیقول المهدی علیه السلام تقدم فصل بالناس فیقول عیسی علیه السلام انما اقیمت الصلوٰة لك فیصلی خلف رجل من ولدی وفی صحیح ابن حبان فی امامة المهدی علیه السلام نحوه وصح مرفوعا ینزل عیسی ابن مریم علیهما السلام فیقول امیرهم المهدی

علیہ السلام تعالیٰ صلّ بنا فیقول لا انما بعضکم ائمۃ علی بعض یکرمہ اللہ بھذہ الامۃ۔

امام طبرانی و رویانی وغیرہما مرفوعاً جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے جناب مہدی علیہ السلام کی نسبت ارشاد فرمایا کہ مہدی علیہ السلام میری اولاد سے ہونگے۔ ان کا چہرہ مثل ستارے کے درخشاں ہوگا اُن کا رنگ اہل عرب کے رنگ کی طرح سرخ اور جسم بنی اسرائیلیوں کے جسم کے ایسا۔ یعنی آپ طویل القامت ہونگے اور قوی الاعضا تمام دنیا کو عدل و انصاف سے یوں پُر اور مملو کردینگے جیسے قبل اس کے وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہوگی۔ انکی خلافت و امارت سے تمام دنیا کے لوگ راضی اور خوشنود رہیں گے اور تمام ساکنان آسمان و زمین رضامند ہونگے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ عالم شباب میں ظہور فرمائیں گے۔ آپ کی آنکھیں سُرگیں ہونگی، بینی مبارک چھوٹی ہوگی۔ ریش مقدس گھنی ہوگی۔ سیدھے رخسار پر خال بزرگ ہوگا اور سیدھے ہاتھ میں بھی تل ہوگا۔ امام طبرانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام نازل ہونگے۔ ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے آپ کے بالوں سے پانی کے قطرات ٹپکتے ہوں۔ جناب امام مہدی علیہ السلام نزد اُن سے ملتفت ہو کر ارشاد فرمائینگے کہ آپ آگے بڑھیں اور سب لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آپ کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرمائیں گے کہ میں تمہارے پیچھے نماز پڑھوں گا اور وہ میرے اپنے فرزند کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اور صحیح ابن حبان میں بذکر امامت حضرت امام مہدی علیہ السلام ایسا ہی مذکور ہے اور بطریق مرفوع اُس کی صحت بھی کی گئی ہے اور لکھا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام نازل ہونگے تو جناب مہدی علیہ السلام جو اسوقت امیر ہوں گے ان سے فرمائیں گے کہ آپ نماز پڑھائیں۔ اس کے جواب میں وہ ارشاد فرمائینگے کہ نہیں۔ خداوند عالم نے پیشواؤں میں سے بعض کو بعض پر ترجیح و فضیلت دی ہے۔ اور آج اس شرافت مخصوصہ سے اس امت کو خاص طور پر معزز فرمایا ہے +

فرائد السمطین میں امام سمہودی تحریر فرماتے ہیں:- عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ رفعہ ان اوصیائی وحجج اللہ بعدی اثنا عشر اولھم اخی واخرھم ولدی قیل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من اخوك قال علیؑ علیہ السلام قیل من ولدك قال المھدی علیہ السلام الذی یملأ الارض قسطا وعدلا کما ملئت جورا وظلما والذی بعثنی بالحق بشیرا ونذیرا لو لم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطول اللہ ذالك الیوم حتی یخرج فیہ ولدی المھدی علیہ السلام فینزل روح اللہ عیسی ابن مریم علیہ السلام فیصلی خلف ولدی وتشرق الارض بنور ربھا ویبلغ سلطانہ المشرق والمغرب ٭

سعید ابن جبیر حضرت عباسؓ کی اسناد سے مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد میرے اوصیا اور حجج اللہ علی الخلائق شمار میں بارہ بزرگوار ہونگے۔ جن میں سے پہلا میرا بھائی ہے اور آخر میرا بیٹا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کا بھائی کون ہے؟ ارشاد ہوا کہ علی علیہ السلام۔ پھر دریافت کیا کہ بیٹا کون ہے؟ فرمایا کہ مہدی علیہ السلام۔ یہ وہ سعادتمند ازلی ہے جو دنیا کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دیگا جس طرح قبل میں جور و ستم سے پُر اور مملو ہوگی اور مجھ کو اُسی خداوند عالم کی قسم ہے جس نے مجھ کو دنیا میں بشیر و نذیر برحق قرار دیکر مبعوث فرمایا ہے کہ اگر حیات عالم میں ایک دن بھی باقی رہ جائیگا تو بھی خدائے تبارک وتعالیٰ اُس دن کو اتنا طولانی کردیگا کہ اس عرصہ میں ہمارا فرزند مہدی علیہ السلام مبعوث ہوگا۔ پھر جناب عیسیٰ ابن مریم علی نبینا وعلیہ السلام آسمان سے نازل ہونگے اور میرے فرزند مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور کل زمین اپنے مالک (جناب امام آخرالزمان علیہ السلام) کے نور سے چمک اُٹھے گی۔ اور اُن حضرتؑ کی سلطنت شرق و غرب میں برابر قائم ہو جائیگی۔

پھر اُسی کتاب میں امام سمہودی دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔ عن ابی امامہ باھلی رفعہ بینکم وبین الروم سیم

سنین فقال له رجل من بنی عبد القیس یقال له المسطور یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من امام الناس یومئذٍ قال المہدی علیہ السلام من ولدی ابن اربعین سنۃ کان وجہہ کوکب دری فی خدہ الایمن خال اسود علیہ عبایتان قطوانیتان کانہ من رجال بنی اسرائیل یستخرج الکنوز و یفتح مدائن الشرک

ابوامامۃ الباہلیؓ سے مرفوعاً منقول ہے کہ فرمایا جناب سالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یعنی آپ نے بذکر قیامت ارشاد فرمایا کہ ہم تم میں اور اہلِ روم میں سات برس کی مدت ہے اس اثنا میں ایک شخص نے جو قبیلہ بنی عبد القیس سے تھا پوچھا کہ ان ایام میں آدمیوں کا امام اور پیشوا کون ہوگا؟ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا بیٹا امام مہدی علیہ السلام جو اُس وقت عمر میں چالیس برس کا ہوگا اور اُس کا چہرہ مثل نجم تاباں کے ہوگا اور اُسکے سیدھے رخسار پر تل ہوگا۔ اور وہ جامۂ قطوان کی دو عبائیں پہنے ہوگا اور قد و قامت اور جسامت میں وہ بنی اسرائیلیوں سے مشابہ ہوگا۔ وہ تمام دنیا کے دفینوں کو برآمد کریگا اور مدائن الشرک کو فتح فرمائیگا۔

پھر اُسی کتاب میں دوسری جگہ مرقوم ہے:۔ عن حسن ابن الخالد قال قال علی ابن موسی الرضا علیہ السلام الوقت المعلوم وہو یوم خروج قائمنا فقیل له من القائم علیہ السلام منکم قال الرابع من ولدی وابن سیدۃ الاماء یطہر اللہ بہ الارض من کل جور و یقدسہا من کل ظلم وہو الذی یشک الناس فی ولادۃ وہو صاحب الغیبۃ قبل خروجہ فاذا خرج اشرقت الارض بنورہ ووضع المیزان العدل بین الناس فلا یظلم احدٌ احداً وہو الذی یطوی له الارض ولا یکون له ظل وہو الذی ینادی منادٍ من الناس یسمعہ جمیع اہل الارض الا ان حجۃ اللہ قد ظہر عند بیت اللہ فاتبعوہ فان الحق فیہ ومعہ وقول اللہ تبارک وتعالیٰ ان نشا ننزل علیہم من السماء اٰیۃ فظلت اعناقہم لہا خضعین ۔

حسن ابن الخالد نے جناب امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے الوقت المعلوم کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ وہ ہمارے قائم علیہ السلام کے ظہور فرمانے کا دن ہے۔ عرض کیا گیا کہ آپ حضرات میں قائم علیہ السلام کون ہیں؟ فرمایا کہ وہ میری اولاد میں سے چوتھا سعادتمند ہے جو تمام دنیا کی کنیزوں کی سردار کا بیٹا ہے۔ وہ تمام دنیا کو تمام ظلم و ستم سے پاک و صاف کردیگا اور یہ وہ شخص ہے جس کی ولادت کی نسبت اکثر لوگوں کو شک ہوگا اور وہ قبل خروج کے غیبت فرمائے گا اور تمام دنیا کو نور یزدانی سے پُر اور مملو فرمادیگا۔ اور تمام دنیا میں میزان عدالت قائم کریگا پھر کوئی شخص کسی پر ظلم نہ کرسکے گا اور وہ شخص ہے جس کیلئے دنیا وسیع کردی جائے گی اور اسکا سایہ نہ ہوگا۔ اور یہ وہ شخص ہے جس کے لئے آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا جسکو تمام دنیا کے لوگ سماعت کریں گے۔ اور وہ ندا یہ ہوگی کہ حجۃ اللہ زمانہ نے بیت اللہ شریف میں ظہور فرمایا۔ پس اُسکی اطاعت اختیار کرو۔ کیونکہ اصل حق اسی کا ہے اور حق اُسی کے ساتھ ہے اور خدائے تبارک و تعالیٰ نے اُسی کے بارے میں فرمایا ہے " اگر ہم چاہیں تو اُن پر آسمان سے ایک علامت نازل فرمائیں جس سے اُن (کافروں) کی گردنیں نیچی ہوں اور وہ ذلیل ہوجائیں "

حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں چالیس حدیثیں جناب امام مہدی آخرالزمان علیہ السلام کی شان میں تحریر کی ہیں جن میں سے چند حدیثوں کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:۔ حدثنی المہدی علیہ السلام قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم یا فاطمۃ سلام اللہ علیہا اذا صارت الدنیا ہرجا ومرجا وصارت الفتن وانقطعت السبل وغار بعضہم علی بعض فلا کبیر یرحم صغیرا ولا صغیر یوقر کبیرا فیبعث اللہ عند ذلک المہدی علیہ السلام من ولدک یفتح حصون الضلالۃ وقلوب المغلقۃ یقوم بالدین فی اٰخر الزمان کما قمت بہ فی اول الزمان

یملأ الارض قسطاوعدلا کماملئت جوراوظلماً یعنی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دختر نیک اختر جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام سے ارشاد فرمایا کہ اے فاطمہ جب دنیا میں تمام تر اختلاف اور فتنہ و فساد ظاہر ہوگا اور تمام راستے بند ہوجائیں گے۔ اور ایک دوسرے کو تباہ و غارت کرنے لگیں گے۔ اور بڑا اپنے چھوٹے پر رحم نہ کریگا اور چھوٹا اپنے بڑے کی توقیر نہ کریگا۔ تب خداوند تعالیٰ ایسے وقت میں میری اولاد سے جناب مہدی آخرالزمان علیہ السلام کو ظاہر فرمائیگا۔ اور وہ تمام قلعہائے ضلالت کو فتح کریگا اور قفل زدہ قلوب کو کھولدیگا اور وہ دنیا کے آخر زمانہ میں دین خدا کو اسی طرح قائم اور مستحکم کردیگا۔ جس طرح کہ اول زمانہ میں خود میں نے کیا تھا اور دنیا کو پھر اسی طرح بھردیگا جس طرح قبل اسکے وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

پھر اسی کتاب میں حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے مروی ہے۔ ویح ھذہ الامۃ من ملوک الجبابرۃ کیف یقتلون ویطردون الامن اظھر طاعتھم فالمؤمن التقی بصالحھم بلسانہ ویفرمنھم بقلبہ فاذا اراد اللہ تعالیٰ ان یعید الاسلام عزیزا قصم کل جبار عنید وھو القادر علی من یشاء ویصلح الامۃ بعد فسادھا یا حذیفۃ لولم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطول اللہ ذلک الیوم حتی یملک رجل من اھل بیتی الملاحم فی یدیہ ویظھر الاسلام واللہ لا یخلف وعدہ وھو سریع الحساب۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ فرمایا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اے حذیفہؓ اس امت کا حال ملوک جبابرہ کے ہاتھ سے کیا ہونیوالا ہے۔ ان کے لوگ قتل ہونیوالے اور جلاوطن کئے جانیوالے ہیں۔ سوائے ان کے جو ان کی اطاعت اختیار کرلیں گے۔ پس مومن پرہیزگار زبانی ان سے مصالحت رکھے گا اور دل سے ان سے نفرت کرے گا۔ پس جب خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ ہے کہ وہ دین اسلام کو پھر سے عزت دے اور ہر کینہ ور ظالم کو ذلیل و خوار کرے اور وہ جو چاہے کرسکتا ہے تو بعد فساد کے وہ اس امت کی پوری اصلاح حال فرمائیگا۔ اے حذیفہؓ اگر حیات عالم میں سے صرف ایک دن بھی باقی رہ جائیگا تو خدائے تبارک و تعالیٰ اس کو طولانی فرمادیگا اور اس دن کا مالک میرے اہلبیت میں سے ایک ایسے بزرگوار کو کریگا جس کے ہاتھ تمام انبیاء کے آثار ہونگے وہ اسلام کو پاک و پاکیزہ کردیگا اور خدائے تعالیٰ کبھی خلاف وعدہ نہیں کرتا اور وہ سب سے زیادہ حساب لینے والا ہے۔

امام ثعلبی کتاب العرائس میں تمیم الداری کی اسناد سے لکھتے ہیں:۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان غارا من غیران فی انطاکیۃ فیھا رصاص من الواح موسیٰ وما سحابۃ شرقیۃ ولا غربیۃ تمر علیھا الا القت علیھا من برکتھا ولن تذھب الایام واللیالی حتی یملکھا رجل من اھل بیتی یملأھا قسطا وعدلا کما ملئت جورا وظلماً۔ یعنی فرمایا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہر انطاکیہ کے ایک غار میں توراۃ مقدس کی الواح رکھی ہوئی ہیں اور مشرق و مغرب کے بادل جو اسپر سے گزرتے ہیں اسپر اپنی برکتیں برساتے رہتے ہیں اور وہ دن ضرور آنیوالا ہے کہ ہمارے اہلبیت میں سے ایک شخص اسکو نکالیگا اور وہ دنیا کو عدل و انصاف سے پھر اسی طرح پر اور مملو کردیگا جس طرح وہ قبل اس کے ظلم و ستم اور جور و جفا سے بھرگئی ہوگی۔

ہم نے حسب وعدہ اتنی حدیثیں جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے ظہور فرمانے کے متعلق سواد اعظم اہلسنت والجماعت کے ان علمائے مخصوصین اور فضلائے معتمدین کی اسناد سے لکھدی ہیں جن کی جلالت و عظمت کا تسلیم کرنا جزو ایمان خیال کیا جاتا ہے۔ حقیقتاً ایسے واضح اور روشن مشاہدات کے بعد ہم کو پھر کسی فرقہ شیعہ کی خاص سند کے پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ ہم نے اس مسئلہ میں فریقین کے معتبر اور مستند ماخذوں سے جہانتک تلاش اور تحقیق کی ہے ہم کو یہ ثابت ہوا ہے کہ دونوں فرقہ کے علماء نے بالاتفاق وہی واقعات اور حالات لکھے ہیں جو آپ کے ظہور کے متعلق فریقین کے ہاں مشہور ہیں۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ سواد اعظم اہل سنت والجماعت کے علماء نے کسی

وجہ سے اس اجمال کی تفصیل فرمانے کو مصلحت نہیں سمجھا۔ اور بخلاف ان کے علمائے شیعہ نے تفصیل سے لکھا ہے اب ہم علمائے شیعہ سے ایک حدیث ذیل میں نقل کیے دیتے ہیں جسکو دیکھکر ہر شخص بہ آسانی سمجھ لیگا کہ جو علامات اور حالات ابھی ابھی علمائے اہل تسنن کے طریق سے آپ کے ظہور فرمانے کے متعلق لکھے گئے ہیں بالکل وہی علامات علمائے شیعہ کی کتابوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ ملائے مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار جلد سیزدہم مطبوعہ ایران کے صفحہ ۲۲۵ میں ذیل کی عبارت تحریر فرماتے ہیں۔

ابو البصیرؓ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی نقل فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کی خدمت میں ایک دن عرض کی کہ جناب مہدی آخر الزمان علیہ السلام کا ظہور کب ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ اے ابو بصیرؓ ہم اہلبیت کے امر کے لئے کوئی وقت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام قائم علیہ السلام کا دن قرار دینے والے اشخاص کو جھوٹا اور مفتری قرار دیا ہے۔ مگر اے ابو البصیرؓ اس واقعہ کے ہونے سے پہلے پانچ علامتیں ضرور ہونیوالی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ اول وہ ندا جو سب سے پہلے ماہ رمضان المبارک میں سنی جائیگی۔ دوئم خروج سفیانی۔ سوئم خروج خراسانی (دجال) چہارم نفس زکیہ کا قتل۔ پنجم دنیا میں دو قسم کے طاعون کا ایک بار ظاہر ہونا۔ ایک طاعون سفید دوسرا طاعون سرخ۔ طاعون سفید تو ایک قسم کی سخت مہلک بیماری ہے دوسرا طاعون سرخ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی تلوار صاعقہ بار ہے۔ اور وہ اُس وقت تک دنیا میں ظہور نہیں فرمائینگے جب تک کہ ۲۳ ماہ رمضان المبارک شب قدر کو آسمان سے اُن کے نام کی ندا نہ سُنی جائے گی۔ ابو بصیرؓ نے عرض کی وہ ندا کیا ہوگی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ندا اُن کے اور اُن کے والد بزرگوار کے نام کے ساتھ کی جائیگی۔ یعنی فلاں ابن فلاں قائم آل محمد علیہ السلام ہیں۔ اُنکی اطاعت اختیار کرو۔ اور اُن کے احکام ہدایت کو سُنو۔ اور اُسوقت دنیا میں کوئی ذی روح ایسا باقی نہیں رہیگا جو اس آواز کو نہ سُنے۔ جو شخص اس ندا کے وقت سوتا ہوگا وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوگا۔ اور صحن خانہ میں اس ندا کرنے والے کو چاروں طرف تلاش کرنے لگیگا۔ کنواری لڑکیاں پردوں کی آڑ میں ندا دہندہ کو تلاش کرینگی۔ اور اسی صدا کے بعد جناب قائم آل محمد علیہ السلام ظہور فرمائیں گے۔ اور یہ ندا کرنے والے بزرگ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں گے + ہم نے نمونہ کے طور پر شیعوں کی صرف اس ایک حدیث کو لکھدیا ہے۔ اسے دیکھکر ہماری کتاب کے ناظرین اہلسنت کی ان تمام حدیثوں کو جو اوپر لکھی گئی ہیں ملا لینگے اور دیکھ لیں گے کہ جو امور آپ کے ظہور کے متعلق اہلسنت والجماعت کی کتابوں میں مذکور ہیں وہی شیعوں کی کتابوں میں مسطور ہیں فرق ہے تو یہی کہ اہلسنت والجماعت نے اُن امور کو اجمال اور اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ اور شیعوں نے ان کو تفصیل اور تشریح کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔

ہم نے جہاں تک اِن امور کی نسبت تحقیق کی ہے ہم کو یہ معلوم ہوا ہے کہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے صرف ظہور ہی کے متعلق نہیں بلکہ آپ کے جملہ امور کی نسبت علمائے شیعہ نے جو جو دلائل اور براہین قائم کئے ہیں وہی علمائے اہلسنت والجماعت نے بھی۔ اور ان میں مابین الفریقین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ ہم ان کل امور کو اوپر کی مباحث میں تفصیل کے ساتھ بیان کر آئے ہیں۔ بارِ دیگر ہم اُن امور کو مزید احتیاط اور تسکین ناظرین کے خیال سے کتاب کفایۃ الطالب فی مناقب آل ابیطالب علیہ السلام کے اُس مخصوص باب کو ذیل میں نقل کئے دیتے ہیں جو قابل مؤلف کتاب نے خاصکر جناب امام آخرالزمان علیہ السلام کے اخبار و آثار کے متعلق پوری تفصیل اور تشریح کے ساتھ قلمبند فرمایا ہے۔

محمد ابن محمد الشافعی صاحب کفایۃ الطالب کے دلائل۔ قبل اس کے کہ ہم صاحب کفایۃ الطالب کی اصل عبارت سے اپنے مقاصد کو آغاز کریں۔ ہم پہلے اُس عبارت کو ذیل میں ترجمہ کرکے نقل کرتے ہیں جو قابل مؤلف نے اصل کتاب کے دیباچہ میں تحریر فرمائی ہے۔ ہم نے اس کتاب کی تدوین کرتے وقت اپنے سلسلہ

نقل واستخراج میں کسی شیعہ راوی کو نہیں لیا ہے اور اپنی تمام روایتوں کو علماء و محدثین اہلسنت والجماعت کے معتبر طریقہ پر قلمبند کیا ہے۔ اس لئے کہ ہمارے کلام میں اور ہمارے دعوے میں قوت اور وثوق پیدا ہو۔

دیباچہ کی مندرجہ بالا عبارت سے ہر شخص بآسانی سمجھ لیگا کہ جب یہ کتاب تمام وکمال اس انتظام اور التزام مخصوصہ کے ساتھ مرتب اور تکمیل فرمائی گئی ہے تو پھر اس کی کسی روایت پر غیر راویوں سے مروی اور منقول عنہ ہونیکا الزام لگانا محض فضول اور بے سود ہے۔ اس کی کسی دلیل یا روایت کی نسبت یہ کہنا کہ وہ بطریق شیعہ لکھی گئی ہے بالکل بے اصول ہے۔ اسلئے یہ یقین کر لینا ضروری ہے کہ قابل مؤلف نے اس کتاب میں جناب امام آخرالزمان علیہ السلام کے متعلق جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے وہ بالکل سواد اعظم اہلسنت والجماعت کے معتبر ماخذوں سے مستنبط کیا گیا ہے۔ اور سوائے علمائے اہلسنت کے معتبر طریقوں کے اور کسی غیر طریق کی اس میں ذرا بھی مداخلت نہیں ہے۔

اتنا تمہیداً عرض کر کے ہم امام محمد ابن محمد الشافعی کی تمام وکمال عبارت ذیل میں پوری تفصیل کے ساتھ درج کرتے ہیں +

باب اول ۔ ذکر ظہور حضرت امام زمان علیہ السلام ۔ زر ابن عبد اللہ سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا اس وقت تک ہرگز تمام نہ ہو گی جب تک کہ ہمارے اہلبیتؑ میں سے ایک سعادتمند (شخص) پیدا نہ ہو گا جو تمام دنیاوی حکومت کا مالک اور حاکم ہو گا۔ وہ میرا ہمنام ہو گا۔ ابی داؤد نے اس کو اپنی سنن میں لکھا ہے اور اس کے متواتر ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ امام حافظ ابوالحسن نے بھی اس حدیث کو مناقب امام شافعی علیہ الرحمۃ میں لکھا ہے +

باب دوم اس ذکر میں کہ جناب مہدی علیہ السلام حضرت سید النساء العٰلمین جنابہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد سے ہونگے۔ ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اسی حدیث کو جناب ام المومنین ام سلمہ اور حضرت سیدۃ نساء العٰلمین جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا سے روایت کیا ہے۔ اور حافظ ابی داؤد نے اپنی سنن میں جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ سے نقل کیا ہے۔

باب سوم ۔ اس بحث میں کہ حضرت مہدی علیہ السلام سردار اہل بہشت ہیں۔ اس حدیث کو سنن میں ابن ماجہ نے انس ابن مالک سے یوں لکھا ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ بنی عبد المطلب سرداران اہل بہشت سے ہیں اور سرداران اہل بہشت سے خود ہیں (یعنی آنحضرت) حمزہ۔ علی۔ جعفر۔ حسن۔ حسین اور مہدی علیہم السلام ہیں۔

باب چہارم ۔ اس ذکر میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مہدی علیہ السلام کی بیعت کرنے کا حکم فرمایا ہے سنن ابن ماجہ میں اس حدیث کو ثوبان صحابی کی اسناد سے درج کیا ہے +

باب پنجم ۔ اس بحث میں کہ اہل مشرق جناب امام مہدی علیہ السلام کی نصرت کرینگے۔ اس حدیث کو سنن ابن ماجہ میں عبد اللہ ابن حارث ابن جزو زبیدی کی اسناد سے لکھا ہے اور اسکو صحیح ترین حدیث سے شمار کیا ہے اور اسکے سلسلہ رواۃ میں بہت سے ثقات امت داخل ہیں پھر اسی سنن میں اسکو علقمہ ابن عبد اللہ کی اسناد سے مکرر لکھا ہے اور آخر حدیث اول سے زیادہ طویل اور پرتفصیل ہے۔

باب ششم ۔ اس ذکر میں کہ امام مہدی آخرالزماں علیہ السلام کتنی مدت تک حکومت وامارت فرمائینگے۔ امام ترمذی نے اپنی صحیح میں ابو سعید خدریؓ سے آپ کی مدت سلطنت کو پانچ برس۔ سات برس یا نو برس بتلایا ہے اور اس کے طریق کو حسن لکھا ہے، اور ابو سعید خدری کے علاوہ اور دوسرے لوگوں کی زبانی بھی اسکو لکھا ہے جنمیں ام المومنین حضرت ام سلمہ سلام اللہ علیہا بھی شامل ہیں +

باب ہفتم ۔ اس بحث میں کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام حضرت امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اس حدیث کو ابو ہریرہ کی اسناد سے لکھا ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں محمد شہاب زہری اور جابر ابن عبد اللہ انصاری کی اسناد سے لکھا ہے۔ صاحب کفایۃ الطالب نے اس حدیث کو حسن لکھا ہے اور اسکی صحت کو متفق علیہ بتلایا ہے۔

باب ہشتم ۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی شکل وشباہت کے بیان میں۔ ابو سعید خدریؓ نے جناب رسالتمآب

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا مہدی علیہ السلام مجھ سے ہے۔ اُس کی پیشانی کے آگے کے بال کم ہوں گے اور بینی مبارک اُس کی نازک ہوگی۔ وہ دنیا کو عدالت وانصاف سے اِس طرح پُر اور مملو کر دے گا جس طرح کہ قبل اِس کے وہ ظلم وستم سے بھر چکی ہوگی۔ وہ سات برس تک حکومت فرما رہیں گے۔ حافظ ابونعیم نے اسکو صحیح لکھا ہے اور امام طبرانی نے اسکو اپنی معجم میں مندرج فرمایا ہے۔ اور ابن شیرویہ دیلمی نے اپنی کتاب فردوس الاخبار میں اسکو حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کی اسناد سے لکھا ہے۔

باب نہم۔ اس بیان میں کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد سے ہوں گے۔
اس حدیث کو ابوسعید خدری کی اسناد سے طولانی عبارت میں لکھا ہے اور اس کی اسناد کو جناب سیدہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا تک پہنچایا ہے۔ امام دار قطنی نے بھی اس حدیث کو لکھا ہے۔

باب دہم۔ جناب امام مہدی علیہ السلام کے کرم وجود کے بیان میں جو آپ اپنے ایام حکومت میں جاری فرمائیں گے۔ صحیح مسلم میں ابن سعید اور جابر ابنِ عبد اللہ انصاری اور ابوسعید خدری کی اسناد سے اس عبارت کے ساتھ منقول ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایہا الناس! میں تم لوگوں کو مہدی علیہ السلام کی خبر کے ساتھ بشارت دیتا ہوں۔ وہ اِس امت کے درمیان اُسوقت مبعوث ہوں گے جب اِن لوگوں میں تزلزل اور اختلاف واقع ہوگا وہ روئے زمین کو عدل وانصاف سے اُسی طرح پُر اور مملو کر دینگے جس طرح کہ قبل اسکے وہ ظلم اور ستم سے بھر گئی ہوگی۔ ساکنین ارض وسما اُن سے راضی رہیں گے۔ وہ مالِ دنیا کو تمام لوگوں پر بحصہ مساوی تقسیم فرمائینگے اور خدائے سبحانہ وتعالی امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلوب کو نعمتِ استغنا سے پُر اور مملو فرما دے گا اور ان کی (امام آخر الزماں علیہ السلام کی) عدالت تمام لوگوں میں اِس حد تک جاری اور قائم ہو جائیگی کہ ایک منادی عموماً تمام لوگوں کو ندا کریگا کہ آیا کوئی شخص ایسا ہے جسکو مال و دولت کی خواہش ہو۔ تمام اہلِ اسلام میں سے کوئی شخص اپنی احتیاج نہ بیان کریگا سوائے ایک شخص کے جو اپنے مقام سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا۔ آپ اُس سے فرمائیں گے کہ خزانچی کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ مہدی علیہ السلام کا حکم ہے کہ تجھ کو تیری طلب کے موافق مال دیدے وہ شخص خزانچی کے پاس آئیگا اور آپ کا حکم سنائیگا۔ خزانچی وہ مال اُسکو دیدیگا۔ وہ اُسے اُٹھا لیگا۔ لیکن باہر لانے کے وقت نہایت نادم اور پریشان اور پشیمان ہوگا اور کہیگا کہ میں تمام مسلمانوں میں شجاع ترین امت خیال کیا جاتا تھا لیکن اسوقت خستتِ نفس اور تنگیِ طبع کی وجہ سے نہایت ذلیل وخوار شمار کیا جاؤنگا۔ یہ سوچکر وہ مال واپس دیگا۔ وہ قبول نہیں فرمایا جائیگا۔ ارشاد ہوگا کہ ہم اہلبیت علیہم السلام جو چیز کسی کو دیدیتے ہیں پھر اُسے واپس نہیں لیتے۔ آپ چھ برس۔ سات برس آٹھ برس یا نو برس تک حکومت وسلطنت فرمائیں گے۔ آپ کے بعد حیاتِ دنیا میں پھر کوئی لطف باقی نہیں رہیگا۔ اس حدیث کو حسن اور صحیح ثابت کیا گیا ہے۔ اور حفاظ حدیث میں حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیا میں اس کو قلمبند فرمایا ہے۔

باب یازدہم۔ اس بیان میں کہ جناب عیسی بن مریم علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام اور حضرت مہدی امام الزمان علیہ السلام دو جداگانہ بزرگ ہیں۔ بعض اوہام پرستوں کا یہ خیال ہے کہ جناب مہدی علیہ السلام سے حضرت عیسی ابن مریم علیہ السلام مراد ہیں۔ اس شبہ کے ردو تنقید میں صاحب کفایۃ الطالب نے ذیل کی حدیثیں تحریر فرمائی ہیں۔

جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ مہدی علیہ السلام ہم اہلبیت علیہم السلام سے ہونگے یا دوسرے لوگوں سے۔ ارشاد فرمایا کہ ہم لوگوں میں سے ہوں گے۔ اور خدائے سبحانہ وتعالی دین کو اُس کے ساتھ تمام فرماوے گا جس طرح کہ دین کو اُس نے ہم لوگوں کے ساتھ

کشادہ فرمایا ہے۔ اور دنیا کے تمام لوگ ان کی وجہ سے فتنہ و فساد سے نجات پائیں گے جس طرح ہماری وجہ سے اِس وقت شرک سے نجات پائی ہے۔ اور پھر ان فتنہ و فساد کے بعد خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو ہماری الفت و محبت کی طرف مائل و راغب کر دے گا اور پھر آپس میں ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنا دیگا جس طرح قبل میں شرک و کفر کے ترک کرنے کے بعد اخوتِ دینی اور اتحادِ مذہبی کی رعایت سے ایک دوسرے کے دینی بھائی بن گئے تھے۔ حافظینِ حدیث نے اسکو حسن کہا ہے امام طبرانی نے معجم اوسط میں اور حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اور علامہ عبدالرحمٰن ابن حماد نے اپنی کتاب عوالی میں جابر ابن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت جناب عیسیٰ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام آسمان سے تشریف لائیں گے اُس وقت امام عصر جناب مہدی علیہ السلام اُن سے کہیں گے کہ آپ نماز پڑھائیں وہ جواب میں عرض کرینگے کہ خدائیتعالیٰ نے ایک امیر کو دوسرے امیر پر ترجیح عطا بخشی ہے۔ اور یہ اس امتِ مرحومہ کی خاص کرامت اور فضل و شرافت ہے جو خدا کی طرف سے آپ کو تفویض فرمائی گئی ہے۔ اس حدیث کو حسن لکھا گیا۔ اس کو علامہ حارث ابن ابی اسامہ نے اپنے مسند میں بھی درج کیا ہے۔ اور حافظ ابونعیم نے اس حدیث کو لکھکر یہ فیصل کر دیا ہے کہ اس حدیث کے متن سے ثابت ہوگیا کہ جناب مہدی علیہ السلام حضرت عیسے ابن مریم علیہا السلام سے علیحدہ بزرگ ہیں۔ علامہ علی ابن محمد ابن خالد جندی لکھتے ہیں کہ امام شافعی نے بھی اس حدیث کو اس طریقہ میں اس مقام پر لکھا ہے جہاں جناب امام مہدی علیہ السلام کا مخصوص ذکر فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جناب امام مہدی آخرالزمان علیہ السلام کے متعلق حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سی حدیثیں ایسی مروی ہیں جو حدِ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ آپ سات برس تک حکومت فرمائیں گے۔ اور تمام عالم کو عدل و انصاف سے پُر اور مملو فرماوینگے۔ اور آپ جناب عیسیٰ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے ساتھ ظہور فرمائیں گے۔ اور قتلِ دجّال کے معاملہ میں جو شہر فلسطین کے بابِ لُد پر قتل کیا جائیگا۔ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شراکت اور نصرت فرمائینگے اور اُسوقت میں امام زمانہ آپ ہی ہونگے۔ اور جناب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھینگے۔ اتنی عبارت لکھ کر محمد ابن طلحۃ الشافعی صاحب کفایۃ الطالب اِس شبہ کی حقیقت کیطرف رجوع فرماکر تحریر کرتے ہیں :-
معترض کو یہ گمان اس حدیث کی بناپر ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہرگز وہ قوم گمراہ نہ ہوگی جس کی ابتدا میں مَیں ہوں اور وسط میں مہدی (علیہ السلام) اور آخر میں عیسیٰ علیہ السلام۔ اِس حدیث کو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی اسناد سے حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اور احمد ابن حنبلؒ نے مناقب میں اور مسند میں لکھا ہے۔ اور حسن بتلایا ہے۔ اس حدیث کے اصلی معنی یہ نہیں ہیں کہ مہدی اور عیسے علیہما السلام ایک ہیں۔ یا اس فقرۂ حدیث سے کہ آخر اُن کا عیسےٰ ہے۔ یہ معنی نہیں لئے جاسکتے کہ بعد مہدی علیہ السلام کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں زندہ اور باقی رہیں گے۔ کیونکہ چند وجہوں سے یہ امر ممکن نہیں ہے۔

اوّل تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول اوپر نقل کیا جاچکا ہے کہ بعد حیاتِ مہدی علیہ السلام کے پھر حیاتِ دنیاوی میں خیر باقی نہیں ہے تو پھر کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ جناب عیسےٰ علیہ السلام بعد مہدی علیہ السلام کے دنیا میں زندہ رہیں۔ اور باوجود ان کے زندہ اور موجود رہنے کے دنیا والوں کیلئے خیر باقی نہ رہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ خاص و عام تمام لوگ جناب مہدی علیہ السلام کو امام آخرالزمان تسلیم کرتے ہیں اور آپ کے بعد کسی دوسرے کی امامت کے قائل نہیں ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ اُس وقت کوئی امام نہیں ہوگا تو یہ بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ وجودِ امام سے کوئی زمانہ خالی نہیں مانا گیا ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ اسوقت بعد حضرت مہدی آخرالزمان علیہ السلام کے

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام امام ہوں گے تو یہ بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ کسی کی امامت آپ کے بعد نہیں بتلائی گئی اور آپ کے بعد دنیا میں خیر باقی نہیں ہے تو پھر جناب عیسیٰ علیہ السلام کی امامت (معاذ اللہ) خالی از خیر ثابت ہوگی جو ممکن ہی نہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امامت آپ کی نیابت کہلائیگی۔ اور آپ کبھی نیابت امام مہدی علیہ السلام کے سزاوار اور لائق نہیں ہیں اور پھر یہ بھی جناب عیسیٰ علیہ السلام کیلئے جائز نہ ہوگا کہ امت اسلامیہ کے نظام میں دخیل ہوں۔ اس لئے کہ تمام دنیا کے نظام میں آپ کی مداخلت سے جو فساد پھیلے گا وہ یہ ہوگا کہ ہر شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امامت سے سمجھ لیگا کہ امت محمدیہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اب ملت عیسویہ کی طرف منتقل ہوگئی۔ اور یہ بھی کفر صریح ہے۔ پس جب حدیث بالا کے مفہوم میں اتنی اشکال واقع ہیں تو ضرور ہے کہ حدیث ہذا کے صحیح ترین معانی کی طرف تاویل کی جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس مذہب کا پہلا دعوت کرنیوالا میں ہوں اور اوسط دعوت کنندہ مہدی علیہ السلام اور آخر داعی حضرت عیسیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام۔ چونکہ اوسط دعوت کنندہ جناب مہدی علیہ السلام ہوں گے اس لئے معنی یہ ہوئے کہ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُہَا حضرت امام مہدی علیہ السلام بہترین امت اور امام امت ہوں۔ ان کے بعد جب حضرت عیسیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام نازل ہوں گے تو وہ خود جناب مہدی علیہ السلام کی تصدیق فرمائیں گے اور ان کی نصرت و اعانت فرمائیں گے اور ان تمام ہدایتوں کی تصدیق و توثیق فرمائیں گے جو کچھ وہ ارشاد کریں گے ان وجوہ سے جناب مسیح علیہ السلام کو آخر مصدقین اسلام میں شریک کیا جاویگا صاحب کفایۃ الطالب کے اس قول کو لکھکر صاحب کشف الغمہ علی ابن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ تاویل بالا بہت باریک اور موہوم ہے اور واضح اور صاف نہیں ہے۔ اس سے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ اس لئے جو کچھ معنی اس حدیث کے صحیح سمجھ میں آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مذہب اسلام کے اول دعوت کنندہ ہیں اور حضرت مہدی علیہ السلام چونکہ ملت محمدیہ میں داخل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع وہ اوسط دعوت کنندہ ہیں۔ اب رہے جناب عیسیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام چونکہ آپ ایک مذہب غیر کے صاحب و سردار ہیں وہ زمانہ آخر میں نازل ہوکر بجائے اپنے مذہب خاص کے مذہب اسلام کی دعوت فرمائیں گے۔ اور اسی کی حقیقت کی تصدیق و توثیق فرمائیں گے۔ اسلئے وہ امت اسلامیہ کے آخر دعوت کنندگان میں داخل فرمائے گئے ہیں۔ ہم اس بحث کو کہ "مہدی اور عیسیٰ علیہما السلام علیحدہ علیحدہ ہیں"۔ اور واضح دلائل سے ایک جداگانہ بحث میں انشاء اللہ المستعان عنقریب بیان کرینگے۔

باب دوازدہم۔ آپ کی کنیت کے بیان میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہی نام ہوگا جو میرا نام ہے اسکی کنیت بھی وہی ہوگی جو میری کنیت ہے اور اس کے اخلاق بھی وہی ہونگے جو میرے اخلاق ہیں۔ حفاظ حدیث نے اس حدیث کو صحیح لکھا ہے۔

باب سیزدہم۔ اس مقام کے بیان میں جہاں سے آپ ظہور فرمائیں گے۔ عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام جس قریہ سے ظہور فرمائیں گے اسکا نام کرعہ ہے۔ اس حدیث کو بھی حسن لکھا گیا ہے۔ اس کی تصدیق و توثیق ابو الشیخ اصفہانی نے کتاب عوالی میں کی ہے۔

باب چہاردہم اس بیان میں کہ آپ کے سر پر ایک ابر قدرت سایہ فگن رہیگا۔ عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جسوقت آپ ظہور فرمائینگے ایک ابر بحکم خدائے سبحانہ وتعالیٰ آپ کے سر پر سایہ فگن رہیگا۔ اور اس ابر سے ندا پیدا ہوگی کہ آپ ہی مہدی خلیفہ خدا سلام اللہ علیہ ہیں حافظین حدیث نے اس حدیث کو بھی حسن لکھا ہے۔

باب پانزدہم اس بیان میں کہ ایک ملک رحمت ندا کریگا کہ آپ ہی صرف مہدی علیہ السلام ہیں عبداللہ ابن عمرؓ اس حدیث کے بھی راوی ہیں اور حفاظِ حدیث نے اسکو بھی حسن لکھا ہے اور حافظ ابونعیم اور امام طبرانی نے بھی مصدق اور موثق شمار کیا ہے۔

باب شانزدہم۔ آپ کے سراپا اور شمائل کے بیان میں۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت مہدی علیہ السلام ہماری اولاد سے ہونگے۔ ان کا رنگ اہلِ عرب کے ایسا ہے اور جسم بنی اسرائیل کے ایسا۔ اُن کے سیدھے رُخسار پر ایک تِل ہوگا۔ اور وہ مثالِ نجم درخشاں کے تابندہ ہوگا۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ اور اس کو بھی جمع کثیر نے لکھا ہے۔

باب ہفدہم اُن مشرک شہروں کے بیان میں جن کو آپ فتح فرمائیں گے۔ ابو امامہ باہلی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ اہلِ اسلام اور اہل روم میں چار مرتبہ صلح واقع ہوگی اور آخری صلح اس بادشاہ کے وقت میں ہوگی جو ہرقل کی اولاد سے ہوگا اس کی مدتِ سلطنت سات برس تک ہوگی۔ آپ کا کلام صداقت التیام یہانتک پہنچا تھا کہ مسعود ابنِ عیلان جو قبیلۂ بنی عبد قیس سے تھا ایک بار اٹھا اور کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسوقت ہم لوگوں کا امام کون ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ مہدی علیہ السلام جو میری اولاد میں سے ہونگے وہ چالیس برس کے سن میں ظہور فرمائیں گے۔ اُن کا چہرہ مثل نجم درخشاں کے ہوگا۔ اُن کے سیدھے رخسار پر تِل ہوگا اور عبائے سفید قطوانی ان کے دوشِ مبارک پر ہوگی۔ ان کا جسم مثل بنی اسرائیلیوں کے جسم کے ہوگا۔ اور مدائن الشرک کو فتح فرمائیں گے۔

باب ہیجدہم۔ دندان مبارک کے بیان میں عبدالرحمٰن ابن عوف سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ میری اولاد میں سے ایک شخص کو مبعوث فرمائیگا جسکے دانتوں کی جڑیں ایک دوسرے سے جدا ہونگی۔ اسکی پیشانی پر بال نہایت کم ہوں گے۔ حافظ ابونعیم نے اس حدیث کی تصدیق و توثیق فرمائی ہے۔

باب نوزدہم فتح قسطنطنیہ اور جبل ویلم کے بیان میں۔ ابوہریرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اُس وقت تک قیامت نہ ہوگی جب تک کہ میری اولاد میں سے ایک شخص ظاہر نہ ہوگا۔ اور وہ تمام دنیا پر حکومت نہ فرمائیگا اور ممالکِ قسطنطنیہ اور جبل ویلم کو فتح نہ کرلیگا۔ حافظ ابونعیم نے اس حدیث کی توثیق میں لکھا ہے کہ ایسا شخص سوائے حضرت مہدی آخرالزمان علیہ السلام کے کوئی اور نہیں ہے۔

باب بستم۔ اس بیان میں کہ ملوک جبابرہ کے بعد جناب مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ جابر ابن عبداللہ انصاریؓ سے منقول ہے کہ فرمایا جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے اور خلفاء کے بعد امراء اور امراء کے بعد ملوکِ جبابرہ اور ملوکِ جبابرہ کے بعد حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے وہ میرے اہلبیتؑ سے ہونگے اور وہ تمام روئے زمین کو عدل وانصاف سے ایسا پُر اور مملو فرمادینگے جیسے کہ اس سے پہلے وہ ظلم وستم سے پُر ہوچکی ہوگی۔ اِس حدیث کو اسی عبارت کے ساتھ حافظ ابونعیم نے فوائد میں اور امام طبرانی نے معجم میں قلمبند کیا ہے۔

باب بست ویکم۔ اس بیان میں کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام امام صالح ہیں۔ ابو امامہ باہلی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے ایک بار خطبہ میں دجّال کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس کے بعد پھر مدینہ ایسا پاک وصاف ہوجائے گا جیسا کہ لوہا لہار کی بھٹی سے پاک وصاف ہوکر نکل آتا ہے اور ایک منادی اس وقت میں ندا کریگا کہ آج یوم خلاص ہے۔ اسی اثنا میں اُمّ شریک نے آپ سے بڑھکر عرض کی کہ اُس دن مدینہ والے کہاں ہونگے؟ ارشاد ہوا کہ اُن میں سے بہت سے لوگ بیت المقدس میں چلے جائینگے۔ اُسدن اُن لوگوں کے سردار حضرت مہدی علیہ السلام ہوں گے جو امام صالح ہوں گے اس حدیث کو حافظ ابونعیم نے صحیح لکھا ہے۔

باب بست و دوم۔ اس بیان میں کہ آپ کے زمانۂ امامت میں تمام اہلِ اسلام مرفہ الحال ہونگے اور مستغنی ابو سعید خدری نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہماری امت حضرت مہدی آخر الزمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایسی مستغنی اور مرفہ الحال ہو جائیگی کہ قبل اس کے کبھی ایسی نہ ہوئی ہوگی۔ آسمان ان پر نعمتِ الٰہی برسائیں گے اور زمین اپنی نباتات انکے آگے دھر دیگی۔ اس حدیث کو حسن لکھا ہے اور حافظ ابو نعیم اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں نقل کیا ہے۔

باب بست و سوم اس بیان میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو خلیفہ کے لقب خاص سے ملقب فرمایا ہے۔ ثوبان صحابی سے مروی ہے کہ جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اولادِ خلفار سے تین آدمی تمہارے ملک و دولت کیلئے قتل کئے جائینگے اور اس زمانہ میں خلافت کسی شخص خاص کے متعلق نہ ہوگی اس واقعہ کے بعد سیاہ علم والے لوگ آئینگے اور اُن سب کو مار ڈالیں گے۔ اس کے بعد جناب مہدئ آخر الزمان ظہور فرمائیں گے۔ جب تم لوگ ان کے ظہور فرمانیکی کیفیت سنو تو ان کے پاس چلے جانا۔ ان کی اطاعت اختیار کرنا کیونکہ اُس زمانہ میں وہ تمام روئے زمین میں خلیفۂ خدا ہونگے۔

باب بست و چہارم۔ اس بحث میں کہ جناب مہدی آخر الزمان علیہ السلام زندہ ہیں اور آپ کا زندہ باقی رہنا کسی طرح محال اور ممتنع نہیں ہے۔ آپ کا دنیا میں زندہ اور باقی رہنا کسی طرح بھی محال اور ممتنع یا خلافِ عقل نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ جناب خضر و الیاس علیہما السلام اولیاء اللہ سے اور دجال و ابلیس اعداء اللہ سے تا ایندم باقی اور قائم ہیں۔ اور ان سب کی بقا کتاب و سنت سے ثابت ہے اور غیر اسلام مذہب والے بھی ان کے باقی اور زندہ ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن عموماً دو وجہوں سے آپکی بقا میں عذر کیا جاتا ہے ایک تو یہ کہ آپ اتنی مدت تک کیسے حیّ و قائم رہ سکتے ہیں دوسرے یہ کہ آپ کا مقام سرداب مبارک بتلایا جاتا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ کوئی شخص آپ کو آب و طعام نہیں دیتا۔ اس لئے عادت انسانی کے خلاف آپ کا باقی رہنا محال اور مقام اشکال ہے۔

صاحب کفایۃ الطالب اس امر کی تنقید و ردّ میں تحریر کرتے ہیں کہ جناب مسیح ابن مریم علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کی بقا آیہ وافی آیہ وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ (ترجمہ اور اہل کتاب میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو اپنے مرنے سے پہلے اُن پر ایمان نہ لائے) اس سے ثابت ہوا کہ جنابِ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اسوقت تک زندہ ہیں اور ہر شخص اپنے زمانہ آخر میں اُن پر ایمان لائے گا۔ اور منجملہ احادیث معتبرہ۔ متواترہ اور متکاثرہ کے وہ طول وطویل اور پر تفصیل حدیث ہے جس میں قصۂ دجال و محاربت عیسیٰ علیہ السلام درج ہے اور جسکو صحیح مسلم میں پوری صحت کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ اس لئے ان کی بقا میں تو کسی مرد مسلمان کو کبھی کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا۔ اب رہی بقائے خضر و الیاس علیہما السلام تو وہ بھی تاریخ طبری اور صحیح مسلم کی اسناد سے باسناد معتبرہ ثابت ہے۔ اور تمام اہل اسلام کا عقیدۂ کلیہ ہے کہ خضر و الیاس علیہما السلام زندہ ہیں اور دنیا میں چلتے پھرتے ہیں اور قصۂ خضرؑ اور گرفتاری دجال کا پورا اور مفصل حال ابو سعید خدری کی اسناد سے صحیح مسلم میں درج ہے۔ اولیاء اللہ علیہم السلام تو ہو چکے۔ اب اعداء اللہ لعنہم اللہ میں سے دجال لعین کی کیفیت تو تمام اہلِ اسلام پر روشن ہے اور صحیح مسلم میں تمیم داری کی اسناد سے مرقوم ہے۔ اب رہا ابلیس لعین کا زندہ رہنا تو وہ آیہ وافی ہدایہ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (خدا وندا مجھے لوگوں کے مبعوث ہونے کے دن تک مہلت دے۔ ارشاد ہوا کہ تجھے مہلت اس دن تک کے لئے دی گئی جس کا وقت معلوم ہے)

اب رہا خاص حضرت امام محمد مہدی آخر الزماں علیہ السلام کا زندہ اور باقی رہنا۔ پس یہ بھی کتاب خدا اور حدیث جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں سے ثابت ہے چنانچہ آیہ وافی ہدایہ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

وَلَوْكَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ کی تفسیر میں سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ اس سے مراد جناب امام مہدی علیہ السلام ہیں جو جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی اولاد سے ہونگے اور آیۂ وافی ہدایہ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ۔ مقاتل ابن سلیمان اور ان کے متبعین تمام مفسرین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ اس سے مراد جناب امام مہدی علیہ السلام ہیں۔

اب ہم اُس تعجب وحیرت کا جواب دیتے ہیں جو آپ کی طولِ بقا کی وجہ سے معترضین کو لاحق ہوا ہے وہ دو جواب ہیں۔ ایک جواب نصی ہے اور ایک جواب معنوی نصی تو یوں ہے کہ اخبار سابقہ آپ سے قبل کے تین نفر اولیاء اللہ سلام اللہ علیہم کے طول بقا پر شاہد کامل ہیں۔ اب جناب مہدی علیہ السلام کو اُنہی کے مقابل اور مماثل سمجھ لینا چاہیے اس لئے کہ وہ بھی آخر زمانہ میں امام اُمت ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اُن کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اور آپ کے تمام دعووں کی تصدیق فرماویں گے جیسا کہ احادیث صحیحہ کثیرہ سے اوپر ظاہر ہو چکا ہے۔ پس جب آپ کے یہ مراتب ومدائح ثابت ہیں تو پھر آپ بھی اس نعمتِ الٰہی سے کیونکر مشرف نہیں ملنے جا سکتے۔ بلکہ ایسی حالت میں آپ کا مشرف نہ فرمایا جانا عادتِ الٰہی کے خلاف تصور کیا جائیگا۔ تیسری دلیل وجودِ دجّال لعین کی ہے وہ بھی منجملہ اعداء اللہ شیطان کے ایسا اب تک زندہ اور قائم ہے اور اُس کے قیام اور بقا میں کسی کو کلام نہیں۔ ثبوت نصی تو ہو چلے اب ثبوت معنوی بھی دو قسموں سے خالی نہیں پائے جاتے۔ یا تو آپ کا زندہ رہنا خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ کی قدرت کے اندر ہے یا محال عادی یا محال فطری ہے۔ قسم دوم یعنی محال بالکل باطل ہے۔ کیونکہ جب خدا اس پر قادر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ وہ مخلوق کو کتم عدم سے وجود میں لائے اور بعد اس کے مار ڈالے اور فنا کردے اور پھر فانی کرنیکے بعد از سرِ نو زندہ کردے اور اُن سے حساب وکتاب لے تو کیا اس امر پر قادر نہ سمجھا جائیگا اسلئے اسکا محال ہونا تو بالکل ناممکن ہے۔ اب رہی بقا آپ حضرات کی۔ وہ خدا کے زیرِ قدرت ہے یا بندوں کے زیرِ انتظام تو بندوں کے زیرِ انتظام رہنا بھی سراسر بعید ہے اگر ایسا ہو تو ہر شخص اپنی طولِ بقا کا انتظام کرسکتا ہے یہ شبہ بھی رفع ہوا بالآخر اس کا تمام تر خدا کے زیرِ قدرت ہونا ہر طرح سے ثابت ہو گیا۔

اب اسی بحث کے ساتھ ہم کو ان کی بقائے عمر کے اسباب بھی تلاش کرنا نہایت ضروری ہیں۔ یا تو ان کی بقا اسباب کے ساتھ ہو گی یا بلا سبب۔ پس اگر بلا سبب کے ہے تو حکمت سے خالی ہے اور جو امر کسی حکمت سے خالی ہو وہ خدائے حکیم وعلیم کا فعل نہیں ہو سکتا۔ پس ضرور ہوا کہ آپ کی طولِ بقا کے لئے کوئی سبب ضرور ہو۔ اب ہم ان حضرات کی طولِ بقا کے لئے علیحدہ علیحدہ اسباب ذیل میں مندرج کرتے ہیں۔

جناب عیسیٰ ابن مریم علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کی نسبت تو ہم آیۂ وافی ہدایہ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ حالانکہ اُن کے نزول کے وقت اہل کتاب میں سے کوئی شخص اُن پر ایمان نہیں لایا۔ پس ضرور ہوا کہ زمانۂ آخر میں لوگ اُن پر ایمان لائیں۔ اس سے تو بقائے عیسیٰ علیہ السلام کا سبب بالکل ظاہر اور ہویدا ہے۔ اب دجّالِ لعین کے طولِ بقا کے سبب ہیں جیسا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو بتلا دیا ہے کہ دجّال ہم لوگوں میں خروج کریگا۔ اس کے ایک ہاتھ پر ہر قسم کی غذا کا ایک پہاڑ ہوگا اور وہ تمام دنیا کے لوگوں کو اس سے سیر اور آسودہ کردیگا وغیرہ۔ یہ حالات اس وقت تک مشاہدہ میں نہیں آئے ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ زمانۂ آخر میں مشاہدہ کئے جائیں۔ پس یہی اسباب اس کی بقا کے لئے کافی ہیں۔ پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے از اولیاء اللہ اور دجّال لعنۃ اللہ علیہ کیلئے از اعداء اللہ کی بقا کے اسباب متحقق ہو گئے۔ تو پھر جناب مہدی علیہ السلام کی طولِ بقا کے لئے کیا مانع ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کے باقی رکھنے کا اختیار خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ کو اسی طرح حاصل ہے جس طرح وہ زندہ رہنے والوں کی بقا کا اختیار تو ہم کہیں گے کہ ہاں صحیح ہے مگر اُن دونوں کے باقی رکھے جانے سے ان کا باقی اور زندہ رکھا جا

بدرجہ اولیٰ متصور ہے کیونکہ اگر یہ باقی رہیں گے تو امام زماں ہوں گے اور اگر نہ رہیں گے تو دنیا امامِ زماں کے وجود ذیجود سے خالی ہوجائے گی جو بالکل عادتِ الٰہی کے خلاف ہے اور آپ اُس وقت ظہور فرمائیں گے جب کہ دنیا بالکل ظلم و ستم سے بھر جائیگی۔ اور آپ اُس کو پھر از سرِ نو عدل و انصاف سے پُر اور مملو فرماویں گے۔ پس اِن امور سے معلوم ہوگیا کہ آپ کا ظہور فرمانا بالکل مصلحت اور عین راحت ہے۔ اور دجّال لعین کا طولِ بقا بالکل مفسدہ۔ کیونکہ دجّال الوہیت کا دعویٰ پیش کریگا۔ دجّال کے خروج میں اور اُس کی بقاء میں خلائق کے عقائد اور خلوص کا امتحان ہے اور اسی سے مطیع اور عاصی محسن اور مسیٔ اور مفسد اور مصلح لوگوں کی پوری تمیز اور تصدیق ہوجائیگی اور یہی بقائے دجّال کے مصالح اور اسباب ہیں۔

اب رہے اسبابِ بقائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اس میں بھی یہی مصلحتیں مضمر ہیں کہ زمانۂ آخر میں دو کتابوں سے جناب سید الانبیاء علیہ وآلہ التحیۃ والثناء کی تصدیق و توثیق ہوجائیگی۔ ایک تو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام تصدیق فرمائیں گے جو عین احکامِ انجیل سمجھے جائیں گے۔ دوسرے آپ جناب مہدی علیہ السلام کے اقوال و ارشاد کی بھی تصدیق فرمائیں گے جو وہ بہ اتباعِ ارشادِ نبویہ احکامِ قرآنی کے موافق تمام دنیا کو پہنچائیں گے۔ اس طور سے اسلام کو اپکی بقا کے باعث دو تصدیقیں دستیاب ہوجائیں گی اور پھر جنابِ عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھنا اور آپ کی نصرت اور اعانت فرمانا اور نیز اہل دنیا کو عبرت اسلام دینا۔ اِن سب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بقائے جناب مہدی آخر الزمان علیہ السلام حقیقتاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال لعنۃ اللہ علیہ کی بقا کا اصلی سبب ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال لعنۃ اللہ علیہ کی بقا اُس اصل کی ایک فرع۔ پس کیسے صحیح مانا جائے کہ اصل کے مقابلہ میں فرع ضروری ہو اور اصل غیر ضروری۔ یعنی اہلِ اسلام حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام اور دجال لعنۃ اللہ علیہ کی بقا کو تو تسلیم کریں اور جناب مہدی علیہ السلام کی بقا کا انکار کریں۔ کیونکہ اگر یہ صحیح مانا جائے تو مسبَّب لہٗ اپنے وجودِ مسبب کے بغیر موجود اور ممکن ثابت ہوگا جو مسلمات کے بالکل خلاف اور قطعی محال ہے۔

ہمارا یہ دعوے اگر صحیح نہ مانا جائے کہ جنابِ مہدی علیہ السلام کی بقا اُن دونوں کی بقا کے مقابلے میں اصل کا حکم رکھتی ہے اِس لئے کہ اُس وقت وجودِ عیسیٰ علیہ السلام محض اسلئے کہ وہ نصرتِ اسلام اور تصدیقِ امام علیہ السلام فرمائیں ظہور پذیر ہوگا۔ اس کے مقابلہ میں اور اس کے جواب میں اگر یہ کہا جائے کہ اُسوقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک علیحدہ دعوت فرمائیں گے اور جداگانہ امارت۔ تو اِس دلیل سے صریحاً ابطالِ اسلام لازم آتا ہے۔ کیونکہ حدیث و کتاب دونوں اس طریقہ پر دال ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ جو چیز میرے حکم سے اور میرے ذریعہ سے حلال و حرام ہوچکی ہے وہ تا روزِ قیامت اُسی طرح قائم رہیگی۔ پس ان تمام دلائل سے قطعاً ثابت ہوگیا کہ اِن ایام میں بقائے وجودِ حضرت مہدی آخر الزماں علیہ السلام سبب ہے بقائے وجود حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کا۔

اسی طرح بقائے دجّال علیہ اللعنۃ بھی امامِ زمان علیہ السلام کی تصدیق کے لئے کہ آپ مفترض الطاعۃ ہیں ضروری اور عینِ مصلحت ہے۔ کیونکہ اگر وجود دجّال کا اصلی طور پر مانا جائے تو پھر اس کی طرف رجوع کرنا لازم آجائیگا۔ اور یہ بطلان اسلام کی دلیل ہوگا اور یہ کبھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ اس لئے وجود دجّال بھی آپ ہی کے وجود کے سبب سے ہے۔

اب رہا منکرین کے اس اعتراض کا جواب کہ چونکہ حضرت مہدی علیہ السلام سردابِ مقدس میں مقیم و ساکن بتلائے جاتے ہیں تو جب آپ ایسے مقامِ پوشیدہ اور غیر مانوس میں ہیں جہاں آپ کو کوئی غذا یا پانی وغیرہ نہیں پہنچ سکتا تو پھر آپ کا اتنی مدت تک زندہ رہنا کیسے صحیح کہا جاسکتا ہے۔ یہ ہے کہ جناب مہدی علیہ السلام بھی حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وآلہ و علیہ السلام کی طرح ایک آدمی ہیں۔ وہ تو آسمان پر زندہ ہیں اور حضرت مہدی علیہ السلام زمین پر زندہ ہیں۔ جب آسمان کے

ایسے مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بقا تسلیم کی جاتی ہے تو پھر جناب مہدی علیہ السلام کی بقا زمین پر کیونکر نہ مانی جائیگی
اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ کو تو خدائے رزاق روزی پہنچاتا ہے تو ہم کہیں گے کہ اگر جناب مہدی علیہ السلام کو بھی وہی
رزاق مطلق روزی پہنچاتے تو اُس کی نعمتوں کا خزانہ خالی نہیں ہوسکتا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام طبیعت
بشری سے گزر گئے ہیں اور اب ان کو غذا کی کوئی احتیاج باقی نہیں ہے تو ہم جواب دینگے کہ یہ خیال بھی مہمل ہے کیونکہ
خداوند تعالیٰ حضرت خیر الانبیا علیہ وآلہ الثنا والتحیۃ کو جملہ انبیا علیہم السلام کی بشریت کی نسبت بتلاتا ہے کہ قُلْ اِنَّمَآ
اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ اگر یہ جواب ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اتنے دنوں عالمِ علوی میں رہ کر یہ شرف و امتیاز حاصل کرلیا
ہے تو ہمارا یہ جواب ہوگا کہ اس تحصیل کا ثبوت نہیں پہنچتا کیونکہ وہ آسمان پر ہیں اور ہم زمین پر زمین والوں کو آسمان والوں کی
کیا خبر اور ان کے کسبِ معالم کا کیا علم ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ دجال کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ وہ ایک کنوئیں میں
قید ہے اُس کے دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں۔ اور اس کی دونوں رانوں سے لاکر زنجیر آہنی اُس کی گردن
میں ڈالی گئی ہے کہ وہ جنبش نہیں کرسکتا۔ اور ایک دوسری روایت کے بموجب بجائے کنوئیں کے دیر میں مقید ہے پھر جب
ایسی حالت میں اُسکی بقا کا اقرار کیا جاتا ہے تو پھر جناب مہدی علیہ السلام کے بقا کیلئے کون شے مانع ہوسکتی ہے۔
حالانکہ دجال مردودِ خدا ہے اور جناب مہدی علیہ السلام مقبول کبریا ہیں۔ افضال و اکرام خدا کے خلاف ہے کہ مردود
کیلئے تو اسبابِ بقا مہیا کردیے جائیں اور مقرب و محبوب الٰہی کے واسطے کوئی سامان نہ کیا جائے۔

پس ان تمام اخبار و آثار و دلائل و براہین کو جمع کرنے سے ثابت ہوگیا کہ بقائے حضرت امام مہدی علیہ السلام شرعاً و
عادتاً ممتنع نہیں ہے۔ اس کے بعد صاحب کفایت الطالب نے سطیح کاہن کی روایت اور اُس کے متعلق اپنی بہت سی
دلائل نقل فرمائی ہیں۔ خلاصہ اُن سب کا یہ ہے:۔

سطیح کاہن نے جدان ملک کی حضور میں ایک دن دنیا کے بہت سے آنیوالے حوادث اور وقائع بیان کیے تھے
اُنہی کے ساتھ جناب امام محمد مہدی علیہ السلام کے متعلق بیان کیا تھا کہ آپ اسوقت ظہور فرمائینگے جبکہ دنیا کفر و فسق سے
بھر اور مملو ہوگی۔ دنیا اور دنیا والے آپ کے عہدِ دولت مہد میں مطمئن اور فارغ البال رہینگے۔

بہرحال ہم نے اس بحث میں اپنے اس دعوے کی پوری تصدیق و توثیق بہم پہنچا دی کہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام
کی نسبت سوادِ اعظم اہلسنت والجماعت کی کتابوں میں بھی وہی اخبار و آثار نقل کیے ہیں جو شیعوں کی کتابوں میں مندرج
پائے جاتے ہیں۔ اور اہلسنت والجماعت کے معتبر علما نے بھی آپ کے وجود طولِ بقا اور غیبت وغیرہ کے خاص مسائل
اور مباحث پر بھی وہی دلائل قائم کیے ہیں۔ جو علمائے شیعہ نے اور معترضین کے شبہات اور ظنیات کی رد و تنقید بھی علمائے
اہلسنت نے قریب قریب اُنہی دلائل و براہین سے کی ہے جن دلائل و مباحث سے علمائے شیعہ ان معترضین و
منکرین کے توہمات کی رد و ابطال کرتے آئے ہیں۔

ہماری مندرجہ بالا بحث کو جسے ہم نے اہلِ سنت کے ایک بڑے معتبر اور مستند عالم کی مشہور و معروف کتاب
کے ترجمہ سے لکھا ہے جسکو دیکھکر ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ جناب قائم آل عبا علیہ التحیۃ والثنا کے تمام حالات اور
واقعات روزِ ولادت سے لیکر ایام غیبت تک اور پھر غیبت سے لیکر ظہور تک فریقین کے نزدیک متفق علیہ ہیں اور
اُن پر جو دلائل اور براہین فریقین کے علما نے قائم فرمائے ہیں وہ سب کتاب و سنت سے اخذ کیے گئے ہیں اور وہ ایسے
معتبر اور مستند ہیں کہ تاوقتیکہ کتاب و سنت کے ارشاد و احکام سے انکار نہ کیا جائے اُن حالات و واقعات سے
بھی انکار نہیں ہوسکتا۔ اور کتاب و سنت سے انکار کرنیوالا جس شمار اور اعتبار میں داخل ہوگا وہ سب کو معلوم ہے

تہذیب اُس کے بیان سے مانع ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ عام ناواقفیت کے موجودہ زمانہ میں ہر شخص بغیر اس کے کہ اُس نے کسی امر کی نسبت کوئی تلاش اور تجسس کی ہو اپنی ذراسی فکر کے بعد فوراً کہدیتا ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ اگر پوری تحقیق سے کام لیا گیا ہوتا اور کامل جستجو اور تلاش کی گئی ہوتی تو اُسکو اپنے دعوے کے خلاف اُس کی نسبت ہر قسم کی اطلاع مل چکی ہوتی۔ آج کل زمانہ میں اسلام کے ہزاروں مسائل اور مباحث کی یہی کیفیت ہے اور انہی میں سے حضرت امام آخر الزماں علیہ السلام کی بقا کا مسئلہ بھی ہے۔

اس مسئلہ خاص کی اہمیت شہرت اور کثرت کی جو حالت ہے وہ اس کے ہر باب اور ہر بحث میں ہم پوری تفصیل اور تشریح سے لکھ چکے ہیں اور یہ دکھلا چکے ہیں کہ سوادِ اعظم اہل سنت والجماعت کے وسیع دائرہ میں شریعت اور طریقت دونوں طریقوں کے مستند اور معتبر بزرگواروں نے اِن اخبار و آثار کو کس وقعت عظمت اور خلوص و عقیدت کے ساتھ اپنی معتبر اور مستند تالیفات میں درج کیا ہے اور اُن کو مسئلہ معاد کے ضمن میں اُس کا جزو ضروری تسلیم فرمایا ہے۔

ہم نے اور ایک جداگانہ باب میں اُن بزرگواروں کے مختلف اقوال و ارشادات نہایت تفصیل سے درج کر دیئے ہیں جن کو پڑھکر اور سمجھ کر ہر شخص اپنا پورا اطمینان اور پوری تسلی۔ اور اپنے تمام توہمات اور شبہات کی کامل اصلاح کر سکتا ہے مگر با اینہمہ عام ارتداد اور فتنہ و فساد کے موجودہ زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اِن بزرگواروں کے اقوال و ارشاد پر بھی کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اور ان کی تعلیم و ہدایت کی کوئی قدر اور کوئی وقعت نہیں کی جاتی۔ سینکڑے پیچھے دس آدمی ایسے نکلتے ہیں جو ان اخبار و آثار کی طرف کوئی توجہ فرماتے ہوں یا کم سے کم اُس کی اطلاع رکھتے ہوں۔ باقی نوے فیصدی ایسے نکلتے ہیں جو ان اخبار و آثار کو کلیتہً کوئی چیز ہی نہیں سمجھتے اور سرے سے اُن کے وجود ہی کو نہیں مانتے اور اس امر ہی کو محض لاشئے سمجھتے ہیں۔ اُن کی جہالت و ناواقفیت کو دیکھکر مسلمانان درگور و مسلمانی درکتاب کا عبرتناک منظر سامنے آجاتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ان کی ناواقفیت اور عدم توجہی سے ان کے علمائے کرام پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا اور نہ اُن کے گمراہانہ انکار۔ اعتراضات اور توہمات سے اِس مسئلہ خاص کی شہرت اور کثرت میں کوئی کمی آسکتی ہے جو کچھ الزام آئے گا وہ ان معترضین کی بے بصیرتی۔ کو اسوادی اور بے استعدادی پر جو بموجودگی کتبِ معتبرہ ان اخبار و آثار کو نہیں دیکھتے اور اپنی نفسانیت اور ہٹ دھرمی سے اِن روایاتِ متواترہ اور مشاہداتِ متکاثرہ کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے توہماتِ باطلہ پر بڑے بڑے علمار کی تصنیفات و تالیفاتِ معتبرہ کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اور اِن غلط فہمیوں کی کوئی وقعت دلائل و براہینِ عقلیہ و نقلیہ کے سامنے نہیں کی جا سکتی۔

جنابِ امام آخر الزمان علیہ السلام کیمتعلق اہلسنت کی حدیثیں

اس بحث کو تمام کر کے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور یہ دکھلاتے ہیں کہ باستثنائے علامہ محمد ابن طلحۃ الشافعی کے اور تمام اکابر علما و محدثین اہلسنت والجماعت نے عام اس سے کہ جناب امام زمان علیہ السلام کے حالات اور واقعات کو اُسی تفصیل اور دلیل سے بیان کیا ہو یا نہ کیا ہو یہ تو دوسری بات ہے۔ مگر اُن تمام بشارتوں اور پیشینگوئیوں کو جناب مخبرِ صادق علیہ السلام کی زبانی اپنی تمام کتب صحاح۔ سنن اور مسانیہ میں صحابۂ کرام کی معتبر اسناد سے پوری پوری تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ ہم ان کو علیحدہ علیحدہ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ سننِ ابو داؤد میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کی اسناد سے مرفوعاً منقول ہے کہ اگر حیاتِ عالم میں سے

ایک روز بھی باقی رہیگا تو خدائے تبارک و تعالیٰ میرے اہلبیت علیہم السلام میں سے ایک شخص کو ظاہر فرمائیگا جو روئے زمین کو عدل و انصاف سے اُسی طرح بھر دیگا جس طرح وہ قبل میں جور و ستم سے بھر چکی ہوگی۔ دوسری حدیث میں جناب ام المومنین حضرت اُم سلمہ سلام اللہ علیہا سے منقول ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام میری امت سے ہیں اور وہ جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کی اولاد سے ہوں گے۔

۲۔ صحیحین بخاری اور مسلم میں اور شرح السنۃ امام بغوی میں ابوہریرہ کی اسناد سے مرفوعاً لکھا ہے کہ اُس وقت اُس امت کا کیا حال ہوگا جو وقت جناب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور اس وقت ان کا امام انہی میں سے ہوگا۔

۳۔ ترمذی نے صحیح میں۔ ابوداؤد نے سنن میں عبداللہ ابن مسعود کی اسناد سے لکھا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر حیاتِ عالم میں سے ایک روز بھی باقی رہیگا تو خداوندِ عالم اُس کو اتنا طولانی فرما دیگا کہ میرے اہلبیت علیہم السلام میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جسکا نام میرے نام کے موافق ہوگا اور وہ تمام عالم کو عدل و انصاف سے اس طرح پُر اور مملو فرما دیگا جس طرح قبل میں وہ جور و ستم سے بھرا ہوگا۔

۴۔ امام ثعلبی نے اپنی تفسیر میں انس ابن مالک کی اسناد سے لکھا ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ولد عبد المطلب سے مراد ہم حمزہ۔ علی حسن حسین اور مہدی علیہ السلام ہیں۔ اور ہم ہی لوگ اہل بہشت سے ہیں۔ صاحب کشف الغمہ علی ابن عیسیٰ علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ میرے پاس کتاب شرح السنۃ امام بغوی کا ایک قدیم نسخہ موجود ہے جس میں علاوہ اُن دونوں حدیثوں کے جو اوپر لکھی گئی ہیں ذیل کی حدیثیں بھی مرقوم ہیں۔

۵۔ ابوسعید خدری کی اسناد سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت پر ایک ایسی سخت بلا آنیوالی ہے کہ پھر ان لوگوں کو دنیا میں کہیں پناہ نہ ملیگی ایسی حالت میں خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ میرے اہلبیت علیہم السلام میں سے ایک شخص کو پیدا کریگا جو تمام روئے زمین کو عدل و انصاف سے اُسی طرح بھر دیگا جس طرح کہ قبل اس کے وہ جور و ستم سے پُر اور مملو ہوگی۔ ساکنانِ ارض و سموات اُس سے راضی اور خوشنود رہیں گے۔ آسمان پر کوئی قطرہ ایسا باقی نہیں رہیگا جو نہ برسے اور زمین پر کوئی دانہ ایسا نہ رہیگا جو نہ اُگے یہانتک کہ مردوں کو پھر زندہ ہو جانے کی تمنا ہوگی۔ دنیا میں آپ سات یا آٹھ برس تک حکومت فرمائینگے۔

۶۔ سعید ابن مسیب نے حضرت ام المومنین ام سلمہ علیہا السلام کی اسناد سے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جناب امام آخر الزماں علیہ السلام ہماری عترت اور جناب سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد سے ہوں گے اور مطابق سنت جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اہل اسلام کے ساتھ عمل فرمائیں گے۔ سات یا آٹھ برس تک حکومت فرمائیں گے اُس کے بعد انتقال کریں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے۔

۷۔ ابی نضرہ نے جناب ام المومنین ام سلمہ سلام اللہ علیہا کی اسناد سے روایت کی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص آخر زمانہ میں ایسا خلیفہ ہونیوالا ہے جو دنیا کو بے شمار اور بے حساب مال عطا فرمائیگا۔ صحیح مسلم میں اس حدیث کو زہیر ابن حرب کی زبانی لکھا ہے۔

۸۔ جامع الاصول علامہ ابن اثیر میں جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کے ظہور فرمانے کے متعلق دس حدیثیں۔ ابوہریرہ۔ جابر۔ ابن مسعود۔ ام سلمہ سلام اللہ علیہا۔ ابوسعید خدری۔ اور ابواسحٰق کی اسناد سے مرقوم ہیں۔ ان حدیثوں کے مختلف متنوں میں آپ کے القاب و اوصاف علیحدہ علیحدہ مندرج ہیں۔ اور یہ بھی تشریح کی گئی ہے کہ جناب

عیسیٰ ابنِ مریم علیہ السلام آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

۹۔ کتاب طرائف میں امام ابو اسحٰق ثعلبی حٓمٓعٓسٓقٓ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اُس سے مراد ہے اسمائے مہدی علیہ السلام یعنی آپ کی علو مرتبت اور "قٓ" سے مراد ہے قوتِ عیسیٰ علیہ السلام کہ آپ روزِ ظہور پر نور آسمان سے نزول فرما کر نصارائے بیدین کو قتل فرمائیں گے اور اُن کے کلیسا کو خراب و مسمار کر دیں گے۔

۱۰۔ قصۂ اصحاب کہف کے متعلق امام ثعلبی لکھتے ہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت مہدی علیہ السلام اصحاب کہف کو زندہ فرمائیں گے اور وہ بعد زندہ ہونیکے پھر اپنی خوابگاہ کی طرف چلے جائینگے پھر ظہور قیامت تک نہ اٹھیں گے۔

۱۱۔ فردوس الاخبار میں امام ابن شیرویہ دیلمی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ فرمایا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ مہدی علیہ السلام طاؤسِ بہشت ہیں۔ اِن حدیثوں کی تصریح کے بعد امام ثعلبی نے کتاب طرائف میں بہت سی حدیثیں کتابِ جمع بین الصحیحین فردوس الاخبار۔ مناقب ابن مغازلی اور مصابیح محمد ابن مسعود وغیرہا سے مع ان کی تفصیل کے لکھی ہیں اور یہ وہی حدیثیں ہیں جو کم و بیش اوپر کی بحثوں میں قلمبند ہو چکی ہیں۔

ان حدیثوں کی جمع و ترتیب کے بعد امام موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ بعض علمائے شیعہ نے ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ اتفاق وقت سے وہ میرے ہاتھ لگ گئی۔ میں نے کتاب مذکورہ سے خصوصاً اُس باب کو جس میں مصنف نے خاصکر فرقۂ (اہلسنت والجماعت) کی حدیثوں کو جمع کیا ہے دیکھا اور خوب غور سے پڑھا اس کتاب کا نام کشف المخفی فی مناقب المہدی علیہ السلام ہے اس باب میں ایک سو دس حدیثیں مندرج ہیں جن میں کی تین حدیثیں تو صحیح بخاری سے ہیں اور پندرہ حدیثیں صحیح مسلم سے دو جمع بین الصحیحین حمیدی سے۔ اور گیارہ حدیثیں امام زرین بن معاویہ عبدری کی کتاب جمع بین الصحاح الستہ سے اور سات حدیثیں کتابِ فضائل الصحابہ سے۔ اور پانچ حدیثیں تفسیرِ ثعلبی سے۔ اور چھ حدیثیں کتاب غریب الحدیث ابن قتیبہ دینوری سے۔ چار حدیثیں فردوس الاخبار امام دیلمی سے۔ چھ حدیثیں کتاب مسند سیدۂ نساء عالم تالیف امام دارقطنی سے اور تین حدیثیں مسند امیر المومنین علیہ السلام مؤلفہ حافظ ابوالحسن سے۔ تین حدیثیں کتابِ مسند کسائی سے۔ اور چار حدیثیں کتاب ملاحم ابی الحسن مناری سے۔ پانچ حدیثیں کتابِ مصابیح ابو محمد حسین ابن مسعود فتی اوسی سے اور تین حدیثیں کتابِ حافظ محمد ابن عبداللہ حضرمی المدعو بابن مطیق سے اور تین حدیثیں کتاب رعایۃ الاول الراویہ تالیف ابوالفتح محمد ابن اسماعیل فرغانی سے اور منجملہ اُن کے ایک سطح کی روایت بھی ہے اور کتابِ استیعاب ابن عبدالبر نمیری سے دو حدیثیں قلمبند کی گئی ہیں۔

اتنا لکھکر امام ثعلبی لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب (کشف المخفی) کے جزوِ ثانی پر بھی غور کیا ہے اور دیکھا ہے کہ اس جزو میں سنن ابن ماجہ سے حدیثیں جمع کی گئی ہیں اور میں نے اُس کی اکثر احادیث پر اجازے بھی مرقوم پائے از انجملہ ایک جزو کی عبارت یہ ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میں نے اس حدیث کو عمرؓ محمد ابن سلمہ جعفر حسن پسران محمد ابن سلمہ حفظہم اللہ ونفعنا اللہ وایاکم بہ سے بھی سنا ہے۔ اِس اجازہ کا لکھنے والا ابراہیم ابن دینار ہے اور تاریخ کتابتِ اجازہ شہرِ شعبان سنہ ہجری درج ہے۔ اِس جزو میں کتابِ سنن سے بہت سے قصص بھی مرقوم ہیں۔ اور اسی میں آپ کے ظہور فرمانیکے حالات بھی قلمبند ہیں۔ اور اسی باب میں سات حدیثیں مع اسناد کے لکھی ہیں اور ان کے مضامین عموماً یہ ہیں کہ جناب مہدی علیہ السلام ظہور فرمائیں گے۔ آپ جناب سیدہ علیہا السلام کی اولاد سے ہونگے۔ زمین کو عدل و انصاف سے اِس طرح پُر اور مملو فرما دیں گے جس طرح وہ قبل اس کے جور و ستم سے بھر چکی ہو گی۔ امام ثعلبی لکھتے ہیں

کہ ان حدیثوں کو صاحب کشف الحالہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی مرقوم کیا ہے۔ اسکے بعد امام موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ کتاب مقتص پر تلخیص ابوالحسن احمد ابن جعفر ابن محمد المدعو بہ منادی بھی میں نے مطالعہ کی ہے اور اس کے خاتمہ پر مؤلف کی یہ تحریر دیکھی ہے کہ سنہ ھجری میں اس کتاب کی تالیف سے فراغت کی گئی۔ اس کتاب پر بھی اکثر اجازے اور مختلف تحریریں تھیں اور ان میں سے بعض کی عبارت ماہ ذیقعدہ سنہ ھجری میں لکھی گئی تھی۔ اور منجملہ مطالب دیگر کے اس کتاب کی تالیف سے ایک یہ مطلب بھی تھا کہ ایسی حدیثیں اور روایات وغیرہ جمع کی جائیں جن سے حالات۔ صفات اور سیرت جناب امام مہدی آخرالزمان علیہ السلام معلوم ہو سکیں۔ چنانچہ اسی ضمن میں ٹھارہ حدیثیں اسناد معتبرہ کے ساتھ جو جناب ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی کی گئی ہیں مندرج ہیں۔ ان سب حدیثوں میں آپ کا ظہور فرمانا۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی اولاد سے ہونا۔ روئے زمین کو عدل و انصاف سے پُر اور مملو فرمانا۔ آپ کا بہت بڑا صاحب کمال اور صاحب عزو جلال ہونا بتلایا گیا ہے۔

اس نقل کے بعد امام ثعلبی نے حافظ ابونعیم کی چالیس حدیثیں بیان کی ہیں جن کو ہم پوری تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ عنقریب بیان کرینگے۔ اور لکھا ہے کہ یہ اور اوپر کی لکھی ہوئی حدیثیں ملکر مجموعاً ایک سو چھپن حدیثیں ہوئیں جو بطریق اہلسنت و جماعت تمامتہ واقع ہوئی ہیں۔ لیکن وہ حدیثیں جو بطریق شیعہ مروی ہوئی ہیں ان کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان کی نقل کو کئی جلدوں کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد امام ثعلبی تحریر کرتے ہیں کہ محدثین سلف نے بتواتر لکھا ہے کہ جناب مہدی آخرالزمان علیہ السلام کی ولادت باسعادت اس وجہ سے مخفی اور مستور رکھی گئی کہ تمام روئے زمین پر ان کی حکومت اور امارت کرنے اور ظہور فرمانے کی خبر عام طور سے مشہور تھی۔ اس وجہ سے خوف تھا کہ ایسا نہ ہو کہ معاندین اور دشمنان دین اس امر پر مطلع ہوں اور اُن کو آزار پہنچائیں۔ اس باعث سے آپ کی ولادت کو عموماً پوشیدہ اور مخفی رکھا گیا (جیساکہ اوپر مختلف مقامات پر لکھدیا گیا ہے) جس طرح کہ عادت الٰہی اس سے قبل ولادت جناب ابراہیم و حضرت موسیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہما السلام کے متعلق جاری ہو چکی ہے۔ چونکہ فرقہ شیعہ کے لوگ آپ کے آبائے کرام علیہم السلام کے ساتھ ارادت خاص رکھتے ہیں اسلئے وہ لوگ ان کے حالات سے مطلع اور واقف ہوگئے۔ کیونکہ قاعدے کی بات ہے کہ جو شخص کسی قوم کا ہمراز ہوتا ہے وہ بیگانوں سے زیادہ اُن کے اسرار و احوال سے واقف ہوتا ہے چنانچہ شافعی مذہب کے لوگ بمقابلہ تین مذاہب (حنفی۔ حنبلی۔ مالکی) کے لوگوں کے زیادہ تر امام شافعی کے احوال سے واقف ہیں۔

اس کے بعد امام صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ جناب امام آخرالزمان علیہ السلام اپنے والد بزرگوار حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے بعض اصحاب سے ملے ہیں اور اُن بزرگواروں نے بالمشافہ آپ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے اور آپ سے اخبار و احکام نقل فرمائے ہیں۔ اور ایام غیبت میں آپ کی طرف سے وکلاء اور سفراء مقرر تھے جو اپنی شرافت نسبی۔ مقام سکونت وغیرہ کے لحاظ سے مشہور و معروف تھے۔ اور آپ ان بزرگواروں سے اعجاز و کرامات مسائل شرعیہ کے جوابات اور بہت سے غیب کے واقعات کو اپنے آبائے کرام علیہم السلام کی اسناد سے بیان کرتے تھے ان حضرات میں سے ایک عثمان ابن سعید عمری رضی اللہ عنہ تھے کہ جو قطعقان میں جمجم کی طرف مدفون ہیں اور ایک ابوجعفر محمد ابن عثمان ابن سعید عمری رضی اللہ عنہ تھے۔ اور ایک قسم ابن حسین ابن روح نوبختی رضی اللہ عنہ تھے۔ اور ایک علی ابن محمد سمری رضی اللہ عنہ تھے۔ اور علامہ نصر ابن علی جہنی نے چاروں مذہب (حنفی۔ شافعی۔ حنبلی اور مالکی) کے رجال کی اسناد معتبرہ کے ساتھ ان وکلاء کے نام۔ مقام سکونت۔ مقام ماموریت اور دیگر حالات وغیرہ علیحدہ علیحدہ لکھے ہیں۔ اور شیعہ کی جماعت کثیرہ نے حضرت امام آخرالزمان علیہ السلام سے ملاقات کا شرف بھی حاصل کیا ہے

اور اُن پر ایسی دلائل اور قرائن ظاہر ہوئے ہیں جن سے ثابت ہوا ہے کہ آپ ہی مہدی علیہ السلام ہیں اور زمانہ موجودہ میں چونکہ آپ شیعہ لوگوں کے درمیان موجود نہیں ہیں محال نہیں ہے کہ آپ اُن میں سے بعض کے ساتھ اس زمانہ میں بھی ملاقات فرمائیں اور وہ آپ کے اقوال و افعال سے منتفع ہوں مگر واجب ہے کہ وہ ان حالات کو مخفی اور مستور رکھے کیونکہ عادتِ الٰہی ایسا ہی اکثر انبیاء و اوصیاء و اولیاء اور ملوک صالحہ کے ساتھ جاری ہوئی ہے کہ وہ اکثر مصالح دینی کی وجہ سے ایک مدت تک غائب اور پوشیدہ رہے اور اُن کے طولِ بقاء اور ازدیادِ عمری کی وجہ سے محال اور ممتنع نہیں سمجھی جاسکتی وہی شخص اِن امور کو محال اور ممتنع سمجھیگا جو قدرتِ الٰہی کی معرفت اور اس کے فہم کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوگا۔ حالانکہ اخبار متواترہ و متکاثرہ مخصوص انبیاء و غیر انبیاء کی طول عمری کے متعلق حدِ تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں خضر علیہ السلام باوجود اتنی مدتِ مدید کے اب تک زندہ موجود ہیں حالانکہ وہ پیغمبروں سے نہیں ہیں بلکہ بندگانِ صالحین سے ہیں۔ اور کسی شریعت کے حافظ بھی نہیں ہیں۔ اسلئے ظاہراً اُن کے وجود و بقا میں تکلیف لطف بھی نہیں ہے۔ پس اُنکے مقابل میں وجود اور بقائے جناب آخر الزمان علیہ السلام کسی طرح محال اور ممتنع نہیں سمجھی جائیگی۔ حالانکہ آپ اپنے جد بزرگوار کی شریعت کے محافظ ہیں۔ اسلئے آپ کے وجود و بقا میں تکلیف لطف شامل ہے۔ اور حالاتِ ظہور و غیبت میں دونوں میں خضر علیہ السلام سے منتفع ہونیکے مقابلہ میں آپ کے وجود و بقا میں زیادہ تکلیف لطف شامل ہے۔ اور علاوہ اسکے جس شخص نے قرآن مجید میں اصحابِ کہف کے حالات پڑھے ہیں اور انکی تصدیق کی ہے کہ وہ بے آب و طعام تین سو نو[۳۰۹] برس تک زندہ رہے اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خاتمۂ حیات تک زندہ تھے کہ آپنے اپنے اصحاب کو اُنکے سلام کرنیکی تاکید فرمائی ہے وہ شخص کیسے جناب مہدی آخر الزمان علیہ السلام کے طول بقا میں عذر اور کلام کر سکتا ہے۔

امام سجستانی سہل ابن محمد نے کہ یکے از اعیانِ چہار مذہبِ سوادِ اعظم ہیں ایک خاص کتاب اُن معمرین زمانہ کے خاص حال میں لکھی ہے جن کے حالات اُن کو بطریقۂ متواتر معلوم ہوئے ہیں۔ اس کے بعد صاحبِ کفایۃ الطالب نے باب نص بائمہ اثنا عشر میں حضرت محمد ابنِ حنفیہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے جناب امیر المومنین علیہ السلام کی زبانی یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ تو میرا بھائی ہے اور میں تیرا بھائی ہوں۔ تو میرا وزیر ہے۔ جس وقت میں دنیا سے اُٹھ جاؤنگا تو اُس وقت اس قوم کے سینوں میں تیری عداوت اور مخالفت پیدا ہوگی۔ اور میرے بعد بہت جلد فتنۂ شدید پیدا ہوگا۔ اور وہ لوگ جو اُس میں داخل نہیں ہیں وہ اُس میں داخل ہوجائیں گے اور یہ اُسوقت ظاہر ہوگا کہ جب تیری ساتویں پشت سے پانچواں امام خلائق کے درمیان سے غائب ہوجائیگا۔ اہل زمین و آسمان اُس کی غیبت سے سخت ملول اور محزون ہوں گے۔ اور تمام مومنین و مومنات سخت افسوس اور حسرت کرینگے اور حیران و سرگرداں رہیں گے اسکے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تھوڑی دیر تک اپنا سر مبارک نیچے کرلیا اور پھر اٹھایا اور ارشاد فرمایا کہ میرے ماں باپ اُس شخص پر فدا اور نثار ہوں جو میرا شبیہ اور موسیٰؑ ابن عمران کا شبیہ ہوگا اور اس پر حجاب نور کے پردے پڑے ہونگے۔ گویا کہ میں اُن تمام لوگوں کو جو فقدانِ (غیبت) حضرت مہدی علیہ السلام کی وجہ سے افسوس و ملال کرتے ہیں دیکھ رہا ہوں اور اس حالت کو بھی مشاہدہ کر رہا ہوں کہ اُن لوگوں کو منادی ندا کر رہا ہے یا وہ خود غیب سے ندا سُن رہے ہیں اور ان کا امام مومنین پر رحمت کر رہا ہے اور معاندین و منافقین پر عذاب فرما رہا ہے۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام کا بیان ہے کہ میں نے خدمتِ ہمایوں میں عرض کی کہ آخر وہ ندا کیا ہوگی اور کیسی ہوگی؟ ارشاد ہوا کہ وہ تین آوازیں ہونگی۔ ماہِ رجب میں پہلی یہ صدا ہوگی کہ اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ صدائے دوم یہ ہوگی

اَزِفَتِ الْاٰزِفَۃُ قیامت نزدیک آگئی۔ تیسری صدا اُس مجسمہ سے ظاہر ہوگی جو اُس دن پیکرِ آفتاب میں نمایاں ہوگا۔ اور وہ ندا یہ ہوگی کہ ایہا الناس آگاہ ہو کہ خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ نے فلاں ابن فلاں (تا امیرالمومنین علیہ السلام) کو مبعوث فرمایا وہ ظالمین عالم کو ہلاک فرمائیگا۔ اور بوجہ علی علیہ السلام مومنین کو اُسی دن وسعت اور کشادگی ظاہر ہوگی۔ اور خدائے تعالیٰ اُسی دن صدورِ مومنین کو شفائے کلی عطا فرمائے گا۔ اور اُن کے قلوب سے غصہ اور حسد کو نکال لیگا۔ جناب امیرالمومنین علیہ السلام کا بیان ہے کہ میں نے عرض کی کہ میرے اور حسنین علیہما السلام کے بعد آئمۂ علیہم السلام کتنے ہونگے ارشاد ہوا کہ نو حضرات ہوں گے۔ اور اُن میں کا نواں مہدی آخر الزمان علیہ السلام ہے +

حافظ ابو نعیم صاحب حلیۃ الاولیار کی مصدقہ احادیث

اوپر کی بحث کو تمام کرکے اب ہم علمائے اہلسنت والجماعت کی مسلمہ حدیثوں میں سے اُن حدیثوں کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں جن کو حافظ ابونعیم نے احمد ابنِ عبداللہ کی اسناد سے اپنی کتاب حلیۃ الاولیار میں نقل فرمایا ہے مگر چونکہ اُن حدیثوں کے متون اور مضمون وہی ہیں جو اوپر کی حدیثوں میں بیان ہو چکے ہیں اس لئے ہم اُن کو تو اُردا ور طوالت کے خیال سے پوری عبارت کے ساتھ نہیں لکھتے ہیں صرف اُن کے راوی اور خلاصہ مضمون کو اپنے اظہار و اثباتِ مدعا کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔

(۱) ابو سعیدؓ سے مروی ہے کہ فرمایا جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ حضرت مہدی آخر الزمان علیہ السلام ہمارے اہلبیتؑ اور اولادِ فاطمہ علیہا السلام سے ہیں۔ سات۔ آٹھ یا نو برس تک امامت فرمائیں گے اُن کے عہد دولت مہد میں تمام لوگ مرفہ الحال اور فارغ البال ہونگے +

(۲) ابو سعید خدری سے منقول ہے کہ آپ دنیا کو عدل و انصاف سے پُر اور مملو فرما وینگے۔

(۳) زہری سے باسنادِ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا منقول ہے کہ مہدی علیہ السلام تیری اولاد سے ہیں۔

(۴) علی ابن ہلال سے باسنادِ مذکورۂ بالا منقول ہے کہ مہدی جملہ صفات سے موصوف ہونگے اور وہ فلاں فلاں کارہائے نمایاں دنیا میں کرینگے۔

(۵) عبداللہ ابن عمرؓ کی اسناد سے آپ کا مقامِ ظہور بھی بتلا دیا گیا ہے۔

(۶) حذیفہؓ کی اسناد سے آپ کا چہرۂ نورانی اور حلیۂ مبارک بتلایا گیا ہے۔

(۷) باسنادِ ایضاً جسم مبارک۔ قد و قامت اور سراپائے مبارک کی تفصیل بتلائی گئی ہے۔

(۸) ابو سعیدؓ کی اسناد سے پیشانی نورانی کی طلعت ارشاد ہوئی۔

(۹) باسنادِ ایضاً بینی مبارک کی صورت بتلائی گئی۔

(۱۰) ابوامامہ کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ کے سیدھے رخسار پر خالِ بزرگ ہوگا۔

(۱۱) عبدالرحمٰن ابنِ عوف کی اسناد سے اِس بیان میں کہ آپ کے دندانِ مبارک کیسے ہونگے۔

(۱۲) ابوامامہ کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ امام صالح ہیں۔

(۱۳) ابوسعید کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ علانیہ اور ظاہری طور پر ظہور فرما ہونگے۔

(۱۴) عبداللہ ابن عمرؓ کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ کے فرقِ مبارک پر ابرِ رحمت سایہ فگن ہوگا۔

(۱۵) باسنادِ ایضاً اِس بیان میں کہ آپ کے آگے آگے ملکِ رحمت ندا کرتا جائے گا۔

(۱۶) ابو سعید خدری کی اسناد سے اِس بیان میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وجود اور ورود حضرت امام مہدی علیہ السلام کی بشارت خود پہنچائی ہے۔

(۱۷) عبداللہ ابن عمرؓ کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمنام ہیں۔
(۱۸) حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے اِس بیان میں کہ آپ کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ایک ہے۔
(۱۹) عبداللہ ابن عمرؓ کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ کے والدِ بزرگوار حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ہیں۔
(۲۰) ابو سعیدؓ کی اسناد سے آپ کی عدالت کے بیان میں۔
(۲۱) ذر ابنِ عبداللہ کی اسناد سے آپ کے اخلاق و اشفاق کے بیان میں۔
(۲۲) ابو سعیدؓ کی اسناد سے آپ کے کرم و عطا کے بیان میں۔
(۲۳) ابو سعیدؓ کی اسناد سے اِس بیان میں کہ آپ کا علم جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم سے مستخرج ہے۔
(۲۴) ثوبان صحابی کی اسناد سے آپ کی علاماتِ ظہور کے بیان میں۔
(۲۵) عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ مشرق کی طرف سے ظہور فرمائینگے۔
(۲۶) حذیفہؓ کی اسناد سے اِس بیان میں کہ آپ کے ظہور کے باعث اسلام میں عزت او عظمت پیدا ہوگی۔
(۲۷) ابو سعیدؓ کی اسناد سے اِس بیان میں کہ آپ کے عہد میں سب مرفہ الحال اور فارغ البال ہوں گے۔
(۲۸) انسؓ ابن مالک کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ ساداتِ اہلِ بہشت ہیں۔
(۲۹) ابو ہریرہؓ کی اسناد سے آپ کی امارت اور ملک کے بیان میں۔
(۳۰) ثوبان کی اسناد سے اس تاکید میں کہ جب ندائے ظہور سنو آپ کی خدمت میں جا کر حاضر ہو اور بیعت اختیار کرلو۔
(۳۱) جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی اسناد سے اِس بیان میں کہ خدا تعالیٰ آپ کے ظہور کی برکت سے تمام دنیا کے قلوب کو قبولِ اسلام کی طرف مائل و راغب فرمادیگا۔
(۳۲) ابن مسعودؓ کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ کے بعد دنیا میں خیر باقی نہ رہے گی۔
(۳۳) ابو ہریرہ کی اسناد سے اس بیان میں کہ فتح قسطنطنیہ آپ کے ہاتھ پر ہوگی۔
(۳۴) قیس ابن جابر کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ ملوکِ جبابرہ کے بعد ظہور فرمائیں گے۔
(۳۵) ابو سعید خدری کی اسناد سے اس بیان میں کہ جناب عیسیٰ ابنِ مریم علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔
(۳۶) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اسناد سے آپ کے خصائص کے بیان میں
(۳۷) ابو سعیدؓ کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ دنیا کو عدل و انصاف سے پُر اور مملو فرمائیں گے اور کامل سات برس تک سربرآرائے امامت رہیں گے۔

سوادِ اعظم اہلسنت کے اتنے علمائے معتبرین کے مستند ماخذوں سے ہم نے اتنی حدیثیں قلمبند کردی ہیں اگر اتنی طول وطویل تفصیل کے بعد بھی اور تصریح و تشریح کی احتیاج باقی رہی ہو تو کتاب ینابیع المودۃ فی القربیٰ امام سلیمان بلخی قندوزی اور کتاب ارجح المطالب فی عدِ مناقب علی ابن ابیطالب علیہ السلام مؤلفہ خواجہ عبیداللہ امرتسری ملاحظہ فرمائی جائے +

حضرت عیسیٰ اور جنابِ امام مہدی علیہ السلام دو جداگانہ بزرگ ہیں

محمد ابن خالد الجندی نے جو شہر جند کا موذن تھا۔ یہ حدیث لکھی ہے کہ لا مھدی الا عیسیٰ ابن مریمؑ۔ اس حدیث کی قدح خود اہلسنت کے علمائے کبار نے کی ہے۔ چنانچہ محمد ابن یوسف الگنجی شافعی کتاب البیان فی اخبار امام صاحب الزمان علیہ السلام میں لکھتے ہیں۔

وفی هذہ النصوص دلالۃ علی ان المھدی علیہ السلام غیر عیسیٰ ومدار حدیث لا مھدیٰ الا عیسیٰ ابن مریم علی محمد ابن خالد الجندی مؤذن الجند تفرد بہ عن ابان ابن صالح عن الحسن قال الشافعی المطلبی کان فیہ تساھل فی الحدیث ۔ ان چند سطروں کو ادیب لکھکر ان نصوص میں اس امر کی علامت ہے کہ مہدی علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کے سوا ہیں۔ اور مدار حدیث لا مھدیٰ الا عیسیٰ ابن مریم محمد ابن خالد الجندی مؤذن جند پر ہے۔ جو اس حدیث میں منفرد ہے۔ ابان ابن صالح اور وہ حسن بصری سے اور کہا شافعی مطلبی نے کہ اس میں تساہل تھا امر حدیث میں۔

کتاب العرف الوردی فی اخبار المھدی علیہ السلام میں اس حدیث کے ذکر کے بعد مرقوم ہے۔ قال القرطبی فی التذکرۃ اسنادہٗ ضعیف والاحادیث عن النبی صلے اللہ علیہ والہ وسلم فی التنصیص علی انہٗ ولد فاطمۃ علیھا السلام ثابتۃ علیکم بھا دونہ امام قرطبی نے اس حدیث کے تذکرۂ اسناد میں کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیثیں جو اس تنصیص وتخصیص میں وارد ہوئی ہیں کہ جناب مہدی علیہ السلام حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی اولاد سے ہونگے صحیح اور ثابت ہیں۔ پس علاوہ اُن کے اس امر میں کوئی اور حکم نہیں کیا جا سکتا۔

المشرب الوردی فی مذہب المھدی علیہ السلام میں ملا علی قاری تحریر کرتے ہیں:۔ قد سئل ابن القیم الجوزیۃ عن حدیث لا مھدیٰ الا عیسیٰ ابن مریم فکیف ائتلف ھذا مع احادیث المھدیٰ وخروجہ وما وجہ الجمع بینھما وھل صح فی المھدی علیہ السلام حدیث ام لا فقال اما حدیث لا مھدیٰ الا عیسیٰ فرواہ ابن ماجہ فی سننہ عن یونس ابن عبد الاعلی عن الشافعی عن محمد ابن خالد الجندی عن ابان ابن صالح عن الحسن البصری عن انس بن مالک عن النبی صلے اللہ علیہ والہ وسلم وھو مما تفرد بہ محمد ابن خالد الجندی قال محمد ابن الحسین الاسنوی فی کتاب مناقب الشافعی محمد ابن خالد ھذا غیر عند اھل الصناعۃ من اھل العلم والنقل وقد تواترت الاخبار من رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ابن کرا المھدیٰ علیہ السلام وانہ من اھل بیتہ وقال البیھقی تفرد بہ محمد ابن خالد الجندی ھذا وقد قال الحاکم ابو عبد اللہ ھو مجھول و قد اختلف علیہ فی اسنادہ فروی عنہ عن ابان ابن عیاش عن الحسن البصری عن النبی صلے اللہ علیہ و الہ وسلم وھو منقطع والاحادیث فی التنصیص علی خروج المھدیٰ علیہ السلام اصح اسنادا۔

علامہ ابن قیم جوزیہ سے حدیث لا مھدیٰ الا عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیونکر جمع ہوگی یہ حدیث ساتھ احادیث ذکر مہدی اور خروج مہدی علیہ السلام کے اور کیا صورت ہے جمع کی درمیان اُن دونوں کے۔ اور آیا کوئی حدیث باب مہدی میں صحت کو پہنچی ہے یا نہیں؟ پس کہا ابن قیم نے حدیث لا مھدیٰ الا عیسیٰ ابن مریم کو روایت کیا ہے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں یونس ابن عبد الاعلیٰ شافعی سے اُس نے محمد ابن خالد الجندی سے اُس نے ابان ابن صالح سے اُس نے حسن بصری سے اُس نے انس ابن مالک سے۔ اُس نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔ اور یہ حدیث اُن احادیث میں ہے جس میں محمد ابن خالد الجندی متفرد ہے۔ محمد ابن حسین اسنوی نے اپنی کتاب مناقب الشافعی میں لکھا ہے کہ یہ محمد ابن خالد غیر معروف ہے نزدیک اہلِ صناعت کے اہل علم ونقل سے اور بتحقیق کہ متواتر ہیں اخبار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر مہدی علیہ السلام میں اور یہ کہ وہ جناب اہلبیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں۔ اور کہا بیہقی نے کہ محمد ابن خالد اس حدیث میں متفرد ہے۔ اور دوسری طرف سے ابو عبد اللہ الحاکم نے کہا ہے کہ محمد ابنِ خالد مجہول ہے اور بتحقیق کہ اس کی اسناد میں بھی اختلاف ہے۔ اور بعض روایات میں محمد ابنِ خالد نے ابان ابن عیاش سے۔ اُس نے حسنِ بصری سے اس نے انس ابنِ مالک سے

اُس نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے اور یہ اسناد منقطع ہیں۔ اور احادیث خروج وتصیص جناب مہدی آخر الزماں علیہ السلام باعتبار اسناد کے صحیح ترین ہیں۔

بالجملہ اِن عبارات سے ظاہر ہوا کہ حدیث لا مھدی الا عیسیٰ علیہ السّلام بنا بر افادۂ شافعی وحاکم وبیہقی وقرطبی وگنجی وابن القیم وسیوطی وملا علی قاری مقدوح ومجروح ہے اور جب مقدوح ہونا اس حدیث کا ثابت ہو گیا تو ضرورت نہ رہی کہ اسکی تصحیح معانی کی طرف توجہ کی جائے لیکن بعض علمائے اہل سنت نے اس کے معانی کو درست کرنا چاہا ہے چنانچہ العرف الوردی میں مرقوم ہے۔ قال القرطبی ویحتمل ان یکون قولہ علیہ السلام لا مھدی الا عیسی ابن مریم علیہ السلام ای لا مھدی کاملا معصوما الا عیسیٰ ابن مریم قال وعلی ھذا یجتمع الاحادیث ویرتفع التعارض وقال ابن کثیر ھذا الحدیث فیما یظھر ببادی الرای مخالف للاحادیث الواردۃ فی اثبات المھدی علیہ السلام غیر عیسیٰ ابن مریم علیھما السلام وعند التامل لا ینفی بل یکون المراد من ذلک ان المھدی حق المھدی وھو عیسیٰ ولا ینفی ذلک ان یکون غیرہ مھدیًا ایضا۔

کہا قرطبی نے اور محتمل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول لا مھدی الا عیسےٰ علیھما السلام سے یہ مراد ہے کہ مہدی کامل معصوم کوئی نہیں ہے سوائے عیسیٰ ابن مریم کے۔ کہا قرطبی نے اور اس بنا پر مجتمع ہوجاتی ہیں احادیث اور مرتفع ہوجاتا ہے تعارض اور کہا ابن کثیر نے کہ یہ حدیث نظر ابتدائی میں مخالف ہے اُن احادیث کی جو وارد ہوئی ہیں اثبات میں اس امر کے کہ مہدی علیہ السلام علاوہ ہیں عیسےٰ ابن مریم علیہما السلام کے اور نزدیک تامل کے کچھ منافات نہیں ہے۔ بلکہ اس سے یہ مراد ہوئی کہ مہدی حق المہدی وہی عیسےٰ ہیں۔ اور یہ قول اس امر کی نفی نہیں کرتا کہ اُن کے علاوہ بھی کوئی مہدی ہو۔ ظاہرا یہ تاویل نہایت ہی باطل ہے کیونکہ اولاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مہدی ہونا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔ اگرچہ بحیثیت نبوت کے مثل دیگر انبیا رو اوصیا علیہم السلام کے آپ پر اطلاق مہدی لغتاً درست ہو۔ ثانیاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مہدی کامل اور مہدیِ حق المہدی ہونا بھی کسی حدیث سے متحقق نہیں ثالثاً مہدیِ اہل بیت علیہ السلام کا مہدی کامل اور مہدی حق المہدی نہ ہونا جیسا کہ اس تاویل سے مفہوم ہوتا ہے ظاہر البطلان ہے۔ اس لئے کہ احادیثِ معتبرۂ کثیرۂ اہل سنّت سے جو حالاتِ مہدی اہلبیت علیہم السلام کے معلوم ہوتے ہیں اور ثابت ہوئے ہیں اُن سے آپ کا مہدی کامل اور مہدیِ حق المہدی ہونا پورے طور سے ثابت ہے بلکہ وہی احادیث مفید اس امر کی ہیں کہ مہدی کامل اور مہدیِ حق المہدی وہی جناب ہیں۔ رابعاً معصوم نہ ہونا جنابِ مہدی اہلبیت علیہم السلام کا جیسا کہ تاویل قرطبی سے پیدا ہوتا ہے صراحۃً باطل ہے اس لئے کہ معصوم ہونا اُن جناب کا ادلۂ کثیرہ سے ثابت ہے اور اکابر علمائے اہلِ سنت آپ کی عصمت کے معترف ہیں۔ چنانچہ عبد الوہاب شعرانی نے کتاب الیواقیت والجواہر میں لکھا ہے۔ فان قلت فما صورۃ ما یحکم بہ المھدی علیہ السلام اذا خرج ھل یحکم بالنصوص او بالاجتھاد او بھما فالجواب کما قالہ الشیخ محی الدین عربی انہ یحکم بما القی الیہ ملک الالھام من الشریعۃ وذلک ان یلھمہ اللہ الشرع المحمدی فیحکم بہ کما اشار الیہ حدیث المھدی ویقفوا اثری فعرفنا صلی اللہ علیہ والہ وسلم انہ مبتدع لا مبتدع وانہ معصوم فی حکمہ اذ لا معنے المعصوم فی الحکم انہ لا یخطی وحکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم لا یخطی فانہ ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی وقد اخبر من المھدی انہ لا یخطی وجعلھا ملحقا بالانبیاء فی ذلک الحکم۔

پس اگر کہے تو کہ کیا صورت ہوگی اُن امور کی جن کا حکم دیں گے مہدی علیہ السلام جو وقت خروج فرمائیں گے آیا بنصوص حکم فرمائیں گے یا باجتہاد۔ یا دونوں طریقوں سے۔ پس اس کا جواب وہی ہے جو کہ شیخ محی الدین عربی نے دیا ہے کہ وہ اسی شریعت کے مطابق حکم کرینگے جو ان کی طرف ملک الہام القا فرمائیگا اور یہ اس طرح القا فرمائیگا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ القا فرمائیگا اُن پر شریعت محمدی کو پس وہ اُس کے مطابق حکم فرمائیں گے جیسا کہ اشارہ کیا ہے اسکی طرف حدیث مہدی علیہ السلام نے جیسا کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ وہ اتباع کرینگے میرے اثر کا۔ پس پہنچوا دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمکو کہ یقیناً مہدی علیہ السلام معصوم ہیں اپنے حکم میں اسلئے کہ معصوم فی الحکم ہونے کے کوئی معنی بجز اسکے نہیں ہیں کہ وہ خطا نہ کرینگے اور حکم جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطا نہیں کرتا۔ اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر وحی کے کلام نہیں کرتے اور یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے حال جناب امام مہدی علیہ السلام کا کہ وہ خطا نہ کرینگے اور حکم میں وہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ شامل اور ملحق ہیں۔

خامساً حدیث لا مھدیٰ الا عیسیٰ ابن مریم سے جو قرطبی اور ابن کثیر نے کی ہے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جناب مہدی علیہ السلام سے مرتبۃً افضل ہوں۔ حالانکہ یہ امر صحیح نہیں ہے بلکہ افضلیت مہدی علیہ السلام کی احادیث کثیرہ سے ثابت اور محقق ہے اور اس امر کا اعتراف خود علمائے اہل سنت نے کیا ہے۔ چنانچہ محمد ابن یوسف الکنجی الشافعی التبیان فی اخبار صاحب الزمان علیہ السلام میں تحریر کرتے ہیں۔

فان سئل سائل وقال مع صحۃ ھذہ الاخبار وھی ان عیسیٰ یصلی خلف المھدی ویجاھد بین یدیہ وانہ یقتل الدجال بین یدی المھدی علیہ السلام ورتبۃ التقدیم فی الصلوٰۃ معروفۃ وکذلک رتبۃ التقدیم للجھاد وھذہ اخبار مما ثبت طرقھا وصحتھا عند السنۃ وکذلک ترویھا الشیعۃ علی السواء فھذا ھو الاجماع من کافۃ اھل الاسلام ومع ثبوت الاجماع علی ذلک وصحتہ فایما افضل الامام او الماموم فی الصلوٰۃ والجھاد معاً الجواب عن ذلک وھو ان نقول انھما قدوتان نبی وامام وان کان احدھما قدوۃ لصاحبہ فی حال اجتماعھما وھو الامام یکون قدوۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی تلک ولیس فیھما من تاخذہ فی اللہ لومۃ لائم وھما ایضا معصومان من ارتکاب القبائح کافۃ والمداھنۃ والریاء والنفاق ولا یدعو الداعی لاحدھما الی فعل ما یکون خارجا عن حکم الشریعۃ ولا یخالف المراد اللہ تعالیٰ ورسولہ واذا کان الامر کذلک فالامام افضل من الماموم لموضع ورود الشریعۃ المحمدیۃ بذلک دلیل قولہ یؤم القوم اقرأھم لکتاب اللہ فان استووا فافقھھم فان استووا فاقدمھم ھجرۃ فان استووا فاصبحھم وجھا فلو علم الامام ان عیسیٰ افضل منہ لما جازلہ ان تقید علیہ لاحکام علم الشریعۃ ولموضع تنزیہ اللہ تعالیٰ لہ من ارتکاب کل مکروہ کذلک لو علم عیسیٰ انہ اعلم منہ لما جاز ان یقتدی بہ لموضع تنزیہ اللہ تعالیٰ من الریاء والنفاق بل لما تحقق الامام انہ اعلم منہ جازلہ ان یتقدم علیہ کذلک قد تحقق عیسیٰ ان الامام اعلم منہ فلذلک قدمہ وصلی خلفہ ولولا ذلک لم تسعہ الاقتداء بالامام۔

پس اگر کوئی پوچھنے والا سوال کرے اور کہے کہ باوجود ان اخبار کی صحت کے کہ عیسیٰ علیہ السلام مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھینگے اور مہدی علیہ السلام کے ہمراہ ہو کر جہاد کرینگے اور دجال لعین کو مہدی علیہ السلام کے سامنے قتل کرینگے۔ اور رتبہ نماز میں تقدیم کرنیکا بھی مشہور ہے۔ اور اسی طرح جہاد میں بھی مقدم ہونے کا مسئلہ مشہور ہے اور یہ

حدیثیں ان حدیثوں میں سے ہیں جن کے طرق اوران کے طرق کی صحت نزدیک اہل سنت کے ثابت ہے اور اسی طرح شیعہ بھی ان کو یکساں روایت کرتے ہیں بس یہ اجماع تمام اہلِ اسلام کا ہے اسواسطے کہ جو شخص شیعہ اور سنی سے علیحدہ ہو قول اُس کا ساقط اور مردود اور زائد ہے طرح اور ایجاد کیا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ اجماع تمام اہل اسلام کا ہے۔ اور با وجودِ ثبوتِ اجماع اور اسکی صحت کے پس کون افضل ہے امام یا ماموم نماز اور جہاد میں۔ سائل کو جواب سکا یہ ہے کہ تمام اس کے قائل ہیں کہ وہ دونوں پیشوا ہیں۔ ایک نبی اور ایک امام۔ اگرچہ ایک اُن میں سے پیشوا ہوا اپنے ساتھی کا۔ جس حال میں کہ وہ دونوں مجتمع ہو جائیں اور وہی امام ہے کہ پیشوا ہوگا نبی کا اس حال میں۔ اور اُن دونوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جسکو فی سبیل اللہ ملامت کرنے والے کی ملامت ماخوذ کرسکے اور نیز وہ دونوں معصوم ہیں ارتکاب سے تمام قبائح کے اور امرِ دین میں سُستی کرنے سے اور ریا سے اور نفاق سے اور نہ اُن دونوں میں سے کسی ایک کے لئے کوئی داعی ہے اس فعل کا جو خارج ہو حکمِ شریعت سے اور نہ خلاف ہے امرِ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔ جب ایسا امر ہو تو امام افضل ہے ماموم سے بوجہ وارد ہونے حکمِ شریعتِ محمدیہ کے اس محل پر بدلیلِ قولِ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ وہ امامت کرے گا قوم کی جو اُن سب میں بہت قاری اقرا ہو واسطے کتاب خدا کے۔ پس اگر سب قراءت میں برابر ہوں تو جو اُن سب میں افقہ ہو۔ پس اگر سب فقہ میں بھی برابر ہوں تو جو اُن میں صبیح الوجہ ہو۔ پس اگر امام علیہ السلام کو معلوم ہوتا کہ عیسےٰ علیہ السلام ان سے افضل ہیں تو نہ جائز ہوتا اُن کیلئے کہ وہ عیسےٰ علیہ السلام پر تقدم کریں۔ اسوجہ سے کہ وہ علم شریعت کے پکّے جاننے والے ہیں۔ اور خداوندِ عالم نے اُنھیں منزہ کیا ہے ارتکاب سے ہر امرِ مکروہ کے اسی طرح اگر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کو معلوم ہوتا کہ وہ حضرتِ امام مہدی علیہ السلام سے افضل ہیں تو نہ جائز ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السلام اقتدا کریں مہدی علیہ السلام کی بوجہ اِس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو پاک و منزہ کیا ہے۔ ریا و نفاق سے بلکہ جب یہ ثابت ہوگیا امام علیہ السلام پر کہ وہ اعلم ہیں عیسےٰ علیہ السلام سے تو انھیں جائز ہوا کہ وہ عیسےٰ علیہ السلام پر مقدم ہوں۔ اور اسی طرح یقیناً متحقق ہوگیا عیسےٰ السلام کو کہ امام عصر علیہ السلام اُن سے اعلم ہیں۔ پس اسوجہ سے انھوں نے امام علیہ السلام کو مقدم فرمایا اور ان کے پیچھے نماز پڑھی اور اگر ایسا نہ ہوتا تو انھیں اقتدا لئے امام علیہم السلام کی گنجایش نہ ہوتی۔ بالجملہ تاویل قرطبی اور ابن کثیر کی واضح البطلان ہے اور یہ حدیث بلا ریب موضوع ہے۔

(العوارف بابت ماہ ربیع الآخر ۱۳۵۱ھ ہجری نبوی جلد نمبر ۵ شمار نمبر ۱۱) ۔ ناصر حسین عفی عنہ بقلمہ

علامہ شیخ حسین دیار بکری اپنی مشہور و معروف تاریخ الخمیس میں بذیلِ تذکرۂ جنابِ امام مہدی علیہ السلام تحریر کرتے ہیں:۔ الثانی عشر محمد ابن حسن ابن علی ابن محمد ابن علی بن الرضا علیہم السلام یکنیٰ ابا القاسم ولقبہ الامامیۃ بالحجۃ والقائم والمہدی والمنتظر وصاحب الزمان وھو عندھم خاتم الاثنی عشر اماما ویزعمون انہ دخل السرداب الذی فی سر من رای وامہ تنظر الیہ ولم یخرج الیہا وذلک فی سنۃ خمس و ستین و مائتین وقیل فی سنۃ ست وستین ومائتین وھو الاصح واختفی الی الآن فی زعمھم وامہ ام ولد اسمہا صیقل وقیل سوسن وقیل نرجس وقیل غیر ذلک ولد فی سر من رای فی الثالث وعشرین من رمضان سنۃ ثمان و خمسین ومائتین وفی جامع الاصول فی اشراط الساعۃ وعلاماتہا عن ابن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لو لم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطول اللہ ذلک الیوم حتی یبعث اللہ فیہ رجلا منی او من اہل بیتی یواطی اسمی واسم ابیہ اسم ابی یملأ الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا وفی روایۃ اخری لا تنقضی الدنیا حتی یملک العرب من اہلبیتی رجل تواطی

اسمہ اسمی اخرجہ ابوداؤد قال صاحب الفتوحات المکیۃ فی ذکر المہدی علیہ السلام انہ یکون معہ ثلث مائۃ وستون رجلا من رجال اللہ الکاملین وھذہ الخلیفۃ یکون من عترۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنیتہ کنیۃ جدہ حسن ابن علی علیہما السلام بین الرکن والمقام یبایعہ العارفون باللہ من اہل الحقائق من شہود وکشف بتعریف الہی رجال الہیون یقیمون دعوتہ وینصرونہ ھم الوزراء یحملونہ اثقال مملکتہ ویعینون علی ما قلدہ اللہ تعالی ثم قال فان اللہ یستوزر لہ طائفۃ خباھم فی مکنون غیبہ اطلعھم اللہ کشفا وشھودا علی الحقائق وھذا الخلیفۃ یفہم منطق الحیوان ویری عدلہ فی الانس والجان

(تاریخ الخمیس جلد ۲ ص ۳۲۱ سطر ۱۱)

بارہویں امام محمد ابن حسن ابن علی ابن محمد ابن علی رضا علیہم السلام ہیں۔ کنیت آپ کی ابوالقاسم ہے۔ اور فرقہ امامیہ کے نزدیک آپ کے القاب الحجۃ۔ القائم۔ المہدی۔ المنتظر اور صاحب العصر والزمان علیہ السلام ہیں۔ اور اُن کے نزدیک آپ خاتم امام اثنئے عشر ہیں۔ اور اُن کے گمان میں آپ سُرّمن رائے کے ایک سرداب میں داخل ہوئے۔ درآنحالیکہ آپ کی مادر گرامی قدر آپ کو دیکھ رہی تھیں مگر پھر برآمد نہ ہوئے۔ یہ واقعہ ۲۶۵ھ کا ہے اور کہا گیا ہے کہ ۲۶۶ھ کا ہے اور یہی اصح ہے (لفظ اصح قابل غور ہے) اور آج تک آپ مخفی ہیں آپ کی ماں ام ولد ہیں جن کا نام صیقل۔ سوسن اور نرجس بتلایا گیا ہے۔ اور اسی طرح اور نام بھی بتلائے گئے ہیں۔ ولادت آپ کی سرمن رائے میں ہوئی۔ ۲۳ رمضان ۲۵۶ھ کو اور جامع الاصول میں ہے بذیل اشراط ساعات علامات قیامت کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اگر دنیا کا ایک روز بھی باقی رہ جائیگا تو خدا اُس کو اتنا طولانی فرمائیگا کہ اُس میں ایک ایسا شخص مبعوث ہوگا جو مجھ سے ہوگا یا میرے اہل بیت علیہم السلام سے۔ نام اس کا میرا نام ہوگا۔ اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کا نام ہوگا۔ اس اخیر فقرے کو خود علمائے اہل سنت نے غلط بتلایا ہے) جو بھر دے گا زمین کو عدل و انصاف سے جس طرح وہ پہلے اس سے ظلم و جور سے بھری ہوگی اور دوسری روایت میں ہے کہ دنیا کبھی تمام نہ ہوگی جب تک کہ میرے اہل بیتؑ میں سے ایک شخص جس کا نام میرا نام ہوگا تمام عرب کا مالک نہ ہولے۔ اس کو ابوداؤد نے مستخرج کیا ہے۔ صاحب فتوحات مکیہ نے کہا ہے کہ اُن کے ہمراہ تین سو ساٹھ مرد ہوں گے رجال کاملین سے۔ یہ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ عترت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسل جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا سے۔ نام ان کا ہمنام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ بیعت اُن کی درمیان رکن و مقام کے ہوگی۔ عارفین باللہ اُن کی بیعت کریں گے کشف و شہود کے ثبوت سے۔ یہ وہ رجال الٰہی بزرگوار ہیں جو ان کی دعوت کو دنیا میں قائم کریں گے۔ اور ان کی نصرت کریں گے۔ یہی حضرات آپ کی مملکت کے انتظامات فرمائیں گے اور اُن اصول کو جاری فرمائیں گے۔ جن کے اختیار کرنے کا حکم ان کو خدا تعالیٰ نے دیا ہے اور یہی خلیفہ وقت ہوں گے۔ جانوروں کی زبان کو سمجھیں گے اور تمام جن و انس میں ان کی عدالت جاری و ساری ہوگی۔

احمد ابن یوسف دمشقی مشہور بہ امام قرمانی اپنی کتاب تاریخ اخبار الدول فی آثار الاول میں بذیل تذکرۂ جناب امام آخر الزمان علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔ الفصل الحادی عشر فی ذکر الخلف الصالح الامام ابی القاسم محمد ابن الحسن العسکری علیہ السلام ورضی اللہ عنہ وکان عمرہ عند وفات ابیہ خمس سنین اٰتاہ اللہ فیہا الحکمۃ کما اُتیہا یحیی علیہ السلام صبیا وکان مربوع القامۃ حسن الوجہ والشعر اقنی الانف اجلی الجبہۃ وزعم الشیعۃ انہ غاب فی سرداب بغداد والحرس علیہ سنۃ ست وستین ومائتین

وانّه صاحب السیف القائم المنتظر قبل قیام الساعة وله قبل قیامه غیبتان احدٰهما اطول من الاخریٰ فامّا القصریٰ فمند ولادته الی انقطاع السفارة بینه وبین الشیعة واما الطولیٰ هی التی بعد الاولیٰ و فی اٰخرها یقوم بالسیف وکان من عادة الشیعة ببغداد ان فی کل یوم جمعة یاتون بفرس مشدودة و یقفون علی باب السرداب ویدعون باسم المهدی علیه السلام واستمروا علی هذه الحال اٰن الی الاٰن الی السلطان سلیمان خان من بنی عثمان واستولی علی البغداد وابطل تلك العادة۔ واتفق العلماء علی ان المهدی علیه السلام هو القائم فی اٰخر الوقت وقد تعاضدت الاخبار علی ظهوره وتظاهرت الروایات علی اشراق نوره واستنفر ظلمه الایام واللیالی بسفوره وینجلی برؤیته الظلم انجلاء الصبح عن دیجوره ویسیر عدله فی الاٰفاق فیکون الضوء من البدر المنیر فی مسیره واما السنة التی یقوم فیها القائم والیوم الذی یبعث فیه فقد جاءت فیه اٰثار عن ابی بصیر عن ابی عبد الله علیه السلام قال لا یخرج القائم علیه السلام الا فی وتر من السنین سنة احدیٰ او ثلاث او خمس او سبع او تسع او یقوم فی یوم عاشوراء و یظهر یوم السبت العاشر من المحرم قائما بین الرکن والمقام وشخص قائم علی یده ینادی البیعة البیعة فیسیر الیه انصاره من اطراف الارض یبایعونه فیملأ الارض عدلا کما ملئت ظلما وجورا ثم یسیر من مکة حتّیٰ یأتی الکوفة فینزل علی نجفها ثم یفرق الجنود الی جمیع الامصار و عن عبد الکریم النخعی قال قلت لابی عبد الله علیه السلام قال سبع سنین تطول له الایام حتّیٰ تکون السنة من سنته بمقدار عشر سنین فیکون مدّة ملکه سبعین سنة من سنینکم (ص ۱۸ مصر)

فصل گیارہویں اس امر میں کہ جناب خلف الصالح امام ابو القاسم محمد ابن حسن العسکری علیہ السلام و رضی اللہ عنہ بوقت وفات اپنے والد ماجد کے پانچ برس کے تھے۔ خدا تعالیٰ نے اسی سن میں آپ کو حکمت عطا کی تھی جیسا کہ حضرت یحییٰ علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کو بچپن میں علم ملا تھا۔ آپ مربوع القامت۔ قبول صورت چھوٹی ناک والے اور نورانی چہرے والے تھے (یہ وہی اوصاف ہیں جو آپ کی تعریف میں حدیثوں کی تمام کتابوں میں مندرج ہیں) شیعوں کے گمان میں بمقام بغداد آپ سرداب میں غائب ہوگئے ۲۶۶ھ میں حالانکہ نگراں موجود تھے۔ آپ صاحب سیف اور القائم المنتظر ہیں جو قبلِ قیامت ظہور فرمائیں گے اور قیامت سے پہلے پہلے آپ کے لئے دو غیبتیں ہوں گی ایک صغریٰ۔ ایک کبریٰ۔ غیبتِ صغریٰ تو وقتِ ولادت سے لیکر تاوقتیکہ آپ کے اور آپ کے شیعوں کے مابین انقطاع نظامِ سفارت ہو تمام ہوتی ہے اور غیبتِ کبریٰ غیبت صغریٰ کے بعد سے آغاز ہوکر اسوقت تک قائم رہے گی جب تک کہ آپ ظہور بالسیف فرمائیں گے۔ اور بغداد کے شیعوں کی یہ عادت تھی کہ ہر جمعہ کو گھوڑے پر سوار ہوکر سرداب مقدس کے دروازے پر آتے تھے اور آپ کا نام نامی لیکر ندا دیتے تھے۔ سلطان سلیمان خاں عثمانی والیِ بغداد نے ان کے اس دستور کو بند کر دیا۔ اور تمام علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ آپ آخر وقت ظہور فرمائیں گے۔ اور حدیثیں متعاضد ہیں۔ اور آپ کے انوارِ ہدایت کے اعلان میں روایات ظاہر ہیں کہ اُن ایام کی تاریکیاں آپ کے تجلیاتِ آثار سے زائل ہوجائیں گی۔ اور ظلمتِ کفر آپ کی صبح ہدایت سے کافور ہوجائیگی۔ اور آپ کے انوارِ عدالت تمام روئے زمین پر مثلِ مہتاب عالمتاب کے پھیل جائیں گے۔ اب رہا یہ امر کہ آپ کس سال اور کس دن ظہور فرمائینگے تو اس بارے میں ابو بصیرؓ نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ فرمایا آپ نے کہ ظہور امام قائم علیہ السلام کا سنہ طاق میں ہوگا سنہ میں ۳ سنہ میں ۵ سنہ میں ۷ سنہ میں یا ۹ سنہ میں۔ اور جس دن آپ ظہور فرمائیں گے وہ یوم عاشورا شنبہ

کا دن، محرم کی دسویں تاریخ ہوگی۔ اور رکن و مقام کے درمیان آپ کی بیعت کی جائیگی۔ اور ایک شخص آپ کے داہنے ہاتھ کی جانب کھڑا ہو کر ندا کریگا۔ البیعۃ البیعۃ یہ سنکر آپ کے نام انصار تمام اطراف زمین سے آئیں گے اور بیعت سے مشرف ہوں گے۔ آپ دنیا کو عدل و انصاف سے اُسی طرح بھر دیں گے جسطرح وہ قبل میں جور و ظلم سے پُر اور مملو ہو چکی ہوگی پھر آپ مکہ سے کوچ فرما کر کوفہ میں تشریف لے جائیں گے اور نجف میں منزل فرما کر وہیں سے تمام بلادِ عالم میں لشکر بھیجیں گے۔ عبدالکریم نخعی نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جناب قائم علیہ السلام سات برس تک حکومت کریں گے۔ اور خداوند تعالیٰ اُن ایام کو اتنا طولانی فرمائیگا کہ اُس وقت کا ایک سال تمہارے دس برس کے برابر ہوگا۔ بس اُن کی مدتِ حکومت تمہارے برسوں کے حساب سے ستر برس ہوگی۔

امام سبط ابن جوزی اپنی کتاب تذکرۂ خواص الائمہ میں بذیل تذکرۂ جناب امام آخر الزمان علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔

ھو محمد ابن الحسن ابن علی ابن محمد ابن علی ابن موسیٰ ابن جعفر ابن محمد ابن علی ابن الحسین ابن علی ابن ابیطالب علیہم السلام وکنیتہ ابو عبداللہ و ابو القاسم وھو الخلف الصالح الحجۃ صاحب الزمان القائم والمنتظر الباقی وھو آخر الائمۃ۔ آپ کا نام محمد ابن حسن ابن علی ابن محمد ابن علی ابن موسیٰ ابن جعفر ابن محمد ابن علی ابن الحسین ابن علی ابن ابیطالب علیہم السلام ہے۔ اور کنیت آپ کی ابو عبد اللہ اور ابو القاسم ہے۔ اور آپ ہی کو خلفِ صالح۔ الحجۃ۔ صاحب الزمان۔ القائم۔ و المنتظر اور الباقی کہتے ہیں۔ اور آپ ہی آخر الائمہ ہیں۔

حافظ جمال الدین محدث روضۃ الاحباب میں بذیل تذکرۂ حضراتِ ائمہ اثنا عشر علیہم السلام تحریر فرماتے ہیں۔

ثم حجۃ اللہ فی ارضہ وبقیتہ فی عبادہ محمد بن الحسن ابن علی وذلک الذی یفتح اللہ علی یدیہ مشارق الارض ومغاربھا وذلک الذی یغیب عن شیعتہ واولیائہ غیبۃ لا یثبت فیھا علی القول بامامتہ الا من امتحن اللہ قلبہ للایمان۔

جابر رضی اللہ عنہ گوید کہ گفتم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیا در غیبتِ امام شیعہ انتفاع یابند۔ فقال ای والذی بعثنی بالنبوۃ انھم یستضیئون بنورہ وینتفعون بولایتہ فی غیبتہ کانتفاع الناس بالشمس وان علاھا سحاب۔

پھر جناب حجۃ علیہ السلام جو حجۃ اللہ اور بقیۃ اللہ ہیں اُس کے بندوں میں نام ان کا محمد ابن حسن ابن علی علیہم السلام ہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کے ہاتھوں پر خدا تعالیٰ تمام مشرق و مغرب کو فتح فرما دیگا اور یہی وہ بزرگ ہیں جو اپنے شیعوں اور دوستوں کے درمیان سے غیبت فرمائیں گے اور ان کی امامت پر کوئی ثابت قدم نہیں رہیگا سوائے اُس کے جس کے ایمانِ قلبی کا امتحان خدا تعالیٰ نہ لیچکا ہو۔ جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آیا آپ کے ایامِ غیبت میں آپ کے شیعہ منتفع ہو سکتے ہیں۔ ارشاد ہوا ہاں۔ قسم اُس کی جس نے مجھے نبوت کے مرتبہ کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے وہ لوگ (شیعہ) اُس کے انوار سے ضرور منور اور منتفع ہونگے اور ایام غیبت میں بھی ان کی ولایت سے اُسی طرح فائدہ پہنچیگا جیسا کہ آفتابِ زیرِ سحاب سے تمام عالم کو فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔ انتہیٰ عبارت کے بعد حافظ اور محدث صاحب اتنا اضافہ اور فرماتے ہیں۔ اے جابر این اسرار مکنونۂ الٰہی است پس پنہاں دار آں را مگر از آنکس کہ اہل آں باشد لے جابر یہ خدا کے اسرار مخفیہ ہیں اسکو ہر کس و ناکس سے نہیں کہنا چاہیے۔ ہاں اُن لوگوں سے کہدینا جو اسکے اہل ہوں۔

محدث صاحب نے صرف روضۃ الاحباب ہی میں نہیں لکھا بلکہ اپنی کتاب اربعین فی مناقب امیر المومنین علیہ السلام میں بھی جسمیں انھوں نے اپنے عقائد کا اظہار کیا ہے۔ منجملہ اُن کے آپ کی امامت کا بھی پورا اعتقاد اور

کامل یقین ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :۔ اعلموا ایھا المومنون الکاملون ان اعتقادی فی شان امیرالمومنین علی علیہ السلام ما یقتضیہ مضمون تلک الاحادیث التی جمعتھا فی ھذہ اوراق فاقول رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و محمد رسولا و بالمومنین و امامین الھامین الحسن المجتبیٰ و الحسین الشھید بکربلا و علی ابن الحسین زین العابدین السجاد ذی الثفنات و محمد ابن علی ن الباقر و جعفر ابن محمد ن الصادق و موسیٰ ابن جعفر الکاظم و علی ابن موسیٰ الرضا و محمد ابن علی ن التقی و علی ابن محمد ن النقی والحسن ابن علی ن الزکی و محمد ابن الحسن الحجۃ المھدی صاحب الزمان ائمتی وسادتی وقادتی اللھم ھؤلاء ائمتی وسادتی وقادتی وکبرائی وشفعائی الائمۃ الھداۃ الابرار الاتقیاء الاخیار بھم اتولی ومن اعدائھم اتبرء فی الدنیا والاخرۃ ؎

اے مؤمنین کاملین آگاہ ہو جاؤ کہ جناب امیرالمومنین علی علیہ السلام کے بارے میں میرے عقائد جو ہیں وہ ان احادیث کے مضمون کے مطابق ہیں۔ جن کو میں نے اِن اوراق (کتاب روضۃ الاحباب) میں جمع کر دیا ہے۔ اور میرا قول یہ ہے کہ خداتعالیٰ میرا رب ہے۔ اسلام میرا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پیغمبر ہیں۔ اور امیرالمومنین اور امامان حضرت حسنِ مجتبیٰ اور حضرت امام حسین شہید کربلا۔ علی ابن الحسین زین العابدین سجاد صاحب ثفنات۔ اور محمد ابن علی المدعو بہ باقر۔ جعفر ابن محمد الملقب بہ صادق۔ موسیٰ ابن جعفر الملقب بہ کاظم۔ علی ابن موسیٰ المدعو بہ رضا اور محمد ابن علی المخاطب بہ تقی علی ابن محمد الملقب بہ نقی حسن ابنِ علی المدعو بہ عسکری اور محمد ابن حسن الملقب بالحجۃ المہدی صاحب الزمان علیہ السلام۔ ہمارے امام ہمارے سردار اور ہمارے پیشوا ہیں۔ پروردگار یہی لوگ ہمارے امام سردار اور مقتدا ہیں۔ اور ہمارے بزرگان دین ہیں اور قیامت کے شفیع ہیں اور یہی ہمارے امامانِ ہدایت اور ابرار ہیں اور یہی صاحبانِ تقویٰ اور اخیار انہی کے ساتھ مجھ کو محبت و ارادت ہے اور انہی کے دشمنوں کے ساتھ نفرت اور بیزاری ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ علامہ جلال الدین محدث جنابِ صاحب الامر علیہ السلام اور کل ائمۂ اطہار علیہم السلام کی نسبت اپنا وہی عقیدہ ظاہر کرتے ہیں جو فرقۂ شیعہ کا ہے کہ ائمۂ اثنا عشر علیہم السلام کی امامت اور خلافتِ حقہ کے معتقد ہیں اور نام بنام بتصریح تمام اظہارِ عقیدت کر رہے ہیں اور ان کے ساتھ تولا اور اُن کے دشمنوں کے ساتھ تبرا ظاہر کر رہے ہیں تو کیا اس کے بعد بھی اہل سنت کو بشرطِ اسلام حضرتؑ کی امامت اور وجود میں شک رہ سکتا ہے۔

یہانتک تو ہم نے عموماً مورخین۔ محدثین اور اکابر مشائخ صوفیین کے اقوال و کلام کو مندرج و قلمبند کیا ہے۔ جو ان حضرات نے حضرت امام آخرالزمان علیہ السلام کی نسبت اپنی اپنی معتبر تالیفات میں تحریر فرمایا ہے۔ اب اگر کوئی صاحب یہ شوشہ چھوڑیں کہ مورخین محدثین اور صوفیین کا دارومدار اور مختار زیادہ تر منقولات پر ہوتا ہے اسلئے معقولین کے نزدیک اعتبار کے قابل نہیں۔ اس شبہ کے مٹانے اور اس گمان کے غلط ثابت کرنے میں ہمیں کوئی عذر اور کلام نہیں اگرچہ جن حضرات کے اقوال اوپر لکھے گئے ہیں اُن میں شیخ عبدالحق۔ امام قرمانی اور علامہ سبط ابن جوزی سے سرآمد علمائے متکلمین موجود ہیں اور ان حضرات نے کس صراحت سے جنابِ امام صاحب العصر علیہ السلام کی امامت کا اقرار کیا ہے۔ پھر بھی اگر ہمارے معترضین کو ضد اور اصرار باقی رہے تو ہم اُن کی طفل تسلی اور کامل اطمینان و تشفی کے لئے اُن کے ایسے ایسے رئیس المتکلمین اور امام المناظرین کے اقوال ذیل میں درج کرتے ہیں جن کی عقیدت اور ارادت پر تمام اہلسنت کے خاص و عام کا ایمان ہے ان میں سب سے پہلے تو علامہ فضل ابنِ روزبہان ہیں۔ یہ وہ بزرگ ہیں جن کی تصانیفِ مستقلہ

سدّ روافض میں موجود ہیں۔ اور یہی وہ بزرگ ہیں جنھوں نے علامہ حلی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب نہج الحق اور کشف الصدق کا اپنی دانست میں جواب لکھا ہے۔ اور اس کا نام ابطال الباطل رکھا ہے۔ اس میں بذیل تذکرہ حضرات ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین رقمطراز ہیں ء ماذکر من فضائل آل فاطمۃ صلوات اللہ وسلامہ علیہا و علی ابیہا وعلی سائر آل محمد امر لا ینکر فان الانکار علی البحر برحمتہ وعلی البر بسعتہ وعلی الشمس بنورہا و علی الانوار بظہورہا وعلی السحاب بجودہ وعلی الملک بسجودہ انکار لا یزید المنکر الا الاستہزاء بہ ومن ھو قادر علی ان ینکر علی جماعۃ ھم اھل السداد وخزان معدن النبوۃ وحفاظ آداب الفتوۃ صلوات اللہ وسلامہ علیہم ونعم ما قلت فیہم منظوما ؎

سلام علی المصطفی المجتبی + سلام علی السید المرتضی + سلام علی ستنا فاطمۃ + من اختارہا اللہ خیر النساء
سلام من المسک انفاسہ + علی الحسن الالمعی الرضا + سلام علی الاورعی الحسین + شہید تری جسمہ کربلا
سلام علی سید العابدین + علی ابن الحسین المجتبی + سلام علی الباقر المھتدی + سلام علی الصادق المقتدی
سلام علی الکاظم الممتحن + رضی السجایا امام التقی + سلام علی الثامن المؤتمن + علی الرضا سید الاصفیا
سلام علی التقی التقی + محمد الطیب المرتجی + سلام علی الارجی النقی + علی المکرم ھادی الوری
سلام علی السید العسکری + امام یجہز جیش الصفا + سلام علی القائم المنتظر + ابی القاسم القرم نور الھدی
سیطلع کالشمس فی غاسق + ینجیہ من سیفہ المنتضی + تری یملأ الارض من عدلہ + کما ملئت جور اھل الھوی
سلام علیہ وآبائہ + وانصارہ ما تدور السماء

یعنی جو کچھ ذکر کیا فضائل فاطمہ صلوات اللہ وسلامہ علیہا وعلی سائر آلِ محمد میں پس یہ ایسا امر ہے کہ انکار نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کا انکار کرنا بحر کی رحمت اور بر کی وسعت اور عصیائے آفتاب اور انوار کے ظہور اور سحاب کے جود اور ملائکہ کے سجود سے انکار کرنا ہے۔ جس کا منکر قابلِ استہزا ہوتا ہے۔ اور کون شخص قادر ہے کہ انکار کرے اُن لوگوں پر جو اہلِ سداد سے ہیں اور خزانہ دارِ معدنِ نبوت اور حافظ آدابِ فتوت۔ صلوات وسلام ہو اُن پر اور کیا خوب میں نے نظم کہی ہے اُن کی شان میں۔

سلام ہو مصطفےٰ مجتبیٰ پر۔ سلام ہو سید مرتضےٰ پر۔ سلام ہو سیدۃ النسا سلام اللہ علیہا پر جنھیں خدا نے تمام عورتوں کا سردار بنایا ہے۔ سلام ہو اُن پر جن کے انفاس مشک سے زیادہ معطر اور خوشبو ہیں۔ امام حسن علیہ السلام پر جو المعی اور رضا ہیں۔ سلام ہو امام حسین علیہ السلام پر جو شہید کربلا ہیں۔ سلام ہو امام زین العابدین علیہ السلام پر۔ امام محمد باقر علیہ السلام پر۔ امام جعفر صادق علیہ السلام پر۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پر۔ امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام پر۔ امام محمد تقی علیہ السلام پر۔ امام علی نقی علیہ السلام پر امام حسن عسکری علیہ السلام پر۔ اور سلام ہو امام قائم المنتظر ابی القاسم حضرت مہدی علیہ السلام پر جو اس طرح طلوع کرینگے جیسا کہ آفتاب نکلتا ہے ظلمت سے۔ اور وہ حضرت علیہ السلام زمین کو عدل سے اس طرح بھر دینگے جس طرح کہ وہ اہلِ جور کے ستم و جور سے پر اور مملو ہو چکی ہوگی۔ سلام ہو اُن پر اور ان کے آبائے اجداد سلام اللہ علیہم پر اور اُن کے اعوان انصار رضی اللہ عنہم پر جب تک آسمان دورہ کرتا رہے۔

ملا علی قاری۔ جن کی کتاب موضوعات تمام عالم میں مشہور ہے۔ ایسے زبردست عالم ہیں جو پایۂ علم میں امام بخاری، امام رازی سے ہرگز کم نہیں سمجھے جاتے۔ شرح مشکوٰۃ میں بذیل تذکرہ حضرات آئمہ اثنا عشر صلوات اللہ علیہم لکھتے ہیں۔ سوادِ اعظم اہلسنت کے علما ئے متکلمین میں یہ دو سب بزرگ ہیں جن کی اسناد کم نقل کا ہیں اور یہ وعدہ کر چکا ہوں۔

وقد حمل الشيعة الاثنا عشرية على انهم من اهل البيت النبوة متواليه اعم من ان لهم خلافة حقيقة او استحقاقا فاولهم علي فالحسن فالحسين فزين العابدين فمحمد الباقر فجعفر الصادق فموسى الكاظم فعلي الرضا فمحمد التقي فعلي النقي فحسن العسكري فمحمد المهدي رضوان الله عليهم اجمعين على ما ذكرهم زبدة الاولياء خواجه محمد پارسا في كتاب فصل الخطاب وتبعه مولانا نور الدين عبد الرحمن جامی في اواخر شواهد النبوة وذكر فضائلهم ومناقبهم وكراماتهم ومقاماتهم مجملة وفيه رد على الروافض حيث يظنون باهل السنة انهم يبغضون اهل البيت عليهم السلام باعتقادهم الفاسد و زعمهم الكاسد ط اس حدیث اثنا عشر خلیفہ سے شیعوں نے مراد لیا ہے ائمہ اثنا عشر کو جو متوالی ہوئے یکے بعد دیگرے اہل بیت نبوت سے خواہ ان کو خلافت حاصل ہوتی ہو، فی الحقیقت یا بہ استحقاق وہ خلیفہ تھے جن میں سے پہلے حضرت علی۔ پھر امام حسن۔ پھر امام حسین۔ پھر امام زین العابدین۔ پھر امام محمد باقر۔ پھر امام جعفر صادق۔ پھر امام موسیٰ کاظم۔ پھر امام علی رضا۔ پھر امام محمد تقی۔ پھر امام علی نقی۔ پھر امام حسن عسکری۔ پھر امام محمد مہدی رضوان اللہ وصلواۃ علیہم اجمعین ہیں۔ بنا برایں کے کہ ذکر کیا ہے اُن کا زبدۃ الاولیا خواجہ محمد پارسا نے اپنی کتاب فصل الخطاب میں اور ان کی متابعت کی ہے مولانا عبد الرحمن جامی نے اواخر شواہد النبوۃ میں۔ اور دونوں نے ان حضرات کے فضائل ومناقب۔ کرامات و مقامات کو بالاجمال لکھا ہے۔ اس میں رد ہے روافض پر جو اہلسنت کے بارے میں یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ لوگ بغض رکھتے ہیں اہلبیت علیہم السلام سے حالانکہ یہ گمان اُن کا فاسد اور زعم اُن کا کاسد ہے۔

ملا علی قاری کے نزدیک بھی وجود جناب قائم علیہ السلام کا مسئلہ خاص اہلسنت کے معتقدات میں داخل ہوگیا نہیں تو شیعوں کی دشمنی اہلبیت علیہم السلام والی تعریض ان پر صحیح اترتی ہے جیسا کہ خود اُن کے اوپر والے قول سے ظاہر اور آشکار ہے۔ اِن کے بعد متکلمین سوادِ اعظم اہلسنت میں ہندوستان کے امام رازی شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا نمبر ہے۔ انھوں نے حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام کے بارے میں تو صاف صاف لکھدیا ہے کہ ایں فقیر را معلوم شدہ است کہ ائمہ اثنا عشر رضوان اللہ علیہم اقطابِ نسبتی بودہ اند از نسبتہا۔ اس تحریر کے بعد آپ نے ایک روایت خاص جناب امام آخر الزمان علیہ السلام سے تحریر کی ہے جو ہمارے تصدیق مدعا کے لئے حجت قاطعہ ہے چنانچہ اپنے رسالہ نوادر من حدیث سید الاوائل والاواخر میں لکھتے ہیں :۔

حديث محمد بن الحسن الذي يعتقد الشريعة انه المهدي عن ابائه الكرام عليه وعليهم السلام وجدت في سلسلة الشيخ محمد ابن خفلة المكي عن الحسن العجمي حدثنا واخبرنا ابو طاهر اقوى اهل عصره سندا جان الجميع ما تصح له روايته قال اخبرنا مسند وقته محمد البخاري الواعظ اخبرنا صوفي زمانه الشيخ عبد الوهاب الشعراوي انا مجتهد العصر الجلال الدين السيوطي انا حافظ عصره ابو نعيم رضوان العقبي انا مقرى زمانه الشمس الدين محمد ابن الجوزي انا جمال الدين محمد ابن محمد زاهد عصره انا الامام محمد ابن مسعود محدث بلاد فارس في زمانه انا شيخنا الموقتة اسمعيل ابن مظفر الشيرازي انا عبد السلام ابن ابي ربيع الحنفي محدث زمانه انا ابو اكبر عبد الله ابن محمد ابن شابور القلانسي شيخ عصره انا عبد العزيز انا محمد الاوسي امام اوانه انا سليمان ابن ابراهيم ابن محمد سليمان ناودهره حدثنا احمد ابن محمد ابن هاشم البلاذري حافظ زمانه حدثنا محمد ابن الحسن ابن علي المحجوب امام عصره حدثنا الحسن ابن علي عن ابيا عن جده عن الى جده ثنا ابي علي ابن موسى الرضا ثنا ابي موسى الكاظم ثنا ابي جعفر الصادق ابن

محمد الباد ابن علیؑ ثنا ابی علیؑ ابن الحسینؑ زین العابدین التسجی ثنا ابی الحسینؑ سید الشہداءؑ ثنا ابی علیؑ ابن ابیطالب الاولیاء قال اخبرنا سید الانبیاء محمد ابن عبد اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال اخبرنی جبرئیل سید الملٰئکۃ قال قال اللہ تعالیٰ سید السادات انی انا اللہ لا الٰہ الا انا من یقرّبی بالتوحید دخل حصنی و من دخل حصنی امن من عذابی قال الشمس ابن الجزری کذا وقع ھذا الحدیث من المسلسلات السعیدۃ والعھدۃ فیہ علی البلاذری انتھٰی۔ حضرت محمد ابن حسن علیہ السلام (جو مطابق عقیدہ شیعہ مہدی علیہ السلام ہیں) کی حدیث جوان سے بواسطہ اُن کے آبائے کرام علیہم السلام کے پہنچی ہے اور اس کو ہم نے سلسلۂ شیخ محمد ابن عقلہ مکّی کے ذریعہ سے اور انھوں نے حسن عجمی سے پائی ہے۔ وہ یہ ہے۔ جن کا بیان ہے کہ روایت کی مجھ سے ابوطاہر نے جو اپنے زمانہ میں سب سے باعتبار قول کے قوی تر تھے اور ان کی صحت روایات پر تمام علماء کے اجازے موجود تھے۔ اور انھوں نے محمد حجازی سے اور انھوں نے صوفی زمانہ عبد الوہاب شعراوی سے۔ انھوں نے مجتہد العصر جلال الدین سیوطی سے انھوں نے حافظِ عصر ابو نعیم سے۔ انھوں نے مقریزی عصر شمس الدین محمد ابن جزری سے۔ انھوں نے زاہدِ وقت جمال الدین سے۔ انھوں نے امام وقت محمد ابن مسعود محدث بلادِ فارس سے۔ انھوں نے شیخ وقت اسماعیل ابن مظفر شیرازی سے۔ انھوں نے عبد السلام ابن ابی ربیع حنفی محدث سے۔ انھوں نے ابوبکر عبد اللہ ابن شاپور قلانسی سے۔ انھوں نے عبد العزیز سے۔ انھوں نے محمد الآسی امام وقت سے۔ انھوں نے سلیمان ابن ابراہیم ابن محمد ابن سلیمان سے۔ انھوں نے احمد ابن محمد ابن ہاشم البلاذری سے۔ انھوں نے محمد ابن حسن المحجوب امام عصر علیہ السلام سے۔ انھوں نے اپنے والدِ ماجد حسن ابن علی سے۔ انھوں نے اپنے والدِ ماجد سے۔ انھوں نے اپنے والدِ ماجد سے۔ انھوں نے اپنے والدِ ماجد سے۔ انھوں نے اپنے والدِ ماجد علی ابن موسیٰ الرضاؑ سے۔ انھوں نے اپنے والدِ ماجد موسیٰ الکاظمؑ سے۔ انھوں نے اپنے والدِ ماجد جعفرؑ صادق سے۔ انھوں نے اپنے والدِ ماجد محمد باقر سے۔ انھوں نے اپنے والد ماجد علی ابن الحسین زین العابدین سجاد سے۔ انھوں نے اپنے والد ماجد حسین سید الشہدا علیہ التحیۃ والثنا سے انھوں نے اپنے والد ماجد جناب علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے۔ انھوں نے فرمایا کہ جناب سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حضرت جبرئیل سید الملائکہ علیہ السلام نے فرمایا کہ ارشاد کیا سید السادات رب العزت نے کہ جس نے مجھکو وحدہٗ لاشریک لہٗ جانا اس نے باعتبار توحید کے میرے تقرب کی منزلت حاصل کی۔ اور میری پناہ میں داخل ہوا۔ اور میرے عذاب سے محفوظ و مامون رہا۔ شمس الدین محمد ابن جزری کا قول ہے کہ یہ حدیث اسی سلسلۂ سعیدہ سے واقع ہوئی ہے اور اس کی صحت کی ذمہ داری علامہ بلاذری پر ہے۔

اس حدیث کی نقل سے جس کو شاہ ولی اللہ صاحب کے ایسے سرآمد متکلمین نے اپنے شیوخ اور اساتذہ کے مکمل اور مسلسل سلسلہ سے تحریر کیا ہے کہ جناب صاحب الامر علیہ السلام کے وجود ہی کا مسئلہ سوادِ اعظم میں متحقق اور ثابت نہیں ہوا۔ بلکہ آپ سے حدیثوں کے استماع و استخراج کا بھی کامل ثبوت پہنچا۔

متکلمین اہل سنت میں ہم خواجہ محمد پارسا کو بھی خصوصیت کے ساتھ اس وجہ سے لیں گے کہ اُن کی کتاب فصل الخطاب صرف منقولات ہی پر محتوی نہیں ہے بلکہ اُس کے تمام مضامین عقلی دلائل و براہین سے پُر اور مملو ہیں۔ اور دائرۂ علماء میں خواجہ صاحب کا وہ پایہ ہے جن کی کتاب سے ملا علی قاری اور مولانا جامی ایسے علمائے متبحرین نے اپنی اپنی تصانیفِ معتبرہ میں برابر استنباط و استخراج کیا ہے۔ جیسا کہ شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری اور شواہد النبوۃ ملا جامی کی اصل عبارت سے ظاہر ہو چکا ہے۔ بہرحال خواجہ محمد پارسا فصل الخطاب میں لکھتے ہیں۔

والاخبار فی ذٰلک اکثر من ان تحصٰی ومناقب المہدی علیہ السلام صاحب الزمان الغائب عن الاعیان الموجود فی کل زمان کثیرۃ فقد تظاہرت الاخبار علی ظہورہ واشراق نورہ یجدد الشریعۃ المحمدیۃ ویجاہد فی اللہ حق جہادہ ویطہر من الادناس اقطار بلاد زمانہ زمان المتقین واصحابہ خلصوا من الریب وسلموا من العیب واخذوا بہدیہ وطریقہ واقتدوا من الحق الی تحقیقہ بہ ختمت الخلافۃ والامامۃ وھو الامام من لدن مات ابوہ الی یوم القیمۃ وعیسٰی یصلی خلفہ ویصدقہ علی دعواہ ویدعوا الی ملتہ التی ھو علیھا والنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب الملۃ۔

یعنی حدیثیں اس بارے میں اس سے زیادہ ہیں کہ اُن کا احصا کیا جا سکے۔ اور مناقب جناب مہدی علیہ السلام جو صاحب الزمان ہیں اور آنکھوں سے غائب ہیں اور ہر وقت اور ہر زمانہ میں موجود ہیں۔ بے حد و بے انتہا ہیں اور آپ کے ظہور واشراق نور پر حدیثوں کا اتفاق ہے۔ آپ شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجدید کرینگے۔ اور نجاستوں سے راہِ خدا میں جہاد کرکے دنیا کو پاک کریں گے۔ آپ کا زمانہ اتفاقِ عام کا زمانہ ہوگا۔ آپ کے اصحاب خالص ہونگے ریب سے اور سالم ہونگے عیب سے یہ لوگ آپ کے طریق پر رفتار کرینگے۔ اور آپ کی ہدایت پر عمل خلافت اور امامت آپ ہی پر ختم ہوگی۔ اس وقت سے آپ امام ہیں جس وقت سے کہ آپ کے والد ماجد علیہ السلام نے انتقال فرمایا۔ اور قیامت تک امام رہیں گے۔ حضرت عیسیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور آپ کی تصدیق فرمائیں گے۔ آپ کے دعوے میں اور لوگوں کو دعوت کریں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملت کی طرف جس پر آج ہی ہیں اور وہ وہی ملتِ اسلام ہے جس کے صاحب ملت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اس تحریر سے جس کا خلاصہ تمہیدًا اوپر بھی درج ہو چکا جناب صاحب الامر علیہ السلام کے متعلق تمام امور کے واقعات پورے طور سے معلوم ہو گئے۔ ہم نہیں سمجھ سکے کہ اِن تحریروں کے بعد بھی اب کسی تحریر تشریح یا تفسیر کی ضرورت باقی ہے اگر حقیقتاً تھوڑی بہت ضرورت رہ گئی ہے تو اسے ہم سلطان المتکلمین امام فخرالدین رازی کی اُس فلسفیانہ تحریر سے جو انھوں نے اپنی کتاب مقاصد عالیہ میں لکھی ہے۔ اور شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے اسے اپنی کتاب الکلام حصہ دوم میں نقل کیا ہے پورا کئے دیتے ہیں۔ اس سے جناب امام آخرالزمان علیہ السلام کے وجود کی ضرورت آپ کا استحقاق فی الامارت۔ نظامِ ہدایت اور تمام امور پوری دلائل وبراہین کے ساتھ معلوم ہو جائیں گے۔ وہو ہذا۔

المقدمۃ الرابعۃ ان النقصان وان کان شاملا للخلق عاما فیھم الا انہ لابد وان یوجد فیھم شخص کامل بعید من النقصان والدلیل علیہ من وجوہ الاول انا بینا ان الکمال والنقصان واقع فی الخلق علی مراتب مختلفۃ ودرجات متفاوتۃ ثم انا کما نشاھد اشخاص بلغوا فی جانب النقصان وقلۃ الفھم و الادراک الی حیث قربوا من البھائم والسباع فکذلک فی جانب الکمال لابد وان توجد اشخاص کاملۃ ولابد وان یوجد فیما بینھم شخص یکون افضلھم واکملھم وھو یکون فی آخر مراتب الانسانیۃ واول مراتب الملکوتیۃ الذی ان الاستقراء ویدل علی ماذکرناہ وذلک لان الجسم العنصری جنس تحتہ ثلثۃ انواع المعدن والنبات والحیوان وصریح العقل یشھد بان اشرف ھذہ الثلثۃ الحیوان واوسطھا النبات وادونھا المعادن ثم نقول الحیوان جنس تحتہ انواع کثیرۃ واشرفھا ھو الانسان والانسان تحتہ اصناف کثیرۃ مثل الزنجی و الھندی والرومی والعربی والافرنجی والترکی ولاشک ان اشرف الاصناف الانسان واقربھم الی الکمال سکان الموضع المسمی بایران شھر ثم ان ھذا الصنف من الناس تختلفون ایضا فی الکمال والنقصان ولاشک

انه يحصل فيهم شخص واحد وهو افضلهم واكملهم في القوة النظرية والعملية ثم ان الصوفية يسمونه بقطب العالم ولقد صدقوا فيه فانه لما كان الجرم الاشرف من سكان هذا العالم الاسفل هو الانسان الذي حصلت له القوة النظرية التي بها يستفيد الانوار القدسية من عالم الملئكة وحصلت له القوة العملية التي يقدر على تدبير هذا العالم الجسماني على الطريق الاصلح والسبيل الاكمل ثم ان ذلك الانسان الواحد هو اكمل اشخاص الموجودين في ذلك الدور كان المقصود الاصلي من كل هذا العالم العنصري وجود ذلك الشخص ولاشك ان المقصود بالذات هو الكامل واما الناقص فانه يكون مقصودًا بالعرض فثبت ان ذلك الشخص هو قطب لهذا العالم العنصري وماسواه فكان التبع له وجماعة الشيعة الامامية يسمونه بصاحب الزمان ويقولون هو غائب ولقد صدقوا في الوصفين ايضا لانه لما كان خاليا عن النقائص التي هي حسن في غيرها كان معصوما من تلك النقائص وهو ايضاً صاحب الزمان قلنا ان ذلك الشخص هو المقصود بالذات في ذلك الزمان وماسواه فكان لا تباعله وهو ايضاً غائب عن الخلق لان الخلق لايعلمون ان ذلك الشخص هو افضل هذا الدور واكملهم واقول ولعله لايعرف ذلك الشخص ايضًا افضل اهل الدور ان كان يعرف حال غيره فذلك الشخص لايعرف غيره هو ايضالا يعرف نفسه فهو كما جاء في الاخبار الالهية انه تعالى قال اوليائي تحت قبائي لايعرفهم الاغيري فثبت بهذا ان كل دور لابد وان يحصل فيه شخص موصوف بصفات الكمال ثم انه لابد وان يحصل في هذا الادوار المتلاحقة دور يحصل فيه شخص واحد يكون هو افضل من كل اولئك الذين كانوا كل واحد منهم صاحب دوره وفريد عصره وذلك الدور المشتمل على ذلك الشخص لايوجد في الف سنة او اكثر اوقل الامرة واحدة فيكون ذلك الشخص هو المول المعظم والنبي المكرم وواضع الشرائع والهادي الى الحقائق واكون سبته الى سائر اصحاب الادوار كنسبة الشمس الى الكواكب ثم لابد وان يحصل في اصحاب الادوار انسان هو اقربهم الى صاحب الدور في صفات الفضيلة فيكون ذلك الشخص بالنسبة اليه كالقمر بالنسبة الى الشمس وهو الامام القائم مقامه والمقرر لشريعته واما الباقون كل واحد منهم الى صاحب الدور الاعظم كنسبة كوكب السيارة في الشمس واما عوام الخلق فهم بالنسبة الى اصحاب الادوار مثل حوادث هذا العالم بالنسبة الى الشمس والقمر وسائر الكواكب ولاشك ان عقول الناقصين تكمل بانوار عقول اصحاب الادوار فتقوى بقوة فهذا الكلام كلام معقول مرتب على هذا الاستقراء الذي يفيد القطع واليقين ۔

جو لوگ نبوت کے قائل ہیں ان میں دو فرقے ہیں ایک کا یہ مذہب ہے کہ نبوت کی دلیل معجزہ ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص نبوت کا مدعی ہو تو ہم دیکھینگے کہ اس کے پاس معجزہ ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو سچا نبی ہے۔ اور جب اس طرح اس کی نبوت ثابت ہو جائیگی تو جس بات کو وہ حق کہیگا ہم حق کہیں گے اور جس کو باطل کہیگا اس کو باطل قدیم اور عام مذہب یہی ہے میرے فریق کا یہ مذہب ہے کہ پہلے ہم کو خود یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ حق اور باطل کیا ہے۔ اس کے بعد جب ہمکو یہ نظر آئے کہ ایک شخص حق کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے اور اس دعوت کی تاثیر یہ ہے کہ لوگ باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف آتے جاتے ہیں تو ہم سمجھیں گے کہ وہ سچا پیغمبر ہے۔ یہ طریقہ قریب العقل اور قلیل الشبہات ہے۔

اسی دوسرے طریقہ کو ہم پوری تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ لیکن پہلے مقدمات ذیل ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔

(۱) انسان کا کمال یہ ہے کہ اس میں قوتِ نظری اور عملی دونوں کامل ہوں۔ قوتِ نظری کے کمال کے یہ معنی ہیں کہ

حقائق اشیاء کا اس کو صحیح علم ہو یعنی اس کے ذہن میں جس شے کا تصور آئے ٹھیک اصلی صورت میں آئے۔ قوتِ علمی کے کمال کے معنی یہ ہیں کہ نفس میں ایسا ملکہ پیدا ہوجائے کہ خود بخود اچھے کام سرزد ہوں۔

(۲) دنیا میں تین طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔ ناقص جن کی نظری اور علمی دونوں قوتیں ناقص ہوتی ہیں یہی عوام الناس ہیں۔ دوسرے کامل ہیں۔ لیکن دوسروں کو کامل نہیں کرسکتے یہ اولیاء اور صلحا ہیں۔ تیسرے وہ جو خود بھی کامل ہیں اور دوسروں کو بھی کامل کرسکتے ہیں۔ یہ انبیاء ہیں۔

(۳) قوتِ نظری اور علمی کے درجے بلحاظِ نقصان وکمال وشدت وضعف نہایت مختلف ہیں یہانتک کہ ان کی کوئی حد نہیں قرار پاسکتی۔

(۴) گو عموماً تمام لوگوں میں نقصان پایا جاتا ہے لیکن ضرور ہے کہ انہی میں کوئی ایسا کامل بھی ہو جو نقصان سے بمراحل دور ہو۔ اسکی تصدیق مختلف مثالوں سے ہوتی ہے۔

(۱) یہ ظاہر ہے کہ انسانوں میں کمال اور نقصان کے درجے نہایت متفاوت ہیں۔ نقصان کے مدارج بڑھتے بڑھتے اس حدتک پہنچ جاتے ہیں کہ بعض انسان عقل اور ادراک میں بالکل جانوروں سے قریب ہوجاتے ہیں۔ جب نقصان کی جانب یہ حال ہے تو ضرور ہے کہ کمال کی جانب بھی یہی حال ہو۔ یہانتک کہ انسانیت کی حدسرحد ملکوتیت سے ملجائے۔

(۲) استقرار بھی اس کی شہادت دیتا ہے۔ اقسام عنصری کی تین قسمیں ہیں۔ معدنیات۔ نباتات۔ حیوانات۔ ان سب میں افضل حیوان ہے۔ پھر نباتات۔ پھر معدنیات۔ حیوان کی بھی بہت سی نوعیں ہیں اور ان سب میں اشرف انسان ہے اسی طرح انسان کے بہت سے اصناف ہیں۔ مثلاً زنگی۔ رومی۔ شامی۔ فرنگی۔ اور ترک۔ ان سب میں جو لوگ ایشیا کے وسط حصہ میں سکونت رکھتے ہیں وہ سب سے افضل ہیں۔ اس قیاس پر ضرور ہے کہ خود اُن لوگوں میں بھی کمال کا درجہ متفاوت ہوکر بڑھتا جائے۔ یہانتک کہ ایسا شخص نکل آئے جو اپنے صنف میں بھی سب سے افضل ہو۔

ہر دور میں ایک ایسا شخص ہوتا ہے جو اپنے زمانہ کا افضل الناس ہوتا ہے صوفیہ اُسی کو قطب کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں۔ کیونکہ جب اس عالم جسمانی کا بہترین حصہ انسان ہے جو قوتِ نظریہ کی وجہ سے دنیا کا عمدہ سے عمدہ انتظام کرسکتا ہے تو عالم کا مقصودِ اصلی انسان ہے اور جب یہ شخص (قطب) اور تمام انسانوں سے بہتر ہے اور بڑھکر ہے تو گویا اس تمام عالمِ عنصری کا حاصل یہی شخص ہے۔ اسی بناپر اُس شخص کو عالم کا قطب کہنا بالکل صحیح ہے۔ **شیعہ اُسی کو امامِ معصوم صاحب الزمان علیہ السلام اور غائب عن العیان** کہتے ہیں۔ اور یہ کہنا اُن کا بجا ہے کیونکہ جب وہ نقائص سے خالی ہے تو معصوم ہے اور جب اپنے دور کا مقصد اصلی ہے تو صاحب الزمان ہے۔ اور چونکہ عام لوگ اُس کے حال سے واقف نہیں اسلئے وہ غائب عن العیان ہے۔ اس قیاس پر ایک شخص ایسا ہونا چاہئے جو سب سے افضل بھی ہو۔ ایسا شخص سینکڑوں ہزاروں برس میں کہیں جاکر پیدا ہوتا ہے اور وہی پیغمبر برحق اور موجد شریعت ہوتا ہے۔ اور ایسے اشخاص بھی ہوتے ہیں جو ان فضائل میں پیغمبر سے کم ہوتے ہیں۔ اور تمام لوگوں سے زیادہ۔ یہ امام اور قائم مقام پیغمبر ہوتے ہیں۔ امام کو پیغمبر سے وہ نسبت ہوتی ہے جو چاند کو آفتاب سے ہوتی ہے۔ امام سے جو کم رتبہ ہیں اُن کو پیغمبر سے وہ نسبت ہوتی ہے جو عام ستاروں کو آفتاب سے ہوتی ہے باقی عوام الناس کو وہ گویا حوادثِ یومیہ ہیں جو اجرامِ فلکی کی تاثیر سے وجود میں آتے رہتے ہیں۔

(۵) پیغمبر انسانیت کی آخر سرحد پر ہوتا ہے اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ ہر نوع کی انتہا دوسرے نوع کی ابتدا سے متصل ہے۔ اسلئے بشریت کی انتہا ملکوتیت کی ابتدا ہے اس بناپر پیغمبر میں ملکی صفات پائی جاتی ہیں۔ وہ جسمانیات

ہے۔ روحانیت اس پر غالب ہوتی ہے اُس کی قوتِ نظریہ کے آئینہ میں معارف الٰہی مرتسم ہوتے ہیں
اجسام میں طرح طرح کے تصرفات کر سکتی ہے اور اسی کا نام معجزہ ہے۔

تو امام فخر الدین رازی کی کتاب مقاصدِ عالیہ کی ہے اور اردو ترجمہ مولوی شبلی صاحب نعمانی کی
نقل کیا گیا ہے۔ اس عبارت سے۔

امام میں اتحاد نوعی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک نوع اور ایک صنف کے ہوتے ہیں کہ ایک کو
ور دوسرے کو ماہتاب۔

لوم ہوا کہ ایسے شخص کا خلیفہ اور جانشین ہونا اور ہر دور میں رہنا بھی ضروری ہے۔ اور اسی کی طرف
طاہرین علیہم السلام میں اشارہ ہے کہ زمین حجتِ خدا سے خالی نہیں رہتی یعنی ہر وقت حجتِ
ہے۔

ہ یہ بھی معلوم ہو کہ جو عقیدہ شیعوں کا دربارۂ جنابِ صاحب الامر علیہ السلام ہے کہ وہ زندہ ہیں
العصر والزماں ہیں۔ معصوم ہیں۔ آنکھوں سے غائب ہیں۔ وہ سب سچ اور برحق ہے۔ یہ فخر
جو اہل سنت کے امام علی الاطلاق ہیں۔ یعنی جب الفاظ امام بولا جاتا ہے تو سنیوں کے نزدیک وہی
حکمت اور فلسفہ کے اتنے بڑے استاد ہیں کہ اپنا ہمعصر نہیں رکھتے۔ تصوف سے کوئی واسطہ نہیں۔
لہ بمذاقِ تصوف انھوں نے ایسا لکھا ہے۔ پھر اِن دلائل و براہینِ واضح کو دیکھکر کون ایسا بے عقل
ش شیعوں نے اپنے عقائد کے اثبات اور اپنے امام علیہ السلام کے اظہارِ صفات کے لئے یہ فرضی
جن کا نشان سوائے اُن کی خاص ترکیب اور تربیت دادہ کتابوں کے اسلام کے کسی اور فرقہ کے اصول
میں نہیں پایا جاتا۔ اب وہی حضرات اپنے محدثین۔ مورخین۔ مفسرین اور متکلمین کے۔ غرض شریعت
ں مسلکوں کے علمائے معتمدین اور فضلائے متبحرین جن کے نام۔ جن کی معتبر اور مستند تصانیف و تالیف
ترجمہ کے اوپر لکھی گئی ہیں اُن کے اقوال و ارشادات کو ملاحظہ فرماکر خود اپنے اعتراض کا تصفیہ کرلیں کہ
عتراض بمقابلہ اُن اقوال و ارشادات کے کیسے بے اصل بے دلیل اور بے بنیاد ثابت ہوتے ہیں۔ بلکہ بخلاف
رات آئمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے متعلق جو شیعوں کے عقائد ہیں وہی اِن کو بھی رکھنے
پرستی کے عیب نے ان کو اس عالم خود مستی۔ حق پوشی اور پنبہ بگوشی کی مصیبتوں میں گرفتار کر رکھا
ہ خود جواب دہ اور ملزم قرار دئے جائینگے۔ اور نہ کوئی دوسرا۔

م فخر الدین رازی کے اس فلسفیانہ کلام کے بعد اگرچہ ہمکو کسی دوسرے ثبوت کے پہنچانے کی کوئی ضرورت
چونکہ اس زمانہ میں وہابیوں (اہلحدیث) کا بڑا زور و شور ہے اور ان کی تمام تقریریں نیچری رنگ سے
لئے ہم ان کے کلام سے بھی ضرورتِ وجود بقائے حضرت امام مہدی علیہ السلام ثابت کرتے ہیں
ب صدیق حسن خانصاحب اپنی کتاب المامول میں لکھتے ہیں۔

خلو العصر عن المجتہدین ام لا فذھب جمع الی انہ لا یجوز خلو الزمان عن مجتہد قائم
بیبّن للناس ما نزل الیھم وبہ قال الحنابلۃ ویدل علی ذٰلک ما صح عنہ۔ مجتہدین
ہتا ہے یا نہیں اس امر پر اتفاق ہے کہ کوئی زمانہ مجتہد قائم حجۃ اللہ سے خالی نہیں ہے۔ جو انسان
بتلا دے جو اُن کے لئے واجب التعمیل قرار دئے گئے ہیں۔ اور اسی طرف فرقۂ حنابلہ کے

لوگوں کا قول ہے جو اُن کے نزدیک صحت کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے۔
فرقہ اہل حدیث کے سرآمد متکلمین کی رائے بھی اس مسئلہ میں معلوم ہو چکی۔ اس سے زیادہ توضیح کے لئے حصول المامول کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائی جائے۔ اب سوادِ اعظم اہلسنت والجماعۃ دائرہ میں کونسا فرقہ ایسا بچ گیا ہے جو اس خاص مسئلہ میں شیعوں کے خلاف عقائد رکھتا ہوا پایا جائے۔
بہرحال ان تمام اقوال وارشادات پر نظر ڈالنے سے یہ امر بخوبی ثابت ہوگیا کہ جناب امام آخر الزماں کے متعلق جو اعتقاد شیعوں کا ہے وہی سنیوں کا بھی ہے اور عام متعصبین یا چند ناواقفین کا یہ اہل سنت کے وہ عقائد نہیں ہیں جو شیعوں کے ہیں ہرگز قابل اعتبار نہیں ہو سکتا۔ ہاں جو کہ شیعوں کا اس مسئلہ میں اعتقاد کے ساتھ عمل بھی ہے اور سنیوں کو اعتقاد کا اعتراف تو ضرور ہے عمل نہیں ہے۔ دنیا کی تمام قوموں پر ظاہر ہے کہ عدم تعمیل کیلئے کسی شریعت کے احکام ہوا کرتے نہیں چاہے اُسپر عمل کریں چاہے نہ کریں۔ اسکو نہ شریعت سے کوئی واسطہ ہے نہ شارع سے۔
بہرحال۔ اس بحث کو تمام جزوی وکلی اسباب دلائل وبراہین کے ساتھ ختم کرکے ہم اپنے تمام تالیفی مضامین کو تمام کرتے ہیں اور اپنی کتاب کے ناظرین باتمکین سے امید رکھتے ہیں کہ وہ اُن مطالب سے جو ترتیب وار سلسلہ کے ساتھ اس کتاب میں جمع کئے گئے ہیں پورے طور سے سمجھ لیں گے کہ صاحب العصر علیہ السلام کے وجود اور آپ کی امامت کا مسئلہ بھی دائرۂ اسلام میں ویسا ہی متفق اور معتبر بین الفریقین ہے جیسے اور مسائل مگر جس طرح اور مسائل میں امرا پرستی خوشامد سلاطین تعصب اور نفسانیت نے اختلاف پیدا کر دیا ہے اسی طرح اس میں بھی۔ اور یہ بات ایک تحقیق غائر نگاہ رکھنے والے شخص سے ہرگز پوشیدہ نہیں رہ سکتی +

تمت بالخیر والعافیت

کوآتھ ضلع آرہ — المؤلف

یازدہم صفر روز دوشنبہ ۱۳۳۱ہجری — سید اولاد حیدر بلگرامی

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ وآلہ المیامین۔
ایں کتاب مستطاب درالمقصود فی احوال المھدیؑ الموعود سلام علیہ
من رب الودود کہ از عرصہ چہار سال زیر تالیف وتسوید ایں حقیر سراپا
تقصیر بود امروز بتاریخ یازدہم صفر المظفر روز دوشنبہ ۱۳۳۱ھ
باتمام رسید۔ والحمد للہ رب العالمین
وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ
محمد وآلہ
اجمعین
آمین